فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۰)

المجلد العاشر

بقية الجنائز من الصلوٰة الجنائز

الى باب الشهيد، كتاب الزكوٰة

۳۸۹۴ ——— ۴۴۰۴

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الھند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

١٠/بقية كتاب الجنائز

٦/باب صلاة الجنازة

مسئلہ نمبر: صفحہ نمبر

۱۲/باب التدفین

۱۳ / باب الدعاء بعد الدفن وغیره

۱۴ / باب إلقاء الأشجار والعطور......

١٥/ باب البناء علی القبور

١٦/ باب التعزیة والحداد (سوگ منانا)

۱۷ / باب زیارۃ القبور

۱۸/باب ایصال الثواب للمیت

۱۹ / باب الشهيد

١١ / کتاب الزکوٰۃ

١/باب الزکاۃ ومتعلقاتہا

۲/باب وجوب الزکاۃ

۳/باب زکاة الذهب والفضة والحلي

۴/باب أموال التجارة

۵/باب أداء الزکوٰة

۶/باب المصرف

۱۰ بقیۃ کتاب الجنائز

۱۰ / باب صلاۃ الجنازۃ

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

نماز جنازہ کا مسنون طریقہ

سوال: [۳۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اس کی ترکیب اور کیفیت کیا ہے؟ اس کو بیان فرمائیں عین نوازش ہوگی، بینوتو جروا۔

المستفتي: شعیب احمد، میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو جائے، اور مقتدی امام کے پیچھے صف بندی کریں، اور ہر دو صف کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف معمولی فاصلہ کافی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ کم از کم تین صف بنائیں، لہٰذا اگر مقتدی کم ہوں، مثلاً صرف پانچ ہی آدمی ہوں، تو پہلی اور دوسری صف میں دو دو اور تیسری صف میں ایک شخص کھڑا ہو اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جس کے جنازہ میں تین صفیں ہوں، اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، اور جنت نصیب ہوتی ہے، اس کے بعد نماز جنازہ شروع کرنے کے لئے امام تکبیر کہے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ

اٹھا کر باندھ لے اور اس کے بعد ثناء پڑھے، پھر ثناء سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر دوسری تکبیر کہے، اور درود ابراہیمی پڑھے اور درود ابراہیمی سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر تیسری تکبیر کہہ کر بالغ مرد وعورت کے لئے مذکورہ دعا پڑھے۔

اللّٰهم اغفر لحينا، وميتنا، وشاهدنا، وغائبنا، وصغيرنا، وكبيرنا، وذكرنا، وأنثانا، اللّٰهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان.

لیکن اگر میت بالغ کی جگہ نابالغ لڑکا یا لڑکی ہے، تو دعاء میں درج ذیل الفاظ پڑھے۔

اللّٰهم اجعله لنا فرطاً و اجعله لنا أجراً وذخراً، واجعله لنا شافعاً ومشفعاً. البتہ لڑکی کی صورت میں **اجعلها** پڑھے، پھر اس کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے اور چھوڑنے کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دے، دلائل ملاحظہ فرمائیے:

عن مرثد بن عبدالله اليزني قال: كان مالك بن هبيرة إذا صلىٰ على جنازة، فتقال الناس عليها جزّأهم ثلاثة أجزاء، ثم قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى عليه ثلاثة صفوف فقد أوجب. (سنن الترمذي، الجنائز، باب كيف الصلاة على الميت والشفاعة له، النسخة الهندية ١/ ٢٠٠، دارالسلام رقم: ١٠٢٨)

عن أبي هريرةؓ، قال نعى النبى ﷺ إلى أصحابه النجاشي، ثم تقدم فصفوا خلفه فكبر رابعاً. (صحيح البخارى، الجنائز، باب الصفوف على الجنازة، النسخة الهندية ١/ ١٧٦، رقم: ١٣٠٤، ف: ١٣١٨)

عن الشعبى قال: التكبيرة الأولىٰ على الميت ثناء على الله، والثانية صلاة على النبى صلى الله عليه وسلم، والثالث دعاء للميت، والرابعة تسليم. (مصنف عبد الرزاق، باب القراءة والصلاة فى الدعاء للميت، المجلس العلمي ٣/ ٤٩١، رقم: ٦٤٣٤)

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ كان إذا صلى على جنازة، قال:

اللّٰهم اغفر لحينا، وميتنا، وشاهدنا، وغائبنا، وصغيرنا ، وكبيرنا،وذكرنا ، وأنثانا، اللّٰهم من أحييته منّا فأحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان . (المستدرك ، كتاب الجنائز ، قديم ۱/۳۵۸، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ۲/۵۱۲، رقم: ۱۳۲۶ ، سنن الترمذى الجنائز، باب مايقول فى الصلاة على الميت ، النسخة الهندية ۱/۱۹۸، دارالسلام رقم: ۱۰۲٤)

عن يونس عن الحسن أنه كان إذا صلى على الطفل قال: اللّٰهم اجعله لنا فرطاً واجعله لنا أجراً . (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب الدعاء على الطفل ، المجلس العلمي۳/۵۲۹، رقم: ٦۵۸۸)

وفى الصبي والمجنون يقول: اللّٰهم اجعله لنا فرطاً ، واجعله لنا ذخراً، واجعله لنا شافعا ومشفعاً. (شرح النقايه ، باب فى الجنائز ، مكتبه اعزازيه ديوبند ۱/۱۳٤)

وسننها أربع: قيام الإمام بحذاء صدر الميت ذكراً أو أنثىٰ والثناء بعدالتكبيرة الأولىٰ ، والصلاة، على النبى ﷺ بعد الثانية ، والدعاء للميت بعد الثالثة ..... ويسلم بعد الرابعة من غير دعاءٍ . (نورالإيضاح ، باب أحكام الجنائز ، كتب خانه امداديه ديوبند/۱۲۹، ۱۳۰)

ولا يعقد بعد التكبير الرابع؛ لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح أنه يحل اليدين ثم يسلم . (سعايه شرح شرح الوقايه ، كتاب الصلاة ، باب صفة الصلاة ۲/۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۶۲)	۱۴۳۵/۶/۷ھ

نماز جنازہ کی نیت کس طرح کی جائے

سوال: [۳۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

نیت کی میں نے جنازہ کی نماز فرض کفایہ چار تکبیروں کے ساتھ دعا واسطے اس میت کے ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے حضور ﷺ کے منھ میرا کعبہ شریف کی طرف پیچھے اس امام کے اللہ اکبر، اس تفصیل کے ساتھ نیت کا ثبوت کہیں سے ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو نیت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ نیت کے عربی الفاظ بھی نقل فرمادیں، جواب بحوالہ عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد افتخار، پوکھر بھنڈا، ضلع دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ الفاظ کا استعمال کرنا، قرآن وحدیث اور ائمۂ مجتہدین میں سے کسی سے ثابت نہیں اور نہ ہی اس کے عربی الفاظ قرآن وحدیث اور کسی فقہ کی کتاب میں موجود ہیں، بلکہ یہ بعد کے لوگوں کے اپنی طرف سے بنائے ہوئے الفاظ ہیں، اس لئے نماز جنازہ میں اتنی نیت کر لینا کافی ہے، کہ میں اس امام کے پیچھے اس میت کی دعاء کیلئے نماز جنازہ پڑھتا ہوں، اور یہ بھی کہنا زبان سے ثابت نہیں ہے، بلکہ صرف دل ودماغ میں سوچ لینا کافی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۸۹، جدید ڈابھیل ۸/ ۵۴۸، بہشتی زیور ۱۱/ ۳۱)

وفی صلوٰۃ الجنازۃ ینوی الصلوٰۃ للّٰہ تعالیٰ و الدعاء للمیت.

(الأشباہ قدیم / ٦٢)

وفي صلاۃ الجنازۃ ینوی الصلاۃ للّٰہ تعالیٰ، والدعاء للمیت. (ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الفصل الرابع فی النیۃ زکریا ١/ ٦٦، جدید٢/ ١٢٣ حلبی کبیر، الصلاۃ، الشرط السادس النیۃ، اشرفیہ دیوبند /٢٤٩، البنایہ، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ التي تتقدمها، اشرفیہ دیوبند٢/ ١٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم/۵/ ۱۴۲۱ھ

نماز جنازہ کا طریقہ

سوال: [۳۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ میں مقتدی امام کے پیچھے درود شریف اور میت کی دعاء جو پڑھی جاتی ہے وہ پڑھے یا خاموش رہے، اسی طرح جنازہ کی نماز میں کتنے فرائض ہیں، اور کتنی سنتیں ہیں، یعنی کیا کیا رکن فرض اور کیا کیا سنتیں ہیں، مفصل ومدلل انداز میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد مصطفیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح امام پر تکبیرات کہنا فرض ہے، اسی طرح مقتدی کیلئے بھی تکبیرات کہنا فرض ہے، جس طرح امام کیلئے ثناء دورد شریف اور دعا وغیرہ پڑھنا مسنون ہے، اسی طرح مقتدی کیلئے بھی مذکورہ چیزیں پڑھنا مسنون ہے، غرض یہ کہ جو چیزیں امام پر فرض ہیں، وہی مقتدی پر بھی فرض ہیں، اور جو چیزیں امام کیلئے مسنون ہیں، وہی چیزیں مقتدی کے حق میں بھی مسنون ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ امام تکبیرات اور سلام بلند آواز سے کہے گا، اور مقتدی آہستہ سے کہیں گے۔

والإمام والقوم فیہ سواء .... ویخافت فی الکل إلا فی التکبیرات والإمام والقوم فیہ سواء. (عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت زکریا ۱/۱۶۴، جدید ۱/۲۲۵)

ویسر الکل إلا التکبیر ..... لکن فی البدائع ! العمل فی زماننا علی الجهر بالتسلیم. (درمختار مع الشامی کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب هل یسقط فرض الکفایۃ بفعل الصبي کراچی ۲/۲۱۳، زکریا ۳/۱۱۱)

اورنماز جنازہ میں دوفرض ہیں (۱) چار تکبیریں۔ (۲) قیام اور ایک واجب سلام ہے پھیرنا، اور تین چیزیں مسنون ہیں، (۱) پہلی تکبیر کے بعد ثناء۔ (۲) دوسری تکبیر کے بعد درود

شریف۔ (۳) تیسری تکبیر کے بعد دعاء۔

ورکنها التكبيرات والقيام. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي كراچی ۲۰۹/۲، زكريا۱۰۵/۳، مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، باب أحكام الجنائز، فصل فى الصلوٰة عليه جديد دارالكتاب ديوبند/۵۸۰، قديم/۳۱۸)

ويسلم وجوبا بعد التكبيرة الرابعة من غير دعاء بعدها فى ظاهر الرواية.

(مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، جديد مكتبه دارالكتاب قديم/ ۳۲۱)

والثناء بعد التكبيرة الأولىٰ والصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم بعد التكبيرة الثانية والدعاء للميت ولنفسه وجماعة المسلمين بعد التكبيرة الثالثة الخ. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، أحكام الجنائز، فصل فى الصلاة، عليه، دار الكتاب ديوبند/۵۸۳، ۵۸۴، قديم/ ۳۲۰، شامى كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنائز، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبى كراچى ۲۰۹/۲، زكريا ۱۰۶/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
۱۴۲۱/۶/۵ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۲۹/۳۵)

کیا جنازہ میں مقتدی کیلئے دعاء پڑھنا لازم ہے؟

سوال: [۴۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کی نماز میں دعائیں پڑھنا مقتدی کیلئے ضروری ہے؟

المستفتي: ولی الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جنازہ میں دو چیزیں فرض ہیں، (۱) چار تکبیرات۔

(۲) کھڑے ہوکر نماز پڑھنا اور تین چیزیں سنت ہیں۔
(۱) حمد وثناء جس کو ثناء پڑھنے سے تعبیر کرتے ہیں، (۲) درود شریف پڑھنا۔
(۳) اخیر میں دعاء پڑھنا۔

عن سعيد بن أبي سعيد المقبري عن أبيه أنه سأل أبا هريرة كيف تصلي على الجنازة ؟ فقال أبو هريرةؓ : أنا لعمر الله أخبرك اتبعها من أهلها ، وإذا وضعت كبرت ، وحمدت الله ، وصليت على نبيه ثم أقول اللّٰهم إنه عبدك . الحديث: (موطا مالك ، الجنائز ، باب مايقول المصلي على الجنازة ، النسخةالهندية / ۷۹)

عن الشعبي قال: التكبيرة الأولىٰ على الميت ثناء على الله ، والثانية صلاة على النبي ﷺ ، والثالثة دعاء للميت ، والرابعة تسليم . (مصنف عبدالرزاق ، باب القراءة والدعاء في الصلاة على الميت ، المجلس العلمي ۳/ ۴۱۹، رقم: ۶۴۳۴)

وركنها التكبيرات ، والقيام ، وسننها التحميد، والثناء والدعاء فيها. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ، كتاب صلاة ، باب صلاة الجنازة ، زكريا۳/ ۱۰۵، ۱۰۶، كراچی ۲/ ۲۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۰۵)

متعدد میتوں پر ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھنا

سوال: [۳۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر ایک ساتھ دو چار جنازے آجائیں تو ان سب کی نماز ایک ساتھ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟
(۲) اگر کئی جنازے ایک ساتھ آجائیں تو ان جنازوں کی چارپائیاں کس طرح رکھی

جائیں، اور امام صاحب کہاں کھڑے ہوں؟

المستفتي: عبدالسبحان، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر ایک ساتھ کئی جنازے آجائیں تو ان سب کی نماز الگ الگ پڑھنا لازم یا ضروری نہیں ہے، بلکہ سب کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنا بھی بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

عن ابن عباس قال: أتي بهم رسول الله ﷺ يوم أحد فجعل يصلى على عشرة عشرة وحمزة هو كما هو، يرفعون وهو كما هو موضوع.

(سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في الصلاة على الشهداء ودفنهم، النسخة الهندية ۱۰۹/۱، دارالسلام رقم: /۱۵۱۳، وهكذا في مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب إذا اجتمعت الجنائز الرجال، المجلس العلمي ۴۶۹/۳، رقم: ۶۳۵۶، شرح معاني الآثار، باب الصلاة على الشهداء بيروت ۳۳/۲، رقم: ۲۸۱۲)

ولو اجتمعت الجنائز يخير الإمام إن شاء صلى على كل علىٰ حدة، وإن شاء صلىٰ علىٰ الكل دفعة بالنية على الجميع. (عالمگیری، الباب الحادی والعشرون، فی صلاة الجنازة، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت زکریا ۱۶۵/۱، جدید ۲۲۶/۱)

(۲) اگر متعدد میتوں کی نماز ایک ساتھ پڑھنا ہو تو ان کی چار پائیوں کے رکھنے کی مختلف شکلیں فقہاء نے بیان کی ہیں، اور ان میں آسان شکل یہی ہے کہ سب کے سینے ایک دوسرے کے مقابل اور برابر میں ہوں، اور امام ان تمام میتوں کے سینے کے برابر میں کھڑا ہو جائے۔

عن إبراهيم في الجنائز إذا اجتمعت قال: تصفها صفا، بعضها أمام بعض وتصفها جميعاً يقوم الإمام وسطها، الحديث: (كتاب

الآثار لمحمد بن الحسن ، الجنائز ، باب الصلاة على جنازة الرجال و النساء ، الرحيم اكيڈمی كراچی ۱/۲۱٤، رقم: ۲٤۳)

وإن شاء جعلها صفا ممايلي القبلة و احداً خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة ممايلي الإمام ليقوم بحذاء صدر الكل . (در مختار مع الشامی ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ،كراچی ۲/۲۱۹، زكريا ۳/۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۳/۱۴۲۸ھ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنا

سوال: [۳۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور قرأت کا ثبوت سراً یا جہراً کسی حدیث سے ہے یا نہیں؟ ایک صاحب فرماتے تھے، کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟

المستفتي: بشیر الدین، مونگیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر موجود ہے، دوسری سورتیں پڑھنا کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضـ أن النبى ﷺ قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب .

الحديث: (ترمذی ، الجنائز ، باب ماجاء فی القراء ة على الجنازة بفاتحة الكتاب ، النسخة الهندية ۱/۱۹۸، دارالسلام رقم: ۱۰۲٦)

درحقیقت بات یہ ہے کہ نماز جنازہ میں دعاء کا حکم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

أبو ابراهيم الأشهلي عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه

وسلم إذا صلى على الجنازة، قال: اللّٰهم اغفر لحينا وميتنا، وشاهدنا، وغائبنا، وصغيرنا، وكبيرنا، وذكرنا، وأنثانا (إلىٰ قوله) اللّٰهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان. (ترمذی، الجنائز، باب مایقول فی الصلاۃ علی المیت ،النسخۃ الھندیۃ ۱/۱۹۸، دارالسلام رقم: ۱۰۲۴)

عن أبي هريرةؓ سمعت النبي ﷺ يقول: إذا صليتم على الميت فأخلصوا له الدعاء. (سنن أبي داؤد، الجنائز، باب الدعاء للميت، النسخة الهندية ۲/۴۵۶، دارالسلام رقم: ۳۱۹۹)

اورسورۂ فاتحہ کوقرأت کے ارادہ سے نہیں بلکہ دعا کے ارادہ سے پڑھنے کی گنجائش ہے، اورابن عباس کی روایت میں دعاء کے ارادہ سے پڑھنا مقصود ہے۔

ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء، فلا بأس به، وإن قرأها بنية القراءة لا يجوز، لأنها محل الدعاء دون القراءة. (هنديه، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت زكريا ۱/۱۶۴، جديد ۱/۲۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۸/۱۱/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۱/۱۴۱۵ھ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال: [۳۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں نام نہاد اہل حدیث (غیر مقلدین) اکثر وبیشتر مسائل کے متعلق بحث کرتے رہتے ہیں، جس کی بنا پر میرے ذہن میں بھی بسا اوقات خلجان پیدا ہوجاتا ہے، امید ہے کہ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

کیا حضور اکرم ﷺ سے بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے؟ اگر نہیں تو

احناف کا مسلک اس کے برخلاف کیوں ہے؟

المستفتي: ابوالکلام، سدھارتھ نگری۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا صاف طور پر حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے سے متعلق حضرات صحابہؓ سے منقول ہے، حضور ﷺ سے پڑھنا ثابت نہیں ہے، حضور ﷺ کے بعد بہت سے صحابہ سے بھی سورۂ فاتحہ کا نماز جنازہ میں نہ پڑھنا ثابت ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن أبی سعید المقبری عن أبیه أنه سأل أبا هریرة کیف تصلي علی الجنازة فقال: أبو هریرة إنا لعمر اللّٰه أخبرک اتبعهامن أهلها، فإذا وضعت کبرت وحمدت اللّٰه وصلیت علیٰ نبیه ثم أقول اللّٰهم عبدک وابن عبدک وابن أمتک کان یشهد أن لا إلٰه إلا أنت وأن محمداً عبدک ورسولک، وأنت أعلم به اللّٰهم إن کان محسنا فزد في إحسانه، وإن کان مسیئاً فتجاوز عنه سیآته، اللّٰهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده. (مصنف ابن أبی شیبه، الجنائز، مایبدأ فی التکبیرة الأولیٰ فی الصلاة علیه الخ، مؤسسه علوم القرآن ۷/۲۵۲، ۳/۲۹۵، رقم: ۱۱۴۹۵، مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب القراءة والدعاء فی الصلاة علی المیت المجلس العلمي ۳/۴۸۸، حدیث: ۶۴۲۵)

عن نافع أن ابن عمر کان لا یقرء فی الصلاة علی الجنازة. (مصنف ابن أبی شیبه، کتاب الجنائز، من قال لیس علی الجنازة قراءة مؤسسه علوم القرآن ۷/۲۵۸، ۳/۲۹۸، رقم: ۱۱۵۲۲)

أن ابن مسعود قال: إن النبی ﷺ لم یوقت فیها قولا ولا قراءة.

(مغنی ابن قدامه بیروت ۲/۱۸۰)

عن علی أنه کان إذا صلی علیٰ میت یبدأ فیحمد الله ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ثم یقول ألّٰلهم اغفرلأحیائنا وأمواتنا وألف بین قلوبنا وأصلح ذات بیننا و اجعل قلوبنا علی قلوب خیارنا .
(مصنف ابن أبی شیبه ، الجنائز ، من قال لیس علی المیت دعاء الخ مؤسسه علوم القرآن ۷/ ۲۵۱ ، ۳/ ۲۹۵، رقم: ۱۱٤۹٤)

عن أبي المنهال قال سألت أبا العالیة عن القراء ة فی الصلاة علی الجنازة بفاتحة الکتاب فقال ماکنت أحسب أن فاتحة الکتاب تقرء إلا فی صلوٰة فیها رکوع وسجود . (مصنف ابن أبي شیبه ، کتاب الجنائز ، من قال لیس علی الجنازة قراء ة جدید مؤسسه علوم القرآن ۷/ ۲۵۸، ۳/ ۲۹۹، رقم: ۱۱۵۲٤)

عن موسیٰ بن علی عن أبیه قال قلت لفضالة بن عبیدة هل یقرء علی المیت شیء قال لا. (مصنف ابن أبی شیبه ، الجنائز، من قال لیس علی الجنازة قراء ة مؤسسه علوم القرآن ۷/ ۲۵۹، ۳/ ۲۹۹، رقم: ۱۱۵۲۵)

عن سعید بن أبي بردة عن أبیه قال: قال له رجل أقرء علی الجنازة بفاتحة الکتاب، قال: لا تقرء . (مصنف ابن أبي شیبه ،الجنائز ، من قال لیس علی الجنازة قراءة مؤسسه علوم القرآن ۷/ ۲۵۹، رقم: ۱۱۵۲٦ ، ۳/ ۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲/ ۷/ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۲)	۲/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بنیت قرأت حنفیہ کے یہاں کیوں ممنوع ہے؟

سوال: [۳۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز

جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں؟ تو کن کن ائمہ کے نزدیک جائز ہے؟ اور حنفیہ کے یہاں عدم جواز کی علت کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں بنیت قراءت سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مکروہ ہے، حنفیہ مکروہ تحریمی کے قائل ہیں اور مالکیہ مکروہ تنزیہی کے، ہاں دعا کی نیت سے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی مطلقاً اجازت ہے، اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بنیت قراءت سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بنیت قراءت سورۂ فاتحہ کے نماز جنازہ میں مکروہ ہونے کی علت یہ ہے کہ نماز جنازہ قرائت کا محل نہیں ہے بلکہ یہ موقع دعا ہے۔

وقراءة الفاتحه مكروهة تحريماً بنية التلاوة، جائزة بنية الدعاء عند الحنفية ومكروهة تنزيها عند المالكية، وركن عند الآخرين. (الفقه الإسلامی وادلته صلاة الجنازة، وأحكام الجنائز والشهداء والقبور، مكتبه هدى انٹر نیشنل۲/۴۳٦)

وليس فيها قراءة القرآن عندنا وهو قول عمر وابنه وعلي وأبي هريرةؓ وبه قال: مالک وقال الشافعیؒ و أحمدؒ يقرأ الفاتحة فی الأولیٰ وهو مروي عن ابن عباس أنه صلى على جنازة فقرأ فاتحة الكتاب قال لتعلموا أنها سنة رواه الترمذی وغيره، ولنا ماقد مناه من قول عمر وغيره ولو قرأ الفاتحة بنية الثناء والدعاء جاز. (حلبي كبير، الصلاة، فصل فی الجنائز/۵۸٦، مكتبه اشرفيه)

ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلا بأس به، وإن قرأها بنية القراءة لا يجوز لأنها محل الدعاء دون القراءة. (هنديه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت، زكريا ۱/۱٦٤، اتحاد جديد ۱/۲۲۵)

وعين الشافعي الفاتحة في الأولىٰ وعندنا تجوز بنية الدعاء وتكره بنية القراء ة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه الصلاة والسلام ، وتحته في الشامية : وبه قال أحمد ، لأن ابن عباسؓ صلى على جنازة فجهر الفاتحة وقال عمداً فعلته ليعلم أنها سنة ، ومذهبنا قول عمر وابنه وعلي وأبي هريرةؓ وبه قال مالك كما في شرح المنية ، وقوله تكره بنية القراء ة : في البحر، عن التجنيس والمحيط : لا يجوز لأنها محل الدعاء دون القراء ة ومثله في الولوالجية والتاتار خانية وظاهره أن الكراهة تحريمية . (شامی ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، زكريا٣/ ١١١ ، كراچی ٢/ ٢١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۸)

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورۃ

سوال: [۳۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورۃ کرنا نیز جہر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر مذکورہ باتوں کا ثبوت ہے تو وہ مقتدی جو متبعین امام ابوحنیفہؒ ہیں کیا کریں؟ آیا وہ بھی امام کیساتھ پڑھیں یا خاموشی کے ساتھ سنیں، اور صرف تکبیرات کہیں: یا نماز ہی نہ پڑھیں، احناف کی نماز کس شکل میں صحیح ہوگی؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : نماز جنازہ میں بنیت قرأت سورۂ فاتحہ کا پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، البتہ اگر بنیت دعا سورۂ فاتحہ پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن جہراً پڑھنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے، اور ضم سورۃ کسی طرح جائز نہیں ہے، کیونکہ سورۃ

بنیت دعا نہیں پڑھی جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۱۷، ۵/ ۳۲۶، ۵/ ۳۴۷)

ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلا بأس به وإن قرأها بنية القراءة لا يجوز لأنها محل الدعاء دون القراءة الخ. (فتاویٰ عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت زکریا ۱/ ۱۶۴، جدید ۱/ ۲۲۵، شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ، زکریا ۳/ ۱۱۱، کراچی ۲/ ۲۱۳، ۲۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۸/۶/۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۵۴۱۳)

نماز جنازہ میں ہر تکبیر پر ہاتھ کیوں اٹھایا جاتا ہے؟

سوال: [۳۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیگر ائمہ کے نزدیک نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ہر تکبیر پر ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے ہیں صرف پہلی تکبیر ہی پر اٹھائے جاتے ہیں، دونوں فریق کی دلیل کیا ہے؟ جواب دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کی صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھانا مسنون ہے ان کی دلیل درج ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔

عن ابن عباس رضؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه على الجنازة في أول تكبيرة ثم لا يعود. (سنن الدار قطنی، کتاب الجنائز، باب وضع الیمنی علی الیسری، ورفع الأیدی عند التکبیر دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۶۲، رقم: ۱۸۱٤)

عن أبي هريرة رضؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كبر على الجنازة فرفع يديه فى أول تكبيرة ووضع اليمنى على اليسرىٰ. (ترمذی شریف، الجنائز، باب ماجاء

في رفع اليدين على الجنازة ،النسخة الهندية ١/٢٠٦، رقم:٢٠٦، دارالسلام رقم: ١٠٧٧)

عن معمر عن بعض أصحابنا أن ابن عباسؓ كان يرفع يديه فى التكبيرة الأولىٰ ثم لايرفع بعد وكان يكبر أربعاً. (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الجنائز ، باب رفع اليدين فى التكبير على الجنائز ، المجلس العلمي٣/ ٤٧٠، رقم: ٦٣٦٢)

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز جنازہ کی ہر رکعت میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے،ان حضرات کی دلیل درج ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔

أن ابن عمر كان يرفع في التكبيرات الأربع على الجنازة. (مصنف عبد الرزاق ، الجنائز ، باب رفع اليدين فى التكبير على الجنائز ، المجلس العلمي٣/ ٤٧٠، رقم: ٦٣٦٠)

عن نافع عن ابن عمر قال كان يرفع يديه فى كل تكبيرة على الجنازة. (مصنف ابن أبى شيبه ، فى الرجل يرفع يديه فى التكبير على الجنازة ، مؤسسه علوم القرآن جديد٧/٢٥٤، رقم: ١١٤٩٨)

أن عمر بن عبد العزيز كان يرفع يديه فى كل تكبيرة من تكبير الجنازة . (مصنف ابن أبي شيبه ، فى الرجل يرفع يديه فى التكبير على الجنازة ، مؤسسه علوم القرآن جديد٧/٢٥٤، رقم: ١١٤٩٩)

عن معمر عن الزهرى قال: ترفع يديك فى كل تكبيرة من التكبيرات الأربع وبه نأخذ. (مصنف عبد الرزاق ، الجنائز ، باب رفع الدين فى التكبيرعلى الجنائز ، المجلس العلمي٣/ ٤٦٩، رقم: ٦٣٥٧)

لہٰذا اس مسئلہ میں کسی کوکسی پرنکیرنہیں کرنی چاہیئے ،کیونکہ دلائل سب کے پاس موجود ہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۳/۵/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/۱۱۵۲۶)

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنے کا مسئلہ

سوال: [۳۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ میں دعا سے فارغ ہونے کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ چھوڑ دینا پھر دونوں طرف سلام پھیرنا کیسا ہے، اور ہاتھ چھوڑنے کی کیا وجہ ہے، کیا ہاتھ چھوڑنے سے سنت کا ترک کرنا لازم تو نہیں آتا، قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: لئیق احمد رفیقی نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: افضل اور اولیٰ نماز جنازہ میں یہی ہے کہ دعا پڑھ کر چوتھی تکبیر کہنے کے بعد پہلے ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، اور اسکے بعد سلام پھیرا جائے، اسلئے کہ چوتھی تکبیر کہنے کے بعد سلام پھیرتے وقت نہ تو کوئی دعا ہے، اور نہ تحریمہ باقی ہے لہذا ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرنا ہی افضل اور اولیٰ ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/ ۳۲۹، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۹۶، جدید زکریا ۴/ ۱۰۹، جدید زکریا مطول ۵/۲/ ۳۵۲، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۹۹، جدید زکریا ۷/ ۳۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/ ۴۶۰، جدید ڈابھیل ۸/ ۵۵۵، امداد الفتاویٰ ۱/ ۷۳۵، امداد الأحکام ۲/ ۴۴۲)

ولايعقد بعد التكبير الرابع لأنه لا يبقىٰ ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح أنه يحل اليدين ثم يسلم الخ. (سعايه شرح شرح وقايه، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة ۲/ ۱۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۶۹)

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دینا

سوال: [۳۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز

جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام کے وقت ہاتھ باندھے رہیں یا ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیریں شرعی مسئلہ واضح فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد عمران، سیوہارا، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کہنے کے بعد پہلے ہاتھ چھوڑ دیں اس کے بعد سلام پھیریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام پھیرتے وقت نہ تو تحریمہ باقی ہے اور نہ کوئی دعاء اس لئے پہلے ہاتھ چھوڑنا اور پھر سلام پھیرنا افضل ہے۔

(مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۳۲۹، امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۵۷، امداد الأحکام ۲/ ۴۴۲، ایضاح المسائل/ ۷۴)

ومن هنا يخرج الجواب عما سئلت في سنة ست وثمانين أيضا من أنه هل يضع مصلي الجنازة بعد التكبير الأخير من تكبيراته ثم يسلم أم يرسل ثم يسلم وهو أنه ليس بعد التكبير الأخير ذكر مسنون فليس فيه الإرسال.

(سعايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بيان إرسال يدين ...... بعد التكبير الأخير من تكبيرات صلاة الجنازة، مطبوعه مصطفائی ۲/ ۱۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۳ھ

چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے کا مسئلہ اور بارش میں جوتے پہن کر نماز پڑھنا

سوال: [۳۹۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) نماز جنازہ میں دعا سے فارغ ہونے کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑنا اور ہاتھ چھوڑنے کے بعد سلام پھیرنا یا چوتھی تکبیر کے بعد دائیں طرف سلام پھیرنے کے ساتھ ہاتھ چھوڑنا کیسا ہے؟ اور کیا وجہ ہے؟

(۲) اگر بارش کی وجہ سے زمین میں کیچڑ ہوجائے اور ناپاک ہونے کا ظن غالب ہوتو جوتے اتار کر ان پر پیر رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ دعا پڑھ کر چوتھی تکبیر کہنے کے بعد پہلے ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں اس کے بعد سلام پھیرا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے وقت نہ تو تحریمہ باقی ہے اور نہ کوئی دعاء ہے اسلئے پہلے ہاتھ چھوڑنا اور پھر سلام پھیرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/۳۲۹، ایضاح المسائل/۷۴)

ومن هنا يخرج الجواب عما سئلت في سنة ست وثمانين أيضا من أنه هل يضع مصلى الجنازة بعد التكبير الأخير من تكبيراته ثم يسلم أم يرسل ثم يسلم وهو أنه ليس بعد التكبير الأخير ذكر مسنون فليس فيه الإرسال . (سعايه، مطبوعه مصطفائی، ، كتاب الصلاة ، باب صفة الصلاة ٢/ ١٥٩)

(۲) اگر بارش کی وجہ سے زمین میں کیچڑ ہوجانے کی وجہ سے نجاست کا ظن غالب ہے تو جوتے اتار کر پھر ان جوتوں پر پیر رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۳۷، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۴/۴۳۳، جدید زکریا/ ۴۰۸، احسن الفتاویٰ ۴/۱۹۲)

ولو افترش نعليه وقام عليها جاز فلا يضر نجاسة ما تحتها لكن لا بد من طهارة نعليه مما يلي الرجل لا مما يلي الأرض . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز ، دارالكتاب ديو بند / ٥٨٢، قديم /٣١٩، ومثله فی التاتار خانيه ، كتاب الصلاة، الفصل الثانی فی الفرائض زكريا ٢/ ٣١،رقم: ١٥٩٤، كوئٹه قديم ٤٢١/١ ،عالمگيری ، الباب الثالث في شروط الصلاة ، الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة وغيره زكريا ٦٢/١، جديد ١١٩/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۷/۱۶ھ

نماز جنازہ میں امام صاحب دعا بھول جائیں تو؟

سوال: [۳۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ میں اگر امام صاحب سے سہواً دعا چھوٹ جائے تو ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ اسی طرح مقتدی سے بھولے سے دعا چھوٹ جائے تو اسکی نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز اس کے اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جواب دیں؟

المستفتي: عبدالحمید محلّہ: بندوقچیان،
قصبہ: دھامپور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت پر دعاء پڑھنا صرف مسنون ہے ارکان صلوٰۃ میں سے نہیں، لہذا بھولے سے چھوٹ جانے کی صورت میں نماز میں کوئی فساد نہیں آیا، نماز ادا ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۳۴۳، محمودیہ قدیم ۲/۳۷۴، جدید ڈابھیل ۸/۵۵۰)

وليس الدعاء من أركانها على التحقيق . (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح ، باب أحكام الجنائز ، فصل في الصلاة عليه دارالكتاب ديوبند /۵۸۵، قديم / ۳۲۱)

وركنها شيئان التكبيرات الأربع والقيام . (شامی ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، كراچی ۲/۲۰۹، زكريا ۳/۱۰۵، حلبي كبير، فصل فی صلاة الجنازة ، الرابع الصلاة على الميت اشرفيه ديوبند /۵۸۴، زكريا ۳/۱۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۲۱ھ

نابالغ بچے یا بچی کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے؟

سوال: [۳۹۰۸ (الف)]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) نابالغ بچہ کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے۔

(۲) نابالغ لڑکی کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے، اور کس طرح پڑھی جائے؟

(۳) اگر لڑکا، لڑکی ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو دعا کس طرح پڑھی جائے؟ مفصل بیان کریں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی سیتاپوری،
گرام مہولیہ، پوسٹ ریوان، ضلع: سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ بچہ کی نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد حسب ذیل دعا پڑھی جائے۔

اللّٰھم اجعله لنا فرطاً اللّٰھم اجعله لنا زخراً، اللّٰھم اجعله لنا شافعاً و مشفعاً .... (البحر الرائق، الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زکریا ۲/۳۲۳، کراچی کوئٹہ ۲/۱۸۴، الفتاویٰ التاتار خانیہ زکریا ۲/۴۵، رقم: ۳۶۸۵)

(۲) جو لڑکی نابالغ ہے اس کی نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد دعا کے الفاظ میں مذکر کی ضمیر کی جگہ مؤنث کی ضمیر استعمال کرنے کا حکم ہے، لہٰذا نابالغ لڑکی کی نماز جنازہ میں دعا کے الفاظ اس طرح سے پڑھنے کا حکم ہے، جو ذیل میں درج ہے۔

اللّٰھم اجعلها لنا فرطاً اللّٰھم اجعلها لنا زخراً، اللّٰھم اجعلها لنا شافعاً ومشفعًا و في مجمع الأنهر وإن كان الميت مؤنثا أنث الضمائر الراجعة إليها. (طحطاوی مع المراقی جدید دارالکتاب دیوبند/۵۸۶، ومثلہ فی مجمع الأنھر، مکتبہ فقیہ الأمت دیوبند ۱/۲۷۱)

(۳) نابالغ لڑکا اور لڑکی ایک ساتھ جمع ہو جائیں اور دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھی جائے، تو تیسری تکبیر کے بعد دعا کے الفاظ میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا جائے گا، جو ذیل

میں درج ہیں، ملاحظہ فرمایئے۔

اللّٰهم اجعلهما لنا فرطاً اللّٰهم اجعلهما لنا ذخراً اللّٰهم اجعلهما لنا شافعاً و مشفعاً.

فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وينبغي أن يلاحظ المصلي في دعائه التذكير و التأنيث و التثنية والجمع بما يناسب حال الميت الذي يصلي عليه. (الموسوعة الفقهيه الكويتيه ۲۵/۱٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نابالغ لڑکے ولڑکی کی نماز جنازہ کی دعا میں کون سی ضمیر پڑھیں

سوال: [۳۹۰۸(ب)]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نابالغ لڑکا یا نابالغ لڑکی کی میت ہو تو دونوں کی نماز جنازہ ساتھ پڑھی جائیگی یا علیحدہ علیحدہ، اگر ساتھ پڑھی جائیگی تو ضمیر مذکر کیساتھ یا مؤنث کے ساتھ؟

المستفتي: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: علیحدہ علیحدہ پڑھنا اور دونوں کی نماز ایک ساتھ پڑھنا دونوں طرح جائز ہے، اور جب دونوں کی نماز ایک کیساتھ پڑھی جائے تو دعا میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا جائے گا، تثنیہ کی ضمیر مذکر ومؤنث دونوں کی یکساں ہوا کرتی ہے، اس لئے کوئی شبہ نہیں ہے۔

وينبغي أن يلاحظ المصلي في دعائه التذكير و التأنيث و التثنية والجمع بما يناسب حال الميت الذي يصلي عليه. (الموسوعة الفقهيه الكويتيه ۲۵/۱٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۴۰)

جس بچہ کے زندہ یا مردہ نیز مذکر ومؤنث ہونے کا پتہ نہ چلے تو اس کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے

سوال: [۳۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت حمل سے تھی وہ کسی وجہ سے جنگل گئی اور جنگل میں اس کے بچہ پیدا ہوگیا اور بچہ ہونے کے بعد عورت مرگئی، اور وہ بچہ بھی مرا ہوا ہے، اور اس بچہ کو کوئی جانور ناف سے لیکر شرمگاہ تک کھا گیا، کوئی پہچان نہیں ہے، لہذا کوئی ثبوت بتائیں کہ کیا پہچان ہوگی کیونکہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے وقت کوئی نہیں تھا، بچہ جو ہوا یہ بھی پتہ نہیں کہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ پیدا ہوا، لہذا بچہ کی کیا پہچان ہوگی، اور نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ دعا میں بھی فرق ہے، لہذا کوئی پہچان بتائیں کہ لڑکا ہے یا لڑکی کیونکہ کفن دفن بھی ہوگیا؟

المستفتي: محمد موسیٰ، مدرسہ ازہر العلوم،
اصالت پورہ ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ بچہ پر ذکور واناث کی کوئی علامت موجود نہیں ہے، تو مسلمان اس کا مکلّف نہیں ہے، اور تغلیباً لڑکے کی دعا پڑھ لی جائے، نیز نماز جنازہ میں دعا نہ فرض ہے اور نہ واجب بلکہ سنت ہے، اس لئے بلا دعا بھی جنازہ وتکبیرات اربعہ پڑھ لی جائیں، تو فرضیت ادا ہوجائے گی، اور جنازہ میں صرف قیام اور چار تکبیرات فرض ہیں، نیز مذکورہ حالت میں بچہ کو زندہ پیدا شدہ تسلیم کرکے اسپر نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔

ورکنها شيئان التكبيرات الأربعة والقيام، وسنتها ثلثة التحميد، والثناء، والدعاء فيها الخ. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، کراچی ۲/ ۲۰۹، زکریا ۳/ ۱۰۵، حلبی کبیر، فصل فی صلاة الجنازة، الرابع

الصلاة علی المیت اشرفیه دیو بند/ ٥٨٤)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۸رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/ ۱۱۴۰)

نماز جنازہ میں تین تکبیر پر سلام پھیر دینا

سوال: [۳۹۱۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) نماز جنازہ میں تین تکبیروں کے بعد امام نے ایک طرف سلام پھیر دیا، پھر یاد آیا تو میت کی دعا پڑھی اس کے بعد دونوں طرف سلام پھیرا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز جنازہ ادا ہوگئی یانہیں؟ لوگوں میں اختلاف ہو رہا ہے،کوئی کہتا ہے کہ نماز ہوگئی کوئی کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۲) نماز نہ ہونے کی صورت میں اس نماز کو کافی سمجھ کر میت دفن کردی گئی تو اب کیا کیا جائے؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتي:فیض الحسن، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ میں چارتکبیرات فرض ہیں،ان میں سے کسی ایک کے ترک سے نماز فاسد ہوجائے گی لہذا امام کے چوتھی تکبیر چھوڑ دینے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی،اوراعادہ لازم ہوگا۔

الإمام إذا اقتصر علی ثلثة فسدت فیما یظهر، وإذا فسدت علی الإمام فسدت علی المأموم لترک رکن من أرکانها. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل الصلاة علیه قدیم / ٣٢٢، دارالکتاب دیوبند/٥٨٧، هندیه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت زکریا١ /١٦٤، جدید١ /٢٢٥، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ١٦ /٢٨)

(۲) اس حالت میں دفن کرنے کے بعد میت کے سڑنے اور پھٹنے سے پہلے یعنی گرمیوں میں تین دن کے اندر اندر اور سردیوں میں چھ سات دن کے اندر اندر نماز قبر پر پڑھی جائے گی، اگر یہ مدت گذر گئی تو اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۲۸)

عن أبي هريرةؓ أن امرأة سوداء كانت تقم المسجد ، أو شاباً ففقدها رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عنها أو عنه ؟ فقالوا : مات ،قال أفلا كنتم آذنتمونى؟ قال: فكأنهم صغروا أمرها ، أو أمره ، فقال: دلوني على قبره، فدلوه ، فصلى عليها ،ثم قال: إن هذه القبور مملوءة ظلمة على أهلها، وإن الله عزوجل ينورها لهم بصلاتى عليهم .

(صحيح مسلم ، الجنائز ، باب الصلاة على القبر ، النسخة الهندية ۱ /۳۰۹، بيت الأفكار رقم: ۹۵٦ ، صحيح البخارى ، الجنائز ، باب الصلاة على القبر بعد ما يدفن ، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۸، رقم: ۱۳۲۲ ، ف: ۱۳۳۷)

وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلوٰة أو بها بلا غسل ، أو ممن لا ولاية له صلي على قبره استحساناً مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير وقيل يقدر ثلاثة أيام . (شامى ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنائز، زكريا ۳/ ۱۲۵ ، كراچى ۲/ ۲۲٤ ، هنديه ، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز ، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت زكريا ۱/ ۱٦٥ ، جديد ۱/ ۲۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۶۲ ۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

نماز جنازہ میں تین یا پانچ تکبیر کہنے کا حکم

سوال: [۳۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی امام نے جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں کہدیں یا تین تکبیریں کہیں ایک چھوڑ دی تو اس صورت

میں نماز جنازہ درست ہو جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ کے اندر اگر امام نے تین تکبیریں کہی ہیں تو نماز فاسد ہوگئی، دوبارہ نماز کو ادا کرنا ہوگا۔

وصلوٰۃ الجنازۃ أربع تکبیرات ولو ترک واحدۃً لم تجز صلاتہ هکذا فی الکافی. (عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت زکریا ۱/۱٦٤، جدید ۱/۲۲٥، الموسوعۃ الفقهیة الکویتیة ۱٦/۲۸)

الإمام إذا اقتصر علی ثلاثة فسدت فیما یظهر، وإذا فسدت علی الإمام فسدت علی المأموم لترک رکن من أرکانها. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل الصلاۃ علیه دارالکتاب دیوبند/٥۸۷)

اور اگر امام نے پانچ تکبیریں کہی ہیں، تو نماز درست ہوگئی۔

عن ابن جریج، قال: أخبرنی الحارث بن عبد الرحمن بن أبي ذباب أنهم لم یختلفوا أن النبی ﷺ صلی علی النجاشی، ببقیع المصلی، قال عبد الرزاق، وکان الثوری إذا کبر علی الجنازۃ أربعا سلم ولم ینتظر الخامسة، وأنا علی ذلک. (مصنف عبد الرزاق، باب التکبیر علی الجنائز، المجلس العلمی ۳/٤۸۳، رقم: ٦٤۰۸)

ولو کبر إمامه خمساً لم یتبع لأنه منسوخ فیمکث المؤتم حتی یسلم معه إذا سلم، به یفتی. (در مختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، کراچی ۲/۲۱٤، زکریا ۳/۱۱۲، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل الصلاۃ علیه، دارالکتاب دیوبند/٥۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/٦/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۷٦۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/٦/۱۴۲۳ھ

نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنا

سوال: [٣٩١٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرادآباد کے قریب ایک گاؤں میں امام صاحب نے نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہدیں، پھر ایک دن کے بعد لوگوں نے خیال کیا کہ امام صاحب نے چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہی ہیں ،تو کیا اس پانچویں تکبیر سے نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر فاسد ہوگئی تو دوبارہ پڑھی جائیگی تو اس کی کیا شکل ہوگی، حال یہ ہے کہ مردہ کو دفن کیے ہوے ایک دن ہو چکا ہے، اور نماز کے دوران کچھ مقتدیوں کو پانچویں تکبیر کا خیال بھی ہوا لیکن انہوں نے لقمہ نہیں دیا، اس کے باوجود انھوں نے اتباع کی تو کیا جاننے کے باوجود پانچویں تکبیر کی اتباع کرنے سے نماز صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتي: محمد شاہنواز، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی،اور جب نماز فاسد نہیں ہوئی تو اب دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اور جنھوں نے پانچویں تکبیر میں اتباع کی ہے ان کی نماز بھی صحیح ہوگئی۔

أما كونها أربعاً فعليه الأئمة الأربعة ..... قال أبو عمر بن عبد الله انعقد الإجماع على الأربع فلو كبر الإمام خمسا لا يتبعه المقتدي بل يقف ساكتا حتى يسلم فيسلم معه لأن الزيادة على الأربعة منسوخة، ولا متابعة فى المنسوخ . (حلبی کبیر ، فصل فی الجنائز ، اشرفیہ دیوبند/٥٨٦)

ولو كبر إمامه خمسا لم يتبع لأنه منسوخ فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم به يفتي . (شامی ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة کراچی ٢/٢١٤، زکریا ٣/١١٢، مجمع الأنهر ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، فصل قدیم

مصری ١/ ١٨٤، دارالکتب العلمیه بیروت جدید ١/ ٢٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩؍ربیع الاول ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٩٢٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣١/٣/٩ھ

جس شخص سے نماز جنازہ میں کئی تکبیریں چھوٹ جائیں تو وہ کس طرح پڑھے؟

سوال: [٣٩١٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نماز جنازہ میں امام کے ساتھ شروع میں شریک نہ ہوسکا، بلکہ تین تکبیر نکلنے کے بعد شریک ہوا تو اب یہ کس طرح نماز پوری کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ شخص فوراً نیت نہ باندھے بلکہ امام کی چوتھی تکبیر کا انتظار کرے، جب امام چوتھی تکبیر کہے تو اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے پہلے چھوٹی ہوئی تکبیریں مکمل کر لے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ٨/ ٥٩٤، میرٹھ ١٣/ ١٠٥)

ولو كبر الإمام تكبيرة أو تكبيرتين أو ثلاث تكبيرات، ثم جاء رجل لا يكبر، ولكنه ينتظر حتى يكبر الإمام فيكبر معه، ثم إذا سلم الإمام قضىٰ ما عليه قبل أن ترفع الجنازة. (بدائع، فصل في بيان كيفية الصلاة على الجنازة كراچی ١/ ٣١٤، زكريا ٢/ ٥٣، كذا فى الشامى: كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ٣/ ١١٤، كراچى ٢/ ٢١٧، تاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون صلاة الجنازة، زكريا٣/ ٥٠، رقم: ٣٦٩٥، هنديه، البا ب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت زكريا ١/ ١٦٥، جديد ١/ ٢٢٦،

خانية علی الهندية ، باب فی غسل الميت وما يتعلق به زكريا ۱/ ۱۹۲، جديد ۱/ ۱۲۰)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۵)

نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کرنے کا حکم

سوال: [۳۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی بستی یا گاؤں میں کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ہو اور میت کو بغیر نماز کے دفن کر دیا جائے یا بچہ کا جنازہ بغیر نماز کے دفن کر دیا جائے، تو اس صورت میں اب نماز قبر پر پڑھ لی جائے یا نہیں؟ اگر پڑھ لی جائے تو جماعت کریں یا فرداً فرداً ادا کی جائے گی، جو بھی صورت ہو بیان فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد یسین، محمود پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک میت کا جسم پھٹنے اور سڑنے کا گمان غالب نہ ہو جائے، اسوقت تک قبر پر باجماعت نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے، اور سڑنے گلنے کی خاص مدت متعین نہیں ہے، بلکہ اسکا مدار سردی گرمی اور مٹی کی تاثیر وغیرہ پر ہے۔
(مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/ ۹۲، فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۲۸۸)

عن أبي هريرة رضی الله عنه ، أن أسود رجلاً أو امرأة ، كان يقم المسجد فمات ولم يعلم النبی صلی الله عليه وسلم بموته ، فذكره ذات يوم فقال: ما فعل ذلک الإنسان قالوا: مات يا رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: أفلا آذنتموني ، فقالوا: إنه كان كذا و كذا قصته ، قال: فحقروا شأنه ، قال: فدلوني علی قبره ، فأتی قبره فصلی عليه.

(صحيح البخاری ، الجنائز ، باب الصلاة على قبر بعد ما يدفن ، النسخة الهندية ١٧٨/١، رقم: ١٣٢٢، ف: ١٣٣٧، صحيح مسلم ، الجنائز، باب الصلاة على القبر، النسخة الهندية ٣٠٩/١، بيت الأفكار رقم: ٩٥٦ ، سنن أبي داؤد، الجنائز، باب الصلاة على القبر، النسخة الهنديه ٤٥٧/٢، دارالسلام رقم: ٣٢٠٣، مسند أحمد بن حنبل ١٥٠/٣، رقم: ١٢٥٤٥)

وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أوبها بلا غسل أو ممن لا ولاية له صلي على قبره استحساناً مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، زكريا٣/١٢٥، كراچی٢/٢٢٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۷۳)

عورت اور مرد کے جنازے ایک ساتھ آجائیں تو چارپائیوں کی ترتیب کا کیا حکم ہے؟

سوال: [۳۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عورت مرد دونوں طرح کے جنازے ایک ساتھ آجائیں تو کس ترتیب سے چارپائیاں رکھی جائیں؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتي: عبدالسبحان، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مرد کا جنازہ امام کی طرف رکھا جائے اور عورت کا جنازہ مرد والے جنازہ سے جانب قبلہ میں رکھا جائے ،یعنی مرد کو امام سے قریب رکھا جائے

اورعورت کواس کے بعدرکھاجائے ،اسی طرح اگرکئی مرداورکئی عورتیں ہوں توامام سے قریب مردوں کورکھاجائے ،اورمردوں میں بھی جوسب سے افضل ہوگااس کوبالکل امام سے قریب رکھاجائے ،اس کے بعدجانب قبلہ میں عورتوں کوآگے رکھتے جائیں ،اس طریقہ سے سب جنازہ کی نمازایک ساتھ پڑھی جائے ،حرمین شریفین میں حج کے موقع پراسی طرح کئی کئی جنازہ کی نمازایک ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

عن عمار مولیٰ الحارث بن نوفل أنه شهد جنازة أم كلثوم وابنها فجعل الغلام ممايلي الإمام ، فأنكرت ذلك وفي القوم : ابن عباس وأبو سعيد الخدري ، وأبو قتادة ، وأبو هريرة فقالوا : هذه السنة . (سنن أبي داؤد ، الجنائز ، باب إذا حضر جنائز رجال و نساء من يقدم ، النسخة الهندية ۲/ ۴۵۵ ، دارالسلام رقم: ۳۱۹۳، سنن النسائی ، الجنائز ، باب اجتماع صبي وامرأة ، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۷، دارالسلام رقم: ۱۹۷۳، ۱۹۷۴، مصنف عبد الرزاق ، الجنائز ، باب كيفية الصلاة على الرجال والنساء ، المجلس العلمي ۳/ ۴۶۵، رقم: ۶۳۳۷)

فيصف الرجال إلىٰ جهة الإمام ثم الصبيان ثم الخناثى ثم النساء .

(عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی صلاة الجنازة ، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت زکریا ۱/ ۱۶۵، جدید ۱/ ۲۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۷/ ۳/ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۲۸)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۲۷/ ۳/ ۱۴۲۸ھ

متعددنابالغ بچوں کی نمازجنازہ میں کونسی دعاپڑھیں؟

سوال: [۳۹۱۶]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگرنابالغ بچے اوربچی کاجنازہ جمع ہوجائے اوران کی نمازجنازہ اکٹھاپڑھنے کی ضرورت ہوتوکون سی دعا

پڑھی جائیگی لڑکے والی یالڑکی والی یااس کے علاوہ کوئی اور؟

المستفتي: عبدالحمید، بندوقچیان، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب نابالغ لڑکے اورلڑکی کا جنازہ اکٹھا ہوجائے اورایک ساتھ نماز ادا کرنے کی ضرورت ہوتوایسی صورت میں لڑکے کی دعاپڑھنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳٦٨)

ولا يستغفر للصبي ولكن يقول اللهم اجعله لنا فرطاً واجعله لنا أجراً وذخراً واجعله لنا شافعاً ومشفعاً. (هدايه كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، اشرفيه ديوبند ١/ ١٨٠، درمختار على الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچى ٢/ ٢١٥، زكريا ٣/ ١١٣)

عن الحسن، أنه كان إذا صلى على الطفل قال: اللهم اجعله لنا فرطاً، واجعله لنا أجراً. (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب الدعاء على الطفل، المجلس العلمي ٣/ ٥٢٩، رقم: ٦٥٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
٢٧/ ربیع الاول ١٤٢٨ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٣٢٨)	٢٧/ ٣/ ١٤٢٨ھ

بڑوں کے ساتھ نابالغ بچوں کے جنازے رکھنے کی ترتیب

سوال: [٣٩١٦]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بڑوں کے ساتھ نابالغ بچوں کے جنازے بھی ہوں تو بچوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ ہوسکتی ہے، یانہیں؟ اوران کوکس ترتیب سے رکھا جائے؟

المستفتي: عبدالسبحان، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بڑوں کے ساتھ نابالغ بچے بھی ہوں تو ان کے جنازوں کو امام کے سامنے رکھنے کی ترتیب یوں ہوتی ہے کہ اگر بڑوں میں سے مرد ہوں، تو امام کے سامنے مرد کا جنازہ رکھا جائے، اس کے بعد نابالغ بچوں کا جنازہ رکھا جائے، اور اگر مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہوں تو مردوں اور بچوں کے بعد عورتوں کا جنازہ رکھا جائے، اور اگر صرف نابالغ بچے اور عورتیں ہوں تو امام سے قریب بچوں کا جنازہ رکھا جائے، اس کے بعد عورتوں کا جنازہ رکھا جائے، اور بالغوں کے ساتھ جب نابالغوں کی نماز بھی ایک ساتھ پڑھنا ہو تو پہلے بالغوں کی دعا پڑھی جائے اس کے بعد نابالغوں کی دعا پڑھی جائے، پھر اس کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرا جائے۔

فيصف الرجال إلىٰ جهة الإمام ثم الصبيان ثم الخناثىٰ ثم النساء ثم المراهقات. (عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت زکریا ۱/۱٦۵، جدید ۱/۲۲٦)

بقي ما إذا كان فيهم مكلفون وصغار والظاهر أنه يأتي بدعاء الصغار بعد دعاء المكلفين. (طحطاوی علی المراقی، باب أحکام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، دارالکتاب دیوبند /۵۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۲۷ھ

نماز جنازہ کی صفوں میں جگہ چھوڑنا

سوال: [۳۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کی صفوں کے درمیان سجدہ کے بقدر جگہ چھوڑنا کیسا ہے، اور نہ چھوڑنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عبدالعلیم، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ میں صفوں کے درمیان جگہ چھوڑنا بے اصل ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ٢٨٩/٥ محمودیہ قدیم ١٦/ ٤٤٨، میرٹھ ١٣/ ٢٠٨، ڈابھیل ٨/ ٥٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤/٧/١٤٢٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٠٧٠)

نماز جنازہ کی صفوں میں کتنا فصل ہو؟

سوال: [٣٩١٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صحن مدرسہ میں نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، مدرسہ والے جنازہ رکھنے کی جگہ نیز صفوں کیلئے زمین پر پختہ نشان بنارہے ہیں، تاکہ قبلہ رو ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، جب صفوں کا نشان ڈالا گیا تو ہر دو صف کے درمیان کا فاصلہ دو فٹ بیٹھتا ہے اس پر مدرسہ کے ایک مولوی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ اتنا فاصلہ نہ رکھا جائے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ صفیں اس انداز سے بنیں کہ دو صفوں کے درمیان نہ تو کوئی فاصلہ ہو اور نہ اتنی تنگی ہو کہ پچھلی صف والے کا سینہ اگلی صف والے نمازی کی پیٹھ سے مس رہے، اس پر دوسرے مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں اگر اتنا (دو صفوں کے درمیان دو گز کا فاصلہ چھوڑ کر کہا) فاصلہ ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیا واقعی نماز جنازہ میں صفوں کا فاصلہ مساجد کی صفوں کی طرح رکھ کر نماز پڑھنا اور ہر دو صفوں کو متصل بنانا ایک ہی حیثیت رکھتا ہے یا بہتر ہے کہ درمیان میں کوئی معتدبہ فاصلہ نہ رکھا جائے؟

المستفتي: مفتی شباہت علی، سہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے مولوی صاحب کا قول صحیح اور درست ہے کہ

مساجد کی صفوں کی طرح فاصلہ رکھنا ضروری نہیں بلکہ اتنا فاصلہ کافی ہے کہ پچھلی صف والوں کا سینہ اگلی صف والوں کی پیٹھ سے مس نہ کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۲۹۸، میرٹھ ۱۳/ ۲۰۸، ڈابھیل ۸/ ۵۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۲/۱۴۱۷ھ

مسلمان اور کافر کی لاش مخلوط ہو جائیں تو نماز جنازہ کا طریقہ

سوال: [۳۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ساتھ دو آدمی سفر کررہے تھے، جن میں ایک مسلمان تھا اور دوسرا ہندو تھا، اور دوران سفر ایسا حادثہ پیش آیا جس میں دونوں کے جسم کا نچلا حصہ بالکل غائب ہوگیا، اور مسلم کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی، جس سے انتقال کے بعد ایک کو دوسرے سے ممتاز کیا جائے، تو اس صورت حال میں کس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اور کس کی شریعت کے مطابق تجہیز و تکفین کی جائے، کیونکہ وہاں ان دونوں کو پہچاننے والا کوئی بھی نہیں ہے؟

المستفتي: حبیب احمد قصبہ، پھول بہڑ، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسلم اور غیر مسلم کی پہچان نہ ہو سکے تو دونوں کو سامنے رکھکر نماز جنازہ پڑھی جائیگی، اور نیت یہ ہونی چاہئے، کہ مسلم کی نماز جنازہ ادا کررہے ہیں، اور شریعت کے مطابق دونوں کی تجہیز و تکفین کی جائیگی اور پھر ان کو دفن بھی مسلمانوں کے قبرستان میں کیا جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/ ۷۲۸)

وقال بعضهم يصلى عليهم وينوى بالصلوٰة والدعاء للمسلمين لأنهم إن عجزوا عن تعيين العمل للمسلمين لم يعجزوا عن تمييز القصد فى الدعاء لهم وقال بعضهم يدفنون فى مقابر المسلمين الخ. (بدائع الصنائع،

فصل فی صلاۃ الجنائز ، فصل فی بیان شرائط وجوب الغسل کراچی ۱/ ۳۰۳، زکریا۲/ ۳۱، هندیه ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل الثانی فی الغسل زکریا ۱/ ۱۵۹، جدید ۱/ ۲۲۰، شامی ، کتاب الصلاۃ ، باب صلاۃ الجنازۃ ، زکریا۳/ ۹۳، کراچی ۲/ ۲۰۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/ ۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

سوال: [۳۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے، اور حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے؟ اس کو وضاحت کے ساتھ تحریر کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں، جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت نجاشیؓ پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی، حضرات حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں، کہ آپ ﷺ کے سامنے نجاشی کے درمیان کے حجابات اٹھا دیئے گئے تھے، اور آپ ﷺ کے سامنے حضرت نجاشیؓ کا جنازہ کر دیا گیا تھا، اور وہ آپ ﷺ کے لئے غائبانہ نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ کے سامنے ایسا منکشف کر دیا گیا تھا، کہ آنحضرت ﷺ نے جنازہ کو اپنے سامنے دیکھ کر نماز پڑھائی ہے، لہٰذا آپ ﷺ کے لئے حضرت نجاشیؓ کا جنازہ حاضر تھا غائب نہیں تھا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۷، محمودیہ ڈابھیل ۸/ ۶۶۶)

هذا تشريع منه وسنة لإمامة الصلوٰة علىٰ كل غائب وهذا قول الشافعیؒ وأحمدؒ فی إحدى الروايتين عنه ، وقال أبو حنيفةؒ ومالكؒ : هذا

خاصٌّ به وليس ذلک لغيره.(أوجز المسالك جديد دمشق ٤/٤٤٤، رقم: ١٤٥١٨)

وبهذا القيد علم أنها لا تجوز علیٰ غائبٍ ، وأمّا صلوٰته عليه الصلوٰة والسلام علی النجاشی فإما لأنه رفع له سريره حتى رآهُ بحضرته. (حلبي كبير ، فصل فی الجنائز، اشرفیه دیو بند/٥٨٣)

فلا تجوز علیٰ غائب ، وأما صلوٰته علیٰ النجاشی فإما لأنه رفع له عليه الصلوٰة والسلام سريره حتیٰ رآه بحضرته ، فتكون صلوٰة من خلفه علیٰ ميتٍ يراهُ الإمام وبحضرته دون المأمومين وهذا غير مانعٍ من الاقتداء. (البحرالرائق ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، كوئٹه ١٨٩/٢، زكريا ٢ / ٣١٤، ٣١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۰۰/۴۰)

غائبانہ نماز جنازہ

سوال: [۳۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مسلمان فسادات میں شہید ہوگئے ہیں، ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ غائبانہ نماز جنازہ کی شرعاً کیا حیثیت ہے، اوراس کا شریعت میں ثبوت ہے یا نہیں؟ مفصل مع حوالہ جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

المستفتي: رئیس احمد، محلّہ دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے، اور نہ ہی وہ شرعی طور پر معتبر ہوگی، اسلئے کہ نماز جنازہ کے صحیح ہونے کیلئے میت کا سامنے موجود ہونا شرط ہے، اور وہ شرط یہاں مفقود ہے اور حضور ﷺ

نے حضرت نجاشیؓ اور حضرت معاویہ بن معاویہ مزنیؓ کی جونماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی ہے اسکی وجہ یہی تھی کہ ان دونوں حضرات کا جنازہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ حضورﷺ کے سامنے کر دیا تھا، اسلئے آپﷺ نے اس طرح ادا فرمائی ہے، کہ بظاہر غائبانہ ہے درحقیقت غائبانہ نہیں ہے، اور اب یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۷۲، احسن الفتاویٰ۴/۲۰۰، فتاویٰ دار العلوم ۵/۳۴۶)

قال أصحابنا لا يصلى على ميت غائب وقال الشافعيؒ يصلى عليه استدلالاً بصلوٰة النبى ﷺ على النجاشى وهو غائب ولا حجة له فيه لما بينا على أنه روى أن الأرض طويت له ولا يوجد مثل ذلك فى حق غيره الخ. (بدائع، فصل فى صلاة الجنازة، قبيل فصل بيان كيفية الصلاة على الجنازة زكريا ٢/٤٨، كراچى قديم ١/٣١٢)

وعن أبى حنيفةؒ والمالكية لا يشرع ذلك الخ. (بذل مصرى، الجنائز، باب الصلاة على المسلم بموت فى بلاد الشرك ميرٹھ٤/٢٠٨، جديد دارالبشائر الإسلاميه دمشق ١٠/٤٩٤، مصرى ١٤/١٧٥، هكذا شامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا٣/١٠٤، كراچى ٢/٢٠٩، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا٢/٣١٤، ٣١٥، كوئٹه٢/١٨٩، حلبي كبير، فصل فى الجنائز، اشرفيه ديوبند/٥٨٣، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة على الميت، دارالكتاب ديوبند/٤٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍شعبان ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۶۲)

ولی کی اجازت سے پڑھائی گئی نماز جنازہ دوبارہ پڑھنا

سوال: [۳۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے

کچھ دنوں قبل میت کی نماز جنازہ سورج غروب ہونے سے قبل ادا کی تا کہ قبل از مغرب تدفین عمل میں آ سکے لیکن کچھ اصحاب نے کہا تدفین میں دیر لگ جائیگی ،مغرب کاوقت بالکل قریب ہے، اس لئے مغرب بعد تدفین کریں گے، اس پر سب کا اتفاق ہوگیا ،پھر نماز مغرب کے بعد کچھ اور عزیز ورشتہ دار آ گئے ،جنھوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی ،ان لوگوں نے نماز جنازہ دوبارہ پڑھنے پر اصرار کیا تو اس اصرار پر سب لوگوں نے دربارہ نماز جنازہ ادا کی تو سوال یہ ہے کہ ہم لوگ عنداللہ گنہگار تو نہیں ہوئے ، نیز دوبارہ نماز جنازہ ادا کی تو یہ ہم حنفیوں کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج، سعودیہ عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب نماز جنازہ ولی کی اجازت وشرکت سے پڑھ لی جائے، تو دوبارہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے،اور یہ بات ظاہر ہے کہ ناجائز کام کا ارتکاب موجب گناہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۴۹)

ولا يصلى على ميت إلا مرة واحدة والتنفل بصلوة الجنازة غير مشروع. (عالمگیری ، الباب الحادی والعشرون في الجنائز ، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت ، زكريا ۱/ ۱۶۳ ، جديد ۱/ ۲۲۵، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز ، السلطان أحق بصلاته ، دارالكتاب ديوبند/ ۴۸۷)

وإن صلى الولي لم يجز لأحد أن يصلي بعده. (شامی ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة كراچى ۲/ ۲۲۳، زكريا ۳/ ۱۲۴، هنديه ، الباب الحادى و العشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت زكريا ۱/ ۱۶۴ ، جديد ۱/ ۲۲۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۹)

ولی کی اجازت یا عدم اجازت سے پڑھی گئی نماز جنازہ کا تکرار

سوال: [۳۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک میت کی نماز جنازہ متعدد مرتبہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ولی نے پڑھ لی ہو تو کیا حکم ہے؟ اور اگر ولی نے نہ پڑھی تو کیا حکم ہے لیکن اس کی اجازت سے پڑھی گئی ہو۔

المستفتي: محمد ایوب، بارہ بنکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ولی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی ہے اور اسکی طرف سے اجازت بھی معلوم نہیں ہے، تو متعدد بار پڑھی جاسکتی ہے، لیکن جو لوگ ایک بار پڑھ چکے ہیں، وہ دوبارہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں۔

فإن صلى غيره أي غير من له حق التقدم بلا إذن ولم يقتدبه أعادها هو إن شاء ولا يعيد معه أي مع من له حق التقدم من صلى مع غيره. (مراقی الفلاح على الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، السلطان أحق بصلاته، دارالكتاب ديوبند / ۵۹۱، قديم / ۳۲۴، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة باب صلاة فصل دارالكتاب العلمية بيروت ۲۶۹/۱، هنديه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت زكريا ۱۶۳/۱، جديد ۱ / ۲۲۵، شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ۱۲۳/۳، كراچی ۲۲۳/۲)

اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی ہے، یا اسکی اجازت سے پڑھی گئی ہو تو دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/۳۳۰)

أما إذا أذن له أو لم يأذن ولكن صلى خلفه فليس له أن يعيد لأنه سقط حقه بالإذن أو بالصلاة مرة وهي لا تتكرر. (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، السلطان، أحق بصلاته، دارالكتاب ديوبند / ۵۹۱، قديم

/۳۲٤، شامی ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، زکریا۳/ ۱۲٤، کراچی ۲/ ۲۲۳، هندیه ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت زکریا۱/ ۱٦٤، ۱/ ۲۲٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۶۶/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۶ھ

نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسنا

سوال: [۳۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کے دوران ایک شخص قہقہہ مار کر ہنستا ہے، تو قہقہہ سے وضو ٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ یا نماز بھی فاسد ہو جائیگی؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: اصغر علی، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے البتہ نماز جنازہ باطل ہو جائیگی۔

فلا تنقض فی صلاة جنازة وسجدة تلاوة لکن یبطلان. (شامی ، کتاب الصلاة، باب الوضوء کراچی ۱/ ۱٤٥، زکریا۱/ ۲۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۳۰ھ

نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال: [۳۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز

جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت کیساتھ جواب سے نوازیں۔

المستفتي: مولانا محمد کاظم، مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ بادلی، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا حدیث وفقہ اور اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے، اور خود نماز جنازہ شرعاً دعا ہے، اسلئے بعد میں دعا بدعت ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید زکریا ۴/ ۹۷، قدیم ۴/ ۸۵، جدید زکریا مطول ۵/ ۳۴۴، فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۰۵)

ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلوٰة الجنازة الخ. (مرقات، كتاب الجنائز، الدعاء بعد صلاة الجنازة مرتان، امداديه ملتان ٤/ ٦٤، مصرى قديم ٢/ ٣٦٩)

ولا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنائز، لأنه دعا مرة لأن أكثرها دعاءٌ الخ. (فتاویٰ بزازيه على هامش الهنديه، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون ٤/ ٨٠، جديد ١/ ٥٣)

ولا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة. (الفتاویٰ التاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الجنائز، المتفرقات زكريا ٣/ ٩٠، رقم: ٣٧٩٤، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، الجنائز، المجلس العلمي ٣/ ١٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۶/ ۱۴۱۱ھ

نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: [۳۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز

جنازہ کے بعد فوراً میت کو سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا رواج ہے کیا ایسا کرنا شرع کے اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، ۲۴ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ بذات خود دعا ہے، اس لئے مزید دعا کی ضرورت نہیں اور باقی یہ طریقہ کہ نماز جنازہ کے بعد میت کو سامنے رکھ کر دعا کرنا تو یہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اور سلف سے ثابت نہیں ہے، لہذا مذکورہ طریقہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ا/ ۲۲۵، عزیز الفتاویٰ/ ۳۳۶)

ولا يدعو للميت بعد صلوٰة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (مرقاة، كتاب الجنائز، الدعاء بعد صلاة الجنازة، مرقاة، امداديه ملتان ٤/ ٦٤، مصرى قديم ٣/ ٦٤)

لا يقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنائز، لأنه دعا مرة لأن أكثرها دعاء. (بزازيه على هامش الهنديه، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون ٤/ ٨٠، جديد ١/ ٥٣، البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل في السلطان أحق بصلاته زكريا ٢/ ٣٢١، كراچی ٢/ ١٨٣، خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه إذا اجتمعت الجنائز) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رشعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۷۸)

۱۱/ باب القبور

ایک ہی قبر میں چند مردوں کو دفن کرنا

سوال: [۳۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض شہروں میں جگہ تنگ ہونے کی بنا پر ایک شخص قبرستان کیلئے جگہ خرید لیتا ہے، اور اس قبر میں ایک نعش کو دفن کرنے کے بعد پھر اسی کے خاندان میں سے کچھ مدت کے بعد کسی کا انتقال ہوتا ہے، تو اس کو بھی اسی میں دفن کرنا چاہتا ہے، اسی طرح سے یکے بعد دیگرے سب کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا چاہتا ہے، تو اس طریقہ پر کئی نعش کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر دفن کر سکتا ہے تو کتنی مدت پر؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: امتیاز احمد، بہراوی، گریڈیہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک ہی قبر میں متعدد مردوں کو دفن کرنا شرعاً جائز ہے، مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلے سے دفن کردہ مردہ کے گوشت و پوست وغیرہ گل کر بالکل ختم ہوگئے ہوں اس سے پہلے قبر کھودنے میں چوں کہ میت کی ہتک حرمت لازم آتی ہے، (جو ممنوع ہے) اس لئے دوسرا مردہ دفن کرنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۴۰، فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۷۸)

ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره فى قبره . (شامی ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميت زكريا ۳/۱۳۸ ، کراچی ۲/۲۳۳ ، تبيين الحقائق ، كتاب الصلاة ، باب الجنائز، قبيل فصل فى التعزية امداديه ملتان ۱/۲٤٦ ، زكريا ۱/۵۸۹ ، هنديه ، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز ، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/۱٦۷ ، جديد ۱/۲۲۸ ، البحرالرائق ، كتاب الصلاة ، باب صلاة

الجنازة ، قبيل باب الشهيد كوئٹه ۲/ ۱۹٤، زكريا۲/ ۳٤۲)

وفى فتح القدير ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلى الأول فلم يبق له إلا عظم . (فتح القدير ، كتاب الصلاة ، باب الجنائز ، قبيل باب الشهيد ، زكريا ۲/ ۱۵۰ ،كوئٹه ۲/ ۱۰۱ ، دار الفكر مصري قديم ۲/ ۱٤۱ ، هكذا فى حلبى كبير ، فصل فى الجنازة اشرفيه / ٦۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۶/ ۱۴۱۸ھ

صندوق یا بکس میں دفن کرنا

سوال: [۳۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کا انتقال ہوگیا اس کے دفن کیلئے لکڑی کا ایک بکس بنوایا گیا اس بکس میں میت رکھی گئی اس کے بعد بکس کے ساتھ ہی اس کو دفن کیا گیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اشرف، بروالان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زمین نرم ہے تو بکس اور صندوق میں رکھکر دفن کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، ہاں البتہ اگر زمین نرم نہیں ہے، اور بلا ضرورت صندوق میں رکھکر دفن کیا جاتا ہے تو مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۹۵، ڈابھیل ۹/ ۵۴)

ولا بأس باتخاذ تابوت .... له عند الحاجة كرخاوة الأرض (تحته فى الشامية) أي يرخص ذلك عند الحاجة وإلا كره . (الدر مع الرد ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب فى دفن الميت زكريا ۳/ ۱٤۰ ، كراچی ۲/ ۲۳٤ ، وهكذا فى الهندية، الباب الحادى والعشرون صلاة الجنائز ، الفصل السادس فى القبر

والدفن زکریا۱/ ۱٦٦ ، جدید ۱/ ۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/ ۳۱۸٦)

مسجد یا مدرسہ کے ذمہ دار کا احاطۂ مسجد یا مدرسہ میں دفن ہونا کیسا؟

سوال: [۳۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ مسجد یا مدرسہ کی زمین میں محض ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے دفن ہوتے ہیں یا تو ان کے کہنے کی وجہ سے دفن کیا جاتا ہے، یا ان کے وارثین کے کہنے کی وجہ سے دفن کیا جاتا ہے، تو اس طرح دفن کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا مدرسہ کے احاطہ کی زمین میں مسجد یا مدرسہ کے ذمہ دار کو دفن کرنا شرعاً جائز نہیں، اس لئے کہ یہ حکماً غصب ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔
(منتخبات نظام الفتاویٰ ۲/ ۳۴۷، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۹۳، محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۳۹، میرٹھ ۲۱/ ۱۲۷)

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن ، قال ابن عابدين قوله: لا يملك : أي لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك أي لا يقبل التمليك لغيره ، بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (شامی ، کتاب الوقف ، فبيل فی شرط واقف الکتب أن لا تعار إلا برهن زکریا٦/ ٥٣٩، کراچی ٤/ ٣٥٢)

شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفى المفهوم والدلالة . (شامی، کتاب الوقف ، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع زکریا٦/ ٦٤٩، کراچی ٤/ ٤٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍جمادی الأخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/ ۱۱۵٦۱)

میت کو قبر میں رکھنے والوں کا جوتے چپل پہنے رکھنا

سوال: [۳۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو دفن کرتے وقت جوتے چپل پیر میں رکھنا کیسا ہے؟ مثلاً میت کو قبر میں اتارنے والوں اور تختہ رکھنے والوں کا اپنے پیروں میں چپل رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میت کو دفن کرتے وقت میت کو قبر میں اتارنے والوں اور تختہ رکھنے والوں کا اپنے پیروں میں جوتے چپل پہنے رکھنا جائز ہے ہاں البتہ خلاف ادب ہے! (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۳۱۴)

ومن السنة أن لا يطأ القبور فى نعليه ويستحب أن يمشى على القبور حافياً.

(حاشية الطحطاوى، باب أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور دارالكتاب ديوبند/ ٦٢٠)

عن بشير مولىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: بينما أنا أماشي رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بقبور .... ثم حانت من رسول الله صلى الله عليه وسلم نظرة، فإذا رجل يمشي في القبور عليه نعلان، فقال: يا صاحب السبتيتين، ويحك ألق سبتيتيك، فنظر الرجل، فلما عرف رسول الله صلى الله عليه وسلم خلعهما فرمىٰ بهما.

(أبو داؤد كتاب الجنائز، باب المشي بين القبور فى النعل، النسخة الهنديه ٢/ ٤٦٠، دارالسلام رقم: ٣٢٣٠، نسائى، كتاب الجنائز، كراهية المشيي بين القبور، فى النعال السبتية، النسخة الهندية ١/ ٢٢٣، دارالسلام رقم: ٢٠٥٠)

يخلع النعال إذا دخل المقابر، وهذا مستحب، وقال الجمهور من العلماء بجواز ذلك، وهو قول الحسن وابن سيرين والنخعي والثورى وأبي حنيفة ومالكٍ والشافعى وجماهير الفقهاء من التابعين. (حاشيه بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب المشي بين القبور فى النعل جديد دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١٠/ ٥١٩)

وأقل أحواله الندب ولأن خلع النعلين أقرب إلى الخشوع وزيُّ أهل التواضع واحترام أموات المسلمين وإخبار النبي ﷺ بأن الميت يسمع قرع نعالهم لاينفي الكراهة . (المغنی ۲/ ۲۲۳)

والمشي في المقابر بنعلين لا يكره عندنا . (هندیه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زکریا ۱/ ۱۶۷، جدید ۱/ ۲۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۵)

دوران تدفین قبرستان میں جوتا چپل پہن کر چلنا

سوال: [۳۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں جوتے چپل پہن کر چلنا جائز ہے یانہیں؟ مثلاً میت کو دفن کرنے جانا ہوا ہے اور جہاں پر قبر بنی ہے وہاں تک پہونچنے کیلئے بہت سی قبروں کے درمیان سے گزرنا پڑ رہا ہے تو ایسی صورت میں جوتا چپل پہن کر قبر تک جانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں قبروں کے درمیان جوتے چپل پہن کر چلنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۱۳۹، میرٹھ ۱۳/ ۳۱۱)

عن أبي هريرة رضـ عن النبي ﷺ أن الميت يسمع خفق نعالهم إذا ولو مدبرين واستدل به على جواز المشيي بين القبور بالنعال. (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال تحت رقم: ۱۳۳۸، دارالریان للتراث بیروت ۳/ ۲۴۵، اشرفیه دیوبند ۳/ ۲۶٤)

عن جرير بن حازم قال: رأيت الحسن وابن سيرين يمشيان بين القبور في نعالهما . (مصنف ابن أبي شيبه، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۷/۱۳ ۵، برقم: ۱۲۲۷ ۱)

قال الخطابی : خبر أنس رضؓ يدل على جواز لبس النعل لزائر القبور وللماشي بحضرتها وبين ظهرانيها. (بذل المجهود ، كتاب الجنائز، باب المشي بين القبور في النعل قديم مطبوعه سهارنپور ۴/۲۱۳، جديد دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۱۰/۵۲۰)

وفي قوله : إنه يسمع خفق نعالهم ، إذا ولو اعنه دليل على إباحة دخول المقابر بالنعال . (ابن حبان ، فصل فی زيارة القبور زكريا الزجر عن دخول القابر بالنعال ۵/۶۸)

والمشي في المقابر بنعلين لا يكره عندنا. (هنديه ،الباب الحادى والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زكريا ۱/۱۶۷، جديد ۱/۲۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرام الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۸)

قبر کس کیفیت کی ہونی چاہئے؟

سوال: [۳۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عام طور سے جو یہاں قبر کھودی جاتی ہے، جس کو شق کہتے ہیں، اسکی چوڑائی اور لمبائی اور اوپری حصہ کتنا ہونا چاہئے۔ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد ہاشم، بہرائچی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چوڑائی اتنی ہو کہ اندر کے حصہ میں آرام سے

میت کو لٹایا جا سکے ، اور اوپر کے حصہ میں دونوں جانب اندر کے حصہ سے اتنا زائد کیا جائے ،جس سے تختہ وغیرہ اچھی طرح رک جائے ،اورلمبائی میت کی لمبائی کے برابر ہواور گہرائی میں اوپر کا حصہ نصف قد کے برابر ہواور نیچے کا حصہ اتنا گہرا ہو کہ میت کو رکھنے کے بعد تختہ میت کے جسم سے نہ لگے۔

والشق أن يحفر حفيرةً كالنهر ويبنى جانباها باللبن أوغيره ويوضع الميت بينهما ويسقف عليه باللبن أوالخشب ولا يمس السقف الميت الخ. (شرح کبیری ، فصل فی الجنائز، اشرفیه دیو بند/۵۹۵، حاشية الطحطاوی علی المراقی ، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها ، دارالکتاب دیو بند /۶۰۷، هندیه،کتاب الصلوٰة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زکریا ۱/۱٦٦، جدید ۱/۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۶۴۰۰)

قبر کی گہرائی کتنی ہو؟

سوال: [۳۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر کا صندوق جس جگہ پر تختے بچھائے جاتے ہیں،اس جگہ کی گہرائی زمین کی سطح سے کتنی ہونی چاہئے؟،نیز تختے رکھنے کی جگہ کے بعدنیچے کتنی گہرائی اورہونی چاہئے؟

المستفتي: قمرالدین،کھیڑا ٹانڈہ،رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبر کی گہرائی کے بارے میں مغربی یوپی میں کچھ لاپرواہی سے کام لیا جاتا ہے،صندوق سے اوپر والے حصے کی گہرائی بہت ہی کم رکھی جاتی ہے ،حالانکہ شرعا اسکی گہرائی قدآدم کے برابر یاکم سے کم صندوق والے حصے پرتختہ رکھنے کے بعد

جب اس کے اوپر کوئی انسان کھڑا ہو جائے تو نصف قد آدم کے برابر سطح زمین سے نیچے کی گہرائی ہونی چاہئے، اور صندوق والا حصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے اسکی گہرائی بقدر ضرورت رکھی جائے، جیسا کہ حدیث اور فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن الحسن قال: أوصی عمر أن یجعل عمق قبره قامة و بسطة .

(المصنف لابن أبي شيبه ، الجنائز، ماقالوا إعماق القبر مؤسسه علوم القرآن بيروت ٣٢٤/٧، رقم: ١١٧٨٤)

يحفر القبر نصف قامة أو إلىٰ الصدر ولمن يزد كان حسناً وفى الحجة: روى الحسن بن زياد عن الإمام أنه قال طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة ...... ثم يوضع الميت بينهما، ويسقف عليه باللبن أو الخشب ولا يمس السقف الميت. (طحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها و دفنها ، دارالكتاب ديو بند/٦٠٧، شامى ، كتاب الصلوٰة ، باب صلاة الجنا زة ، مطلب فى دفن الميت زكريا ٣/ ١٣٩، كراچى ٢/ ٢٣٤، مجمع الأنهر ، كتاب الصلوٰة ، باب صلاة الجنائز ، دارالكتب العلميه بيروت ١/ ٢٧٥، تاتار خانية ، الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز ، نوع آخر فى القبر والدفن زكريا٣/ ٧٦، رقم: ٣٧٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۶۹)

قبر میں اوپر کے حصے کی گہرائی کتنی ہو؟

سوال: [۳۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے، اوپر والا حصہ کتنا گہرا ہونا چاہئے؟ اور نیچے والا حصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے، اس کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر کے دو حصے ہوتے ہیں، (۱) ایک وہ حصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے۔ (۲) اور ایک تختوں سے اوپر والا حصہ، اس کی گہرائی پورے قد آدم ہو، ورنہ کم ازکم آدمی کے نصف قد کے برابر ہونی چاہئے، اور اندر کے حصہ کی گہرائی کم ازکم اتنی ہونی چاہئے کہ اس پر تختہ رکھنے سے تختہ میت سے نہ لگے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۳/ ۹۵، محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۴۸، میرٹھ ۱۳/ ۲۵۴، دار العلوم ۵/ ۳۸۵)

عن الحسن قال: أوصى عمرؓ أن يجعل عمق قبره قامةوبسطة . (مصنف ابن أبی شيبه ، الجنائز، ماقالوا فی اعماق القبر مؤسسه علوم القرآن بيروت ۷/ ۳۲٤، برقم: ۱۱۷۸٤)

(يوضع فيها الميت) بعد أن يبنى حافتاه باللبن أو غيره ثم يوضع الميت بينهما ويسقف عليه باللبن أو الخشب ولا يمس السقف الميت. (حاشية الطحطاوی ، الصلاة ، باب أحكام الجنائز ، فصل فی حملها و دفنها ، دارالكتاب ديو بند/ ٦٠٧)

وينبغی أن يكون مقدار عمقه إلى صدر رجل وسط القامة وكل ما ازداد فهو أفضل ؛ لأن فيه صيانة الميت عن الضياع . (الجوهرة النيرة ، باب الجنائز دارالكتاب ديو بند ۱/ ۱۳۱، مراقی الفلاح الصلاة ، باب أحكام الجنائز، / ۲۲۰، هنديه، الباب الحادی والعشرون فی صلوٰة الجنائز، الفصل السادس فی القبر و الدفن زكريا ۱/ ۱٦٦، جديد ۱/ ۲۲۷)

عن محمد أنه قال: ينبغی أن يكون مقدار العمق إلىٰ صدر رجل وسط القامة ، قال : وكل ما ازداد فهو أفضل ، وعن عمرؓ : أنه قال: يعمق القبر إلىٰ صدر الرجل ، وإن عمقوا مقدار قامة الرجل فهو أحسن.

(تاتارخانیة ، الصلاة ، الفصل الثلاثون فی الجنائز، نوع آخر فی القبر والدفن زکریا۳/۷٦، برقم: ۳۷۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۷)

قبر کے اندرونی حصہ کی مٹی سے لپائی کرنا

سوال: [۳۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں قبر تیار کرنے کے بعد اس کی ملتانی مٹی سے لپائی کرتے ہیں، پھر جنازہ رکھتے ہیں، کیا لپائی کرنا سنت ہے، ملتانی کے علاوہ دوسری مٹی سے نہیں کرسکتے؟ ضروری ہے ملتانی مٹی سے؟ مذکورہ بالا مسائل کا مکمل حل فرما کر ممنون فرمائیں وعنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: عبدالعظیم، مسجد بساتیان،
قصبہ: نول گڑھ، صوبہ: راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کے اندرونی حصہ میں ملتانی مٹی سے لپائی کرنا کسی بھی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے، اسلئے ایسے امور کا التزام بدعت وکراہت سے خالی نہ ہوگا، حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن عائشة قالت : قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم : من أحدث فی أمرنا هذا ماليس منه فهورد. (صحيح البخاری ، كتاب الصلح ، باب إذا اصطلحوا علی جور فالصلح مردود ۱/۳۷۱، رقم: ۲٦۱۹، ف: ۲٦۹۷، صحيح مسلم، كتاب الأقضية ، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور النسخة الهندية ۲/۷۷، بيت الأفكار رقم: ۱۷۱۸، سنن أبی داؤد ، كتاب السنة ، باب فی لزوم النسخة الهندية ۲/٦۳۵،

دارالسلام رقم: ٤٦٠٦، مشکوۃ شریف ١/ ٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۷/ ۱۴۱۳ھ

ڈھائی ہوئی قبر کو ہموار کرنا

سوال: [۳۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر قبر ڈھ جائے، تو اس کو مٹی چڑھا کر ہموار کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفي: عبداللہ عمر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ڈھائی ہوئی قبر پر مٹی چڑھا کر ہموار کرنا جائز ہے۔
(مستفاد فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۷۵، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۱۱۴ اگ میرٹھ ۱۳/ ۳۰۸)

وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها لما روي أن النبي ﷺ مر بقبر ابنه إبراهيم فرأى فيه حجراً سقط منه فسدّه وأصلحه ثم قال من عمل عملاً فليتقنه. (تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ، نوع آخر في القبر والدفن زكريا ٣/ ٧٢، برقم: ٣٧٣٧)

عن مكحولٍ قال: بينما رسول الله ﷺ جالس على قبر ابنه، إذ رأى فرجة فقال للحفار: ائتني بمدرة لأسدها أما أنها لا تضر، ولكن يقرّ بعين الحي. (مصنف عبدالرزاق، بيروت ٣/ ٥٠٨، برقم: ٦٤٩٩، كنز العمال، دارالكتب العلمية ١٥/ ٢٥٦، برقم: ٤٢٣٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۷)

قبر میں ملنے والی ہڈیوں کا کیا کریں

سوال: [۳۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر کھودی گئی اس میں مردار کی ہڈیاں نکلیں تو وہ ہڈیاں اس میں دفنائیں گے یا نہیں؟

المستفتي: افضل حسین قاسمی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر سے نکلی ہوئی پرانی ہڈیوں کو اسی قبر کے کنارے دبا دیا جائے، پھر میت کو اسی قبر میں دفن کیا جا سکتا ہے، اس قبر کو بند کر کے دوسری قبر کھودنا ضروری نہیں اور نہ ہی ان ہڈیوں کو پھینکا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۳۱۰، جدید ڈابھیل ۹/ ۹۶، فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۷۸)

ولا يدفن اثنان في قبر واحد إلا لضرورة ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلي الأول فلم يبق له إلا عظم إلا أن لا يوجد بد فيضم عظام الأول ويجعل بينهما حاجزاً من تراب .(فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن زكريا ديوبند ۲/ ۱۵۰، كوئٹه ۲/ ۱۰۲، دارالفكر مصرى ۲/ ۱٤۱، شامى، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت زكريا ۳/ ۱۳۸، كراچى ۲/ ۲۳۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۰۱)	۱۴/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

مصنوعی دانتوں کو قبر میں رکھنا

سوال: [۳۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مصنوعی دانت مرتے وقت اگر منھ میں نہ ہوں تو کیا قبر میں رکھ دینا چاہئے؟

المستفتي: احمد نجیب، آندھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مصنوعی دانت چونکہ انسان کے جسم کا جزو نہیں ہیں، اسلئے مرتے وقت ان کو نکال دینا چاہئے، اور صورت مسئولہ میں جبکہ وہ پہلے ہی سے باہر ہیں، تو انھیں قبر میں نہیں رکھا جائے گا۔

وینزع عنہ ما لیس من جنس الکفن نحو السلاح والجلود والفرو والحشو والخف والقلنسوۃ. (عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشہید زکریا ۱/۱۶۸، جدید ۱/۲۲۹)

ویدفن بدنہ وثیابہ إلا مالیس من جنس الکفن، کالفرو والحشو والخف والسلاح. (مجمع الأنہر، کتاب الجنائز، باب الشہید، دارالکتاب العلمیۃ بیروت ۱/۲۷۹)

وینزع عنہ مالیس صالحا للکفن کالفرو والحشو والسلاح والدرع. (نور الإیضاح، باب الشہید، امدادیہ دیو بند/۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۱ھ

دفن کرنے کے بعد ایک قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا

سوال: [۳۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو نہلا و کفنا کر اور نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دینے کے بعد قبر سے نکالنا اور کسی دوسرے مقام پر لیجا کر دفنانا کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ یا حرام، پوری تشریح فرمادیں مہربانی ہوگی؟

المستفتي: سعادت حسین، اسلام نگر،
قصبہ: سیوہارہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی طور پر دفن کر چکنے کے بعد دوسری جگہ دفن

کرنے کے لئے قبر کے اندر سے میت کو نکالنا ناجائز اور سخت گناہ ہے، جبکہ جہاں دفن کیا گیا وہاں سے نکالنے پر وہاں کے ذمہ داروں کی طرف سے کوئی اصرار نہ ہو، لہٰذا اگر ایسا کیا گیا ہے، تو کرنے والے سب گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۴۷۷)

ولا يجوز نقله أي الميت بعد دفنه بأن أهيل عليه التراب ، وأما قبله فيخرج بالإجماع بين أئمتنا طالت مدة دفنه أو قصرت للنهى عن نبشه والنبش حرام حقا لله تعالىٰ إلا أن تكون الأرض مغصوبة فيخرج لحق صاحبها إن طلبه . (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها، دارالكتاب ديوبند/٤ ٦١، ٦١٥)

ولا يجوز نقله بعد دفنه بالإجماع إلا أن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بالشفعة . (نورالايضاح ، الصلاة ، باب الجنائز، فصل فى حملها ودفنها امداديه ديوبند/ ١٣٤)

أما بعد الدفن فيحرم إخراجه ونقله إلا إذا كانت الأرض التى دفن فيها مغصوبة أو أخذت بعد دفنه بشفعة . (الفقه علىٰ المذاهب الأربعة مباحث الجنائز، مبحث الشهيد، نبش القبر، دارالفكر بيروت ١ /٥٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۳ھ

شک کی بنیاد پر دفن کے بعد میت کو قبر سے نکالنا

سوال: [۳۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل ہری چگوں والی مسجد کے قریب قبرستان کا مہتمم ومتولی ہے، پولس تقریباً ۱۸/۱۹ ردن کی پرانی میت (ایک عورت) کو قبر سے کھودنا چاہتی ہے، اور نکالنا چاہتی ہے، کیا شرعی اور مذہبی نقطۂ

نظر سے میت کی بے حرمتی ہوگی اور آپ شرعی اور مذہبی نقطۂ نظر سے اپنا فتویٰ دینے کی زحمت فرمائیں کہ یہ کہاں تک جائز ہے؟

المستفتي: محمد منظور احمد قریشی، ہری چگوں والا قبرستان، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض شکوک وشبہات کی وجہ سے دفن کے بعد میت کو قبر سے نکالنا اسلامی شریعت میں جائز نہیں ہے، نہ حکومت کے لوگوں کیلئے جائز ہے اور نہ ہی عوام مسلمانوں کیلئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۸۹، جدید زکریا ۴/ ۲۰۱، جدید زکریا مطول ۵/ ۵۱۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۲۹۶، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۳۴)

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب . (درمختار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت كراچی ۲/ ۲۳۸، زکریا ۳/ ۱۴۵)

والنبش حرام حقا لله تعالىٰ، قال الطحطاوي، ولا يباح نبشه بعد الدفن أصلاً. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، دارالكتاب ديو بند/ ۶۱۴، ۶۱۵، حلبي كبير، فصل في الجنائز، مسائل متفرقة من الجنائز، اشرفيه ديو بند/ ۶۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۸ھ

معائنہ کی غرض سے دفن شدہ نعش کو نکالنا

سوال: [۳۹۴۱ (الف)]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا قتل ہوگیا ہے، اور اس کو نماز جنازہ پڑھ کر دفن بھی کر دیا گیا ہے، اتفاق سے اب یہ صورت درپیش ہے کہ قاتل کی گرفتاری اور بعض قانونی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے نعش کا

معائنہ بے حد ضروری ہے کیا اس طرح کی ضرورت کی وجہ سے دفن شدہ نعش کو قبر سے نکالنے کی کوئی گنجائش ہے، اگر کوئی گنجائش ہو وضاحت سے تحریر فرمائیں؟

المستفتي: مقصود احمد قاسمی، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی طریقہ سے دفن کے بعد اب صرف نعش کے معائنہ کیلئے قبر سے نکالنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة الخ. (در مختار، باب الجنائز، مطلب فى دفن الميت كراچى ۲۳۸/۲، زكريايو بند۱٤٥/۳)

والنبش حرام حقا لله تعالىٰ، قال الطحطاوى، ولا يباح نبشه بعد الدفن أصلاً. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها، دارالكتاب ديو بند/٦١٤، ٦١٥، حلبي كبير، فصل فى الجنائز، مسائل متفرقة من الجنائز، اشرفيه ديو بند/٦٠٧)

نیز معائنہ بھی غیر مسلموں کا ہوتا ہے، اس میں میت اور اسلام کی ہتک حرمت لازم آ سکتی ہے۔

عن ابن مسعود قال: أذى المؤمن فى موته كأذاه فى حياته. (المصنف لإبن أبي شيبه، كتاب الجنائز، ماقالوا فى سبب الموتى وماكره من ذلك تحقيق شيخ عوامه، مؤسسه علوم القرآن ٤٣٢/٧، رقم: ١٢١١٥)

أكرام الميت مندوب إليه فى جميع مايجب كإكرامه حيا، وإهانته منهى عنها كما فى الحيوة. (شرح الطيبى، الجنائز، باب دفن الميت تحت رقم الحديث/١٧١٤، كراچى ٣٨٧/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۸۲/۳۳)

چوبیس گھنٹہ پہلے قبر تیار کر کے رکھنا

سوال [۳۹۴۱(ب)]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چوبیس گھنٹہ پہلے قبر کھودی گئی، چوبیس گھنٹہ میں میت کو یہاں لا کر دفن کرنا ہے، تو ایسی صورت میں میت کے دفن سے پہلے قبر کے پاس کسی آدمی کا موجود رہنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کھودنے کے بعد تدفین سے پہلے قبر کی حفاظت کے لئے قبر کے پاس کسی آدمی کا رہنا لازم اور ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور حضرت ربیع بن خثیمؒ وغیرہ نے کئی دن قبل اپنی قبر تیار کر رکھی تھی مگر کسی کو قبر پر نگرانی اور حفاظت پر مامور نہیں کیا گیا تھا۔

مات أبو سفيان بالمدينة، وصلى عليه عمر بن الخطابؓ، وقبر في دار عقيل بن أبي طالب بالبقيع، وهو الذي حفر قبر نفسه قبل أن يموت بثلاثة أيام.

(اعلاء السنن، أبواب الجنائز، باب استحباب غرز الجريدة الرطبة على القبر، دار الكتب العلمية بيروت ۸/ ۳٤٥، كراچي ۸/ ۳۰۲، المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب أبي سفيان بن الحارثؓ قديم ۳/ ۲٥٥، جديد مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٥/ ۹۰٥، رقم: ٥١۰۸)

من حفر قبراً لنفسه فلا بأس به ويؤجر عليه، هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر في القبر والدفن، زكريا ۳/ ۷٦، رقم: ۳۷٤۹، هندية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، زكريا قديم ۱/ ۱٦٦، زكريا جديد ۱/ ۲۲۷)

ویحفر قبرًا لنفسه، وقیل یکره والذي ینبغي أن لا یکره تهیئة نحو الکفن. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في اهداء ثواب القراءة للنبي صلی اللّٰه علیه وسلم، زکریا ۳/ ۱۵٤، کراچي ۲/ ۲٤٤)

قوله: بخلاف القبر، لقوله تعالیٰ: وماتدري نفس بأي أرض تموت حفره لاینا في الآیة لنفعه في الجملة ولو لغیره. (تقریرات رافعي علی شامي، زکریا ۳/ ۱۲٤، کراچي ۲/ ۱۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف رجسٹر خاص)

زندگی میں اپنی قبر تیار کر کے اس میں دفن کی وصیت کرنا

سوال: [۳۹۴۱(ج)]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ: اپنی زندگی میں اپنی قبر کھود کر تیار کر لیتے ہیں اور متعلقین سے کہتے ہیں، اسی میں مجھے دفن کرنا ہے کیا اس طرح اپنی زندگی میں قبر تیار کر کے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: عمیر، غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی زندگی میں ہی قبر تیار کر کے رکھ لینا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے دل ودماغ میں موت وقبر کی باتیں تصور میں رہتی ہیں اور موت وقبر کی باتیں تصور میں رہنا اور ان کو یاد رکھنا باعث اجر وثواب ہے حدیث شریف میں ایسے شخص کو عقلمند اور سمجھدار بتایا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ”**یارسول اللّٰہ! أي المومنین أکیس**“ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”**أکثرهم للموت ذکراً وأحسنهم استعداداً له قبل أن ینزل بهم أولئک من الأکیاس**“ یہ ایک لمبی حدیث کا مختصر حصہ ہے۔

ملاحظہ ہومستدرک حاکم جدید۸/ ۳۰۷۹، رقم: ۸۰۶۲۳، اس سلسلے میں مزید چند روایات اورجزئیات ملاحظہ فرمایئے:

حدثنا محمد بن عمر قال: أبوسفيان بن الحارث بن عبد المطلب بن هاشم.......... ومات أبو سفيان بن الحارث بالمدينة بعد أخيه نوفل بن الحارث بأربعة أشهر إلا ثلاث عشرة ليلة ويقال: مات سنة عشرين وصلى عليه عمر بن الخطاب ، وقبر في دار عقيل بن أبى طالب بالبقيع وهو الذي حفر نفسه قبل أن يموت بثلاثة أيام . (المستدرك للحاكم ، ذكر مناقب أبي سفيان بن الحارث الخ-٣/٢٨٤، ٢٨٥ ،مكتبه نزار مصطفى الباز ٥/١٩٠٥، رقم: ٥١٠٨)

ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته فلا بأس به ويؤجر عليه ، هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم . (تاتار خانية، كتاب الصلاة ، الجنائز ، القبروالدفن ٣/٧٦، رقم: ٣٧٤٩)

ومن حفر قبراً لنفسه فلا بأس به ويؤجر عليه . (هنديه كتاب الصلاة، الجنائز ، الفصل السادس : فى القبر والدفن ١/١٦٦، قديم جديد ١/٢٢٧، حلبى كبير /٦١٠، قبيل فى احكام المسجد، طحطاوى على المراقى، الجنائز ، فصل فى حملها ودفنها /٦١٥)

ويحفر قبراً لنفسه أي لابأس به . (شامى، كراچى ، باب صلاة الجنازة ٢/٢٤٤، زكريا٣/١٥٤)

اعلم أن استعداد الكفن للمرأ لا بأس به وحفر القبر قبل أوانه لا يحمد.................. والدليل على الثانى ما فى فتح البارى قال ابن بطال وقد حفر جماعة من الصالحين قبور هم على الموت. (اعلاء السنن ٨/٢٧١، ٢٧٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

۱۲ / باب التدفین

میت کو قبر میں لٹانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

سوال: [۳۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر لٹانا چاہئے یا سیدھا لٹانا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر لٹانا مسنون ہے، البتہ سیدھا لٹا کر صرف چہرہ قبلہ سمت کر دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل قبراً لیلاً، فأسرج له سراج، فأخذه من قبل القبلة الحدیث. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی الدفن باللیل، النسخة الهندیة ۱/۲۰۴، دارالسلام رقم: ۱۰۵۷، المعجم الکبیر للطبرانی، دارإحیاء التراث العربي ۱۱/۱۴۱، رقم: ۱۱۲۹۵)

ویوجه إلیٰ القبلة علی جنبه الأیمن بذلک أمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیا لما مات رجل من بنی عبد المطلب فقال: یاعلی! استقبل به القبلة استقبالا، وقولوا جمیعا باسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ، وضعوه بجنبه ولا تکبوه علی وجهه ولا تلقوه علی ظهره کذا فی الجوهرة والحلبی. (حاشیة الطحطاوی، علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، دارالکتاب دیوبند/۶۰۹)

ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة. (خلاصة الفتاویٰ، باب الجنائز، ۱/۲۲۶، مکتبه فقیه الأمت، حلبي کبیر، کتاب الصلاة فصل فی الجنائز، اشرفیه دیو بند/۵۷۶)

ويوضع فى القبر على شقه الأيمن متوجها إلى القبلة . (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون ، الجنائز، القبر والدفن زكريا٣/٦٦ ٩، رقم: ٣٧٢٩)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤/٥/١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٥٢٥)

میت کو قبر میں دائیں کروٹ قبلہ رخ لٹانا

سوال: [٣٩٤٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حافظ، عالم، مفتی، پیر، مرشد کو بعد وصال لحد میں کروٹ سے قبلہ رخ رکھا جائے یا عام میت کی طرح؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتي: حافظ محمد ایوب، علیگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ حکم صرف حافظ عالم مفتی کیلئے نہیں بلکہ عام مسلمانوں کیلئے یہی حکم ہے کہ قبر میں دائیں کروٹ پر قبلہ رخ رکھا جائے ، اس میں عام مسلمان اور حافظ، عالم ومفتی کا کوئی فرق نہیں۔

عن عبيد بن عمير عن أبيه أنه حدثه وكانت له صحبة ، أن رجلا سأله فقال: يارسول الله (إلى قوله) البيت الحرام قبلتكم أحياء وأمواتاً . (سنن أبي داؤد، الوصايا ، باب ماجاء في التشديد في أكل مال اليتيم ، النسخة الهندية ٢/ ٣٩٧، دارالسلام رقم: ٢٨٧٥ ، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/٤٧، رقم: ١٠١، المستدرك ، كتاب الإيمان قديم ١/ ٥٩، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ١/٨٦، ٨٧، رقم: ١٩٧ ، كتاب التوبة والإنابة قديم ٤/ ٢٥٩، جديد ٧/ ٢٧٣٤، رقم: ٧٦٦٦)

ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة الخ. (فتاویٰ عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مكان إلى مكان آخر زکریا ۱/۱٦٦، جدید ۱/۲۲۷، کراچی ۲/۲۳٦، کوئٹه ۱/٦٦٠، احسن الفتاویٰ ٤/۲۲٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۹۱)

قبر پر تختہ کس طرف سے بچھانا بہتر ہے؟

سوال: [۳۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ یعنی میت قبر میں رکھنے کے بعد لکڑی کا تختہ سرہانے یا پائتانے کس طرف سے بچھانا بہتر ہے؟ کیا عورت میت یا مرد میت کے لئے تختہ بچھانے میں کوئی فرق ہے؟

المستفتي: محمد جابر خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر میں لکڑی کا تختہ یا بانس وغیرہ کس طرف سے بچھانا بہتر اور افضل ہے، صراحت سے اس کی کوئی قید شریعت سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اختیار ہے کہ جدھر سے بھی مناسب ہو ادھر سے بچھائے اور اس میں مرد عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

ویستوي اللبن علیه والقصب لما روی أنه علیه الصلاة والسلام جعل علی قبره اللبن. (تبیین الحقائق ۱/ ٥٨٦)

ویبنی جانباه باللبن أو غیره ویوضع المیت ویسقف. (کبیری، فصل فی الجنائز، اشرفیه دیوبند/٥٩٨، حاشیة الطحطاوی، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها جدید دار الکتاب دیوبند/ ٦٠٩، قدیم /٥٠٣، الفقه علی المذاهب الأربعة مکمل

۲۹۶/) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۴۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۳ھ

تدفین کی دعاء منہا خلقنٰکم کا ثبوت

سوال: [۳۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر پر مٹی ڈالتے وقت جو دعاء پڑھی جاتی ہے، **منها خلقنكم**، الأية: کیا کسی حدیث شریف میں موجود ہے، اگر موجود ہے تو مع حوالہ تحریر فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں: ان الفاظ کے ساتھ دفن کے وقت دعاء پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے، ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي أمامة (رضی الله عنه) قال: لما وضعت أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم منها خلقنكم وفيها نعيد كم ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ الخ. (مسند احمد ۲۵٤/٥، رقم: ۲۲٥٤۰)

ہاں البتہ سند میں علی بن یزید ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب رقم: ۴۸۳۳)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على جنازة ثم أتى قبر الميت فحثىٰ عليه من قبل رأسه ثلاثاً. (سنن ابن ماجه ۱۱۲/)

يستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثاً لما روى عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على جنازة ثم أتى القبر فحثىٰ عليه من قبل رأسه ثلاثاً ويقول: في الحثية الأولىٰ: منها خلقنكم وفي الثانية: وفيها نعيدكم، وفي الثالثة: ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٤/۲۱، وحاشية الطحطاوي، الجنائز، دارالكتاب

دیو بند/ ۶۱۰، ۶۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۳۹۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۵/۱۴۳۶ھ

قبر میں مٹی بیٹھ کر ڈالیں یا کھڑے ہوکر

سوال: [۳۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردہ کو دفن کرتے وقت بیٹھ کر مٹی ڈالنا چاہئے یا کھڑے ہوکر دینا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دفن کے وقت بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر مٹی دینا صراحت کے ساتھ صحیح حدیث میں کوئی تشریح نظر سے نہیں گذری لہٰذا جس طرح بھی سہولت ہو اس طرح دینا جائز ہے، اس میں قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۹۳)

قبر میں مٹی ڈالنے کا صحیح طریقہ

سوال: [۳۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد حاضرین مقبرہ کھڑے ہوکر مٹی ڈالیں گے یا بیٹھ کر، سرہانے کی طرف سے یا پاؤں کی طرف سے ایک مرتبہ یا تین مرتبہ؟ صراحت کے ساتھ صحیح طریقہ مع حوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد مصدق حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر پر تین مٹھی مٹی میت کے سرہانے کی طرف سے کھڑے ہوکر ڈالنا مستحب ہے، اور اگر مٹی دینے والوں کی بھیڑ زیادہ ہوجائے تو جس طرف سے گنجائش ہو اسی طرف سے مٹی دینے کی گنجائش ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ صلى على جنازة ، ثم أتى قبر الميت ، فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثاً. (سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء فی حشو التراب في القبر ،النسخة الهندية ، دارالسلام/ ١٥٦٥، المعجم الأوسط ، من اسمه عبد الرحمن دارالفكر ٣/ ٣٠٨، رقم: ٤٦٧٣)

ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثو فی قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعاً ، ويكون من قبل رأس الميت . (عالمگیری، الباب الحادی والعشرون، صلاة الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زكريا ١/ ١٦٦، جديد ١/ ٢٢٧، وهكذا في حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/ ٦١١، الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن الميت زكريا ٣/ ١٤٣، كراچی ٢/ ٢٣٦، البنايه ، باب الجنائز، فصل فی الدفن اشرفيه ديوبند ٣/ ٢٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۸/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۰۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۸/۱۴۲۸ھ

دفن کے کئی دن بعد آنے والے کا قبر پر مٹی ڈالنا

سوال: [۳۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنے رشتہ دار کے جنازے میں شریک نہیں ہوا، کئی دنوں کے بعد حاضر ہوا اب وہ قبر پر مٹی ڈالنے کی فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ قبر پر مٹی کتنی مدت تک ڈال سکتے ہیں؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتی: مولانا عارف باللہ، ۲۴/ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باضابطہ مسنون طریقہ سے میت کی تدفین ہوچکی ہو اور قبر بھی صحیح طریقہ سے بنادی گئی ہو پھر کئی دن کے بعد کسی رشتہ دار کا اس ارادہ سے قبر پر مٹی ڈالنا کہ اس کو مٹی ڈالنے کی فضیلت حاصل ہوجائے کسی معتبر کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گزرا ہاں البتہ ایسا کرنا جائز ہے کہ اگر قبر کے اوپر کوئی پتھر وغیرہ ہو یا قبر ڈھل گئی ہو تو اس کو برابر کردینے کی گنجائش ہے۔

وذکر في بعض المواضع أنه لا بأس بالطین للقبور لما روی عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه مر بقبر ابنه إبراهیم فرأی فیه حجراً فستره فقال من عمل عملاً فلیتقنه. (الولوالجیه ۱/۱۶۷، مکتبه دارالایمان، سهارنپور)

وفي النوازل: سئل أبو نصر عن تطیین القبر؟ قال: لا بأس به وفي الغیاثیة وعلیه الفتویٰ. (التاتار خانیة، جدیدزکریا۳/ ۷۱)

عن ابن عون قال: سئل محمد بن سیرین هل تطین القبور ؟ فقال: لا أعلم به بأساً. (المصنف لابن ابي شیبة، الجنائز، في تطیین القبر و ما ذکر فیه ۷/ ۳۶۲، رقم: ۱۱۹۲۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۳ھ

تختہ وغیرہ کے بغیر میت پر مٹی ڈالنا

سوال: [۳۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ میت کے اوپر تختہ وغیرہ کے بغیر مٹی ڈالی جائے گی، کیونکہ میت کو مٹی لگنا ضروری ہے، بکر کہتا ہے کہ اس طرح میت کے اوپر تختہ وغیرہ کے بغیر مٹی ڈالنا جائز نہیں؟ لہٰذا دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟

المستفتي: فخر الزماں، کشن گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سیدھی قبر کی صورت میں قبر کے دو حصے ہوتے ہیں نیچے حصہ میں میت کو رکھا جاتا ہے، اور اوپر کے حصہ میں میت کے اوپر کی جانب تختہ یا بانس بچھا کر پھر مٹی ڈالنے کا حکم ہے، زید کا قول درست نہیں اور بکر کا قول درست ہے۔

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص أن سعد بن أبي وقاص قال في مرضه الذي هلك فيه الحدوا لي لحداً، وانصبوا على اللبن نصبا، كما صنع برسول الله صلى الله عليه وسلم. (مسلم، الجنائز، فی استحباب اللحد، النسخة الندية ۱/ ۳۱۱، بيت الأفكار رقم: ۹۶۶)

ويسقف عليه اللبن ولا يمس السقف الميت الخ. (شرح كبيرى غنية المستملى، فصل فى الجنائز، اشرفيه ديو بند/ ۵۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۲۸ھ

قبر میں رکھنے کے بعد سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا کرنا

سوال: [۳۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو قبر کے اندر رکھ کر اسکے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا ''بسم اللہ وعلیٰ ملت رسول اللہ'' کے پڑھنے کے سلسلے میں جو بھی حکم ہو اس کو وضاحت سے بیان فرمائیں؟

المستفتي: حافظ محمد لقمان علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ پوری دعا میت کو قبر میں

رکھتے وقت مطلقاً پڑھنا ثابت ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : إذا وضعتم موتاكم في قبورهم فقولوا بسم الله وعلى ملة رسول الله . (المستدرك ، الجنائز، مكتبه نزار مصطفى الباز ٢/ ٥٢٣، وهكذا فى سنن الترمذى ، الجنائز، باب ماجاء مايقول إذا أدخل الميت في قبره ،النسخة الهندية ١/ ٢٠٢، دارالسلام رقم: ١٠٤٦، سنن ابن ماجه ،الجنائز، باب ماجاء فى إدخال الميت القبر ،النسخة الهندية ١/ ١١١، دارالسلام رقم: ١٥٥٠، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٧، رقم: ٤٨١٢، ٤٩٩٠، ٥٢٣٣، ٥٣٧٠، ٦١١١)

ويقول واضعه بسم الله وعلى ملة رسول الله . (هنديه ، الباب الحادى والعشرون ، فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر و الدفن زكريا ١/ ١٦٦، جديد ١/ ٢٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۷/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۲ھ

عورت کو دفن کرتے وقت پردہ کرنا

سوال: [۳۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کی تدفین کے وقت نامحرم کا قبر کے پاس کھڑا ہونا یا قبر میں دیکھنا ازروئے شرع کیسا ہے؟ جواب سے نوازیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: جلیس احمد، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کی تدفین کے وقت پردہ کے اہتمام کا حکم حدیث میں وارد ہوا ہے، اسلئے نامحرم کیلئے قبر میں دیکھنا ممنوع ہے۔

عن علی بن أبي طالبؓ أنه أتاهم قال: ونحن ندفن میتاً وقد بسط الثوب علی قبره، فجذب الثوب من القبر وقال: إنما یصنع هذا بالنساء. (السنن الکبری للبیهقی، الجنائز، باب ماروی فی سترا لقبر بثوب، دارالفکر ۵/۳۹۹،رقم: ۷۱۴۹)

ویسجی قبر المرأة بثوب لما روی أن فاطمةؓ سجی قبرها بثوب الخ. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی سنة الدفن کراچی ۱/۳۱۹، ۳۲۰، زکریا ۲/۶۳، ٦٤، المبسوط للسرخسی، باب غسل المیت، دارالکتاب العلمیة بیروت ۲/٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۷٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۵/۲ھ

پاٹن کس طرف سے بچھائے جائیں

سوال: [۳۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات مردے کو قبر میں رکھنے کے بعد اگر عورت ہے تو اس کے پاؤں کی جانب سے پاٹن (پٹرے وتختے) رکھتے ہیں، اور اگر مرد ہے تو سرہانے کی طرف سے پاٹن رکھتے ہیں، اور بعض لوگ اس کا الٹا کرتے ہیں، یعنی اگر مرد ہے تو اس کے پاؤں کی طرف سے اور اگر عورت ہے تو اس کے سرہانے کی طرف سے پاٹن رکھتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرد ہو تو پاٹن سرہانے کی جانب سے رکھا جائے، اور عورت ہو تو پاؤں کی طرف سے یا اس کے برعکس کتب فقہ میں مجھے اس طرح کی کوئی صراحت نہیں ملی، لیکن پاٹن رکھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ مٹی میت پر نہ گرنے پائے۔

(ویسوی اللبن علیه والقصب) قوله القصب قال فی الحلیة وتسد

الفرج التی بین اللبن بالمدرو القصب كي لا ينزل التراب منها على الميت . (شامی ، کتاب الصلاۃ ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت ، کراچی ٢/٢٣٦ ، زکریا ٣/١٤٢، کبیری ، صلاۃ الجنائز، باب الدفن اللحد اشرفی جدید /٥٩٨، ٥٥٤، کبیری ، صلاۃ الجنائز، باب الدفن فی اللحد ، اشرفی جدید/٥٩٧ /٥٩٨،قدیم: ٥٥٤)

ہاں البتہ بغلی قبر کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ اینٹوں کو میت کے دائیں اور قبلہ کی جانب سے رکھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ربیع الاول ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٥/ ٦٥٢٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢١/٣/٣ھ

میت کو پوسٹ مارٹم کیلئے قبر سے نکالنا

سوال: [٣٩٥٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دفن کے بعد میت کو پوسٹ مارٹم وغیرہ کے لئے قبر سے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دفن کے بعد قبر کھولنا اور میت کو پوسٹ مارٹم کے لئے نکالنا جائز نہیں، اسی طرح کسی اور وجہ سے بھی بلا کسی شدید عذر کے نکالنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ٤/٢٠١، جدید زکریا مطول ٥/ ٥١٧،قدیم ٨٤/ ١٨٩، محمودیہ میرٹھ ١٣/ ٢٩٧، محمودیہ ڈابھیل ٩/ ١٣٤)

ولا يسع إخراج الميت من القبر بعد مادفن إلا إذا كانت الأرض مغصوبة . (خانية على هامش الهنديه، باب فی غسل الميت وما يتعلق به زكريا١/ ١٩٥،جديد١/ ١٢١، كذا فی الإشباه والنظائر / ٢٥٢، زكريا)

والنبش حرام حقا لله تعالىٰ. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، باب

أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها جديد ، دار الكتاب ديوبند/ ٦١٤، قديم /٥٠٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۵۶)

پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت

سوال: [۳۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آدمی کے جل جانے یا ایکسیڈنٹ ہوجانے یا اور کسی بنا پر ہلاک ہوجانے پر اس کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، جس میں مردہ کو چیر پھاڑ کر کے اسکی بے حرمتی ہوتی ہے، یہ حکومت کا قانون ہونے کی بنا پر ہوتا ہے، لیکن شریعت کی رو سے پوسٹ مارٹم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو قابل احترام قرار دیا ہے، میت کے بدن کو چھونے سے منع فرمایا ہے، اس سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے، تو پوسٹ مارٹم کی شرعاً کیسے گنجائش ہوسکتی ہے، اس بارے میں مفصل تحقیق کر کے مسئلہ کو وضاحت کیساتھ مدلل لکھیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: احمد علی، خادم تحفیظ القرآن، مدرسہ شاہی، ضلع، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: میت کا پوسٹ مارٹم کرنا ازروئے شرع جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ انسانی حرمت کے خلاف ہے، شریعت انسان کی بے حرمتی کی قطعاً اجازت نہیں دیتی ہے، لہذا پوسٹ مارٹم کرنا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔

والآدمي محترم بعد موته على ماكان عليه في حياته فكما لا يجوز التداوى بشيىء من الآدمي الحي إكراما له لا يجوز التداوى بعظم الميت.

(شرح السير الكبير ١/ ٩٠، بحواله جواهر الفقه قديم ٤/ ٥١، جديد زكريا ٧/ ٦٢)

قال رسول الله ﷺ كسر عظم الميت ككسر عظم الحي . (ابو داؤد، كتاب الجنائز، باب فى الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان ، النسخة الهندية ٤٥٨/٢ ، دار السلام رقم: ٣٢٠٧)

أخرج ابن أبى شيبه عن ابن مسعود قال: أذىٰ المؤمن فى موته كأذاه فى حياته ـ (مصنف ابن أبى شيبه ، مؤسسه علوم القرآن ٤٣٢/٧ ، رقم: ١٢١١٥)

قال الطيبى إنه لا يهان الميت كما لا يهان الحي . (حاشية /٦، مشكوٰة، كتاب الجنائز، باب دفن الميت ، الفصل الثانى /١٤٩)

إكرام الميت مندوب إليه فى جميع مايجب كإكرامه حيا، وإهانته منهي عنها كما فى الحيوٰة . (شرح الطيبي ، كتاب الجنائز، باب دفن الميت تحت رقم الحديث/ ١٧١٤، مطبوعه كراچى ٣٨٧/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/صفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۶۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲ھ

میت کا پوسٹ مارٹم کرانا

سوال: [۳۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت میں پوسٹ مارٹم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں پوسٹ مارٹم جائز نہیں؛ کیونکہ بدن انسانی مرنے کے بعد بھی اسی طرح قابل تکریم ہے، جس طرح مرنے سے پہلے، تاہم قانونی مجبوری کی بناء پر پوسٹ مارٹم کرالیا گیا تو ورثاء گنہگار نہ ہونگے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/ ۱۷۴، کفایت المفتی جدید ۴/ ۲۰۰، جدید زکریا مطول ۵/ ۵۱۷، قدیم ۴/ ۱۸۸، کتاب الفتاویٰ ۳/ ۲۵۰)

عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: كسر عظم الميت ككسره حيًا.

(أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب فى الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان، النسخةالهندية ٢/ ٤٥٨، دارالسلام رقم: ٣٢٠٧)

لا يجوز بيع شعر الآدمي ولا الانتفاع به ولا بشيئ من أجزائه : لأن الآدمي مكرم غير متبذل فلا يجوز أن يكون شيئًا من أجزائه مهاناً مبتذلاً .

(مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فقيه الأمة ٣/ ٨٥، كذا فى سكب الأنهر ٣/ ٨٥، اوجز المسالك ٤/ ٥٨٧، دمشق، بيروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۵)

ایکسیڈنٹ میں ملنے والے معاوضہ کا حکم

سوال: [۳۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ایک حادثہ میں انتقال ہو گیا، کیا زید کے ورثاء کو گاڑی والے کی جانب سے یا اس کمپنی سے جس سے اس گاڑی کا بیمہ ہو یا حکومت کی طرف سے معاوضہ اور پیسہ لینا جائز ہے؟

المستفتي: عبداللہ، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حادثہ یا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہونے والے کو حکومت یا دوسرے فریق کی طرف سے جو معاوضہ ملتا ہے مرحوم کے ورثاء کیلئے اس معاوضہ کا لینا جائز ہے، اور راجح قول کے مطابق وہ معاوضہ میت کے تمام شرعی ورثاء کے درمیان میت کے ترکہ کی طرح تقسیم ہو جائے گا۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۳)

عن إبراهيم عن عليؓ فى الفارسين يصطدمان قال يضمن الحى دية الميت وعن الحكم عن عليؓ فى الفارسين اصطدما فمات أحدهما أنه يضمن الحي دية الميت . (نصب الرايه، كتاب الديات، باب جناية البهيمة، والجناية عليها،

دارنشر الکتب الإسلامیه، لاهور، پاکستان ٤/ ٣٨٦، المصنف لإبن أبی شیبه، کتاب الدیات، الرجل یصدم الرجل مؤسسه علوم القرآن، بیروت ١٤/ ٢٢١، رقم: ٢٨٢٠٧، ٢٨٢٠٥)

وإذا اصطلح القاتل وأولیاء القتیل علی مال سقط القصاص ووجب المال قلیلاً کان أو کثیراً. (هدایه، کتاب الجنایات، باب القصاص فیما دون النفس، اشرفی دیو بند٤/ ٥٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۴ھ

ایکسیڈنٹ یا حادثہ میں مرنے والوں کا معاوضہ

سوال: [۴۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ریل وغیرہ سے کوئی آدمی مرگیا تو اس کے ورثاء کو سرکار کچھ رقم دیتی ہے؟

(۲) بس سے مرجائے تو بس کا مالک کچھ رقم اپنی خوشی سے دیتا ہے؟

(۳) اسی طرح بس سے مرنے والے کے وارث بس والے سے زبردستی بذریعۂ مقدمہ جان کا بدلہ لیتے ہیں، ان تینوں شکلوں میں رقم لینا درست ہے یا کوئی فرق ہے؟ نیز مرنے والے کے بچہ یتیم ہیں لیکن ان کے باپ نے بہت سی جائیداد چھوڑی ہے جنگل میں زمین کافی ہے ویسے بھی صاحب ثروت ہیں گاؤں کے بڑے لوگوں میں شمار ہوتا ہے، دادا وغیرہ موجود ہیں اب یہ دادا اپنی پوتی پوتے وغیرہ کیلئے بس والے سے بذریعۂ مقدمہ زبردستی رقم لیتے ہیں تو یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا غریب مالدار کا کچھ فرق ہے؟

المستفتي: امام مسجد، بشن پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ۱/ ۲/ ۳/ جی ہاں تینوں شکلوں میں وارثین کیلئے ضابطہ کے مطابق طے شدہ رقم وصول کرنا جائز ہے، اور وارثین غریب ہوں یا مالدار ہردو

صورت میں لینا جائز ہے۔

عن علیؓ فی فارسین اصطدما فمات أحدهما ، فضمن الحي الميت،
عن علیؓ فی الفارسین یصطدمان قال: یضمن الحي دية الميت . (المصنف لإبن أبی شیبه، کتاب الدیات الرجل یصدم الرجل مؤسسه علوم القرآن ، بیروت ۱۴/۲۲۱، رقم: ۲۸۲۰۵، ۲۸۲۰۷، نصب الرایه ، کتاب الدیات ، باب جنایة البهیمة ، والجنایة علیها ، دارنشرالکتب الإسلامیه ، لاهور ، پاکستان ۳۸۶/٤)

ولو أن فارسین أحدهما یسیر والآخر واقف أو رجلین أحدهما یمشی والآخر واقف فاصطدما فعلی السائر والماشی الکفارة (وقوله) فضمان التی عطبت علی الآخر الخ . (قاضی خان ، علی الهندیة ، کتاب الجنایات ، فصل فی القتل الذی یوجب الدیة زکریا۳/٤٤٤، جدید۳/۳۲٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
۱۴۱۶/۴/۲۲ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۶)

سونا نگلنے والے کا پیٹ چاک کرنا

سوال: [۳۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ۳۰؍۴۰؍ ہزار روپئے کا سونا نگل لیا وہ سونا اس کے پیٹ میں چلا گیا اب سوال یہ ہے کہ اس میت کے پیٹ کو چاک کر کے سونا نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: نسیم احمد، مہاراسٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شخص مذکور نے بالقصد دوسرے شخص کا سونا نگل لیا اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا تو ایسی صورت میں اس کا پیٹ چاک کر کے سونا نکال لینا جائز

اور درست ہے، اگرچہ مال کی صیانت وحفاظت کے مقابلہ میں انسان کا احترام اور حرمت اعلی اور فائق ہے، لیکن جب اس نے بالقصد سونے کو نگل لیا ہے، تو اس کی طرف سے تعدی کی وجہ سے اس کا احترام زائل ہوگیا، لہٰذا اس کا پیٹ چاک کرکے سونا نکالنا درست ہوگا۔

ولو بلع مال غيره ومات هل يشق ؟ قولان والأولىٰ نعم وفي الشامية: لأنه وإن كان حرمة الأدمي أعلى من صيانة المال لكنه أزال احترامه بتعديه.

(شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ، مطلب فی دفن المیت ،زکریا۳/۱۴۵/ ۲۳۸)

إذا ابتلع لؤلؤة قيل ظاهره أن ماذكره هو المذهب وهو رواية عن محمد ومقتضىٰ ماعلل به أنه لوابتلع دنا نير غيره يشق بطنه والمنقول خلافه ففي البزازية أنه يشق بطنه في اللؤلؤة والدنانير وقوله في موضع آخر ماهو موافق لما قيل ثم قال ولعل الذي اقتضاه تعليل المصنف هو الصحيح. (الحموی علی الأشباہ قدیم تحته القاعدة الخامسة / ۱۴۵)

إذا ابتلع الرجل درة فمات ولم يدع مالا عليه القيمة .... وفي الاختيار جعل عدم شق بطنه عن محمد ثم قال: وروى الجرجاني عن أصحابنا أنه يشق لأنه حق الآدمي مقدم على حق الله تعالىٰ ومقدم على حق الظالم المتعدى انتهى وهذا أولىٰ. (فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، قبیل باب الشهید کوئٹہ ۲/ ۱۰۲، زکریا ۲/ ۱۵۰۹، حلبی کبری، فصل فی الجنائز، اشرفیه دیوبند/ ۶۰۸)

لیکن اگر اپنا ذاتی سونا نگلا ہے تو اس کے متعلق کوئی صریح عبارت نہیں ملی۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

۱۳ / باب الدعاء بعد الدفن وغیره

دفن میں مدد کرنے والوں سے میت کی طرف سے معافی مانگنا

سوال: [۳۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب لوگ جنازہ کو قبرستان لیکر جاتے ہیں تو کچھ لوگ میت کو دفن کرنے میں مشغول ہوجاتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ اپنے عزیز واقارب کی قبروں پر فاتحہ خوانی میں لگ جاتے ہیں اور پھر مٹی ڈالتے وقت سب حاضر ہوجاتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا درست ہے، یا سب کو دفن میں شریک رہنا چاہئے، نیز دفن کے بعد میت کے عزیز واقارب میں سے کوئی ایک دفن میں مدد کرنے والوں سے میت کی طرف سے معافی مانگتا ہے کہ جس نے جو کام کیا ہو خدا کیلئے معاف کردیں تو کیا اس طرح معافی مانگنا درست ہے جبکہ دفن کرنا تو سب کا حق ہے؟

المستفتي: جمیل احمد، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جنازہ کے ساتھ جانے والے لوگ دفن کی بھیڑ کے وقت وہاں بھیڑ لگانے کے بجائے اپنے عزیز واقارب کی قبروں کی زیارت میں لگ جائیں یہ بہتر اور افضل ہے، اور بھیڑ کم ہوجائے تو جاکر مٹی دے کر دفن میں شریک ہوجائیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ایک مسلمان کے جنازہ کے ساتھ چلنا اور اس کو دفن کرنا یہ دوسرے مسلمانوں پر اس مرنے والے کا حق اور اخلاقی فریضہ ہے، لہٰذا میت کی طرف سے دفن میں مدد کرنیوالوں اور کام میں شریک ہونے والوں سے معافی مانگنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

عن علی رضؓ **قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : للمسلم علی المسلم ست بالمعروف، یسلم علیه إذا لقیه ، ویجیبه إذا دعاه ، ویشمته**

إذا عطس، ویعوده إذا مرض، ویتبع جنازته إذامات ، ویحب له ما یحب لنفسه . (سنن الترمذی ، أبواب الأدب ، باب ماجاء في تشمیت العاطس ، ألنسخة الهندیة ۲/ ۱۰۲، دارالسلام رقم : ۲۷۳۶، الأدب المفرد ، دارالکتاب العلمیه بیروت/ ۲۷۱، ۲۷۲، رقم: ۹۲۲، مسند الدارمي، دارالمغني۳/ ۱۷۲۰، رقم: ۲۶۷۵، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۸۹، رقم: ۶۷۳، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۳/ ۸۱، رقم: ۸۵۰، المعجم الکبیر للطبراني، دارا حیاء التراث العربي ۹/ ۳۵۱، رقم: ۹۷۴۸، مشکوٰة شریف ۱/ ۳۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ۷/ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

تدفین کے بعد پسماندگان سے مصافحہ ومعانقہ کرنا

سوال: [۳۹۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں یہ رسم عام ہے کہ جب میت کو دفن کردیا جاتا ہے، اس کے بعد اس کے قریبی رشتہ دار مثلاً بیٹے بھائی چچا وغیرہ سب ترتیب سے ایک جگہ کھڑے ہوجاتے ہیں، اور تدفین سے فراغت پر لوگ یکے بعد دیگرے آکر مذکورہ وارثین سے ملاقات کرتے ہیں ، اور کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ اگر قبرستان مسجد کے قریب ہے تو تدفین کے بعد مذکورہ حضرات مسجد میں ہی آکر ترتیب سے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور لوگ ان حضرات سے مصافحہ ومعانقہ کرتے ہیں، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا تدفین کے بعد میت کے پسماندگان سے مصافحہ ومعانقہ کرنا مسنون ہے یا مستحب یا واجب یا بدعت وغیرہ اسی طرح مسجد میں کھڑے ہوکر اس عمل کو انجام دینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد نوید، میل وشارم، تملناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی شخص کے انتقال کے موقع پر اس کے پسماندگان اورعزیز واقارب کی تعزیت کرنا اور ان سے تسلی وغیرہ کے کلمات کہنا مستحب ومسنون ہے، حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: من عزیٰ ثكلی كسي بردا فی الجنة. (ترمذی شریف، الجنائز، باب آخر فی فضل التعزیة، النسخة الهندیة ۲۰٦/۱، دارالسلام رقم: ۱۰۷٦)

قيس أبو عمارة قال سمعت عبد اللّٰہ بن أبی بكر بن محمد أبي عمرو بن حزم يحدث عن أبيه عن جده عن النبی ﷺ أنه قال: مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبة، إلا كساه اللّٰہ سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة. (ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء فی ثواب عن عزیٰ مصاباً، النسخة الهندیة ۱/۱۱۵، دارالسلام رقم: ۱٦۰۱)

لیکن اس تعزیتی اور تسلی کی ملاقات کیلئے بہترین جگہ میت کا گھر ہے اور میت کے گھر میں نہ ہوسکے تو کہیں بھی ملاقات ہوجائے تو یہ جائز اور درست ہے، چاہے مسجد میں ہوجائے، یا قبرستان میں ہوجائے یا میت کے رشتہ دار کے گھر ہوجائے، یا خطوط کے ذریعہ ہوجائے، ہرطرح کی ملاقات سے یہ سنت ادا ہوجائے گی، لیکن اس کے لئے قبرستان یا قبرستان کے قریب کی مسجد میں ملاقات لازم نہیں ہے، ہاں البتہ اگر سہولت اور آسانی کیلئے یہاں بھی یہ کام ہوجاتا ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے، بشرطیکہ ان جگہوں پر بطور رسم نہ ہو تسلی کے لئے ان سے مصافحہ اور معانقہ کرنا اوراس دوران ان سے تسلی کے کلمات کہنا جائز اوردرست ہے۔

إن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عزّی رجلاً، فقال: یرحمک اللّٰہ ویأجرک. (السنن الكبریٰ، الجنائز، باب مایقول فی التعزیة من الترحم علی المیت والدعاء له ولمن خلف دارالفكر بیروت ٥/٤١٣، برقم: ۷۱۹۳)

ولا بأس –إلیٰ– و بتعزية أهله وترغيبهم فی الصبر. (درمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب فی الثواب علی المصيبة كراچی ۲۳۹/۲، زكريا ۱۴۶/۳، ۱۴۷)

التعزية لصاحب المصيبة حسن. (عالمگيری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، مسائل فی التعزية زكريا ۱۶۷/۱، جديد ۲۲۸/۱، البنايه، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فی الدفن اشرفيه ديوبند ۲۶۰/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۲۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲۹ھ

میت کو دفنانے کے بعد اجتماعی دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں میت کو دفنانے کے بعد اس کی قبر کے اردگرد قبلہ رخ کھڑے ہوکر اس طرح اجتماعی دعا کرنا کہ ایک دعا کرے اور بقیہ آمین کہیں جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: مفتی محمد سمیر، استاد مدرسہ فلاح دین، ضلع عثمان آباد صوبہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے لیکن اس طرح اجتماعی دعا صراحت سے ثابت نہیں کہ ایک شخص دعا کرائے اور باقی سب آمین کہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ قبر کے مخالف جانب ہوکر اپنے اپنے طور پر انفرادی دعا کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۷۳۰/۱، فتاویٰ عثمانی ۲۷۶/۱، ۲۷۷، احسن الفتاویٰ ۲۲۵/۴)

عن ابن مسعودؓ رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذي النجادين الحديث، وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه .
(فتح الباری، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، قديم ۱۱/۱٤٤، زكريا ۱۱/۱۷۳، تحت رقم الحديث ٦٣٤٣)

عن عائشةؓ قالت: ...... حتى جاء البقيع فقام فأطال القيام ثم رفع يديه ثلث مرات قال النووی تحته فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه . (مسلم شريف، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ۱/۳۱۳، تحت رقم الحديث، بيت الأفكار/ ۹۷٤)

يستحب الوقوف بعد الدفن قليلاً والدعاء للميت مستقبلاً وجهه . (شرح الصدور، باب مايقال عند الدفن والتلقين طبع لاهور كشميری بازار/ ٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دفن میت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ چونکہ ایضاح المسائل میں احسن الفتاویٰ سوم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مستحب ہے، حالانکہ احسن الفتاویٰ کی پہلی جلد میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں، کہ بدعت ہے، اسلئے حضرت والا سے درخواست ہے کہ تحقیقی جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: مبارک حسین القاسمی، خادم: مدرسہ بدر العلوم، بیر پور تھان، ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز اور درست ہے، اور ایضاح المسائل/۶۷ پر یہی مسئلہ فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلۃ قدیم ۱۱/۱۴۴، اشرفیہ ۱۱/۱۷۳، تحت رقم الحدیث: ۶۳۴۳ پر ہے اور احسن الفتاویٰ جلد اول کے حوالہ سے جو اشکال کیا ہے، کہ اس میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے بدعت لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نے پہلے بدعت لکھا تھا، لیکن بعد میں صریح جزئیہ مل جانے کی بنا پر اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کر کے جواز کا قول لکھا ہے، جو (احسن الفتاویٰ ۴/۲۲۴) پر موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۱ھ

دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم

سوال: [۳۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت دفنانے کے بعد میت کے لوگ قبرستان کے باہر آنے پر سب ملکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے یا بدعت ہے؟ مسئلہ کا حل تو آپ ہی کر سکتے ہیں تا کہ قوم بدعت اور گناہ سے بچ جائے، اس کیلئے آپ کی طرف متوجہ ہوا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے اندر یا قبرستان کے باہر اجتماعی انداز سے دعا کا ثبوت نہیں ہے، البتہ انفرادی طور پر مطلقاً دعا کرنا ثابت ہے، اور دعاؤں میں بھی ہاتھ اٹھانے کی گنجائش ہے، لیکن بہتر شکل یہ ہے کہ قبروں سے دوسری طرف رخ کر کے دعا کی جائے، قبروں کی طرف ہو کر دعا نہ کی جائے تا کہ اشتباہ اور

شکوک وشبہات سے حفاظت ہو جائے۔

وفی حدیث عبد الله بن مسعودؓ رأیت رسول الله ﷺ فی قبر عبد الله ذی النجادین الحدیث وفیه لما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا یدیه أخرج أبو عوانة فی صحیحه. (فتح الباری ،کتاب الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة بیروت قدیم ۱۱/۱٤٤، زکریا ۱۱/۱۷۳، تحت رقم الحدیث/٦٣٤٣)

عن ابن مسعودؓ قال: والله لکأني أریٰ رسول الله ﷺ في غزوة تبوک – إلیٰ– فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا یدیه یقول: اللّٰهم إني أمسیت عنه راضیا فارض عنه، وکان ذلک لیلاً، فوالله لقد رأیتنی ولوددت أني مکانه. (مرقاةشرح المشکاة ، باب في دفن المیت ، الفصل الثاني ، مکتبه امدادیه ملتان ٤/٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۲/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/۱۴۲۴ھ

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ متبعین اہل سنت والجماعت بوقت دفن ویسے ہی دعا کیا کرتے تھے میت کیلئے یعنی بغیر ہاتھ اٹھا کر اور بہت عرصے سے یہی طریق ان کا رہا اور اسے علماء دیو بند وا کابر امت کا معمول بہ سمجھ کر کرتے تھے، اور ویسے تو اکابر امت حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحبؒ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحبؒ اور حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سب کا عمل یہ دیکھا گیا ہے، کہ قبر کے پاس بغیر ہاتھ اٹھا کر میت کیلئے دعا فرماتے تھے، اب کچھ دنوں سے جنوبی افریقہ کے بعض علاقہ میں علماء دیو بند کی طرف سے منسوب بعض علماء وشیوخ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے سلسلہ میں یہ عمل رائج کرنے لگے، کہ

سب حاضرین قبلہ کی طرف منھ کر کے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دعا کریں، اور استدلال میں صحیح ابی عوانہ اور تخریج حافظ فی الفتح کی حدیث پیش کرنے لگے، یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ان حضرات کی طرف سے ایک کتاب چھپ چکی ہے کہ جس میں اس بات کو ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے، کہ یہ جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہے سنت ہے اور حدیث پاک سے مؤید ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بزرگان دین متین اور علماء اکابر نے اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا آیا کہ وہ اس حدیث سے نا آشنا تھے، (العیاذ باللہ) یا یہ کہ کوئی اور وجہ تھی، جس کی بنا پر انھوں نے رفع یدین عندالقبر اگر چہ استقبالاً للمقبلۃ ہو ترک فرمادیا تھا؟ کیا نو پید علماء وشیوخ کا حدیث پر عمل ومستدل اصح اور قابل اتباع ہے یا ماضی کے علماء اعیان ومشائخ عظام کا تعامل وطریق زیادہ قابل اتباع اور لائق عمل ہے، افتونا ماجورین وادخلوا الجنة مسرورین.

المستفتي: احقر شعیب رافت، ساکن ڈڈیر، جنوبی افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میت کو دفن کرنے کے بعد میت کے واسطے قبرستان میں دعا مانگنا جائز ہے لیکن ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے یا بغیر ہاتھ اٹھائے اس سلسلہ میں ایک صحابی کا واقعہ ملتا ہے، کہ سفر تبوک کے موقع پر ان صحابی کی وفات ہوگئی تھی، ان کو دفن کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی طرف متوجہ ہوکر ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمائی: "اللّٰهم إنی أمسيت عنه راضياً فارض عنه" اس دعا کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے تھے یا نہیں اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں صحیح ابوعوانہ کے حوالہ سے ہاتھ اٹھانے کی روایت نقل فرمائی ہے، اسی طرح امام عزالدین بن الاثیر نے اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہاتھ اٹھانے کی روایت نقل فرمائی ہے لیکن صحیح ابوعوانہ اور اسد الغابہ کی وہ حدیث شریف کس درجہ کی ہے اس کی نشاندہی نہیں فرمائی ہے، نیز اس وقت

صحیح ابوعوانہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے، اسلئے ہم بھی براہ راست اس حدیث شریف کی سندی حیثیت سے واقفیت حاصل نہ کر سکے اور صاحب اسد الغابہ نے بھی حدیث کی پوری سند نقل نہیں فرمائی ہے، اور حضرت امام ابوبکر ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں مسند بزار کے حوالہ سے اس حدیث شریف کو نقل فرمایا ہے مگر اس میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر موجود نہیں ہے، اور ساتھ میں امام ابوبکر ہیثمیؒ نے اس حدیث کے راوی عباد بن احمد العرزمی کو متروک کہا ہے، لہذا ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ استقبال قبلہ کے ساتھ قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بغیر ہاتھ اٹھائے دعا مانگنا بھی جائز ہے، لھذا اس مسئلہ کو آپس کے اختلاف کا سبب نہ بنایا جائے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ أنه قال: لكأني أرىٰ رسول الله ﷺ في غزوة تبوك وهو في قبر عبد الله ذي النجادين (إلىٰ ماقال) فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه يقول: اللّٰهم إني أمسيت عنه راضياً فارض عنه.

(اسد الغابه ، دارالفكر ٤/ ١٢٤ ، مرقاة شرح المشكاة، باب في دفن الميت ، الفصل الثاني ، مكتبه امداديه ملتان ٤/ ٧٥)

وفي حديث ابن مسعود رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذي النجادين الحديث ، وفيه : فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرجه أبو عوانه في صحيحه. (فتح الباري ، كتاب الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة بيروت قديم ١١/ ٤٤ ، اشرفيه ١١/ ١٧٣ ، تحت رقم الحديث/ ٦٣٤٣)

وعن عبد الله يعني ابن مسعودؓ قال: لكأني أسمع رسول الله ﷺ في غزوة تبوك وهو في قبر عبد الله ذي النجادين إلى ماقال: فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة فقال: اللّٰهم إني أمسيت عنه راضياً فارض عنه، رواه البزار عن شيخه عباد بن أحمد العرزمي وهو متروك . (مجمع الزوائد ٩/ ٣٦٩ ، مسند البزار ، مكتبه العلوم والحكم ٥/ ١٢٢ ، رقم: ١٧٠٦)

سوال نامہ میں جن اکابر ومشائخ کا عمل ہاتھ نہ اٹھانے کے متعلق پیش کیا گیا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے مگران اکابر نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے جواز کا فتویٰ بھی صادر فرمایا ہے، ان کے عمل میں احتیاط کا پہلو ہے، کہ عوام میں قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا معمول اس طرح جاری نہ ہو جائے کہ استقبال قبلہ کو چھوڑ کر قبر کی طرف دعا مانگنے لگیں اسلئے ان اکابر نے عملی طور پر احتیاط کا راستہ اختیار کیا اور جب فتویٰ لکھنے اور مسئلہ بتانے کا موقع آیا تو حدیث کی روشنی میں مسئلہ بتایا، اور حدیث میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا جواز ثابت ہے چنانچہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے، دعا بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جاسکتی ہے، اور ہاتھ اٹھا کر بھی۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۴۰۶، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۴۷تا ۱۴۶) پر بھی یہ بات کہی گئی ہے، اور حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں اور مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں دونوں طرح جائز لکھا ہے۔ (امداد الفتاویٰ زکریا ۱/ ۷۳۰، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۴۸، جدید زکریا ۴/ ۶۰، جدید زکریا مطول ۵/ ۳۴۱)

لہٰذا اس مسئلہ کو اختلاف کا سبب نہ بنایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۹۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۴ھ

دفن کرنے کے بعد اجتماعی طور پر جہری دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں پر عموماً لوگ قبرستان میں میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، اور کوئی عالم یا امام مسجد بآواز بلند دعا کراتے ہیں باقی سبھی حضرات آمین کہتے ہیں، ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا بالجہر کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو اسمیں کس درجہ کی کراہت ہے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بہتر ہے یا بنا ہاتھ اٹھائے سری دعا بہتر ہے یا جہری؟

المستفتي: عبد الجبار، اننت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہاتھ اٹھا کر قبروں کی طرف رخ کر کے اجتماعی طور پر بالجہر دعا کرنا ثابت نہیں، البتہ اتنا ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ہے، لہٰذا اگر کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو قبر کی طرف پشت یا دائیں بائیں الگ ہو کر قبلہ کی طرف رخ کر کے جبکہ سامنے قبریں نہ ہوں ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتا ہے، تاکہ شبہ نہ ہو کہ اہل قبر سے مانگ رہا ہے، البتہ اجتماعی دعا کا التزام نہیں ہونا چاہئے کبھی کبھار ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (مستفاد: امداد الاحکام زکریا ۱/ ۳۱۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۸۰، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۴۶، احسن الفتاویٰ زکریا ۴/ ۲۲۴)

قال ابن تیمیة فی اقتضاء الصراط المستقیم فإنه إنما یرخص فیما إذا سلم علیه ثم أراد الدعاء أن یدعو مستقبل القبلة أما مستدبر القبر أو منحرفاً عنه ولا یدعو مستقبل القبر. (بحواله امدادالأحکام ۱/ ۳۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸/۵/ ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۶۲)

دفن کے بعد کے اعمال

سوال: [۳۹۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مٹی دینے کے بعد فوراً بعد التدفین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا تھا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد التدفین حضرات صحابہ کو کن کن اعمال کا حکم دیا تھا؟

(۲) بعد التدفین یہ اعلان کرنا کہ بھائیو ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول درود شریف ایک بار سورۂ فاتحہ ایک بار، قل ہو اللہ گیارہ بار، پھر آخر میں درود شریف ایک بار پڑھکر یہ کہیں کہ یا اللہ جو قرآن ہم نے پڑھا ہے اس کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو پہونچا کر اس میت کی روح کو اس کا ثواب پہونچا یہ طریقہ سنت رسول کے مطابق ہے؟

(۳) بعد التدفین مطلقاً بغیر سورۃ کی تعداد بتائے کچھ قرآن کریم سے پڑھ کر ایصال ثواب کرنا سنت رسول ہے یا خلفاء راشدین کا یہ معمول رہا ہے؟

(۴) کیا دعاء مغفرت اور ایصال ثواب میں کچھ فرق ہے؟

المستفتي: مسلمانان، شریف نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دفن کرنے کے بعد کچھ دیر کے لئے قبر پر ٹھہرنا اور میت کے لئے دعاء مغفرت اور ثابت قدمی کی دعاء کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کیا ہے، اور صحابہ کرامؓ کو بھی حکم فرمایا ہے، جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے۔

عن عثمان بن عفانؓ قال كان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسئل. (ابو داؤد شريف، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت، النسخةالهندية ٢/٤٥٩، دارالسلام رقم: ٣٢٢١، السنن الكبرىٰ للبيهقى، الجنائز، باب مايقال بعدالدفن قديم ٤/٥٦، دارالفكر ٥/٤٠٣، رقم: ٧١٦٣)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ بقرہ کا اول وآخر سے پڑھنے کا حکم منقول ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرؓ يقول: سمعت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره. (المعجم الكبير للطبرانى، داراحياء التراث العربي ١٢/٣٤٠، رقم: ١٣٦١٣، شعب الإيمان للبيهقى، باب فى الصلاة، من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، دارالكتب العلمية بيروت ٧/١٦، رقم: ٩٢٩٤، مشكوٰة شريف/١٤٩)

(۲) سوالنامہ میں ذکر کردہ طریقہ پر اول درود شریف ایک بار سورۂ فاتحہ ایک بار قل ھو

اللہ شریف گیارہ بار پھر آخر میں درود شریف ایک بار پڑھکر یہ کہنا کہ یا اللہ جو قرآن ہم نے پڑھا ہے اس کا ثواب حضور اکرم ﷺ کی روح کو پہونچا کر اس میت کی روح کو اس کا ثواب پہونچا یہ طریقہ قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے البتہ اس تعیین اور تخصیص کے ساتھ کسی خاص طریقہ کو صحیح سمجھ کر ثواب پہونچانے کی گنجائش ہے، اور اس میں مذکورہ تعیین و تخصیص کے ساتھ کسی خاص طریقہ کو صحیح قرار دینے کا ثبوت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۳۷۷)

وفی شرح اللباب ویقرأ من القرآن ما تیسر لہٗ من الفاتحۃ وأول البقرۃ إلی المفلحون وآیۃ الکرسی وآمن الرسول وسورۃ یٰسٓ وتبارک الملک وسورۃ التکاثر والإخلاص إلی قولہ ثم یقول: اللّٰھم أوصل ثواب ما قرأناہ إلی فلان أو إلیھم. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ قبیل مطلب في قراءۃ المیت وأھداء ثوابھا لہ کراچی ۲/۲۴۳، زکریا ۳/۱۵۱)

(۳) بعد التدفین بغیر کسی تعیین عدد کے کوئی بھی سورۃ یا سورۃ کا جز پڑھکر میت کو ایصال ثواب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اس کا ثبوت حدیث شریف میں مذکورہ ہے کہ آپ ﷺ نے بعد التدفین سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

عن عبد اللہ عمرؓ یقول: سمعت النبی ﷺ یقول: إذا مات أحدکم فلا تحبسوہ، وأسرعوا بہ إلیٰ قبرہ، ولیقرأ عند رأسہ بفاتحۃ الکتاب وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ فی قبرہ. (المعجم الکبیر، داراحیاء التراث العربي ۱۲/۳۴۰، حدیث ۱۳۶۱۳، مجمع الزوائد ۳/۴۴، مشکوٰۃ شریف /۱۴۹)

(۴) دفن کے بعد دعائے مغفرت اور ایصال ثواب دونوں کا ثبوت ہے اور دعائے مغفرت حسب ذیل حدیث سے ثابت ہے۔

عن عثمان بن عفان قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ، فقال: استغفروا لأخیکم واسألوا لہ بالتثبیت فإنہ الآن یسئل. (سنن أبي داؤد، الجنائز، باب الإستغفار عند القبر للمیت، النسخۃ

الهندية ٢/ ٤٥٩، دار السلام رقم: ٣٢٢١)

اور ایصال ثواب حدیث کی روشنی میں فقہاء کی حسب ذیل عبارت سے ثابت ہے۔

وفي شرح اللباب ويقرأ من القرآن ما تيسر لهٗ من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يٰسٓ وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص إلى قوله ثم يقول : اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم . (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة قبيل مطلب في قراءة الميت وأهداء ثوابها له كراچی ٢/ ٢٤٣، زكريا٣/ ١٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۵/ ۱۴۲۴ھ

بعد دفن اجتماعی طور پر دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سی جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ جب مردہ کو قبر میں دفن کر کے فارغ ہوتے ہیں، تو تمام حاضرین ہر چہار جانب سے قبر کو گھیر کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اجتماعی دعا امام صاحب کراتے ہیں، اور میت کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد انوار الحق قاسمی، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان کے اندر یا قبرستان کے باہر اجتماعی انداز سے دعا کا ثبوت نہیں ہے، البتہ انفرادی طور پر مطلقاً دعا کرنا ثابت ہے، اور دعاؤں میں بھی ہاتھ اٹھانے کی گنجائش ہے، لیکن بہتر شکل قبروں سے دوسری طرف رخ کر کے دعا کی جائے، قبروں کی طرف ہو کر دعا نہ کی جائے، تاکہ اشتباہ اور شکوک وشبہات سے حفاظت ہو جائے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۰۷، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۴۴)

وفی حديث ابن مسعودؓ رأيت رسول الله ﷺ فی قبر عبد الله ذی النجادين : الحديث وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرج أبو عوانة فی صحيحه . (فتح الباری ، كتاب الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة بيروت قديم ۱۱/۱۴٤ ، اشرفيه ۱۱/۱۷۳ ، تحت رقم الحديث ٦٣٤٣)

عن عثمان بن عفانؓ قال: كان النبی ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه ، فقال: استغفروا لأخيكم ، واسألوا له بالتثبيت ، فإنه الآن يسأل . (سنن أبي داؤد ، الجنائز، باب الإستغفار، عند القبر للميت ، النسخة الهندية ۲/٤٥۹ ، دارالسلام رقم: ۳۲۲۱)

وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمهٗ(قوله جلوس الخ) لما فی سنن أبي داؤد كان النبی ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال : استغفروا لأخيكم واسئلوا الله له التثبيت فإنه الآن يسأل الخ. (شامی ، كتاب الصلاة، باب صلاةالجنازة، مطلب في دفن الميت كراچی ۲/۲۳۷ ، زكريا ۳/۱٤۳ ، حشية الطحطاوی على مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/٦۱٦)

قال الطحطاوی إذا فرغوا من دفن الميت يستحب الجلوس (المكث) عند قبره بقدر ما ينحر جزور ويقسم لحمه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٦/٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۳/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۷۹٦۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۲۴ھ

دفنانے کے بعد قبر کی طرف متوجہ ہوکر سورہ بقرۃ کی آیات پڑھنا

سوال: [۳۹٦۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو

دفنانے کے بعد تمام آدمی جمع ہوکر قبر کیطرف متوجہ ہوکر کچھ پڑھتے ہیں، اسکے بعد قبلہ رخ ہوکر دعا مانگتے ہیں؟ کیا یہ درست ہے؟

المستفتي: حافظ لقمان علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: میت کو دفنانے کے بعد ایک آدمی کا سرہانے کھڑے ہوکر کے سورۂ بقرہ کی شروع کی آیتیں مفلحون تک اور دوسرے کا پائتانے کھڑے ہوکر سورۂ بقرہ کی اخیر کی دو آیتوں کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔

وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت کراچی ۲/۲۳۷، زکریا۳/۱۴۳)

عن عبد الله بن عمرؓ سمعت النبی ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره. (شعب الإيمان، باب فی الصلاةعلى من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، دارالكتب العلمية بيروت ۷/۱۶، رقم: ۹۲۹۴، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربي۱۲/۳۴۰،رقم: ۱۳۶۱۳، مشکوٰۃ شریف/۱۴۹)

اور اس دوران دوسرے افراد بھی حسب سہولت قرآن کی دوسری آیتیں پڑھ کر میت کو ثواب پہونچادیں تو یہ بھی جائز اور درست ہے، لیکن دوسرے لوگوں کا اس قبر کی طرف متوجہ ہوکر پڑھنا ثابت نہیں ہے، کسی بھی طرف ہوکر کے پڑھ سکتے ہیں، اور بعد میں قبلہ رو ہو کر کے دعا کرنا جائز اور درست ہے بعض روایات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ دفن کے بعد قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز اور درست ہے مگر اس میں بہتر یہ ہے کہ قبر سے رخ دوسری طرف موڑ کر دعا کی جائے تاکہ لوگوں کو شکوک وشبہات پیدا نہ ہوں۔

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه. (فتح الباری، کتاب

الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة قديم ۱۱/ ۱٤٤، اشرفيه ۱۱/ ۱۷۳، تحت رقم الحديث ٦٣٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۲ھ

دفن کے بعد فاتحہ خوانی کرنا

سوال: [۳۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں کسی آدمی کو دفن کرنے گئے بعد دفن کے آواز لگائی جاتی ہے کہ فاتحہ پڑھ لو کچھ آدمی ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھتے ہیں، اب شرعی اعتبار سے ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتي: مقیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا یا دعا کرنا مباح ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جس وقت قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھے یا دعا کرے تو اپنا رخ قبلہ کی جانب کرے یہی طریقہ سنت کے مطابق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی قبر کے قریب جا کر قبلہ رخ ہو کر ان کیلئے دعاء مغفرت فرمائی، اسلئے اگر قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ یا دعا کریں تو سنت طریقہ کو اپنائیں۔ (مستفاد: محمودیہ ۲/ ۳۹۴، ۴۰۶، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۸۳، جدید زکریا مطول ۴/ ۱۹۴، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۲۴، امداد الفتاویٰ ۱/ ۷۳۰)

وفي حديث ابن مسعودؓ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين: الحديث وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرج أبو عوانة في صحيحه. (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة

رافعاً یدیہ قدیم ۱۱/۱۴۴، اشرفیہ ۱۱/۱۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۲۸ھ

قبر پر سورۂ بقرہ پڑھنے کا طریقہ

سوال: [۳۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں قبر کے مکمل ہونے کے بعد بعض بزرگ لوگ یہ کرتے ہیں کہ سرہانے کے پاس اپنے ہاتھ کی انگلی رکھ کر سورۂ بقرہ کی اول آخر آیتیں پڑھتے ہیں اس کے بعد پھر پیر کی طرف بھی یہی عمل کرتے ہیں، تو کیا ایسے عمل کی شریعت میں کوئی اصل ہے؟

المستفتی: محمد عثمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دفن کے بعد جب قبر مکمل ہو جائے تو میت کے سرہانے سورہ بقرۂ کا اول رکوع مفلحون تک اور پائنتی کی جانب سورۂ بقرہ کا آخری رکوع آمن الرسول سے آخر تک پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، اور یہ عمل مستحب ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ سمعت النبی ﷺ یقول: إذا مات أحدکم فلا تحبسوہ وأسرعوا بہ إلی قبرہ، ولیقرأ عند رأسہ بفاتحۃ البقرۃ (أی إلیٰ المفلحون) وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ (أی آمن الرسول إلیٰ اٰخرہ) . (رواہ البیہقی فی شعب الإیمان ، الحدیث (مشکوۃ شریف /۱۴۹، المعجم الکبیر دار احیاء التراث العربی ۱۲/۳٤۰، رقم: ۱۳۶۱۳، شعب الإیمان للبیہقی ، باب فی الصلاۃ من مات من أہل القبلۃ ، فصل في زیارۃ القبور ، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/۱۶، رقم: ۹۲۹٤)

وکان ابن عمر یستحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورۃ

البقرة وخاتمتها. (شامی، کتاب الصلاة،باب صلاةالجنازة، مطلب فی دفن المیت کراچی ۲/۲۳۷، زکریا۳/۱٤۳، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، دارالکتاب دیوبند/٦۲۱، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٦۱/٤۲، ۲۱/۲۰، ۳۳/٦۲)

لیکن شہادت کی انگلی کا قبر پر ٹیکنا ثابت نہیں بعض کتابوں میں اسکو بزرگوں کا معمول لکھا ہے لیکن صرف بعض بزرگوں کا معمول ہونا حجت شرعی نہیں ہے، نیز الدرالمنتقی میں اس کو بدعت لکھا ہے ۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۵۲، جدید زکریا۴/۶۴، ۶۵، جدید زکریا مطول ۵/۳۴۴، دارالعلوم ۵/ ۳۹۱)

ومن البدع وضع الید علی القبر. (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة، الجنازة، قبیل باب الشهید، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۷۷، قدیم ۱/۱۸۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤۳/۳۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۱ھ

بعد دفن جنازہ میں شریک ہونے والوں کے لئے کھانے کا اہتمام

سوال: [۱۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد مبارک کے والد کا انتقال ہوگیا اور کفن دفن میں شریک ہونے والے مہمانوں کیلئے محمد مبارک نے کھانے کا انتظام کیا تو آئے ہوئے مہمانوں کیلئے یہ کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دفن میں شرکت کرنیوالے سبھی لوگوں کا میت کے گھر کھانے کا اہتمام بے اصل ہے اس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ اہل میت اور ان کے بیرونی مہمان کھانا کھائیں تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت

المفتی قدیم ۴/ ۱۰۷، جدید زکریا ۴/ ۱۲۱، ۱۲۲، جدید زکریا مطول ۶/ ۵۳-۵۴)

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة. (شامی، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضیافة من أهل المیت كراچی ۲/ ۲۴۰، ۳/ ۱۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

تدفین کے بعد کھانا کھانے کیلئے اعلان کرنا

سوال: [۳۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مردے کو دفن کرنے کے بعد ایک آدمی اعلان کرتا ہے کہ تمام مہمان کھانا کھا کر جائیں، یہ اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عقیل مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف سے ثابت ہے کہ میت کے گھر والے غم ورنج کی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کو اپنا کھانا بنانے کا بھی موقع نہیں ہوتا ہے، اس لئے پڑوسیوں کیلئے مسنون ہے کہ میت کے گھر والوں کو کھانا پہونچادیں، لہذا مقامی لوگ جو جنازہ میں شرکت کیلئے آتے ہیں، ان کو میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانا کھلانا خلاف شریعت اور خلاف سنت ہے، اور ان پر دباؤ ڈالنا ناجائز اور حرام ہے، ہاں البتہ میت کے باہر کے جو مہمان اعزاء یا متعلقین میں سے کوئی آئے تو ان کے کھانے کے لئے انتظام کرنا جائز ہے اور وہ انتظام بھی اگر پڑوسی کریں تو زیادہ بہتر ہے، لہذا تدفین کے بعد باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے کھانے کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن مقامی لوگوں کو کھانے کیلئے اعلان کرنا مشروع نہیں ہے۔

عن عبد الله بن جعفر قال: لما جاء نعي جعفر حين قتل قال النبي ﷺ اصنعوا لاٰل جعفر طعاماً، فقد أتاهم أمر يشغلهم أو أتاهم ما يشغلهم .

(مسند أحمد بن حنبل ۱/۲۰۵، رقم: ۱۷۵۱)

عن عائشة زوج النبي ﷺ : أنها كانت إذا مات الميت من أهلها، فاجتمع لذلک النساء ، ثم تفرقن إلا أهلها و خاصتها، أمرت ببيرمة من تلبينة فطبخت ، ثم صنع ثريد فصبت التلبينة عليها، ثم قالت: كلن منها فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: التلبينة مجمة لفؤاد المريض تذهب ببعض الحزن. (صحيح البخاری، كتاب الأطعمة ، باب التلبينة ، النسخة الهندية ۲/۸۱۵، رقم: ۵۲۰٦، ف: ۵٤۱۷)

أما الطعام الذی يصنع للمأتم فإنه يجوز أن يصنعه لأهل الميت غيرهم، ويحمله إليهم ويأكل معهم فی اليوم الأول لأنهم مشغولون. (الفقه على المذاهب الأربعة ، كتاب الحظر والإباحة ، الوليمة وقتها، دارالفكر۲/۳۳)

وباتخاذ طعام لهم قال فی الفتح ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى الله عليه وسلم اصنعوا لاٰل جعفر طعاما فقد جاء هم ما يشغلهم ولأنه برومعروف ويلح عليهم فی الأكل لأن الحزن يمنعهم من ذلک فيضعفون .... ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة ....يكره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول و الثالث . (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب في الثواب على المصيبة كراچی ۲/۲٤۰، زكريا۳/۱٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/ ۱۱۳۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۷ھ

۱۴ / باب إلقاء الأشجار والعطور علی القبور

قبر میں بیر کی شاخ رکھنا

سوال: [۳۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیر کی شاخ قبر میں رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیر کی شاخ قبر میں رکھنا روافض کا شعار ہے، قرآن وحدیث اور فقہ سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اس کا ترک کر دینا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۸ ۲۷، جدید زکریا/ ۲۵۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۳۹۹، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۰۴)

عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم.

(سنن ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، سنن سعبد بن منصور، کتاب الجهاد، باب من قال الجهاد ماض، دارالكتب العليمة بيروت ۲/ ۱۴۳، رقم: ۲۳۷۰، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۵۱، رقم: ۵۱۱۴، ۵۱۱۵، ۵۶۶۷، المصنف لابن أبی شيبة، کتاب فضل الجهاد، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۱۰/ ۲۷۲، رقم: ۱۹۷۴۷، ۱۹۷۸۳، ۱۷/ ۵۲۴، رقم: ۳۳۶۸۷)

ویکره عند القبر مالم یعهد من السنة. (هندیه، الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زکریا ۱/ ۱۶۶ جدید ۱/ ۲۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۲۸)

دفناتے وقت تختوں پر بیر کی ٹہنی ڈالنا

سوال: [۳۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں عام دستور ہے کہ میت کو دفناتے وقت تختوں پر بیری کی ٹہنی ڈالا کرتے ہیں، سائل معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ عمل کس درجہ کا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتي: قمرالدین، کھیڑا ٹانڈہ، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کے صندوق کے اوپر تختہ رکھنے کے بعد مٹی ڈالنے سے پہلے اسکے اوپر بیری کی شاخ رکھنا شریعت سے ثابت نہیں ہے، فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ محمودیہ میں اس کو روافض کا شعار اور بدعت لکھا ہے اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۱۰۴، فتاویٰ رشیدیہ جدید زکریا/ ۲۵۸، ایضاح المسائل/۷۶)

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم.
(سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، مسند احمدبن جنبل ۲/ ۵۱، رقم: ۵۱۱۴، ۵۱۱۵، ۵۶۶۷)

ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة. (هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/ ۱۶۶، جديد ۱/ ۲۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۶۹)

قبر کی نشاندہی کیلئے قبر پر پودا لگانا

سوال: [۳۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا

انتقال ہوا اس کو کفنانے کے بعد نعش کو قبر میں اتار دیا گیا پھر اس کو بانس یا تختہ سے پاٹ دیا گیا اب اس پر بیری کی ٹہنی ڈالنا پھر مٹی دینا یا مٹی ڈالکر بیری کی ٹہنی ڈالنا کیسا ہے؟ کیا ہم اس عمل کو کر سکتے ہیں اگر نہیں تو کیوں نیز قبر کی نشاندہی کیلئے کوئی چیز گاڑ دینا قبرستان میں درخت یا ٹہنی کے قبیل سے بطور علامت کے شریعت میں یہ عمل کیسا ہے؟

المستفتي: محمد انوار الحق، در بھنگوی، مدرسہ شاہی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر میں تختے کے اوپر مٹی ڈالنے سے پہلے بیری کی شاخ رکھنا کہیں سے ثابت نہیں ہے، حضرت گنگوہیؒ نے روافض کا عمل لکھا ہے، اسلئے اس کو ترک کر دینا لازم اور ضروری ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۷۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۳۰۵، ۱۳/۴۴۵، جدید ڈابھیل ۹/۱۰۴، ۱۰۵، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۲۷۸، جدید زکریا/۲۵۸)

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، مسند احمدبن جنبل ۲/۵۱، رقم: ۵۱۱۴، ۵۱۱۵، ۵۶۶۷)

ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة. (هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/۱۶۶، جديد ۱/۲۲۸)

ہاں البتہ مٹی ڈالنے کے بعد قبر کے اوپر بطور علامت اور نشانی کے کوئی چیز رکھدی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

عن المطلب قال: لما مات عثمان بن مظعون أخرج بجنازته فدفن فأمر النبى ﷺ رجلا أن ياتيه بحجر فلم يستطع حمله، فقام إليها رسول الله ﷺ وحسر عن ذراعيه -إلى- ثم حملها فوضعها عندرأسه وقال: أتعلم بها قبر أخي وأدفن إليه من مات من أهلي. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب

في جمع الموتى فى قبر و القبر يعلم ، النسخة الهندية ٢ /٤٥٧ ، دارالسلام رقم: ٣٢٠٦)

ويتقوى بما أخرجه أبوداؤد بإسناد جيدأن رسول الله ﷺ حمل حجراً فوضعها عندرأس عثمان بن مظعون وقال: أتعلم بها قبرأخي الخ. (درمختار، کتاب الصلاۃ ، باب صلوٰۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت زکریا٣/١٤٤، کراچی ٢/٢٣٨)

وفی الظهيرية : ولو وضع عليه شيئى من الأشجار أو كتب عليه شيئى فلا بأس به عند البعض . (البحرالرائق ، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته کوئٹه ٢/١٩٤، زکریا٢/ ٣٤٠، ٣٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۳/۱۴۱۸ھ

قبر پر شاخ گاڑنا

سوال: [۳۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے منی پور کے علاقہ میں یہ معاملہ رائج ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر لکڑی کی شاخ گاڑ دی جاتی ہے تو گاڑنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا محمد سالم صاحب کہتے ہیں کہ قبر پر لکڑی کی شاخ گاڑنا جائز ہے، دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جو دو قبروں پر عذاب ہورہا تھا، کھجور کی ایک شاخ کے دو ٹکڑے کرکے گاڑ دیا تھا، اسلئے ہم بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور اس بارے میں حضرت مولانا عبد السلام صاحب فرماتے ہیں کہ دفن کے بعد لکڑی کی کوئی شاخ گاڑنا جائز نہیں ہے، یہ مخصوص تھا نبی کریم ﷺ کیساتھ، اور مسئلہ مذکورہ ہی کے بارے میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کا جواز صحابہؓ سے بھی ملتا ہے۔

(فتاویٰ شامی وعالمگیری) اور اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، تاکہ عذاب قبر سے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے صاحب قبر کو نجات ملے، اور اس بارے میں حضرت مولانا عبد السلام صاحب نے دلیل یہ دی ہے کہ احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے کہ دفن کرنے کے بعد لکڑی کی شاخ گاڑنا یا پھول ڈالنا ناجائز اور بدعت ہے، تو اس پر حضرت مولانا محمد سالم صاحب کہتے ہیں کہ احسن الفتاویٰ میں جو بدعت اور ناجائز لکھا ہے اس کو ہم نہیں مانتے، اسلئے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے؟

المستفتي: عبد السلام، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک سے اتنا ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دو قبروں پر کہ جن قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا، جس کا علم حضور اکرم ﷺ کو بذریعۂ وحی ہو چکا تھا، کھجور کی شاخ کے دو حصے کر کے ایک اس پر اور اس پر لگا دی تھی، اور یہ فرمایا تھا کہ امید ہے جب تک یہ شاخیں نہ سوکھیں گی اس وقت تک ان دونوں سے عذاب خفیف ہو جائے گا، اب اس میں علماء امت کا اختلاف ہے کہ یہ امر حضور اکرم ﷺ کیساتھ مخصوص تھا اور یہ حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک کی برکت تھی، یا اب حضور اکرم ﷺ کے اس فعل پر قیاس کر کے کوئی شاخ لگا دی جائے تو عذاب میں تخفیف ہوگی، چنانچہ شاخ گاڑنے کا استحباب متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ بعض اکابر نے اس سے منع فرمایا ہے اور علماء احناف کے اقوال اس سلسلہ میں متردد ہیں، اب رہا یہ امر کہ قبر پر شاخ گاڑنا جائز ہے یا نہیں، تو حضور اکرم ﷺ کے قول وفعل کو سمجھنے کیلئے حضرات صحابہؓ کا تعامل دیکھنا لازم ہے، آپ ﷺ کے صحابہ میں سے سوائے حضرت بریدۃ بن حصیبؓ کے کسی صحابی سے یہ چیز منقول نہیں ہے، کہ کسی صحابی نے اپنی قبر پر شاخ گاڑنے کی وصیت کی ہو یا دوسرے کی قبر پر شاخ گاڑنے کو اپنا معمول بنالیا ہو، یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے جو کہ حدیث مذکور کے راوی ہیں یہ منقول نہیں کہ انھوں نے تخفیف عذاب کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا ہو اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے، کہ یہ عمل اگرچہ

جائز ہے لیکن سنت جاریہ اور عادت مستقلہ بنانے کی چیز نہیں ہے، اور اس کا التزام واہتمام تعامل صحابہؓ کو دیکھتے ہوئے بلاشبہ بدعت شمار ہوگا، البتہ اگر اتفاقاً کوئی کسی قبر پر گاڑ بھی دیتا ہے، تو اس پر نکیر کی ضرورت نہیں ہے جبکہ مستقل ہر قبر پر نہ گاڑا جاتا ہو۔

فالحق أن يعطى كل شيئ حقه ولا يجاوز عن حده وهو الفقه في الدين : اور احسن الفتاویٰ کی عبارت پر غور کیا جائے تو اس میں تعامل صحابہؓ کو دلیل بنا کر صرف التزام اور اہتمام کو بدعت کہا ہے، مطلقاً بدعت نہیں کہا ہے، اب عربی عبارتیں ملاحظہ ہوں: (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۱۸۵)

ومن الحديث ندب وضع ذلک للاتباع ويقاس عليه ما اعتيد في زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه وصرح بذلک أيضاً جماعة من الشافعية وهذا أولىٰ مماقاله بعض المالكية من أن التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة أو دعائه لهما فلا يقاس عليه غيره الخ.

(درمختار مع الشامی، باب الجنائز، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور کراچی ۲/۲۴۵، زکریا ۳/۱۵۵)

وفي المرقاة قال النووي أما وضعهما على القبر فقيل إنه عليه الصلوٰة والسلام سأل الشفاعة لهما فأجيب بالتخفيف إلى أن ييبسا وقد ذكر مسلم في اٰخر الكتاب في حديث جابر أن صاحبي القبرين أجيبت شفاعتي فيهما أي برفع ذلک عنهما ما دام القضيبان رطبين وقيل: إنه كان يدعو لهما في تلک المدة، وقيل: لأنهما يسبحان ماداما رطبين (إلى أن قال) قد ذكر البخاري أن بريدة بن الحصيب الصحابي أوصىٰ أن يجعل في قبره جريدتان فكأنه تبرک بفعل مثل رسول الله ﷺ وقد أنكر الخطابي ما يفعله الناس على القبور من الأخواص ونحوها بهذا الحديث وقال لاأصل له. (مرقاة كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، مسئلة وضع الريحان وجرائد النخل على القبر،

امدادیہ ملتانی ۱/ ۳۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۵۸)

قبر پر شاخ گاڑنا

سوال: [۳۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں پر شاخ ڈالنے سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے کہ ہمارے یہاں اس کا عام رواج ہے، اور ان کا استدلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کیا ہے اب جو حضرات اس کام سے گریز کرتے ہیں تو ان پر طرح طرح سے طعن وتشنیع کرتے ہیں وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: عبداللہ، کیبونگ، تھوپال، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن دو قبروں پر شاخ گاڑ دی تھی، آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ ان دونوں قبروں میں عذاب ہو رہا ہے، تو آپ ﷺ نے کھجور کی ایک شاخ کو دو حصہ کر کے ایک ایک حصہ ایک ایک قبر پر گاڑ کر رفع عذاب کیلئے دعا فرمائی اس سے عذاب ٹل گیا یہ چیز صرف حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی کسی کو یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ کس قبر میں عذاب ہو رہا ہے وحی کے ذریعہ سے حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی بھی انسان کو معلوم نہیں ہوسکتا پھر اس کے بعد آپ ﷺ کی زندگی میں بے شمار صحابہ دنیا سے وفات پا گئے مگر کسی کی بھی قبر پر آپ ﷺ نے شاخ نہیں گاڑی ہے، اور آپ ﷺ کے بعد صرف حضرت بریدہؓ نے اپنی قبر میں شاخ گاڑنے کی فرمائش کی تھی، ان کے علاوہ خلفاء راشدین اور بڑے بڑے صحابہؓ دنیا سے گذر گئے مگر کسی نے اپنی قبر میں کسی

طرح کی شاخ گاڑنے کی وصیت نہیں کی، اور نہ ہی کسی کی قبر میں شاخ گاڑی گئی ہے، اور صحابہ کے بعد ائمہ مجتہدین تابعین تبع تابعین ہزاروں کی تعداد میں دنیا سے رخصت ہوئے مگر کسی کی قبر پر شاخ نہیں گاڑی گئی، لہٰذا شاخ نہ گاڑنا زیادہ بہتر ہے، اور اگر کسی کی قبر میں اتفاقاً گاڑدی جائے تو اس پر سختی کیساتھ نکیر کی ضرورت نہیں ہے، ہاں البتہ کسی علاقہ میں اگر شاخ گاڑنا لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے تو وہاں پر شاخ نہ گاڑنے کا سلسلہ جاری ہوجانا چاہئے، تاکہ لوگوں کے دلوں سے غیر لازم چیز کے لازم ہونے کا عقیدہ ختم ہوجائے۔

وقد استنكر الخطابى ومن تبعه وضع الناس الجريد ونحوه فى القبر عملاًبهذا الحديث قال الطرطوشى لأن ذلك خاص ببركة يده، وقال القاضى عياض لأنه علل غرزهما على القبر بأمر مغيب وهو قولهٗ ليعذبان قلت لايلزم من كوننا لا نعلم أيعذب أم لا أن لا نتسبب لهٗ فى أمر يخفف عنه العذاب أن لو عذب كما لا يمنع كوننا لا ندرى أرحم أم لا أن لا ندعو لهٗ بالرحمة وليس فى السياق ما يقطع على أنه باشر الوضع بيده الكريمة .

(فتح البارى، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله دارالريان للتراث ۱/ ۳۸۳، اشرفيه ۱/ ۳۲۰، رقم: ۲۱۶)

القول بالخصوصية هو الصواب لأن الرسول عليه الصلوٰة والسلام لم يغرز الجريدة إلا على قبور علم تعذيب أهلها ولم يفعل ذلك...... ولوكان مشروعا لبادروا إليه وأما مافعله بريدة فهواجتهاد منه والاجتهاد يخطىء ويصيب والصواب من ترك ذلك . (حاشية فتح القدير ۳/ ۲۲۳، حديث/ ۱۳۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۲/ ۱۴۲۴ھ

قبر پر پھول یا ہری پتی گھاس وغیرہ ڈالنا

سوال: [۳۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں کی قبر پر پھول ڈالنا یا کسی بھی طرح کی ہری گھاس یا ہری پتیاں ڈالنا یا چھوٹی گھاس اور چھوٹے پودے لگانا کیسا ہے؟

المستفتي: دلشاد حسین انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسلمانوں کی قبروں پر پھول ڈالنا یا کسی بھی طرح کی ہری گھاس یا ہری پتیاں ڈالنا یا چھوٹی گھاس اور چھوٹے پودے لگانا حضور اکرم ﷺ خلفائے راشدین، جمہور صحابہ، ائمہ مجتہدین اور سلف وخلف میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے، اس لئے مسلمانوں کو ان چیزوں سے گریز کرنا چاہئے، البتہ ایک حدیث شریف میں اس بات کا ذکر ہے کہ دو قبروں پر عذاب ہو رہا تھا حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعہ اس کا علم ہوا آپ ﷺ نے کھجور کی کچی شاخ کو دو حصہ میں کر کے ایک ایک حصہ ان دونوں قبروں پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں ہری اور کچی رہیں گی عذاب میں تخفیف ہو جائیگی یہ آپ ﷺ کی خصوصیت اور دست مبارک کی برکت تھی اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی قبر پر نہ کوئی شاخ گاڑی ہے اور نہ ہی کوئی پیڑ پودے لگائے ہیں، پھر آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور تمام صحابہ کے دور میں صرف حضرت بریدہؓ کے علاوہ باقی کسی نے بھی اپنی قبر پر یا دوسروں کی قبروں پر شاخ نہیں گڑ وائی ہے، لہذا کوئی شخص کسی کی قبر پر ہری ٹہنی گاڑ دیتا ہے تو اس پر کوئی نکیر کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ حضرت بریدہؓ نے گڑ وائی ہے، اور اگر کسی کی قبر پر ٹہنی نہ گاڑی جائے تو اس پر بھی کوئی ترغیب کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ حضرت بریدہؓ کے علاوہ کسی بھی صحابیؓ یا ائمۂ مجتہدین میں سے کسی نے ٹہنی نہیں گڑ وائی ہے۔

وذكر أثر بريدةؓ وهو يؤذن بمشروعيتها ثم أثر ابن عمر المشعر بأنه

لاتأثير لما يوضع على القبر بل التأثير للعمل الصالح. (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الجريدة على القبر الخ، دارالريان للتراث العربي بيروت ٣/٢٦٥، اشرفيه ديو بند٣/٢٨٧، الرقم ١٣٦١)

وضع الناس الجريد ونحوه في القبر عملاً بهذا الحديث...... قال الطرطوشي لأن ذلك خاص ببركة يده . (اعلاء السنن، كتاب الجنائز،باب استحباب غرز الجريدة الرطبة على القبر، دارالكتب العلمية بيروت٨/ ٣٣١، كراچی٨/٢٨٩، معارف السنن، كتاب الطهارة، باب التشديد في البول اشرفيه ديو بند١/٢٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۱۰۰۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۲۴ھ

قبر پر کتنی شاخیں گاڑیں

سوال: [۳۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر پر شاخ گاڑنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو ایک دو یا چار شاخ گاڑنا ضروری ہے اور چاروں شاخوں کو چار آدمی گاڑ دیتے ہیں، اور چاروں قل پڑھتے ہیں، ان کا یہ عمل کیسا ہے؟

المستفتي: محمد شعیب، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر پر شاخ گاڑنے کو لازم نہ سمجھا جائے کبھی شاخ گاڑ دیجائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور اگر کسی قبر پر شاخ نہ گاڑی جائے تو اس پر اعتراض کا بھی حق نہیں ہے۔

ومن الحديث ندب وضع ذلك للاتباع ويقاس عليه ما اعتيد في

زمانـنـا مـن وضـع أغـصـان الأس ونـحـوه وصـرح بـذلک أيضاً جماعة من الشـافـعية وهـذا أولـىٰ مـماقاله بعض المالكية من أن التخفيف عن القبر ين إنـمـا حـصـل ببـركـة يـده الشـريفة أو دعائه لهما فلا يقاس عليه غيره الخ.

(درمختارمع الشامی، باب الجنائز، مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور کراچی ۲/ ۲۴۵، زکریا۳/ ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۲ھ

قبر پر درخت لگانا

سوال: [۳۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی قبر پر بطور نشانی درخت لگانا کیسا ہے؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، شہباز پور، کلاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کو علما بہتر نہیں سمجھتے ہیں، اور جس حدیث شریف میں حضور ﷺ کا شاخ گاڑنا ثابت ہے وہ حضور ﷺ کے ہاتھ کی برکت اور حضور ﷺ کیساتھ خاص ہے، اسلئے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۷۴)

وقـد استنكر الخطابى ومن تبعه وضع الناس الجريد ونحوه فى القبر عـمـلاً بـهـذا الـحـديـث قـال الطرطوشى لأن ذلک خاص ببركة يده، وقال الـقـاضـى عياض لأنه علل غرزهما على القبر بأمر مغيب وهو قولهٗ ليعذبان قـلـت لايـلـزم مـن كوننا لا نعلم أيعذب أم لا أن لا نتسبب لهٗ فى أمر يخفف عـنـه العذاب أن لو عذب كما لا يمنع كوننا لا ندرى أرحم أم لا أن لا ندعو لـهٗ بالرحمة وليس فى السياق ما يقطع على أنه باشر الوضع بيده الكريمة .

(فتح الباری ، کتاب الوضوء ، باب من الکبائر أن لا یستتر من بوله، دارالریان للتراث بیروت ۱/۳۸۳، اشرفیه دیوبند ۱/۳۲۰)

وضع الناس الجرید ونحوه فی القبر عملاً بهذا الحدیث قال الطرطوشی لأن ذلک خاص ببرکة یده . (اعلاء السنن ، کتاب الجنائز،باب استحباب غرز الجریدة الرطبة علی القبر ، دارالکتب العلمیة بیروت۸/۳۳۱، کراچی۸/۲۸۹، معارف السنن ، کتاب الطهارة ، باب التشدید فی البول اشرفیه دیو بند۱/۲۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۷/۲۶۱۱)

کیا علمائے دیوبند قبروں پر شاخ گاڑنے کو منع کرتے ہیں

سوال: [۳۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں پر ٹہنی گاڑنا عالمگیری وطحطاوی میں جائز لکھا ہے، پھر علمائے دیوبند کیوں منع کرتے ہیں؟

المستفتي: محمد حسیب، سمرہن، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :قبر کے اوپر ٹہنی گاڑنے کو علمائے دیوبند منع نہیں کرتے بلکہ اس کو ضروری سمجھنے سے منع کرتے ہیں جو کسی کتاب سے ثابت نہیں ہے۔

قال الطیبی : وفیه من أصر علیٰ أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف من أصر علیٰ بدعة أو منکر. (مرقاة ، کتاب الصلوٰة، باب الدعاء في التشدید ، امدادیه ملتان ۲/۳۰۳، شرح الطیبی ، کتاب الصلوٰة ، باب الدعاء فی التشهد تحت رقم الحدیث /۹۴۶، إدارة القرآن

والعلوم الإسلامية كراچى ٢/ ٣٧٤)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها. (سباحة الفكر فى الجهر بالذكر، الباب الأول ، تحت الثانى والاربعون /٣٤، مجموعه رسائل اللكنوى ٣/ ٤٩٠، بحواله محموديه ڈابھيل ٣/ ٢٦٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۸۴)

بعد دفن قبر پر اگر بتی جلانا گلاب کا پھول چھڑکنا

سوال: [۳۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اعلان کر کے کہتے ہیں کہ فاتحہ پڑھ دیجئے، اس میں سب لوگ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں نیز قبر پر اگر بتی جلاتے ہیں، گلاب کا پھول چھڑکتے ہیں، آیا یہ مسئلہ کس حد تک صحیح ہے، قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ہمارے امام صاحب کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: سیرت حسین انصاری، مہتمم
مدرسہ ترتیل القرآن مانپور، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: میت کو دفن کرنے کے بعد دعا واستغفار کرنا مستحسن ہے شریعت مطہرہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے، البتہ اجتماعی دعا کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، بہتر یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کرے، اور اگر ہاتھ اٹھانا ہو تو قبر کی طرف پشت کرے اور قبلہ کی طرف رخ کرے، پھر دعا کرے، ایسا کرنا حدیث سے ثابت ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ أنه قال لکأني أری رسول اللہ ﷺ فی غزوة تبوک وهو فی قبر عبد اللہ ذی النجادین: إلیٰ قوله – فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً یدیه یقول : اللّٰهم إني أمسیت راضیا فارض عنه . (اسد الغابه ٤/ ١٢٤)

وفی حدیث ابن مسعودؓ رأیت رسول اللہ ﷺ فی قبر عبد اللہ ذی النجادین : الحدیث وفیه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً یدیه أخرج أبو عوانة فی صحیحه الخ . (فتح الباری ، کتاب الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة زکریا ١١/١٧٣، قدیم بیروت ١١/ ١٤٤، تحت رقم الحدیث /٦٣٤٣)

وعن عبد اللہ یعنی ابن مسعودؓ قال لکأني أسمع رسول اللہ ﷺ فی غزوة تبوک وهو فی قبر عبد اللہ ذی النجادین: (إلیٰ قوله) فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة ، فقال : اللّٰهم إني أمسیت راضیا فارض عنه .

(مجمع الزوائد ج٩/ ٣٦٩)

نیز قبر پر اگربتی جلانا اور پھول چھڑکنے کی رسم بدعت ہے، حضور ﷺ سے لیکر دور صحابہ اور اکابر علماء تک کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۶/۴۶۳)

عن ابن عباس قال: لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج . (ابو داؤد شریف، کتاب الجنائز، باب فی زیارة النساء القبور، النسخة الهندیة ٢/ ٤٦١، دارالسلام رقم: ٣٢٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۹۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۳ھ

❑❖❑

۱۵/ باب البناء علی القبور

کن لوگوں کی قبروں پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے؟

سوال: [۳۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا قبر کے اوپر سرہانے کی طرف اللہ، محمد اور لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ٹائلیں اور مردے کے نام کا پتھر لگانا جائز ہے؟

المستفتي: ارشاد علی ولد عباس علی،
محلّہ گذری چھتہ جے پی نگر، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر پر کتبہ لگانا ان بڑے آدمیوں کیلئے گنجائش ہے جو ملکی یا عالمی سطح پر دینی خدمات کرنے والے عالم دین وبزرگ ہوں، باقی اور کسی کیلئے مشروع نہیں ہے، نیز ان کے کتبہ پر بھی اللہ محمد اور ’’**لاالہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**‘‘ کی ٹائلیں لگانا قطعاً جائز نہیں ہے، ہاں البتہ ان کے نام اس پر لکھے جاسکتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۷٦)

لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن (درمختار) وفي الشامية يكره كتابة شيءٍ عليه من القرآن أو الشعر أو إطراء مدح له ونحوذلك الخ. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا۳/۱٤٤، ۱٤٥، كراچی ۲/۲۳۷، ۲۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۱ھ

قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟

سوال: [۳۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد صاحب جناب ڈاکٹر مرغوب الٰہی صاحبؒ کا انتقال ہوگیا وہ ایک بہت ہی مشہور بزرگ تھے، میں ان کے قبر پر ایک پتھر تاریخ وفات کا لگانا چاہتا ہوں، جس سے قبر کی پہچان ہو سکے ان کی تاریخ وفات ۲۲/اپریل بروز پیر ہے تو قبر پر پتھر لگانا شرعاً منع تو نہیں ہے؟ اگر کوئی بھی گنجائش ہو تو تاریخ وفات کا پتھر لگانے کی اجازت دی جائے۔

المستفتي: مرغوب دواخانہ، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث پاک میں قبروں پر کتبہ لگانے کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح حضرات فقہاء نے بھی اسکی ممانعت نقل فرمائی ہے۔

عن جابرؓ قال نهي رسول الله ﷺ أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن توطأ. (ترمذی، الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور، والكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/۲۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۲، مشکوٰة /۱۴۹، المعجم الأوسط ۸/۱ ۳۴، حدیث: ۷۶۹۵)

وكره أبو يوسفؒ الكتابة عليه ذكره الكرخيؒ لما روى عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا تجصصوا القبور ولا تبنوا عليها ولا تقعدوا ولا تكتبوا عليها لأن ذلک من باب الزينة ولا حاجة بالميت إليها ولأنه تضييع المال بلا فائدة فكان مكروها. (بدائع الصنائع، قبيل فصل في أحكام الشهيد كراچی ۱/ ۳۲۰، زكريا ۲/۶۵، كبيری، فصل فی الجنائز، اشرفیه دیوبند /۵۹۹، هنديه، الباب الحادی والعشرون، الفصل السادس فی القبر والدفن زكريا ۱/ ۱۶۶)

لیکن اگر اتنی بڑی شخصیت ہے کہ ان سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کرنے والے

اندرون ملک اور بیرون ملک میں ان کے تلامذہ یا مریدین ہیں، جو وقتاً فوقتاً دور دراز سے اندورن ملک اور بیرون ملک سے ان کی قبر کی زیادت کیلئے آسکتے ہیں جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت شیخ، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نور اللہ مرقدہم کی شخصیات ہیں، تو اتنے بڑے عالم دین اور شہرۂ آفاق بزرگ ہوں، تو ان کی پہچان کیلئے کتبہ لگانے کی گنجائش ہے، جیسا کہ فتاویٰ شامی وغیرہ کی عبارات سے یہی واضح ہوتا ہے، لیکن آپ کے والد اپنی جگہ ایک بڑے بزرگ ضرور تھے مگر ملک بھر میں پھیلے ہوئے کثیر تعداد میں ان کے تلامذہ و مریدین نہیں تھے، اسلئے ان کی قبر پر کتبہ لگانے اور پتھر لگانے کی گنجائش نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۱۴)

قبروں پر نام و تاریخ وفات کا کتبہ لگانا

سوال: [۳۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنے عزیز و اقارب کی قبر کے سرہانے پہچان اور یادداشت کیلئے نام اور تاریخ وفات پتھر پر کندہ کرا کے لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: کمیٹی قبرستان، احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہر قسم کے عزیز و اقارب کی قبروں پر کتبہ لگانا ممنوع ہے البتہ اگر ایسی شہرۂ آفاق شخصیت ہے کہ جن کے علم و فضل کا فیض امت کیلئے عام ہو تو ان کی قبر کی زیارت کیلئے چونکہ دور دراز سے اجنبی لوگ بھی آیا کریں گے، جن کو قبر کا علم نہ ہوگا، تو ضرورۃً ایسے شہرۂ آفاق لوگوں کی قبر پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے۔

وقيل لايكره البناء إذا كانت الميت من المشائخ والعلماء والسادات إلى قوله لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن . (درمختار ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، زكريا٣/١٤٤، ١٤٥، كراچی ٢/٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۸ھ

قبر کی چاروں جانب پختہ عمارت تعمیر کرنا

سوال: [۳۹۸۶] : کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کی قبر کے چاروں جانب پتھر پختہ دیوار کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، بعض کہتے ہیں کہ احاطہ کرنا جائز ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ جائز نہیں ہے، سو آپ اس مسئلہ کو واضح فرمادیں۔ عین نوازش ہوگی

المستفتي: محمد شعیب، آسام

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :قبر کی چاروں جانب پختہ دیوار بنانا جائز نہیں ہے، اور جو لوگ ناجائز کہتے ہیں وہ حق پر ہیں۔

عن جابر ؓ قال: نهى رسول الله ﷺ أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه . (صحيح مسلم ، الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ١/٣١٢، بيت الأفكار رقم: ٩٧٠، مصنف عبد الرزاق ، الجنائز، باب الجدث والبنيان ، المجلس العلمي ٣/٥٠٤، رقم ٦٤٨٨)

يحرم البناء عليه للزينة ويكره لو للإحكام بعد الدفن الخ. (شامی کتاب

الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ٣/ ١٤٤، كراچی ٢/ ٢٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۹)

قبر پر عمارت بنانا

سوال: [۳۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا اوپر سے قبر کی چہار دیواری دو چار فٹ کی بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یہاں پر قبرستان کمیٹی مشورہ اور غور کررہی ہے کہ قبروں پر اس قسم کے پتھروں اور چہار دیواریوں کو صاف کر کے پلین کردیا جائے، کیا کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے، اس میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: منجانب: کمیٹی احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صرف قبر کے چاروں طرف چہار دیواری بنانا ممنوع ہے البتہ قبرستان کے چاروں طرف چہار دیواری بنانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه. (صحيح مسلم، الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، بيت الأفكار رقم: ٩٧٠)

ولا يرفع عليه بناء أى يحرم لو للزينة. (در مختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ٣/ ١٤٤، كراچی ٢/ ٢٣٧)

جن قبروں کی چہار دیواری اور کتبہ ختم کرنے کا پروگرام ہے، اگر وہ شہرۂ آفاق مشائخ اور علماء میں سے نہیں ہیں تو قبرستان کمیٹی کے مشورہ سے اس شرط کے ساتھ ختم کردینا درست ہے کہ ان چہار دیوری اور کتبہ کے ختم کردینے کی وجہ سے کسی قسم کا فتنہ اور اختلاف سامنے نہ

آئے ’’**الفتنة أشد من القتل**‘‘۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۷۹)

قبروں پر کتبہ وغیرہ لگانا

سوال: [۳۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں پر کتبہ وغیرہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ کتبہ لگانے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: افتخار احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عام لوگوں کی قبروں پر کتبہ لگانا مشروع نہیں ہے، البتہ اگر کوئی اتنے بڑے اکابر ومشائخ میں سے ہوں جن کے متعلقین اندرون ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہوں اور دور دراز سے آنے والے لوگ ان کی زیارت کے خواہش مند ہوں تو بطور پہچان کے اتنے بڑے عالم اور بزرگ کی قبر پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۹۹)

عن جابر رضي الله عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها ، وأن تؤطأ . (ترمذی شریف، الجنائز، باب ماجاء في كراهة تجصيص القبور و الكتابة عليها ، الهسخة الهندية ١/ ٢٠٣، دارالسلام رقم: ١٠٥٢، مشكوٰة شريف ١/ ١٢٨)

لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن ، وفي الشامية: فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبر بها . (شامی ، كتاب الصلاة، باب صلاة، الجنازة كراچی ٢/ ٢٣٧، ٢٣٨، زكريا ٣/ ١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۷/ ۱۴۲۳ھ

۱۶/ باب الحداد والتعزية

موت ہوجانے کی وجہ سے کھانا نہ پکانا

سوال: [۳۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کے یہاں کوئی مرجائے تو اس کے پورے خاندان میں کھانا نہیں پکایا جاتا، یہاں تک کہ گھر میں چولھا تک نہیں جلتا شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی کے یہاں میت ہوجانے کی وجہ سے اہل خانہ رنج وغم میں نڈھال رہتے ہیں اور میت کی تجہیز وتکفین میں مشغول رہتے ہیں، اسلئے کھانا پکانے کا انہیں موقع نہیں ملتا یہی وجہ ہے کہ ان کے قریبی رشتہ داروں اور پڑسیوں کیلئے یہ مستحب ہے کہ اس دن ان کیلئے کھانے کا انتظام کریں۔

عن عبد الله بن جعفر، قال: لما جاء نعي جعفر، قال رسول الله ﷺ اصنعو لآل جعفر طعاماً، فقد أتاهم ما يشغلهم، أو أمر يشغلهم. (سنن ابن ماجه، أبواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی الطعام يبعث إلیٰ أهل الميت، الهسخة الهندية ۱/۱۱۵، دارالسلام رقم: ۱۶۱۰، مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب الطعام على الميت، المجلس العلمی ۳/۵۵۰، رقم: ۶۶۶۵، ۶۶۶۶، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ۶/۲۰۴، رقم: ۲۲۴۵)

(قوله وباتخاذ طعام لهم) قال فی الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى الله عليه وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد أتاهم مايشغلهم – لأن الحزن يمنعهم من ذلك فيضعفون. (درمختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة،

الجنازة ، مطلب فی الثواب علی المیت کراچی ۲/ ۲٤۰، زکریا۳/ ۱٤۸، کبیری/ ٥٦٥)

لیکن اس دن اہل میت کے یہاں کھانا پکائے جانے اور چولہا جلانے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

کیا تین دن تک سوگ منانا ضروری ہے

سوال: [۳۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض عالم لوگوں سے سنا ہے کہ تین دن تک میت کے گھر کا کھانا پینا درست نہیں ہے، کیونکہ مرنے والے کا سوگ گھر والوں پر تین دن ہے، کیا تین دن کا سوگ مرگ ضروری ہے، یا اس سے کم بھی سوگ مرگ ہوسکتا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں سوگ مرگ کی کیا حقیقت ہے اور کیا قید ہے کتنے دن اور کتنے وقت ہے واضح فرمائیں؟

المستفتي: محمد فاروں جھن جھنوں، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ صحیح ہے کہ میت کے گھر تین دن تک دعوت کا کھانا کھانا ممنوع ہے، اسلئے کہ دعوت خوشی کی چیز ہوتی ہے، اوران ایام میں اہل میت غم میں ہوتے ہیں۔

عن جرير بن عبد الله البجلي قال: كنا نرى الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام من النياحة. (سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء فی النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام ، النسخةالهندية ۱/ ۱۱٦، دارالسلام رقم: ۱٦۱۲)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور (إلى قوله) ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول والثالث. (شامی ، کتاب الصلاة، باب صلاةالجنازة ، مطلب في كراهة الضيافة من أهل

المیت زکریا دیو بند۳/ ۱٤۸، کراچی ۲/ ۲٤۰)

نیز تین دن تک اہل میت کا سوگ منانا جائز اور ثابت ہے۔

عن زینب بنت أبي سلمة، أخبرته، قالت: دخلت علی أم حبیبة زوج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقالت: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: لایحل لا مرأۃ تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر تحد علی میت فوق ثلاث إلا علی زوج أربعة أشهر وعشراً. (صحیح البخاری، الجنائز، باب إحداد المرأۃ علی غیر زوجها، النسخة الهندیة ۱/ ۱۷۱، رقم: ۱۲٦۷، ف: ۱۲۸۱)

الجلوس للمصیبة ثلاثة أیام رخصة الخ. (عالمگیری، الباب الحادی والعشرون، فی الجنازۃ، مسائل التعزیة زکریا ۱/ ۱٦۷ جدید ۱/ ۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۳/ ۱۴۱۷ھ

میت کے اہل خانہ کا تین دن تک کھانا نہ پکانا اور دوسروں کا کھانا بھیجنا

سوال: [۳۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث جعفرؓ سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اہل میت کے یہاں ایک دن اور ایک رات تک کھانا پہونچانا مستحب ہے، سوال یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں کے بعد تین دنوں کے اندر اندر ممانعت کا کوئی حکم ہے یانہیں؟ کھانا بنانے کے سلسلے میں اگر ممانعت کا حکم ہو تو کس درجہ کا حرمت کا یا کراہت تنزیہی کا؟ ہمارے علاقہ مارواڑ میں عمومی ذہن یہ ہے کہ انتقال کے بعد تین دن تک اہل میت کے یہاں کھانا نہ بنانا چاہئے، اور نہ ہی کھانا چاہئے، اس سلسلہ میں کوئی اصل ہے کہ نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں تا کہ ہم غم

کے حالات کو سنت کے مطابق ادا کریں۔

المستفتي: محمد امین، پھلوی،
ضلع جیسل میر، صوبہ: راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے گھر والوں کیلئے تین دن سوگ منانا حدیث سے ثابت ہے، اوران تین دنوں تک میت کے گھر والوں کے لیے پڑوسی اوراعزاء کی طرف سے کھانا بھیجنا بھی ثابت ہے، اوراگرکہیں سے کھانا نہ آئے تو میت کے گھر والوں کے لئے خود کھانا بناکر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن زينب بنت أبى سلمة، قالت: .... إني كنت عن هذا لغنية، لو لا أني سمعت النبى ﷺ يقول: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث . الحديث: (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها، النسخة الهندية ١/ ١٧٠، رقم: ١٢٦٦، ف: ١٢٨٠)

عن عبد الله بن جعفرؓ قال: قال رسول الله ﷺ : اصنعوا لآل جعفر طعاما، فإنه قد أتاهم ما يشغلهم . (ابوداؤد، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، النسخة الهندية ٢/ ٤٤٧، دارالسلام رقم/ ٣١٣٢)

قال المحدث السهارنفورى: والمراد طعام يشبعهم يومهم وليلتهم، فإنه الغالب أن الحزن الشاغل عن تناول الطعام لايستمر أكثر من يوم؛ وقيل: يحمل لهم طعام إلى ثلاث أيام مدة التغزية . (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، دارالبشائر الإسلاميه ١٠/ ٤٠٣، رقم الحديث/ ٣١٣٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۴۳)

نوحہ کرنا حرام ہے

سوال: [۳۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو دفن کرنے کیلئے گھر سے اٹھا کر لیجاتے وقت عورتوں کا زور زور سے رونا جائز ہے؟

المستفتي: محمد یوسف یعقوب، بساڈ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: زور سے رونا چاہے میت سامنے ہو یا اٹھاتے وقت ہو ہر حال میں ناجائز اور حرام ہے، حدیث شریف میں اسکی سخت ممانعت آئی ہے ہاں البتہ انتہائی غم وصدمہ کی بناء پر بغیر آواز کے آنسو جاری ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه قال جيئ بأبى يوم أحد – إلىٰ– فسمع صوت صائحة، فقال من هذه ؟ فقالوا: بنت عمرو أو أخت عمرو قال: فلم تبكى؟ أو:لا تبكى، فمازالت الملائكة تظله بأجنحتها حتى رفع . (بخاری، الجنائز، باب مايكره من النياحة على الميت، النسخة الهندية ١/ ١٧٢، رقم: ١٢٧٩، ف: ١٢٩٣)

وقد اجتمعت الأمة على تحريم النوح الخ. (ولا بأس بالبكاء بدمع فى منزل الميت الخ. (طحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/ ٦٠٧، قديم / ٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۷/۴ھ

تعزیتی جلسہ

سوال: [۳۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعزیتی

جلسہ کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے یا نہیں؟ اور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: خوشید احمد، تاج گنج، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعزیت کے معنیٰ میت کے پسماندگان کوتسلی دینے اوران کوصبر کی تلقین کرنے کے ہیں ،اوراس طرح تعزیت کرنا مسنون اور باعث اجروثواب ہے،لیکن اگرمیت اورمیت کے پسماندگان سے تعلق رکھنے والے کثیر تعداد میں لوگ ہیں اورسب لوگوں کا الگ الگ طور پرتعزیت کرنا دشوار ہوتو سب لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوکرتعزیتی جلسہ منعقد کریں اورسب کی طرف سے میت کے پسماندگان کوتسلی کی اطلاع کردیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے،تعزیتی جلسہ کا مطلب اجتماعی تعزیت کرنا ہے،اورکسی بھی طریقہ سے تعزیت کرنا حدیث سے ثابت ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرعن النبی ﷺ قال من عزیٰ مصاباً فله مثل أجره . (ترمذی ، الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من عزیٰ مصاباً ، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۵، دارالسلام رقم: ۱۰۷۳)

قال النبی ﷺ مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبته إلا كساه اللّٰہ من حلل الكرامة يوم القيامة . (ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من عزیٰ مصاباً ، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۵، دارالسلام رقم: ۱۶۰۱)

وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتي لا يفتن وتحته لأن المقصود منها ذكر ما يسلي صاحب الميت ويخفف حزنه ويحضه على الصبر . (مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/ ۶۱۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۳۳ھ

تعزیتی جلسہ کرنا

سوال: [۳۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں: کہ

(۱) آج کل کسی معروف شخصیت کے انتقال پر مختلف مقامات پر تعزیتی جلسے کرنے کا رواج ہے ایسے جلسے کرنا کیسا ہے؟ بعض علماء کرام تو کہتے ہیں کہ تعزیت تو خاندان والوں سے ہوتی ہے اور بعض شرکاء کا یہ کہنا ہے کہ ہم سب ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، تو کیا اس طرح خراج عقیدت پیش کرنا خیر القرون یا کہیں اور سے ثابت ہے؟

(۲) زید کا کہنا ہے کہ مروجہ تعزیتی جلسے بدعت یا ہندوانی رسم یا کنڈ وینسن میٹنگ یا شرندھان جلی اربت ہے، جس میں یہ لوگ بھی مرنے والے کی خصوصیات اپنے اپنے طور پر بیان کر کے مندرجہ بالا ہندی جملے بولتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

(۳) اسلاف کی یاد میں تعزیتی جلسے کرانے کے لیے علماء کو بلانا اور اس کے لئے عوام سے چندہ کرنا اور علماء کا شرکت کے لئے تعزیتی جلسوں میں آنا اور اس موقع پر چندہ کی رقم سے آمد و خرچ کا کرایہ لینا درست ہے یا نہیں؟

(۴) تعزیتی جلسوں کا سلسلہ کتنے دنوں تک شریعت سے ثابت ہے؟

المستفتی: مصر حسین عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تعزیت کے معنی تسلی دینے کے ہیں اصلاح شرع میں میت کے پسماندگان کو غمخواری کے ساتھ دلاسہ دینا اور ان کے غم میں شریک ہو جانا ہے، اور یہ شریعت میں مطلوب و مستحسن اور حدیث سے ثابت ہے، لیکن اگر کوئی شخصیت ایسی عظیم ہو جس کے متعلقین صرف رشتہ داروں تک محدود نہ ہوں بلکہ عوام وخواص کا بڑا طبقہ اس کی جدائے گی پر غمگین ہو تو کسی جگہ پر جلسہ یا اجتماع کی شکل میں جمع ہو کر ایسی شخصیت کا ذکر کرنا اور پسماندگان کو تعزیت پیش کرنا حسب ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) اس جلسہ کا اصل مقصد میت کے متعلقین کو تسلی دینا ہو محض نام ونمود اور ریا کاری مقصود نہ ہو۔ (۲) مذکورہ شخصیت کے اوصاف بیان کرنے میں مبالغہ سے کام نہ لیا جائے، (۳) مرحوم کے ایسے اوصاف اجاگر کئے جائیں جو آنے والوں کے لئے مشعل راہ ہوں۔ (۴) اس جلسہ میں کوئی گناہ اور منکر کی بات شامل نہ ہو، مثلا مرد وعورت کا اختلاط وغیرہ ان شرائط کے ساتھ تعزیتی جلسہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۲۵۴، آپ کے مسائل اور انکا حل محقق ومدلل ۴/۴۳۴)

ويستحب التعزية للرجال والنساء التي لا يفتن لقوله عليه السلام من عزى مصاباً فله مثل أجره ،رواه الترمذي وابن ماجه عن ابن مسعودؓ وقوله عليه السلام من عزى ثكلى كسي بردين في الجنة رواه الترمذي عن أبي بردة . (شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مكتبه اعزازيه ديوبند ۱/۱٤٠)

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبة إلا كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة . (سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزى مصاباً، النسخة الهندية ۱/۱۱۵، دارالسلام رقم: ١٦١٠)

عن عبد الله عن النبي ﷺ قال: من عزى مصاباً فله مثل أجره. (سنن الترمذي ، الجنائز، باب ماجاء في أجر من عزى مصاباً ، النسخة الهندية ۱/۲۰۵، دارالسلام رقم:۱۰۷۳، سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزى مصاباً ،النسخة الهندية ۱/۱۱۵، دارالسلام رقم: ۱٦٠٢، السنن الكبرى للبيهقي ، الجنائز، باب يستحب من تعزية أهل الميت رجاء الأجر في تعزيتهم، دارالفكر ٥/٤١١، رقم: ٧١٨٩)

عن أبي بردةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من عزى ثكلى كسي بردا في الجنة. (سنن الترمذي، الجنائز، باب آخر في فضل التعزية ، النسخة الهندية ۱/۲۰٦، دارالسلام رقم: ١٠٧٦)

عن معاذ بن جبلؓ أنه مات ابن له فكتب إليه رسول الله ﷺ يعزيه

بابنه فكتب إليه بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى معاذ بن جبل، سلام عليك، فإني أحمد إليك الله الذى لا إله إلا هو، أما بعد! فأعظم الله لك الأجر وألهمك الصبر ورزقنا وإياك الشكر، فإن أنفسنا وأموالنا و أهلينا من مواهب الله الهنيئة وعواريه المستودعة .... متعك الله به في غبطة وسرور، وقبضه منك بأجر كثير الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته، فاصبر، ولا يحبط جزعك أجرك فتندم، واعلم أن الجزع لايرد ميتا ولا يدفع حزنا وما هو نازل فكأن قد والسلام. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۵٦/۲۰، رقم: ۳۲٤، المعجم الأوسط، دار الفكر ۳۷/۱، رقم: ۸۳، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز ۱۹۳۰/۵، رقم: ۵۱۹۳، مجمع الزوائد ۳/۳)

(۲) چوں کہ احادیث شریفہ میں مرحومین کی خوبیوں اور محاسن کا ذکر کرنیکا حکم دیا گیا ہے، اس لئے ایسے تعزیتی پروگراموں میں جو بیانات کئے جاتے ہیں، اگر وہ مذکورہ شرائط کے مطابق ہوں تو انہیں ہندوانی رسم وغیرہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله ﷺ قال: اذكروا محاسن موتاكم، وكفوا عن مساويهم. (ترمذی، الجنائز، باب آخر، النسخة الهندية ۱۹۸/۱، دارالسلام رقم: ۱۰۱۹، سنن أبي داؤد، الجنائز، باب في النهى عن سب الموتى، النسخة الهندية ۲/، دارالسلام رقم: ۴۹۰۰، صحيح ابن حبان، دار الفكر ۸/٤، رقم: ۳۰۱٦)

(۳) تعزیتی جلسہ کے لئے بیرونی مقررین کو بلانے اور اس کے واسطے باقاعدہ چندہ وغیرہ کرنے کا اہتمام ثابت نہیں ہے، لہذا یہ طریقہ قابل ترک ہے۔

(۴) صحیح حدیث میں ہے کہ عام لوگوں کا سوگ تین دن سے زیادہ نہ منایا جائے اور تعزیتی جلسہ میں بھی ایک طرح سے سوگ کی مشابہت ہے اس لئے تین دن کے بعد تعزیتی جلسہ کرنا مناسب نہیں ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص بروقت موجود نہ ہو دور دراز اسفار میں ہو تو وہ

بعد میں آ کر بھی میت کے متعلقین سے انفرادی طور پر تعزیت کرسکتا ہے۔

التعزية لصاحب المصيبة حسن -إلى- ووقتها من حين يموت إلى ثلاثة أيام ويكره بعدها إلا أن يكون المعزي أو المعزى إليه غائباً فلا بأس بها .
(هنديه ، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، مسائل التعزية زكريا ١/١٦٧، جديد ١/٢٢٨)

عن زينب بنت أبي سلمة قالت : دخلت على أم حبيبة زوج النبى ﷺ -إلى- لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشر الخ. (بخارى ، الجنائز، باب تحد المتوفى عنها زوجها، أربعة أشهر وعشرا ،النسخة الهندية ٢/٨٠٣، رقم: ٥٣٣٤)

التعزية هى أن يسلى أهل الميت ويحملهم على الصبر بوعد الأجر ويرغبهم فى الرضا بالقضاء والقدر ويدعو للميت المسلم ، وقال الحنفية: لا بأس بالجلوس للتعزية فى غير المسجد ثلاثة أيام وأولها أفضلها، وقال فى الفتاوىٰ الظهيرية : لا بأس بها لأهل الميت فى البيت أو المسجد والناس يأتونهم ويعزونهم .... ولا بأس كما ذكر الحنفية : برثاء الميت بشعر وغيره لكن يكره الإفراط فى مدحه. (الفقه الإسلامى وأدلته، صلاة الجنازة ، وأحكام الجنائز، والشهداء والقبور، المطلب الثالث التعزية وتوابعها هدى انٹرنیشنل دیوبند، ٢/٤٧٧، شامى ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة كراچى ٢/٢٣٩، ٢٤١، زكريا ٣/١٤٧، ١٤٩، ٤٨٠، تاتارخانيه ، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون ، الجنائز، التعزية والماتم زكريا ٣/٩٣، برقم : ٣٨٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۲۰۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۷/۷ھ

تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

سوال: [۳۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ ہمارے علاقہ میں تعزیت کے لئے جانے والے بغیر مصافحہ اور سلام کے چپ چاپ بیٹھ جاتے ہیں، پھر انمیں سے ایک کہتا ہے کہ کلام پڑھو تو سب پڑھتے ہیں کوئی چاروں قل پڑھتا ہے، کوئی درود شریف پڑھتا ہے، کوئی سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے، بعد میں ہمارے رواج کے اعتبار سے تعزیت کے الفاظ پیش کرتے ہیں، پھر کھڑے ہو کر مصافحہ کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کلام پڑھنے سے مراد کیا ہے، کوئی قرآنی آیات یا کوئی درود ہو تو قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ بغیر سلام و مصافحہ کے آکر بیٹھ جانا مطابق سنت ہے یا مخالف سنت ہے، تعزیت کا مسنون طریقہ بتاتے ہوئے ہمارے لئے عمل کی راہ کھولیں؟

المستفتی: محمد امین، پوکرن، ضلع جیسلمیر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعزیت کے معنی مرحوم کے پس ماندگان سے تسلی کے کلمات کہنے کے ہیں، لہٰذا میت کے گھر جا کر انکے اعزاء واقرباء سے کچھ تسلی کے کلمات کہہ دیئے جائیں اور پیش آمدہ مصیبت پر صبر کرنیکا ثواب وغیرہ بتا کر انکا غم ہلکا کرنیکی کوشش کی جائے، اور تعزیت کے لئے آنیوالوں کا حاضرین سے سلام ومصافحہ کرنا مسنون ہوگا، کیونکہ سلام ومصافحہ ہر ملاقات کے وقت مسنون ہے، اوراس سے گناہ جھڑتے ہیں، اور یہ بھی ملاقات کا ایک موقعہ ہے اور کلام پڑھنے کی شرعاً کوئی اصطلاح نہیں ہے اور نہ ہی اسکی کوئی شرعی حیثیت ہے، البتہ اگر حاضرین قرآن وغیرہ پڑھ کر مردے کو بخش دیں تو ایصال ثواب کی حیثیت سے یہ درست ہوگا۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ: مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبة إلا كساه الله من حلل الكرامة يوم القيمة. (سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في ثواب من

عزی مصاباً ، النسخة الهندية ١/١١٥ ، دارالسلام رقم: ١٦٠١)

أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة ... أو قراء ة قرآن أو ذكرا . (البحرالرائق، كتاب الحج عن الغير زكريا٣/١٠٥ ، كوئٹه ٣/٥٩)

عن أبي هريرةؓ قال : قال رسول الله ﷺ : إذا لقي أحدكم أخاه فليسلم عليه الخ. (أبوداؤد، الأدب ، باب فى الرجل يفارق الرجل ثم يلقاه أيسلم عليه ، النسخة الهندية ٢/٧٠٧، دارالسلام رقم: ٥٢٠٠)

عن رجل من عنزة قال لأبي ذر...... هل كان رسول الله ﷺ يصافحكم إذا لقيتموه ؟ قال: ما لقيته قط إلاّ صافحني . (ابو داؤد ، الأدب ، باب في المعانقة النسخة الهندية ٢/٧٠٨، دار السلام رقم: ٥٢١٤)

أن المصافحة مستحبة عند كل لقاء . (شامی كتاب الحظر والإباحة ، باب الاستبراء وغيره ، كراچی ٦/٣٨، زكريا٩/٥٤٧)

قال رسول الله ﷺ : إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه وأخذ بيده فصافحه تناثرت خطايا هما كما يتناثر ورق الشجر. (المعجم الأوسط قديم ١/١٨٤، رقم: ٢٤٧ ، مجمع الزوائد٨/٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۳۳)

۱۷/ باب: زیارۃ القبور

مزار کی شرعی حیثیت

سوال: [۳۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الحمدللہ ہمارا پورا علاقہ آج تک مزارات، قبر پرستی اور اس پر کی جانے والی تمام بدعات وخرافات سے محفوظ ہے، عوام کی اکثریت اس بات سے بھی واقف نہیں کہ کچھ لوگ قبروں پر چادریں چڑھانے ان سے اپنی مرادیں مانگنے اور رب ذوالجلال کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے اپنی پیشانی کو سجدہ ریز کرنے کے بھی قائل ہیں، وہ تو بس یہی جانتے ہیں کہ سجدہ صرف اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کیا جاتا ہے، اور مرادیں اللہ ہی سے مانگی جاتی ہیں، اور پورا بھی صرف اسی کی ذات کرتی ہے، لیکن افسوس کہ ایک اور گاؤں ہی کے اہم سماجی ذمہ دار کے گھر کے پیچھے ایک مصنوعی قبر دیکھی جو چاروں طرف سے بڑے اہتمام کے ساتھ گھری ہوئی تھی، اور ارد گرد اس کے خوب صفائی بھی ہو رہی تھی، مزید یہ کہ اب اس کے پختہ مزار میں تبدیل ہونے کیلئے بنیاد بھی کھودی جا چکی ہے، بعد مغرب اس مصنوعی قبر کے پاس چراغ بھی جلتے دیکھا گیا ہے، صفائی کی یہ حد ہے کہ ہر جمعہ کو اس کے قریب واقع سڑک کو بھی خوب اہتمام کے ساتھ صاف کیا جاتا ہے، معتبر ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ نعوذ باللہ اب وہاں سجدے بھی کئے جاتے ہیں، وہ صاحب اس نئی بدعت کی ابتدا کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہم گھریلو اور ذہنی اعتبار سے کافی پریشان تھے، کئی عالموں نے ہمیں یہ مشورہ دیا ہے کہ مذکورہ جگہ پر کوئی بزرگ مدفون ہیں آپ اس جگہ کی خاص صفائی ستھرائی کا اہتمام کیجئے، جبکہ گاؤں ہی کا ایک جاہل شخص جس پر بقول بعض جنات آیا کرتے ہیں، اور اس حالت میں ادھر ادھر کی بکنے لگتا ہے، اس نے ایک رات ایسا ہی کیا اور اس مذکورہ جگہ کے

قریب کھڑے ہوکر چلانے لگا کہ یہاں بہت بڑے بزرگ لیٹے ہوئے ہیں، اسے فوراً صاف کرواور یہاں مزار بناؤ، آدھی رات کواس کی چیخ پر قرب وجوار کے بہت سے لوگ بھی اکٹھا ہوگئے، وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا، چنانچہ مذکورہ وجوہات کی بنا پراس وقت وہاں مکمل قبر کی شکل بن چکی ہے، ہمیشہ خوب صفائی ہورہی ہے، اور قبر کے چاروں جانب فی الحال بانس کی ڈھڈی سے اسے گھیر بھی دیا گیا ہے، اور پختہ مزار بنانے کیلئے بنیاد بھی کھودی جاچکی ہے، واضح رہے کہ آج کل وہاں کبھی بھی کسی کو دفن نہیں کیا گیا ہے، وہ جگہ ہمیشہ سے پاخانہ پیشاب کوڑا کرکٹ کیلئے استعمال ہوتی رہی ہے۔

اورحسن اتفاق کہ اس عمل کے کچھ ہی دن بعدان صاحب کوکسی طرح کچھ مالی نفع بھی حاصل ہوگیا جوان کی عقیدت کا مزید باعث ہے یہ پوری صورت حال ہے،ہمیں پورا گمان بلکہ پختہ یقین ہے کہ اگر ان کے توہمات اور خیالات کو قرآن وحدیث اور فقہ وشریعت کی روشنی میں دفع نہیں کیا گیا، اوراس نئ بدعت پر روک نہیں لگائی گئ توآہستہ آہستہ یہ مصنوعی قبر ایک بڑے مزار کی شکل اختیار کرلیگی ،جس پر وہ تمام بدعات وخرافات ہونگی جن کا تجربہ اور مشاہدہ کیا گیا ہے، اور یہاں کے خالی الذہن مسلمانوں کیلئے یہ ایک عظیم فتنہ بن جائیگا اور آنے والی نئ نسلیں اپنے صحیح عقیدے سے ہاتھ دھوبیٹھیں گی۔

سوال یہ ہے کہ آخر کیا بقول ان صاحب کے محض کسی عالم کے مشورہ دیدینے سے اورایک جاہل وناواقف شخص کے کہدینے سے ایسی جگہ مصنوعی قبر بنادینا جائز ہے، جہاں کبھی بھی قبر کا نام ونشان نہ رہا ہو، اورکیا ایسا عمل کسی نئے عظیم فتنے کی بنیاد نہیں ہوگا، اور ایسے عمل کی ابتدا کرنے والے پر آئندہ تمام نسلوں کے گناہوں کا بوجھ نہ آئیگا، اور ایسے شخص کے عقیدے کی اصلاح کیونکر ممکن ہے، اور قبر سے استفادہ کی کیا حیثیت ہے؟

حضوروالا سے مؤدبانہ وعاجزانہ درخواست ہے کہ اس دردناک صورت حال کا قرآن و حدیث اور فقہ وشریعت کی روشنی میں مکمل ومفصل اور مدلل وتشفی بخش حل پیش فرمادیں، جس سے پیدا ہونے والے عظیم فتنہ پر قابو پایا جاسکے اور قوم کا ایمان وعقیدہ محفوظ رہ

سکے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء .**

المستفتی: خورشید انور نعمانی، استاد: دارالعلوم ارریا، بیرگاچھی چوک، ارریہ بہار۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں رات کے وقت میں جو اعلان کا ذکر ہے یہ سب کی سب شیطانی حرکتیں ہیں جس شخص نے مزار اور کسی بزرگ کی قبر کا اعلان کیا ہے، اس پر شیطان سوار ہے اور شیطانی آواز ہے پھر اس کے بعد وہاں پر قبر بنانے کا جو سلسلہ شروع کیا جارہا ہے یہ بھی شیطان کا مشورہ ہے، اور اس طرح وہاں پر قبر بنا کر مزار کا سلسلہ جاری کرنا قطعی حرام اور ناجائز ہے، مسلمانوں کو ایسے عقیدہ سے بچنا چاہئے ،اور جو لوگ بھی وہاں مزار بنانے میں شریک ہونگے وہ سب اس گناہ کی لعنت میں شامل ہوں گے، اسلئے وہاں کے ذمہ دار مسلمانوں پر لازم ہے کہ قطعاً مزار بنانے نہ دیں اور تمام نشانات کو فوراً ختم کرادیں اور اس عظیم فتنہ سے مسلمانوں کو بچائیں۔

قال رسول اللہ ﷺ .... وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة فى النار . (صحيح ابن خزيمة ، كتاب الجمعة ، باب صفة خطبة النبى ﷺ ... المكتب الإسلامي ٢/٨٦٤، رقم: ١٧٨٥)

إياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة .

(ابو داؤد شريف، كتاب السنة ، باب لزوم السنة ،النسخة الهندية ٢/٦٣٥، دارالسلام رقم: ٤٦٠٧، سنن الترمذي، باب ماجاء فى الأخذ بالسنة ، واجتناب البدع ،النسخة الهندية ٢/٩٦، دارالسلام رقم: ٢٦٧٦، سنن ابن ماجه ، كتاب السنة ، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ، النسخة الهندية ١/٥، دارالسلام رقم: ٤٦)

من أحدث فيها حدثا، أو آوىٰ محدثا، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين ، لا يقبل منه صرف ولا عدل . (صحيح البخارى ، ابواب

فضائل المدينة ، باب حرم المدينة ، النسخة الهندية ١/ ٢٥١ ، رقم: ١٨٣٢ ، ف: ١٨٧٠ ، مشكوٰة شريف ١/ ٣٠)

من أحدث في امرنا هذا ماليس منه فهو رد. (بخاری شريف ، الصلح، باب إذا اصطلحوا على جور فالصلح مردود ، النسخة الهندية ١/ ٣٧١، رقم: ٢٦١٩، ف: ٢٦٩٧)

نهى رسول الله ﷺ أن يجصص القبر وأن يبنى عليه و أن يقعد عليه. (مسلم شريف، الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه ، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، بيت الافكار رقم: ٩٧٠، سنن الترمذى ، الجنائز، باب ما جاء فى كراهية تجصيص القبور ، والكتابة عليها ، النسخة الهندية ١/ ٢٠٣ ، دارالسلام رقم: ١٠٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۹۰)

کن کن لوگوں کی قبروں کی زیارت کیلئے مسافت سفر طے کرنا جائز ہے؟

سوال: [۳۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کن کن لوگوں کی قبر کی زیارت کے لئے سفر شرعی کی مسافت طے کرنا جائز ہے؟ اور جواز کی دلیل کیا ہے؟

المستفتي: قاری احسان قاسمی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انبیاء، اولیاء، مشائخ اور اساتذہ اور والدین کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر شرعی کی مسافت طے کر کے جانا جائز و درست ہے۔ (مستفاد: غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات/ ۱۳۰)

ذهب جمهرة الأمة إلىٰ أن زيارة قبره ﷺ من أعظم القربات و السفر إليها جائز بل مندوب . (معارف السنن ، باب ماجاء أی المساجد أفضل ، بحث شد الرحيل إلى غير المساجد الثلاثة الخ اشرفيه ديو بند۳/ ۳۲۹)

عن بريدة قال: قال رسول الله ﷺ قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد فى زيارة قبر أمه فزوروها، فإنها تذكر الآخرة -إلى- قال أبو عيسىٰ حديث بريدة حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند أهل العلم لايرون بزيارة القبور بأساً . (ترمذی شريف، الجنائز، باب ماجاء فى الرخصة في زيارة القبور، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵٤)

عن أبي هريرةؓ قال: زار النبى ﷺ قبر أمه ، فبكى وأبكى من حوله ، فقال: استأذنت ربي في أن أستغفر لها فلم يؤذن لي، واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي ، فزوروا القبور، فإنها تذكر الموت . (صحيح مسلم ، كتاب الجنائز، فصل في جواز زيارة قبور المشركين ومنه الإستغفارلهم ، النسخة الهندية ۱/ ۳۱٤، بيت الأفكار رقم: ۹۷٦، المصنف لإبن أبي شيبه ، كتاب الجنائز، من رخص فى زيارة القبور مؤسسه علوم القرآن۷/ ۳٦٦، رقم: ۱۱۹۲۹ ، سنن أبي داؤد، الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/ ٤٦٦١، دارالسلام رقم: ۳۲۳٤)

قال محمد وبهذا كله نأخذ، لابأس بزيادة القبور للدعاء للميت ولذكر الأ خرة ، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ . (كتاب الآثار للإمام محمدؒ، باب زيارة القبور ، الرحيم اكيڈمی كراچی /۲۱۹، رقم: ۲٦۹)

كان إذا زار قبور أصحابه يزورها للدعاء لهم الترحم عليهم والاستغفار لهم وهذه الزيارة التى سنها لأمته وشرعها لهم وأمرهم أن يقولوا إذا زاروها السلام عليكم يا أهل القبور الديار من المؤمنين والمسلمين وإنا إن شاء الله بكم لا حقون نال الله لنا ولكم العافية الخ.

(زاد المعاد ١/ ٥٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۵/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۳۰)

زیارۃ قبور اور ایصال ثواب کا مستحب طریقہ

سوال: [۳۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے دادا کا انتقال ہوگیا ہے، اور میں کبھی کبھی جا کر قبر کی زیارت کرتا ہوں، اور کچھ قرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کرتا ہوں، مجھے آپ سے دریافت کرنا یہ ہے کہ قبر کی زیارت کیلئے کب جانا چاہئے، اور کب نہیں جانا چاہئے؟ اور کون سے دن قبروں کی زیارت کیلئے جانا افضل ہے؟ اور وہاں جا کر قرآن کریم کی کون کون سی سورتیں پڑھ کر ایصال ثواب کرنا چاہئے؟ اسکی کیا ترتیب ہے؟ جواب دیں؟

المستفتي: محمد مصطفیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کی زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور جمعہ کے دن زیارت کیلئے جانا افضل ہے، اسی طرح سے سنیچر اور پیر، جمعرات کو بھی جانا افضل ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۰۲، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۸۶)

بزيارة القبور أي لا بأس بهابل تندب كما في البحر عن المجتبىٰ — إلا أن الأفضل يوم الجمعة والسبت والإثنين والخميس فقد قال محمد بن واسع الموتىٰ يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوماً قبله ويوماً بعدهٗ فتحصل أن يوم الجمعة أفضل . (شامي ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب في زيارة القبور، كراچی ٢/ ٢٤٢ ، زكريا ديوبند ٣/ ١٥٠ ، هنديه ، كتاب الكراهية ، الباب السادس

عشر في زيارة القبور و قرأءة القرآن فی المقابر زکريا ۵/ ۳۵۰، جديد ۵/ ۴۰۵)

اور جو قرآن یاد ہو اس میں سے پڑھے اگر حافظ قرآن ہو تو اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ پہلے سورۂ بقرہ پڑھے مفلحون تک اور آیت الکرسی پڑھے، پھر سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھے اور سورہ یٰسین اور سورۂ ملک، تکاثر، اور سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ یا دس مرتبہ یا سات مرتبہ یا تین مرتبہ پڑھے، پھر اس کے بعد ایصال ثواب کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۰۲، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۸۶)

وفی شرح اللباب ويقرأ من القرآن ماتيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسی وآمن الرسول وسورة يٰس وتبارک الملک ، وسورة التكاثر ، والإخلاص اثنی عشر مرة أو عشراً أو سبعاً أو ثلاثون ثم يقول اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلىٰ فلان أو إليهم . (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة کراچی ۲/ ۲۴۲، زکريا ۳/ ۱۵۱، فتاویٰ هنديه ، کتاب الکراهية ، الباب السادس عشر في زيارة القبور ... زکريا ۵/ ۳۵۰، جديد ۵/ ۴۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

کیا اہل قبور سلام سن کر اس کا جواب دیتے ہیں

سوال: [۳۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں داخل ہوتے وقت حکم ہے ’’**السلام عليكم يا أهل القبور**‘‘ کہا جائے جب ہم سلام کرتے ہیں تو جواب کون دیتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتي: عبد الحفیظ، کرولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں داخل ہوتے وقت اہل قبور کو

سلام کرنا جائز اور مسنون ہے، اور اہل قبور اس کو سنتے ہیں، اور اس کا جواب دیتے بھی ہیں، اور حدیث سے ثابت ہے۔

عن أبي هريرة رضـ قال: إذا مر الرجل بقبر يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام وعرفه، وإذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام. (شعب الإيمان، باب في الصلاة، على من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، دارالكتب العلميه بيروت ۷/۱۷، رقم: ۹۲۹٦، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۰/۳٦٤، حديث: ۸۵۰، مجمع الزوائد بيروت ۳/٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ر ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۰۷)

راستہ گزرتے ہوئے مزارات کو سلام کرنا

سوال: [۴۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جگہ جگہ جو مزارات بنالئے ہیں، جو اکثر بے حقیقت ہیں عوام راستہ گذرتے ہوئے ان کو سلام پیش کرتے ہیں، اور بعض حضرات ان کے مجاوروں کو چندہ کے طور پر کچھ روپیہ وغیرہ بھی دیتے ہیں، تو کیا عوام کا یہ فعل صحیح ہے اور اگر سلام کرنا صحیح ہے تو اس سلام کے الفاظ کیا ہیں؟ وہی ہیں جو اہل قبور کے سلام کے ہیں یا کوئی اور الفاظ ہیں؟

المستفتي: محمد ادریس، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن مزاروں کے بارے میں غالب گمان صحیح ہونے کا ہے ان سے گذرتے وقت ان الفاظ کے ساتھ سلام بھیجا جائے گا، جو احادیث شریفہ سے ثابت ہے اور احادیث شریفہ میں چودہ قسم کے الفاظ کا ذکر آیا ہے، جن کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين، وإنا إن

شاء الله بكم للاحقون أسأل الله لنا و لكم العافية . (مسلم شريف ، الجنائز، باب مـا يـقـال عـنـد دخول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ۱/۳۱٤، بيت الأفكار رقم: ۹۷٥، سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء فيما يقال إذا ادخل المقابر ، النسخة الهنديه ۱/۱۱۱ ، دارالسلام رقم: ۱۵٤۷)

(۲) السـلام عـلـىٰ أهـل الـديار من المؤمنين والمسلمين ويرحم الله الـمستـقـدمين منا والمستأخرين وإنا انشاء الله بكم للاحقون. (مسلم شريف، الـجـنـائـز، بـاب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ۱/ ۳۱٤، بيت الأفكـار رقـم: ۹۷٤، سـنـن نسـائـى ، الـجنائز، الأمر بالإستغفار للمؤمنين ، النسخةالهندية ۱/ ۲۲۲، دارالسـلام رقـم: ۲۰۳۷، مـصـنـف عبـد الـرزاق ، الـجنائز، باب في زيارة القبور ، المجلس العلمى ۳/ ۵۷۰،رقم: ٦۷۱۲، ۳/ ۵۷۵، رقم: ٦۷۲۲)

(۳) السلام عليكم دار قوم مؤمنين وأتاكم ما توعدون غدا مؤجلون وإنا إن شاء الله بكم لاحقون . (مسلم شريف۱/ ۳۱۳، بيروتى حديث: ۹۷٤)

(۴) السـلام عـليـكـم يـا أهل القبور يغفر الله لنا و لكم أنتم سلفنا و نـحـن بالأثر . (تـرمـذى شـريف، الـجـنـائز، باب مايقول الرجل إذا ادخل المقابر ، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۳ ، مشكوٰة شريف / ۱۵٤)

(۵)السـلام عـليكم دار قوم مؤمنين أنتم لنا فرط وإنا بكم لاحقون ، أنتم لنا فرط ونحن لكم تبع أسأل الله العافية لنا ولكم. (نسائى شريف، الجنائز، الأمـر بـالإستـغفار للمؤمنين،النسخة الهندية ۱/ ۲۲۲، دارالسلام رقم: ۲۰٤۰، صحيح ابن حبان ، دارالفكر ۵/ ٦۹، رقم: ۳۱۷۳)

(٦) السـلام عـليكم دار قوم مؤمنين أنتم لنا فرط وإنا بكم لاحقون ، الـلّٰهم لا تحرمنا أجرهم ولا تفتنا بعدهم . (ابـن ماجه شريف، الجنائز، باب ماجاء مـا يـقال إذا أدخل المقابر ، النسخة الهنديه ۱/ ۱۱۱، دارالسلام رقم: ۱۵٤٦ ، مسند البزار ،

مکتبه العلوم والحکم ۱۸/۱۹۴، رقم: ۱۷۸)

(۷)السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا بکم لاحقون ، اللّٰهم لا تحرمنا أجرهم ولا تفتنا بعدهم . (مسند امام احمد بن حنبل ۶/۱۱۱، حدیث/۲۵۳۱۲)

(۸) سلام علیکم دار قوم مؤمنین وأنتم لنا فرط وإنا بکم لاحقون ، اللّٰهم لا تحرمنا أجرهم ولا تفتنا بعدهم . (مسند امام احمد بن حنبل ۶/۷۱، حدیث/۲۴۹۲۹)

(۹) سلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا بکم لاحقون ، اللّٰهم لاتفتنا بعدهم . (مسند احمد بن حنبل ۶/۷۶، حدیث/۲۴۹۷۹)

(۱۰) السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا إن شاء الله بکم لاحقون .

(ابو داؤد شریف ، الجنائز، باب مایقول إذا أتی المقابر أو مربها ، النسخة الهندیة ۲/۴۶۲، دارالسلام رقم: ۳۲۳۷)

(۱۱) السلام علیٰ أهل الدیار من المؤمنین . (المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي ۲/۴۶، حدیث/۱۲۳۶)

(۱۲) السلام علیٰ أهل القبور من کان منکم من المؤمنین والمسلمین أنتم لنا فرط ونحن لکم تبع عافانا الله وإیاکم . (المعجم الکبیر، داراحیاء التراث العربي ۱۹/۴۴۶، حدیث/۱۰۸۳)

(۱۳) السلام علیکم یا أهل القبور من المؤمنین والمسلمین استغفر الله لنا ولکم أنتم سلفنا ونحن بالاثر. (المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي ۱۲/۸۴، حدیث/۱۲۶۱۳)

(۱۴) السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا وإیاکم متواعدون غداً ومتوکلون وإنا إن شاء الله بکم لاحقون . (نسائی شریف، الجنائز، الأمر بالإستغفار للمؤمنین ،النسخة الهندیه ۱/۲۲۲، دارالسلام رقم: ۲۰۳۹)

ان مذکورہ الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ کا استعمال نہ کرنا چاہئے ، اور وہاں کے

مجاوروں کو بطور چندہ کچھ دینا ناجائز اور حرام ہے۔

ومـايـؤخذ من الدراهم، والشمع ، والزيت، ونحوها إلىٰ ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل وحرام . (طحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصوم ، باب مایلزم الوفاء به دارالکتاب دیو بند/۶۹۳ قدیم /۳۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱ھ

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال: [۴۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو قبرستان میں ایصال ثواب کیلئے دعا کیلئے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: فرقان احمد، دلپت پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کی گنجائش ہے، البتہ اس بات کا لحاظ ضرور رکھا جائے، کہ جس کی مغفرت کی دعا کی جائے، اس کی قبر سے دوسری طرف رخ موڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تاکہ کم علم لوگوں کو شک وشبہ پیدا نہ ہو سکے، اور اجتماعی طور پر قبرستان میں دعا مانگنا ثابت نہیں ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۴/۲۲۴)

في حديث عبد الله بن مسعودؓ رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذي البجادين – الحديث– وفيه : فلمّا فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه. (فتح الباری ، کتاب الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة ، قدیم ۱۱/۱۴۴،

اشرفیه ۱۱/۷۳، تحت رقم الحدیث ۶۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۷/۱۴۳۱ھ

قبر بوسی کا مسئلہ

سوال: [۴۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بوقت ملاقات علماء وصلحاء وبزرگوں کے دست وپا کا بوسہ لینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ ایسے ہی جب لوگ زیارت قبر یا اولیاء کے مزارات پر جاتے ہیں تو مزار کے پائتانہ کو بوسہ لیتے ہیں تو اس طرح بوسہ لینا کیسا ہے؟ بریلوی حضرات فتاویٰ رشیدیہ اور تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے بڑے زور دار انداز سے اس مسئلہ کا جواز پیش کرتے ہیں، آنجناب سے درخواست ہے کہ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں، کرم ہوگا۔

المستفتي: محمد یامین اصغر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر جذبۂ محبت، جذبۂ شوق، اور جذبہ احترام میں ہاتھ چوم لیا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ، زکریا مسئلہ نمبر ۱۷۵، ۱/۱۴۲، قدیم: ۱۶۶)

لا بأس بتقبيل يد الرجل العالم و المتورع على سبيل التبرك .

(شامی ، كتاب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغيره كراچی ۶/۳۸۳، زكريا ديوبند ۹/۵۴۹، حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذكار الواردة بعد صلاة الفرض ، دارالكتاب ديوبند/۳۱۹)

اور بہتر وافضل یہ ہے کہ پیر کو نہ چوما جائے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/۱۰۳)

البتہ اولیاء اللہ وبزرگان دین کی قبروں کا بوسہ لینا اوران کے مزارات کے پائتانہ وغیرہ کا بوسہ لینا کفار ومشرکین کا طریقہ ہے، اسلئے قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اور پائتانہ میں نہ

تو بزرگوں کا براہ راست ہاتھ ہوتا ہے، اور نہ براہ راست پیر ہوتا ہے، اور اس کا بھی یقین نہیں ہے، کہ ان کے ہاتھ پیر اس قبر میں صحیح وسالم موجود ہیں یا سڑگل کر مٹی بن گئے ہیں، تو پھر کس چیز کا بوسہ، نیز حدیث شریف میں اس کو یہود ونصاریٰ کی عادت وعمل بتایا گیا ہے۔ ۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۹۰، احیاء العلوم ۱/ ۱۴۰)

وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضي به آثمان لأنه يشبه عبادة الوثن. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره كراچی ٦/ ٣٨٣، زكريا ٩/ ٥٥٠، عالمگیری، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون، في ملاقاة الملوك والتواضع لهم وتقبيل أيديهم ٥/ ٣٦٩، جديد ٥/ ٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/۷/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/۱۴۲۱ھ

روزانہ فجر کے بعد زیارت قبور کیلئے جانا

سوال: [۴۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے جس میں لوگ فجر پڑھکر التزام کے ساتھ اعلان کئے بغیر قریب کے قبرستان میں جا کر زیارت کرتے ہیں، اور امام صاحب دعا کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

المستفتي: احقر محمد علیم الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں جا کر میت کیلئے استغفار کرنا اور دعا مانگنا فی نفسہ جائز ہے، لیکن قبرستان میں جمع ہو کر قبروں کی زیارت کا التزام اور اس کے بعد میں امام صاحب کا اجتماعی دعا کرانا حدیث وفقہ اور دور صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں، البتہ

انفرادی طور پر قبرستان میں جاکر اہل قبور کو سلام کرکے اور اہل قبور کو دیکھ کر آخرت کی یاد دہانی حاصل کرنا حدیث سے ثابت ہے، اور ساتھ میں اہل قبور کیلئے کچھ پڑھ کر ثواب پہونچا دینا جائز ہے، مگر جو طریقہ سوالنامہ میں مذکور ہے، شریعت سے اس کا ثبوت نہیں۔

عن ابن مسعودؓ أن رسول الله ﷺ قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا، وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ۱/۱۱۲، ۱۱۳، دارالسلام رقم: ۱۵۷۱، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ۲/۵۳۵، رقم: ۱۳۸۷، مشكوٰة شريف ۱/۱۵٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/۱۴۲۳ھ

زیارت قبور کیلئے عورت کا قبرستان جانا

سوال: [۴۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیارت قبور عام مسلمین کیلئے یا اپنے کسی عزیز کی قبر کی زیارت اور ایصال ثواب کیلئے عورت کسی شرط کیساتھ قبرستان جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: کمیٹی قبرستان احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث پاک کے اندر زیارت قبور کی علت بتلائی گئی ہے، اس سے آخرت کی یاد آتی ہے، اور یہ بات عام ہے، خواہ عام قبروں کی زیارت کی جائے یا اپنے کسی عزیز واقارب کی قبر کی کیجائے، لہٰذا علت مذکورہ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے، کہ زیارت قبور عام مسلمین کیلئے ہے، البتہ حدیث پاک کے اندر اس بات

کی صراحت ہے کہ جوشخص ہر جمعہ کو پابندی کے ساتھ اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے تو اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے، اور اس کا شمار صالحین میں ہوگا، اور چونکہ عورتوں کا دل کمزور ہوتا ہے، قبروں کے پاس جاکر جزع وفزع کرتی ہیں اسلئے ان کا قبرستان نہ جانا بہتر ہے، البتہ اگر کوئی عورت اپنے اوپر قابو یافتہ ہو اور سنت طریقہ کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرتی ہے تو ایسی عورت کیلئے گنجائش ہے، اور اگر قابو یافتہ نہیں ہے، تو نہ جانا ہی بہتر ہے، رہا مسئلہ ایصال ثواب کا تو قبرستان پر نہ جاکر کے گھر میں بیٹھے بیٹھے بھی ایصال ثواب کرسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ زکریا مسئلہ نمبر۱۱۱۵ص:۵۸۴، قدیم/۵۹۲)

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة . (مشكوٰة شريف /١٥٤، سنن ابن ماجه ، الجنائز باب ماجاء في زيارة القبور ، النسخة الهنديه ١/١١٢-١١٣، دار السلام رقم: ١٥٧١، المستدرك ، كتاب الجنائز ، قديم ١/٣٧٤، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٢/٥٣٥، رقم: ١٣٨٧)

زار قبر أبويه أو أحدهما في كل جمعة غفرلهٗ وكتب براً. (مشكوٰة شريف/١٥٤ شعب الايمان ، باب في بر الوالدين ، فصل في حفظ حق الوالدين بعد موتها دار الكتب العلمية بيروت ٦/٢٠١، رقم: ٧٩٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۸ھ

عورتوں کا مزارات پر جانا اور چادر چڑھانا

سوال: [۴۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورتوں کا عرس وغیرہ کے موقع پر مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ یا جیسا کہ عام رواج ہے کہ پیرو جمعرات، جمعہ کو مزارات پر حاضر ہوکر شیرینی چادر وغیرہ چڑھائی جاتی ہیں آیا یہ فعل

جائز ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: مولانا حنیف، مدرسہ مدینۃ العلوم،
محلّہ کھتاڑی، رام نگر، ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب کی غرض سے مذکورہ ایام میں مزارات پر جانا ثابت ہے البتہ شیرینی اور چادر وغیرہ چڑھانا ثابت نہیں ہے، محض بدعت ہے۔

إن الأ فضل يوم الجمعة والسبت والإثنين والخميس فقال محمد بن واسع الموتی يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوماً قبله ويوماً بعده فتحصل أن يوم الجمعة أفضل الخ . (شامی ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی زيارة القبور ، زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۰، کراچی ۲/ ۲۴۲، هنديه ، كتاب الكراهية الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن فی المقابر ۵/ ۳۵۰، جدید۵/ ۴۰۵)

اورعرس کے موقع پرعورتوں کا مزارات پر جانا ممنوع ہے۔(بہار شریعت مصنفہ مولانا امجد علی بریلوی ۴/ ۱۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۹۷)

عورتوں کیلئے قبروں کی زیارت کا حکم

سوال: [۴۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیارت قبور خصوصاً اولیاء کرام یا انبیاء کرام کے مزارات کی حاضری کا کیا حکم ہے؟ مردوں اور عورتوں کیلئے ایک ہی حکم ہے یا علیٰحدہ اگر عورتوں کے واسطے بوجہ فساد عقیدہ ممانعت ہے تو اس مرض میں مرد بھی کم نہیں عورتوں کیلئے علیٰحدہ حکم کی وضاحت کی جائے، تاکہ دلیل کیساتھ ان کو اس سفر سے روکا جاسکے بعض بوڑھی عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ ہم اب ناپاک نہیں ہوتیں ہم بھی اب

ایصال ثواب کیلئے حاضر ہونا چاہتی ہیں، ہمارے لئے خصوصاً کیوں ممانعت ہے یہاں سے کچھ لوگ باقاعدہ سرہند اور براس کے مزارات کی زیارت کیلئے پروگرام بنا کر بشمول مستورات عرس اور عرس کے علاوہ بھی جانے لگے ہیں ان لوگوں کو کیسے روکا جائے؟

المستفتي: محمد یونس، جامع مسجد، احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں زیارت قبور کیلئے جانا مستحب ہے، اور عورتوں کیلئے زیارت قبور کرنا سو اگر مقصود نوحہ کرنا اور غم تازہ کرنا ہو تو جائز نہیں ہے، اور اگر عبرت اور برکت کیلئے ہے تو صرف بڈھیوں کیلئے پردہ کے اہتمام کے ساتھ اگرچہ جائز ہے لیکن نہ جانا ہی بہتر ہے، اور جوانوں کیلئے تو ہرگز جائز نہیں ہے اور عورتوں کیلئے ممانعت کی وجہ فساد عقیدہ کیساتھ ساتھ دراصل فتنہ کا خوف اور فساد زمانہ ہے، جیسا کہ نماز کیلئے مساجد میں آنے کی ممانعت ہے اور سرہند اور براس وغیرہ مقامات پر جانا زیارت کیلئے اگرچہ مرد اور بوڑھی عورت کیلئے جائز ہے، لیکن تاریخ متعین کرکے یا عرس وغیرہ میں شرکت کیلئے جانا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۷۵۳)

وقال الخير الرملي إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ماجرت به عادتهن فلا تجوز وعليه حمل حديث لعن الله زائرات القبور وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذاكن عجائز ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور كراچی ۲/۲٤۲، زكريا ديوبند ۳/۱٥۱)

وفي الطحطاوی بل تحرم في هذالزمان الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند/ ٦۲۰، قديم / ۳٤۰)

عرس میں جانے والی عورتوں کے شوہروں کی ذمہ داری ہے کہ ان کو عرس میں جانے

سے روکیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۴۱۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۱۵ھ

عورتوں کے لئے زیارت قبور

سوال: [۴۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کا اعزہ کی قبروں کی زیارت کے لئے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکمل پردے میں محرم کے ساتھ اپنے قریبی عزیز کی قبر پر جانا عورت کے لئے مباح ہے، بشرطیکہ نوحہ وغیرہ نہ ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی قبر پر گئی تھیں، (لیکن نہ جانا ہی بہتر ہے)۔ (مستفاد: کفایت المفتی زکریا ۴/۱۹۴، جدید زکریا مطول ۵/۵۵۹، مکتبہ امدادیہ ۴/۱۸۳، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۱۹۱، میرٹھ ۱۳/۳۲۹، آپکے مسائل ۴/۴۰۶)

قوله: ولو للنساء، وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهنّ.

(شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارت القبور کراچی ۲/۲۴۲، زکریا ۳/۱۵۰)

والأصح أنّ الرّخصة ثابتة للرّجال والنّساء، وحاصله أن محل الرخص لهن، إذا كانت الزيارة على وجه ليس فيه فتنة. (حاشية الطحطاوی على المراقی، فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند/ ۶۲۰)

فالصواب الذى ينبغي عليه الاعتماد هو جواز الزيارة للنساء، إذا كان الأمن من تضييع حق الزوجة والتبرج والجزع والفزع، ونحوه من الفتن. (بذل المجهود، الجنائز، باب فی زيارت النساء القبور، دارالبشائر الإسلامية

۱۰/۵۲۸، تحت رقم الحدیث/۳۲۳٦)

عن عبد الله بن مليكة قال: توفي عبد الرحمن بن أبي بكر رضؓ بالحبشي قال فحمل إلى مكة فدفن فيها فلما قدمت عائشة رضؓ أتت قبر عبدالرحمن . الحديث: (ترمذی ، الجنائز، باب ماجاء فی الزيارة للقبور للنساء، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم الحديث/۱۰۵۵)

ويرد عليه أن عائشة كيف زارت مع النهی ، ويمكن أن يجاب أن النهي محمول على تكثير الزيارة ، لأنه صيغة مبالغة ولذا قالت: لو شهدتک ما زرتک لأن التكرار ينبئ عن الإكثار . (حاشية ترمذی، النسخة الهندية ۱/۲۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۶)

عورتوں کا اولیاء کی قبروں پر جانا

سوال: [۴۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کا قبروں پر جا کر چادر چڑھانا اور بوس وکنار کرنا کیسا ہے اور کیا عورتیں صاحب قبر کو برہنہ نظر آتی ہیں، اور عورتوں کے لئے قبر پر جانے کا کیا حکم ہے؟ کیا اولیاء اللہ کی قبر پر جاسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتي: مسعود احمد خان، کاس گنج، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں زیارت قبور سے منع فرمایا بعد میں یاد آخرت اور عبرت حاصل کرنے کی غرض سے زیارت قبور کی اجازت ہوگئی، لیکن یہ اجازت صرف مردوں کے واسطے ہے عورتوں کیلئے نہیں ہے، اس لئے کہ عورتیں قبروں اور مزارات پر جا کر عبرت حاصل نہیں کرتیں بلکہ یا تو جزع فزع کرتی ہیں، یا

اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتی ہیں، یہ دونوں چیزیں ناجائز اور حرام ہیں، اور اس نیت سے قبروں پر چادر چڑھانا کہ چادر چڑھانے کی وجہ سے صاحب قبر کو فائدہ پہونچتا ہے، یا چادر چڑھانے کے نتیجہ میں چادر چڑھانے والے کی مراد پوری ہوگی، یہ دونوں باتیں ناجائز ہیں، اسی طرح بوسہ دینا بھی جائز نہیں، حدیث میں وارد ہے کہ قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت ہوتی ہے اور یہی بات فقہاء نے بھی لکھی ہے، اب رہی یہ بات کہ میت کی روح کو عورتیں ننگی نظر آتی ہیں، احقرؒ کی نظر سے نہیں گذری۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم لعن زوارات القبور. (ترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراهية زيارة القبور للنساء، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۶)

وأعلم بأنها كلما قصدت الخروج كانت فی لعنة الله والملائكة وإذا خرجت يحفها الشيطان من كل جانب، وإذا أتت القبور يلعنها روح الميت، وإذا رجعت كانت فی لعنة الله. (تاتار خانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الجنائز، المتفرقات زکريا ۳/۹۲، رقم: ۳۸۰۲)

ولا يمس القبر ولا يقبله فإنه من عادة أهل الكتاب. (طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند/ ۶۲۰)

تكره الستور علی القبور. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت کراچی ۲/۲۳۸ زکريا ۳/۱۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۶ھ

قبروں پر چادر چڑھانا

سوال: [۴۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں پر

چادر چڑھانا، پھول شیرینی چڑھانا کیسا ہے؟

المستفتي: زبیر عالم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبروں پر چادر پھول شیرینی وغیرہ چڑھانا خلفائے راشدین، ائمہ مجتہدین وسلف صالحین سے ثابت نہیں ہے یہ سب بدعات ممنوعہ ہیں، مسلمانوں کو ان سب خرافات سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۲/ ۳۸۱، ۱/ ۲۰۹، ۱۱/ ۴۳، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۷۲، ۱۷۴، امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۴۰)

قال العینی: إن إلقاء الریا حین لیس بشیئی. (فیض الباری، الجنائز، باب الجرید علی القبر کوئٹہ ۲/ ۴۸۹)

کرہ بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والأولیاء... ویکرہ الستور علی القبور. (شامی، کتاب الخطر والإباحة، قبیل فصل فی النظر واللمس کراچی ۶/ ۳۶۳، زکریا ۹/ ۵۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۷۳)

حاجت روائی کی خاطر چراغاں کرنا

سوال: [۴۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گھر میں ایک گھنٹہ چراغی کرنے کو کہتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟ اوپر سے کہتے ہیں انھیں چراغوں سے مانگو یہی بیڑا پار لگائیں گے۔

المستفتي: محمد جاوید، محلہ شیدی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر پر چراغی دینا اوران چراغوں سے مانگنا اورانکو

حاجت روا سمجھنا موجب شرک ہے،توبہ کرکے باز آجانا لازم ہے۔(مستفاد:محمودیہ ١/ ٢٠٦)

أن اسراج السرج الكثيرة في السلك والأسواق بدعة الخ. (نفع المفتي والسائل/١٣٨، فتاویٰ محموديه قديم ١/ ٢٢٥، ڈابھیل ٣/ ٢٦٠، من تنقيح الشامي الحامديه ٢/ ٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ رمضان ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر:٢٤/ ٨٩٩)

۱۸/ باب إيصال الثواب للميت

کیا مؤمن اپنی قبر میں ثواب کا محتاج ہے؟

سوال: [۴۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب مؤمن بندہ کا انتقال ہوجاتا ہے، تو وہ قبر میں ثواب کیلئے محتاج ہوجاتا ہے یانہیں؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبدالسلام، ضلع پورنیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں مؤمن بندہ اپنی قبر میں خود ثواب کا محتاج ہوتا ہے۔

عن عبد الله بن عباس ؓ قال: قال النبي ﷺ ماالميت في القبر إلا كالغريق المتغوث، ينتظر دعوة تلحقه من أب ، وأم ، أو أخ، أو صديق، فإذا لحقته كانت أحب إليه من الدنيا ومافيها، وإن الله عزوجل ليدخل على أهل القبور من دعاء أهل الأرض أمثال الجبال ، وإن هدية الأحياء إلى الأموات الاستغفار لهم . (شعب الإيمان للبيهقي، باب في برالوالدين ، فصل في حفظ حق الوالدين بعد موتهما، دارالكتب العلمية بيروت ۶/۲۰۳، رقم: ۷۹۰۵، باب في الصلاة ، على من مات من أهل القبلة ، فصل في زيارة القبور ۷/۱۶، رقم: ۹۲۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۹)

ایصال ثواب زندہ مردوں دونوں کو کیا جاسکتا ہے

سوال: [۴۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا قرآن پڑھ کر زندہ کو بھی بخشا جاسکتا ہے؟ یا صرف مردوں کو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن خوانی اپنی کرنی چاہئے؟ یہ کیسا ہے درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شفیع احمد بحرین، معرفت: مولانا عبدالجبار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں کیلئے درست ہے۔

الأصل أن کل من أتی بعبادۃ ما لہ جعل ثوابها لغیرہ (تحته فی الشامیة) أی من الأحیاء والأموات. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الحج، باب الحج، عن الغیر مطلب فیمن أخذ في عبادته شیئا من الدنیا کراچی ۲/ ۵۹۵، ۵۹۶، زکریا ٤/ ۱۰، ۱۱، مطبوعه کوئٹه /۲٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۴/۲۳)

ایصال ثواب سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا راحت میں اضافہ ہوتا ہے!

سوال: [۴۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایصال ثواب کرنے سے مردے کی روح کو کیا فائدہ پہونچتا ہے، یعنی اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے یا اسکی راحت میں اضافہ ہوتا ہے؟

(۲) قبر پر جب کوئی فاتحہ پڑھنے جاتا ہے، یا گھر پر ایصال ثواب کرتا ہے تو کیا

مردے کی روح کو خبر ہو جاتی ہے،اور اس کی روح خوش ہوتی ہے، یا روح کو بالکل خبر نہیں ہوتی کہ اس کیلئے کیا کیا جا رہا ہے؟

المستفتي: احقر محمد احمد خان، فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) میت کو ثواب پہونچانے سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، درجات کی بلندی میں ترقی ہوتی ہے،حزن میں کمی ہوتی ہے،سرور میں اضافہ ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۲۸۴، جدید ڈابھیل ۹/ ۲۱۸)

عن أنس أنه سأله ، ﷺ فقال یا رسول اللّٰه ﷺ إنا نتصدق عن موتانا ، ونحج عنهم وندعولهم ، فهل یصل ذلک إلیهم ؟ قال : نعم ، إنه لیصل إلیهم ، وإنهم لیفرحون به کما یفرح أحدکم بالطبق إذا أهدیٰ إلیه ،رواه ابو حفص الکبیر العکبری . (فتح القدیر ، کتاب الحج ، باب الحج عن الغیر زکریا ۳/ ۱۳۳ ، کوئٹہ ۳/ ٦٦،مصری قدیم ۳/ ۱٤۳)

(۲) میت کو جب ایصال ثواب کیا جاتا ہے، تو مردہ کو اس سے خوشی ہوتی ہے،اور زندوں کے اچھے برے اعمال جن کا تعلق سب سے ہوتا ہے، اسکی میت کو اطلاع دی جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۴۰۹، جدید ڈابھیل ۱/ ۵۹۷)

عن أنس بن مالک رضؓ یقول: قال النبی ﷺ إن أعمالکم تعرض علی أقاربکم وعشائرکم من الأموات ، فإن کان خیرًا استبشروا به ، وإن کان غیر ذلک ، قالوا: اللّٰهم لا تمتهم حتی تهدیهم کما هدیتنا . (مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۱٦٥، رقم: ۱۲۷۱۳ ومثله فی المعجم الأوسط للطبرانی ، من أسمه أحمد دار الفکر بیروت ۱/ ٥٦، ٥٧، رقم: ۱٤۸، المعجم الکبیر للطبرانی دار احیاء التراث العربي ٤/ ۱۲۹، رقم: ۳۸۸۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۲۲ھ

مرنے کے بعد بعض جائز و ناجائز اعمال

سوال: [۴۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آدمی کے مرنے کے بعد اس کے حق میں شریعت کی رو سے کیا کیا کرنا چاہئے، نیز لوگ تیجہ چالیسواں کرتے ہیں تو یہ کرنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد طیب سیتاپوری، متعلم: مدرسہ شاہی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انسان کے مرنے کے بعد جو چیز شریعت میں ثابت اور محبوب ہے اور میت کے حق میں مفید اور کارگر ہے وہ اس کیلئے ایصال ثواب کرنا ہے، اس کے علاوہ دیگر چیزیں تیجہ و چالیسواں وغیرہ اور دیگر رسومات سب بے اصل ہیں، جن کا سلف و خلف و خیر القرون تک کہیں بھی کسی سے ثبوت نہیں ملتا بلکہ فقہاء نے ان تمام رسومات کو بدعت قبیحہ فرمایا ہے، اسلئے مسلمانوں کو ان رسومات و بدعات سے احتراز و اجتناب کرنا لازم ہے۔

عن ابي هريرة رضـ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله، إلا من ثلاثة ، إلا من صدقة جارية ، أوعلم ينتفع به ، أو ولد صالح يدعوله . (صحيح مسلم ، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته ،النسخة الهندية ۲/ ٤١، بيت الأفكار رقم : ١٦٣١)

ويكره الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فى السرور لا فى الشرور وهى بدعة مستقبحة (قوله) ويكره اتخاذ الطعام أى فى اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (شامى ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت كراچى ٢/ ٢٤٠،زكريا٣/ ١٤٨)

وإطعام الطعام فى الأيام المخصوصة كالثالث والخامس و التاسع

والعاشر والعشرين والأربعين والشهر السادس والسنة بدعة . (شرح منهاج بحواله امداد المفتيين ۲/ ۱۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۷؍۱۴۲۱ھ

کیا میت کو ثواب پہنچتا ہے؟

سوال: [۴۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مردہ کو ایصال ثواب کیا جائے تو اسے ثواب پہونچتا ہے یا نہیں؟ اگر ثواب پہونچتا ہے تو کیا اس ایصال ثواب سے عذاب وعقاب میں بھی کمی ہوجاتی ہے، یا نہیں؟ قرآن وحدیث میں اس کی کوئی صراحت ہو تو تحریر فرمائیں؟

المستفتي: جاوید عالم بن ظہیر عالم، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نیک کام مثلاً صدقہ خیرات حج بدل اور تلاوت وغیرہ کرکے ایصال ثواب کرنے سے یقیناً مردے کو ثواب پہونچتا ہے اور اس کے ذریعہ سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، اور ثواب پہوچانے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو حجاً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة . (البحرالرائق ، كتاب الحج ، باب الحج عن الغير زكريا ۳/ ۱۰۵ ، كوئٹه ۳/ ۵۹)

قال الخطابي وفيه دليل على استحباب تلاوة الكتاب العزيز على القبور لأنه إذا كان يرجى عن الميت التخفيف بتسبيح الشجر فتلاوة القرآن سورة يٰس خفف الله عنهم يومئذ. (عمدة القاري، كتاب الوضوء ، باب من

الکبائر أن لایستتر من بوله زکریا ۲/۵۹۸، تحت رقم الحدیث: ۳،۲۱۶/۱۱۸)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ لأبي إذا أردت أن تتصدق صدقة فاجعلها عن أبویک فإنه یلحقهما ولا ینتقص من أجرک شیئاً. (شعب الإیمان، دارالکتب العلمیة بیروت ۶/۲۰۴، حدیث ۷۹۱۱)

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ من حج عن والدیه بعد وفاتهما کتب له عتقاً من النار وکان للمحجوج عنهما أجر حجة تامة من غیر أن ینقص من أجور هما شیئاً. (شعب الإیمان، دارالکتب العلمیه بیروت ۶/۲۰۴، حدیث: ۷۹۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۱۵ھ

کیا ایصال ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے

سوال: [۴۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ میت کیلئے ایصال ثواب قرآن نماز صدقہ خیرات وغیرہ سے جو کرتے ہیں، تو کیا وہ سب ثواب مرحومین کو پہونچ جاتا ہے؟ یا ہم کو بھی اس تلاوت، خیرات، صدقہ، نماز وغیرہ کا ثواب ملتا ہے؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج، سعودی عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم کی تلاوت نیز ذکر واذکار نماز روزہ وغیرہ اسی طرح غرباء ومساکین پر صدقہ خیرات کرکے مرحومین کو جو ثواب پہونچایا جاتا ہے، تو اسمیں مرحومین کو ثواب پہونچنے کیساتھ ساتھ پڑھنے والوں یا صدقہ کرنے والوں کو بھی برابر

کا ثواب ملتا ہے کسی کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی ہے۔

وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تصدق بصدقة تطوعاً أن يجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شيئاً رواه الطبراني في الأوسط وفيه خارجة بن مصعب الضبي وهو ضعيف. (مجمع الزوائد، باب الصدقة على الميت دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۳۸، ۱۳۹، رقم: ۴۷۶۹)

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة سواء كان المجعول له حيا أو ميتا من غير أن ينقص من أجره شيئى وأخرج الطبراني والبيهقي في الشعب عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيئى. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند/ ۶۲۲، قديم/ ۳۴۱، هكذا في الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، كراچی ۲/ ۲۴۳، زکریا ۳/ ۱۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۹)

قرآن خوانی، میلاد، خیرات اور نوافل کے ثواب کی مقدار

سوال: [۴۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے چار لڑکے تھے اس شخص کا انتقال ہوگیا، ایک لڑکا کہتا ہے کہ میں اپنے باپ کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کرونگا، دوسرے لڑکے نے کہا کہ میں میلاد شریف کرونگا، تیسرے لڑکے نے

کہامیں اپنے باپ کیلئے خیرات کروں گا، چوتھے لڑکے نے کہامیں اپنے باپ کیلئے نفل پڑھکر ثواب پہونچاؤنگاب آپ یہ بتائیں کہ سب کوالگ الگ کام کرنے میں کتنی نیکیاں ملیں گی؟

المستفتي: محمدابراہیم، ڈاکخانہ، ہاتھی پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قرآن پڑھنے والے کی طرف سے ہرایک آیت کے عوض دس آیتوں کا ثواب اورصدقہ کرنے والے کی طرف سے ہرایک روپیہ کے عوض دس روپیہ کا ثواب اورنفل پڑھنے والے کی طرف سے ہرایک نفل کے عوض دس نوافل کا ثواب ملتا رہے گا اورثواب دس سے لیکرسات سوگنا تک ملتارہے گااوراللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا .(الإنعام: ١٦٠)

اورحدیث شریف میں آیاہے۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ كل عمل ابن آدم يضاعف، الحسنة أمثاله إلى سبع مأة ضعف الحديث. (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فصل الصيام ،النسخة الهندية ١/٣٦٣، بيت الأفكار رقم: ١١٥١)

اورمروجہ میلادشریف کرنے والے کی طرف سے اس مرحوم باپ کوکوئی ثواب کی امید نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۳محرم۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۹۲-۳۷)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۳ھ

کیامردہ ایصال ثواب کرنے والے کوپہچانتاہے؟

سوال: [۴۰۱۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیاپنج گانہ اذان قبرستان میں مردے سنتے ہیں اوراگرقبرستان میں پہونچ کرکوئی ایصال ثواب کرتاہےتوقبروں والے اسے پہچانتے ہیں یانہیں؟ جبکہ وہ رشتہ داریاماں باپ اہل وعیال

ہوں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد عثمان، فینسی کارنر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بعض احادیث شریفہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ مردہ اتنی دور کی بات سن لیتا ہے جتنی دور سے عام طور پر لوگ سنا کرتے ہیں، حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ جب تم قبرستان کے پاس سے گذرو تو ان کو ان الفاظ سے سلام کرو ”**السلام عليكم يا دار قوم مؤمنين**“ نیز حدیث قلیب بدر کے بارے میں اگرچہ کچھ اختلاف ہے لیکن حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے صراحت کے ساتھ یہ روایت مروی ہے کہ مردہ اپنی قبر میں سنتا ہے۔

عن ابن عمر قال وقف النبي صلى الله عليه وسلم على قليب بدر فقال هل وجدتم ما وعدربكم حقاً ثم قال إنهم الآن يسمعون ما أقول لهم. (بخاری شريف، كتاب المغازى، باب قتل أبى جهل، النسخة الهندية ۲/۵۶۷، رقم: ۳۸۳۷، ف: ۳۹۸۰)

عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال العبد إذا وضع في قبره وتولّى وذهب أصحابه حتى أنه يسمع قرع نعالهم. (بخاری شريف، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال ۱/۱۷۸، رقم: ۱۳۲۳)

اگر قبرستان سے مسجد متصل ہے اور اس میں اذان دی جا رہی ہے، تو اس مسجد کی اذان اس قبرستان کے مردے اتنی دور تک سن سکتے ہیں جتنی دور تک مؤذن کی آواز پہونچتی ہے، جب مردے قبرستان سے گذرنے والے لوگوں کے جوتے کی آواز سنتے ہیں تو اذان کا سننا بھی انہیں روایات سے ثابت ہے۔

عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال العبد إذا وضع في قبره وتولّى وذهب أصحابه حتى أنه يسمع قرع نعالهم. (بخاری شريف، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال، النسخة الهندية ۱/۱۷۸، رقم: ۱۳۲۳)

اورسوالنامہ میں سوال قائم کیا گیا ہے، کہ کوئی رشتہ دار قبرستان میں جا کر ایصال ثواب کرتا ہے، تو مردہ اس کو پہچان بھی لیتا ہے، اوراس سے مانوس بھی ہوتا ہے، حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح کے اندراس طرح کی روایتیں نقل فرمائی ہیں۔

قال ابن عبد البر ثبت عن النبی ﷺ أنه قال مامن مسلم یمر علی قبر أخیه کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه إلا ردالله علیه روحه حتی یرد علیه السلام ، فهذا نص فی أنه یعرفه بعینه ، ویرد علیه السلام . (الروح / ۲۳)

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت : قال رسول الله ﷺ ما من رجل یزور قبر أخیه ویجلس عنده إلا استأنس به ورد علیه حتی یقوم . (کتاب الروح / ۲۵)

عن أبی هریرةؓ قال : إذا مر الرجل بقبر أخیه فسلم علیه رد علیه السلام وعرفه وإذا مر بقبر لا یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام . (کتاب الروح / ۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۰/۷۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۱۵ھ

ایصال ثواب کا بہتر طریقہ

سوال: [۴۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایصال ثواب کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، ساکن شہباز پور کلاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس کیلئے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے، تلاوت قرآن صدقہ وخیرات وغیرہ کار خیر میں سے جس سے چاہے، کر دیا کریں۔

سواء كانت صلوٰة أو صوماً أو صدقةً أو قراء ة أو ذكراً أو طوافاً الخ. (شامي ، كتاب الحج ، باب الحج عن الغير ،مطلب فيمن أخذ من عبادته شيئاً من الدنيازكريا٤/ ١٠، كراچی ٢/ ٥٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۳/۱۴۱۲ھ

غریبوں کو کھانا کھلائیں یا مسجد ومدرسہ کی تعمیر کرائیں

سوال: [۴۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک بڑی رقم خرچ کر کے اللہ کے نام پر مہمانوں رشتہ داروں دوست واحباب غریبوں یتیموں بیواؤں مسکینوں ناداروں کو کھانا کھلا کر اس کا ثواب والدین کی روح کو پہونچایا جائے یا وہ رقم مسجد کی توسیع وتعمیری کام میں خرچ کی جائے؟

(۲) کس کام کو کرنے سے مقصد پورا ہوگا، کھانا کھلانے سے یا مسجد کی توسیع وتعمیر میں خرچ کرنے سے؟ بالتفصیل جواب سے نوازیں؟

المستفتی: محمد نعیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہمانوں، رشتہ داروں اور یتیموں وغیرہ کو کھانا کھلا کر ثواب پہونچانے اور مسجد کی توسیع وتعمیر میں خرچ کر کے ثواب پہونچانے ہر دو کام سے مقصد پورا ہو جائیگا، مگر مسجد کی توسیع وتعمیر میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ صدقۂ جاریہ ہے، اس کا ثواب برابر ملتا رہیگا۔

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سبعة يجري للعبد أجر هن وهو في قبره بعد موته من علم علما، أو كرى نهراً ، أو حفر بئراً ، أو غرس

نـخلاً، أو بـنـی مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترک ولدا یستغفر له بعد موته.

(شعب الإیمان للبیهقی ، باب فی الزکاة ، فصل فی الاختیار في صدقة التطوع ، دارالکتب العلمیة بیروت ۲۴۸/۳ ، رقم: ۳۴۴۹ ، ومثله۳۴۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۸۷)

مالی صدقات کا ثواب مرحومین کو پہونچانا کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال: [۴۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مالی صدقات کا ثواب مرحومین کو پہونچانا کسی حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حدیث شریف تحریر فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالی صدقات کا ثواب مرحومین کو پہنچانا جائز اور افضل ہے جو مندرجہ ذیل روایات سے ثابت ہے۔

عن ابن عباسؓ أن رجلاً قال: یارسول اللہ ﷺ ! إن أمي توفیت أفینفعها إن تصدقت عنها، قال نعم، قال: فإن لي مخرفاً فأشهدک أنی قد صدقت به عنها. (ترمذی شریف، أبواب الزکاة ، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت ، النسخة الهندیة ۱۴۵/۱ ، دارالسلام رقم: ۶۶۹ ، سنن نسائی، فضل الصدقة عن المیت ، النسخة الهندیة ۱۱۴/۲ ، رقم: ۳۶۵۵ ، مسند أحمد بن حنبل ۳۷۰/۱ ، رقم: ۳۵۰۴ ، صحیح ابن خزیمه ، المکتب الإسلامی ۱۱۹۷/۲ ، رقم: ۲۵۰۰ ، سنن أبی داؤد ، باب فیمن مات من غیر و صیة یتصدق عنه ، النسخة الهندیة ۳۹۸/۱ ، دارالسلام رقم: ۲۸۸۲ ، المستدرک ، کتاب الزکاة ، قدیم ۴۲۱/۱ ، مکتبه نزار مصطفی الباز ۵۹۱/۲ ، رقم: ۱۵۳۱)

أنبأنا ابن عباسؓ أن سعد بن عبادة أخا بنی ساعدة توفیت أمه وهو

غـائـب عنها، فأتى النبی ﷺ فقال: یارسول الله ﷺ ! إن أمی توفیت وأنا غـائـب عـنهـافهـل ینـفـعهـا شـیء إن تصدقت به عنها، قال: نعم، قال فإنی أشهـدک أن حائطی المخراف صدقة علیها. (بـخاری شریف، کتاب الوصایا، بـاب الاشهـاد فـي الـوقف والصدقة والوصیة، النسخة الهندیة ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۱، ف: ۲۷۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۰)

کیا عبادات بدنیہ کا ثواب پہونچانا بھی حدیث سے ثابت ہے؟

سوال: [۴۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبادات بدنیہ کا ثواب دوسروں کو پہنچانا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس سلسلے میں کوئی نص ہو تو تحریر کریں۔ ممنون ہوں گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عبادات بدنیہ کا ثواب مرحوم والدین کو اور دوسروں کو پہنچانا جائز ہے جو حسب ذیل روایات سے ثابت ہے۔

عن الحجاج بن دینار قال: قال رسول الله ﷺ إن من البر بعد البر أن تـصـلي عـلیهـمـا مع صلاتک،وأن تصوم عنها مع صیامک، وأن تصدق عنهما مع صدقتک. (مـصنف لإبن أبی شیبه، کتاب الجنائز، ما یتبع المیت بعد موته، مؤسسه علوم القرآن جدید ۷/ ۴۸۴، رقم: ۱۲۲۱۰)

عن ابن عباس رضـ قال: قال رجل: یارسول الله ﷺ !إن أبي مات، ولم یحج، أفأحـج عنه؟ قال: أرأیت لو کان علی أبیک دین أکنت تقضیه؟ قال: نعم، قال:

فدين الله أحق . (سنن النسائي، مناسك الحج، تشبيه قضاء الحج بقضاء الدين ، النسخة الهندية ۲/ ۳، دارالسلام رقم: ۲۶٤۰ ، مسند الدارمی دارالمغنی ۲/ ۱۱۵۷ ، رقم: ۱۸۷۸)

عن أبي أسيد مالك بن ربيعه قال: بينما نحن عند النبي صلى الله عليه وسلم إذ جاءه رجل من بني سلمة فقال: يارسول الله ﷺ : أبقي من بر أبوي شيء أبرهما به من بعد موتهما قال: نعم ،الصلوٰة عليهما والاستغفار لهما ، وإيفاء بعهودهما من بعد موتهما و إكرام صديقهما وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما . (ابن ماجه، ابواب الأدب ، باب صل من كان أبوك يصل ، النسخة الهندية ۱/ ۲۶۰، دارالسلام رقم: ۳۶۶٤، الأدب المفرد ، دارالكتب العلمية بيروت/ ۲٤ ، رقم: ۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: الف خاص/ ۱۱۵۲۵)

کیا قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو نہیں پہونچتا

سوال: [۴۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سعودی عرب سے شائع ہونے والے قرآن کریم کے ترجمہ سورۃ النجم کی آیت ۳۹، میں جو مولانا محمد علی جونا گڑھی کا ہے ”**وأن ليس للإنسان ماسعىٰ**“ کے حاشیے میں لکھا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو نہیں پہنچتا ہے، لہٰذا آنجناب سے مؤدبانہ استدعا ہے کہ قرآن واحادیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں، کہ کیا واقعی قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو نہیں پہونچتا ہے؟

المستفتي: حاجی معراج الدین، جھبو کا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سعودی عرب سے شائع شدہ جس قرآن کریم کا

حوالہ سوالنامہ میں دیا گیا ہے، اس کا ترجمہ مولانا محمد علی جونا گڑھی غیر مقلد کا ہے، اوراس کے حاشیہ میں تفسیر دوسرے غیر مقلد عالم مولانا صلاح الدین یوسف کی ہے، اورسورۂ نجم کی مذکورہ آیت کے حاشیہ نمبر ۵ کے ذیل میں دو باتیں لکھی ہیں۔

(۱) قرآن خوانی کا ثواب مردوں کونہیں پہنچتا ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں درج ہے، یہی غیر مقلدین کا عقیدہ ہے۔

(۲) دوسری بات یہ لکھی ہے، کہ دعا اور صدقہ وخیرات کا ثواب مردوں کو پہنچ جاتا ہے، اور قرآن کریم پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانے اور دعا صدقہ وخیرات کے ذریعہ ثواب پہنچانے کے درمیان فرق غیر مقلدین اپنی طرف سے کرتے ہیں، حالانکہ حدیث شریف میں مردوں کے سامنے سورۂ یٰسین پڑھنے اور دفن کے بعد سرہانے اور پائے تانے میں کھڑے ہوکر سورۂ بقرہ کے شروع وآخر کی آیات پڑھنے کی ترغیب آئی ہے، اگراس پڑھنے سے مردوں کو ثواب نہیں پہنچتا ہے تو حدیث میں جو پڑھنے کی ترغیب ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی'' ضرور ثواب پہنچتا ہوگا، نیز صلاح الدین یوسف نے جو اپنے قلم سے لکھا ہے کہ دعا کا ثواب پہنچ جاتا ہے، تو یہ بھی تو دوسرے کا عمل اور دوسرے کی محنت ہے، جس کا ثواب میت کو پہنچ رہا ہے، نیز جب دعا کا ثواب پہنچ جاتا ہے، تو قرآن کریم کی تلاوت کرکے اللہ سے یوں دعا کی جائے کہ'' اے اللہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے،'' تو اس طرح دعا کرکے ثواب پہنچانے میں کیا رکاوٹ ہے، جیسا کہ صلاح الدین صاحب خود اس طرح دعا کے ذریعہ ثواب پہنچنے کے قائل ہیں، اور قرآن خوانی کا ثواب بھی دعا کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے، لہذا صلاح الدین یوسف کا دعا کے ذریعہ ثواب پہنچنے کا اقرار کرنا پھر قرآن خوانی کا ثواب دعا کے ذریعہ پہنچنے کا انکار کرنا یہ دو متضاد باتیں ہیں جو درست نہیں ہے، اور جو علماء قرآن خوانی کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل ہیں، وہ بھی دعا کے ذریعہ ہی سے پہنچانے کو کہتے ہیں، اس لئے دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

عن معقل بن یسارؓ قال: قال رسول الله ﷺ :إقرؤا یٰس علی موتاکم . (أبو داؤد، باب القراءۃ عند المیت ، النسخۃالهندیة ۱/۴۴۵، دارالسلام رقم: ۳۱۲۱، سنن ابن ماجه ، باب ماجاء فیما یقال عند المریض إذا حضر ، النسخة الهندية ۱/۱۰۴، دارالسلام رقم: ۱۴۴۸، المعجم الكبير ، دار احیاء التراث العربي ۲۰/۲۱۹، ۵۱۰/، مسند احمد ۵/۲۶، /۲۵۶۷، مسند أبي داؤد طیا لسی، دارالكتب العلمية بیروت ۱/۴۹۸، رقم: ۹۷۳، صحیح ابن حبان ، دارالفکر ۴/۳، رقم:۲۹۹۸)

عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبیه قال قال: لي أبی : یا بُنییّ إذا أنا مت فالحدني،فإذا وضعتنی في لحدي فقل بسم الله وعلیٰ ملة رسول الله ثم سن علی الثریٰ ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمتها فإنی سمعت رسول الله ﷺ یقول ذلک . (المعجم الكبير، داراحیاء التراث العربي۱۹/۲۲۱، ۴۹۱)

عن عطاء بن أبي رباح سمعت عبد الله بن عمر سمعت النبی ﷺ یقول: إذا مات أحدکم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلیٰ قبره ولیقرأ عند رأسه فاتحة الکتاب وعند رجلیه بخاتمة البقرة فی قبره. (شعب الإيمان ، دارالكتب العلمیة بیروت۷/۱۶ ، ۹۲۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۸ھ

قرآن پڑھ کر متعدد اموات کو ثواب پہنچانا

سوال: [۴۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ساتھ جب ایصال ثواب کرنا ہو تو ایک ساتھ ایک ہی میت کو ایصال ثواب کیا جائے، یا ایک ساتھ متعدد اموات کو بھی ثواب پہنچایا جا سکتا ہے، مثلاً قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ کر ایصال

ثواب کرنا ہے تو اس کا ثواب ایک میت کو جائیگا یا متعدد کو بھی پہنچایا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن مجید یا صدقات نافلہ کا ثواب بیک وقت متعدد اموات کو پہنچانا جائز ہے؛ بلکہ افضل یہی ہے کہ ایصال ثواب کرتے وقت تمام مؤمنین کی نیت کرلی جائے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۳/ ۸۶، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۳۷)

الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شئٌ هو مذهب أهل السنة والجماعة . (شامی ، کتاب الصلاة ، باب صلاةالجنازة ، مطلب فی القراء ة للميت و إهداء ثوابها لهٗ كراچی ۲/ ۲۴۳، زكريا ۳/ ۱۵۱ ، الفتاویٰ التاتارخانيه ،كتاب الزكوٰ ة ، الفصل السادس عشر، إيجاب الصدقة ومايتصل به زكريا ۳/ ۲۶۸، رقم: ٤٣٣٤)

عن أبی هريرةؓ مرفوعاً من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو اللّٰه أحد، وألهاكم التكاثر، قال: أللّٰهم ! إني جعلت ثواب قراءتي من كلامک لأهل المقابر من المؤمنين و المؤمنات كانوا شفعاء لهٗ إلى يوم القيامة . (شرح الصدور / ۲۱۰)

من مر على المقابر فقرأ فيها إحدىٰ عشرة مرة ”قل هو اللّٰه أحد“ ثم وهب أجرهٗ الأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات. (كنز العمال ۱۵/ ۲۷٦، / رقم الحديث: ٤٢٥٨٩)

من صام أو صلىٰ أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة . (شامی ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی القراءة للميت وإهداء ثوابها له كراچی ۲/ ۲٤۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۴)

نابالغ بچہ کا ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نابالغ بچہ کے قرآن پڑھنے کا ایصال ثواب دوسرے تک پہونچے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد آفتاب عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نابالغ بچے اگر قرآن کریم پڑھکر کسی کو اس کا ثواب پہونچائیں تو اس سے خود ان کے اجر میں کمی نہ ہوگی اور میت کو ثواب پہونچ جائے گا۔

وقد قالوا حسنات الصبي لهٗ لا لأبويه. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ۳/۱۱٤، كراچی ۲/۲۱٤، حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/۵۸۷)

وتصح عباداته وإن لم تجب عليه واختلفوا فی ثوابها والمعتمد أنه لهٗ الخ. (الأشباه، كراچی ۲/۱٤۲)

والأصل فيه أن الإنسان لهٗ أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، كوئٹه ۳/۵۹، زكريا ۳/۱۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۱۲/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۳۵)

نابالغ کو ایصال ثواب اور دودھ بخشنا

سوال: [۴۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چھوٹے بچے کی وفات کے بعد اس کے لئے قرآن مجید پڑھنا یا پڑھوانا کسی اور چیز کے ذریعہ ایصال

ثواب کرنا سنت طریقہ ہے یا نہیں؟ اور بچے کو ثواب کی ضرورت پڑتی ہے یا نہیں؟ اور بہت سی عورتیں دودھ بخشواتی ہیں کہتی ہیں اللہ نے بخشا میں نے بخشا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

المستفتي: محمد شفیع، قصبہ منڈاور، محلہ افغانان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ اور چھوٹے بچے کے لئے بھی قرآن کریم پڑھکر ایصال ثواب کرنا مسنون ہے اور بچے کو بھی ثواب مل جاتا ہے، بچے کو بھی ثواب ورفع درجات کی ضرورت ہے۔

كما استفاده من الدرالمختار وهو دعاء له أيضا بتقدمه في الخير لا سيما وقد قالوا: حسنات الصبي له لا لأبويه بل لهما ثواب التعليم وفي الشامية حاصله أنه إذا كانت حسناته أي ثوابها له يكون أهلاً للجزاء والثواب، فناسب أن يكون ذلك دعاءً له أيضًا لينتفع به يوم الجزاء الخ.

(الدرالمختار مع الشاميه، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچی ۲/ ۲۱۵، زكريا۳/ ۱۱۴، مطبوعه كوئٹه ۱/ ٦٤٦، مصری ۱/ ۸۱۹، هكذا في الطحطاوی علی المراقی، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ۵۸۷، قديم/ ۳۲۲)

عورتوں کا دودھ بخشوانے کا طریقہ قرآن کریم وحدیث وفقہ میں احقر کی نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۶۰)

قبر کے پاس قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا

سوال: [۴۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا از روئے شرع کیسا ہے؟ کیا کوئی شخص قبر کے پاس بیٹھ کر

قرآن شریف دیکھ کر پڑھ سکتا ہے؟

المستفتي: واجد الحق، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کسی کو زبانی یاد نہیں ہے تو قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس کو ایک رسم بنالینا اور اس کا التزام کرنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ قدیم ۷/۲۴۶، جدید ڈابھیل ۹/۲۶۴، کفایت المفتی قدیم ۴/۱۸۴، جدید زکریا ۴/۱۹۶، جدید زکریا مطول ۵/۶۰۳)

(وجوزها) أى القراءة عند القبر (محمد وبه) أى بقول محمد (أخذ) للفتوىٰ لما فيه من النفع. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية فصل فى المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ۲۲۰، مصرى قديم ۲/۵۵۲، الهندية،الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/۱۶۶)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (شرح الطيبى ،كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد كراچى ۲/۳۷۴، رقم الحديث: ۹۴۶، مرقاة ، مكتبه امداديه ملتان ۲/۳۵۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	یکم رجب ۱۴۱۷ھ
۱/۷/۱۴۱۷ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۳۴)

قبر پر بیٹھ کر قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا

سوال: [۴۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں قرآن کریم کا دیکھ کر پڑھنا جیسے والد صاحب کی قبر پر پڑھنا کیسا ہے؟ جواب سے مطلع کریں نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اسلم عفی عنہ، مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں یا کسی مخصوص قبر کے پاس عذاب میں تخفیف، خیر و برکت اور رحمت کی غرض سے قرآن کریم کی تلاوت دیکھ کر یا زبانی کرنا مستحب ہے۔

قال الخطابي: فيه دليل على استحباب تلاوة الكتاب العزيز على القبور ؛ لأنه إذا كان يرجىٰ عن الميت التخفيف بتسبيح الشجر ، فتلاوة القرآن العظيم أعظم رجاءً وبركة. (عمدة القارى ، كتاب الوضوء ، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله ، بيروت قديم ۳/ ۱۱۸، زكريا ۲/ ۵۹۸، تحت رقم الحديث / ۲۱٦)

ولا يكره الدفن ليلاً وله إجلاس القارئين عند القبر وهو المختار ، وفى الشامية : ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر فى المختار . (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور زكريا ۳/ ۱۵۵، ۱۵٦، كراچى ۲/ ۲٤٦، نعمانيه ۱/ ٦٦۸، عالمگيرى، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/ ۱٦٦، جديد ۱/ ۲۲۷، نفع المفتى والسائل/ ۱۲۳)

وفى البحر لا بأس بقراءة القرآن عند القبور وربما تكون أفضل من غيره ويجوز أن يخفف الله عن أهل القبور شيئاً من عذاب القبر . (البحرالرائق ، كتاب الصلاة، قبيل باب الشهيد كوئٹه ۲/ ۱۹۵، زكريا ۲/ ۳٤۲)

اور نفس قبر پر بیٹھنے کو بعض فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔

ويكره الجلوس على القبر ووطؤه الخ. (شامى ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فى إهداء ثواب القراءة للنبى صلى الله عليه وسلم زكريا ديوبند ۳/ ۱۵٤، كراچى ۲/ ۲٤۵، نعمانيه ۱/ ٦٦۷)

البتہ یہ اعتقاد رکھنا کہ قرآن کریم کو وہاں لے جائے یا عند القبر پڑھے بغیر ثواب نہیں پہونچتا ہے تو یہ بدعت اور ممنوع ہے۔

من اعتقد الوجوب فی أمرٍ لیس بواجب شرعاً أو عمل معاملة الواجب معه یکون هذا خطأ من الشیطان و بدعة مذمومة . (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب کیف الانصراف من الصلاة، سهارنپور قدیم ۲/ ۱۵۶، دارالبشائر الإسلامیه جدید ٤/ ٦٧٧، تحت رقم الحدیث /١٠٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵۱)

قبر پر قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا

سوال: [۴۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر پر ایصال ثواب کیلئے قرآن کریم یا پارہ میں دیکھ کر تلاوت کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح تلاوت کھڑے ہوکر کرنی چاہئے یا بیٹھ کر؟ نیز قبر کی کس جانب ایصال ثواب کرنے والے کو بیٹھنا یا کھڑا ہونا چاہئے؟ مفصل بیان فرمائے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زبانی یاد ہوتو زبانی ہی پڑھنا چاہئے، لیکن اگر زبانی یاد نہیں ہے تو قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۴۲، جدید ڈابھیل ۹/ ۲۶۴، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۸۴، جدید زکریا ۴/ ۱۹۶، جدید زکریا مطول ۵/ ۶۰۳)

قراء ة القرآن عند القبور ، عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ لایکره ، ومشایخنا رحمهم اللّٰه تعالیٰ أخذوا بقوله . (هندیه ، الباب الحادی والعشرون ، فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زکریا ١/ ١٦٦، جدید ١/ ٢٢٧)

وأخذ من ذلک جواز القراء ة علی القبر ، والمسئلة ذات خلاف – إلیٰ – وقال محمد تستحب لورود الآثار وهو المذهب المختار . (حاشیة

الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل في زیارة القبور ، دارالکتاب دیوبند / ٦٢١)

نیز میت کے پیروں کی طرف سے کھڑے ہوکر ایصال ثواب کرنا بہتر ہے۔

ثم من آداب الزیا رة ، ماقالوا: من أنه یأتی الزائر من قبل رجلي المتوفیٰ لا من رأسه لاخ. (شامی ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی زیارة القبور کراچی ۲/۲٤۳، زکریا دیو بند ۳/۱٥۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۶۱)

ایصال ثواب کیلئے تیجہ اور سوالاکھ کلمہ طیبہ پڑھنا

سوال: [۴۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کی وفات کے بعد تیسرے دن جو تیجہ کیا جاتا ہے، یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ نیز سوالاکھ مرتبہ کلمہ شریف ختم کرنے کا ثواب میت کو ہوگا یا نہیں؟ اور کیا اس کا ختم کرنا تیجہ میں شامل ہے؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: تصدق حسین، کھرک پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی کی وفات پر بلاوقت اور دن کی تعیین کے میت کیلئے کسی بھی طرح کا ایصال ثواب کرنا خود میت کے حق میں بھی مفید ہے اور ایصال ثواب کرنے والے کے حق میں بھی لہٰذا سوالاکھ مرتبہ کلمہ شریف کا ختم کرنا یہ بھی ایصال ثواب میں شامل ہے، اور اس کا نام تیجہ نہیں بلکہ وفات کے تیسرے دن جو التزامات کئے جاتے ہیں، اس کو تیجہ کہا جاتا ہے، اسکا قرآن وحدیث میں کہیں ثبوت نہیں لہٰذا یہ شرعاً جائز نہیں، اسلئے کہ تیجہ دسواں بیسواں وغیرہ کا التزام مسلمانوں میں اہل ہنود سے آیا ہے۔

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع . (شامی ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت زکریا۳/۱٤۸، کراچی ۲/ ۲٤۰، بزازیه علی الهندیه ، الصلاة، الخامس والعشرون فی الجنائز، وفیه الشهید زکریا٤/ ۸۱۹، جدید۱/ ٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۲۱)

کلمۂ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انتقال کے بعد غیر متعین دنوں میں سوا لاکھ مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر بخشتے ہیں اور پھر ان کو کھلا کر رخصت کرتے ہیں؟ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتي: محمد یونس، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایصال ثواب کی نیت سے غیر متعین طور پر اور تیجہ وغیرہ کے لوازمات کو چھوڑ کر کلمۂ طیبہ پڑھنا درست ہے، اس کا ثواب میت کو پہونچتا ہے آہستہ پڑھنا افضل ہے لیکن اس میں تیسرے دن کی خصوصیت جائز نہیں ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۴۵۱، ۱۷/ ۴۴۵، جدید ڈابھیل ۹/ ۲۴۴)

والأصل فیه أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غیر ذلک عند أصحابنا للکتاب والسنة . (البحرالرائق ، کتاب الحج ، باب الحج عن الغیر ، زکریا۳/ ۱۰٥، کوئٹه ۳/ ٥۹، الهدایه ، کتاب الحج ، باب الحج عن الغیر اشرفیه

دیوبند ۱/ ۱۹٦، الفتاویٰ التاتار خانیه ، کتاب المناسك ، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ، زکریا۳/ ٦٤۸، رقم: ۵۲٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۴/ ۱۴۱۸ھ

نماز، روزہ اور مالی صدقہ کا ثواب مرحومین کو بخشنا

سوال: [۴۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کوئی نفل نماز اپنے والدین کے لئے پڑھ کر بخشی جائے تو اسکا ثواب مردے کو ملتا ہے یا نہیں؟

(۲) کوئی پیسہ روپیہ مسجد کی تعمیر میں اپنے کسی بزرگ یا کوئی شخص بھی اسکو ان روپیوں کا ثواب اگر بخشا جائے تو ملتا ہے یا نہیں؟

(۳) کوئی بھی صدقات وغیرہ مرحومین کی جانب سے کرنے پر اس کا ثواب مرحومین کو ملتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عزیز الحسن، امروہہ گیٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نفل نماز پڑھکر اپنے والدین کو اس کا ثواب پہونچانے سے والدین کو ثواب پہنچ جاتا ہے، اوران کو فائدہ ہوتا ہے۔

الأصل أن كل من أتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره، وإن نواها عند الفعل لنفسه وتحته في الشامية سواءً كانت صلاة أو صوماً أو صدقةً أو قراءةً أو ذكراً أو طوافاً ، أو حجاً ، أو عمرةً أو غير ذلک الخ. (الدر المختار مع الشامی ، کتاب الحج ، باب الحج عن الغیر ، زکریا ٤/ ۱۰، کراچی ۲/ ۵۹۵)

(۲) جی ہاں ملتا ہے۔

(۳) جی ہاں اس کا ثواب مرحومین کو مل جاتا ہے، جیسا کہ سوال ایک میں گزرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۱۸ھ

تراویح میں پڑھے گئے قرآن شریف کا ثواب بخشنا

سوال: [۴۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے کیا اس کا ثواب قرابت دار مرحومین کو پہونچا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ طارق، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں مرحومین کو قرآن کریم پڑھنے کا ثواب پہونچایا جاسکتا ہے، حدیث سے ثواب پہونچانا ثابت ہے۔

إن المرأة سألت النبي ﷺ عن أبيها مات ولم يحج قال حجي عن أبيک، الحديث: (نسائی شریف، مناسک الحج، تشبيه قضاء الحج بقضاء الدين، النسخة الهندية ۲/ ۳، دارالسلام رقم: ۲٦٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱/۲۸ھ

چنے پڑھوا کر ایصال ثواب

سوال: [۴۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی والدہ کافی ضعیف ہوچکی ہیں، بچنے کی امید نہیں ہے، زید کی یہ خواہش ہے کہ والدہ ہی

کی زندگی میں ان کے نام ایصال ثواب کردیں، چنانچہ زید گاؤں کے مکتب کے بچوں اور چند علماء کو اپنے گھر دعوت دیکر قرآن خوانی کراتا ہے، اور چنے پڑھواتا ہے، اور پھر ان چنوں میں شکر وغیرہ ملا کر کلمہ خوانی کے بعد تمام لوگوں اور بچوں میں شیرینی کے طور پر تقسیم کرتا ہے، اور کلمہ پڑھے ہوئے چنوں میں سے کچھ چنے پکواتا ہے، اور پھر باضابطہ آئے ہوئے علماء طلبہ اور گاؤں کے لوگوں کو بیٹھا کر ناشتہ اور کھانا کھلاتا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زندہ آدمی کیلئے مذکورہ طریقہ پر ایصال ثواب کرنا علما طلبا اور گاؤں کے لوگوں کو ایسے موقع پر بیٹھا کر کھلانا اور کھانا اور کلمہ پڑھے ہوئے چنے کا تمام لوگوں میں تقسیم کرنا اور کچھ چنے پکوا کر آئے ہوئے لوگوں کو کھلانا شرعاً کہاں تک درست ہے؟ سوال مذکورہ کا مدلل ومحقق جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتي: محمد شفیق الرحمٰن، سعید نگر، بواری ٹولہ، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب زندہ مردہ دونوں کیلئے کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر زید کی والدہ ضعیف ہے اور وہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے افاقہ کیلئے کلمہ خوانی یا قرآن خوانی یا دیگر عبادات وغیرہ کے ذریعہ ایصال ثواب کرائے تو یہ شرعاً جائز اور درست ہے لیکن سوال میں ذکر کردہ طریقہ کہ چنے پڑھ کر کھلانا یہ شرعاً ثابت نہیں؟ یہ لوگوں کی من گڑھت بدعت ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: دار العلوم ۵/ ۴۳۷، امداد الفتاویٰ ۵/ ۲۶۱)

من صام أو صلّی أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی القراءۃ للمیت واھداء ثوابھا لہ کراچی ۲/ ۲۴۳، زکریا ۳/ ۱۵۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ شعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۶۸)

درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب

سوال: [۴۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص درود شریف وغیرہ پڑھکر ثواب پہونچائے کسی میت کو تو پہنچ جائیگا یا نہیں؟

المستفتي: محمد ہاشم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوئی بھی نیک عمل کر کے مثلاً نماز روزہ، صدقہ خیرات، درود شریف پڑھ کر میت کو ثواب پہونچنے کی نیت کرنے سے ثواب پہونچ جاتا ہے۔

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة، اللّٰهم أوصل مثل ثواب ما قرأته لفلان. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له کراچی ۲/۲۴۳، زکریا ۳/۱۵۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/۴۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۷/۱۶ھ

ایصال ثواب کی نیت سے مسجد میں صفیں خرید کر دینا

سوال: [۴۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کے گھر موت ہوگئی اب وہ شخص دسواں وتیجہ نہ کرتے ہوئے اس پیسہ کی صفیں خرید کر میت کے واسطے ایصال ثواب کی نیت سے مسجد میں پہونچادے تو کیا ان صفوں پر نماز ادا ہوسکتی ہے اگر نہیں ادا ہوسکتی تو ان پیسوں کا مصرف کیا ہے؟

المستفتي: سراج الحق، سرجن نگر، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیجہ دسواں وغیرہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی اتنا پیسہ اپنی خوشی سے برائے ایصال ثواب مسجد میں صفیں خرید کر دیتا ہے، تو جائز اور درست ہے ان شاء اللہ میت کو زیادہ سے زیادہ ثواب پہونچنے کی امید ہے۔

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سبع یجری للعبد أجرهن من بعد موته، وهو في قبره، من علم علما، أو كرى نهراً أو حفر بئراً، أو غرس نخلا، أو بنى مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترك ولداً يستغفر له بعد موته.

(مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۱۳/۴۸۳، رقم: ۷۲۸۹)

الأصل أن كل من أتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره وتحته فى الشامی سواء كانت صلوٰة أو صوماً، أو صدقة الخ. (درمختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب الحج عن الغیر زکریا ۴/ ۱۰، کراچی ۲/ ۵۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۲ھ

بلاوضو کئے ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بغیر وضو کئے مردوں کو ایصال ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو ثواب میں کسی قسم کی کمی تو نہیں ہوگی؟

المستفتي: محمد احمد، فیض گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرآنی آیات زبانی پڑھکر یا ذکر واذکار کے ذریعہ ایصال ثواب کرتا ہے تو اس کیلئے وضو ضروری نہیں بلاوضو بھی ایصال ثواب ہو جائیگا، اور

پورا پورا ثواب ملے گا، لیکن وضو کرنے کی صورت میں الگ سے وضو کا بھی ثواب ملیگا۔

یجوز للمحدث الذی یقرأ القرآن. (البحر الرائق کتاب الطھارة باب الحیض زکریا ۱/ ۳۵۱، کراچی ۱/ ۲۰۲، وھکذا فی الھندیة، کتاب الکراھیة، الباب الرابع فی الصلاة، والتسبیح وقراءة القرآن قدیم زکریا ۵/ ۳۱۷، جدید ۵/ ۳۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۸۹)

نماز جنازہ کے بعد ایصال ثواب کیلئے اعلان کرنا

سوال: [۴۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کی تیز رفتار زندگی اور اس میں بھی شہری زندگی ایسی ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں کو ہی مشکل سے وقت دے پاتا ہے، چہ جائیکہ کسی اور کو وقت دے ایسے حالات میں اگر کسی کا انتقال ہو جائے، تو ایصال ثواب کیلئے مستقل وقت نکالنا بھاری کام ہے، کیونکہ آدمی اپنے لئے ہی قرآن نہیں پڑھتا چہ جائیکہ دوسرے کیلئے وقت نکالے اب اگر نماز جنازہ کے بعد اعلان کر دیا جائے کہ فلاں مسجد میں مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی رکھی گئی ہے، اور اس میں شیرینی وغیرہ کا قطعاً کوئی انتظام نہ کیا جائے، تو کیا یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ اس طرح اعلان کر دینے جگہ اور وقت مقرر کر دینے سے آدمی اپنے کام آگے پیچھے کر کے ایصال ثواب کیلئے پہونچ ہی جاتا ہے، بغیر کسی التزام کے اس طرح قرآن خوانی کرنا کس درجہ کا ممنوع ہے، حرام ناجائز یا مکروہ؟

المستفتي: محمد زید مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد قرآن خوانی اور ایصال ثواب

کیلئے لوگوں کی سہولت کی غرض سے کسی خاص وقت اور جگہ کا اعلان کر دیا جائے ،تا کہ اس وقت لوگ جمع ہوکر تلاوت کرلیں ،تو اس میں کوئی حرج نہیں ، بدعت اور نا جائز اس صورت میں ہے، جبکہ اس کام کیلئے کسی خاص دن کی تعیین کر لی جائے ،اور اس دن کا التزام کیا جائے ، جیسا کہ تیسرے دن تیجہ کے طور پر کیا جائے ، اور دسویں دن دسویں کے طور پر کیا جائے ، یہ ہندوؤں کی رسم ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ٣/٩٢)

يكره القوم أن يقرؤا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع و الانصات، وقيل: لا بأس به . (طحطاوی علی مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، دارالكتاب ديوبند/٣١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣/ ٦٢، حلبي كبيري ، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، اشرفيه ديوبند/٤٩٧ ، ٣١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ :شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢؍رجب ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٨/٩٦٦٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢/٧/١٤٢٩ھ

کسی دوسرے مقام پر ایصال ثواب اور کھانا

سوال: [٤٠٣٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (١) کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے، اسکے وارثین ایصال ثواب کی نیت سے دس بیس پڑھنے والوں کو بلاکر کلام پاک پڑھواتے ہیں،اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(٢) ایک شخص رمضان کے مہینہ میں یا کسی اور مہینہ میں ثواب کی نیت سے یا برکت کی نیت سے دس بیس افراد کو بلوا کر اپنے گھر کلام پاک پڑھواتا ہے، تو اسمیں کلام پاک کا پڑھوانا کیسا ہے؟ اور اپنی خوشی سے ان کو افطار یا ناشتہ کراتا ہے اسکے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتي: منشی امام الدین، قصبہ راجہ کا تاجپور، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایصال ثواب کیلئے کلام پاک پڑھوانا جائز ہے یہ باعث خیر وبرکت ہے چاہے رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں مگر اس موقع پر اگر شیرینی کھانا دعوت وغیرہ کا سلسلہ ہے تو نہ ثواب کی امید ہے اور نہ ہی خیر وبرکت کی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

ایصال ثواب کے لئے دن کی تعیین کرنا

سوال: [۴۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ہوتا ہے، بعدہٗ اس کے ورثاء ان کے ایصال ثواب کے واسطے تین دن متعین کر کے قرآن خوانی یا چلہ کی صورت میں اجتماع قائم کر کے میت کے حق میں بخشواتے ہیں تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ یا پھر بغیر دن متعین کئے ایسا کرتے ہیں، تو کیا جائز ہے یا ناجائز؟ اس کی صحیح صورت شریعت میں کیا ہے؟

المستفتي: عزیز الرحمٰن، ۲۴ر پرگنہ، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایصال ثواب باعث اجر وثواب اور باعث خیر وبرکت ہے، اس سے میت کو ثواب پہونچتا ہے، مگر اس میں مخصوص دن کی تعیین کرنا شریعت سے ثابت نہیں، خاص دن کی تعیین بدعت اور ممنوع ہے، ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی رسم ورواج کی پابندی اور دعوتی اہتمام کے عزیز واقرباء ایصال ثواب کی غرض سے قرآن خوانی کر کے اس کا ثواب میت کو پہونچادیں تو انشاء اللہ میت کو بھی ثواب پہونچے گا، اور پڑھنے والوں کے لئے بھی باعث اجر وثواب ہوگا۔

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع (إلی قوله) واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقرأة سورة الانعام، أو الإخلاص . (شامی ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ ، مطلب فی کراھة الضیافة من أھل المیت زکریا۳/۱۴۸، کراچی ۲/۲۴۰، فتاویٰ دارالعلوم ۵/۴۵۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۳/۱۴۱۷ھ

مروجہ اجتماعی قرآن خوانی سے متعلق چند سوالات

سوال: [۴۰۴۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانے میں قرآن خوانی کا رواج بہت زیادہ بڑھتا جارہا ہے، یعنی اگر دوکان یا کارخانہ شروع کریں ، یا سفیدی کرائیں ، یا اپنا مکان بنائیں ، یا کوئی جائیداد خریدیں ، یا کسی کا انتقال ہوجائے، یا کوئی بیمار ہوجائے، یا کوئی مشین چالو کریں، یا عقیقہ کریں، یا ختنہ کرائیں، یا کسی کی شادی ہو، اس قسم کے اور بہت سے امور میں قرآن خوانی ضروری سمجھتے ہیں، کیا یہ قرآن خوانی جائز ہے، جو بہت سے نقصانوں کا سبب ہے؟

(۱) مدارس اسلامیہ ومساجد میں مستقل قرآن خوانی کے لئے دس پندرہ یوم پہلے بکنگ کرائی جاتی ہے، اسلئے کہ اس سے پہلے نمبر ہی نہیں آتا ، جبکہ ایک دن میں کئی جگہ قرآن خوانی کرانی پڑتی ہے، اور بعض دفعہ بچوں کو دور دراز بھی جانا پڑتا ہے، اور مدارس میں بچوں کی تعلیم کا وقت صبح ۷؍بجے سے گیارہ بجے تک اور ظہر سے عصر تک اور مغرب سے عشاء تک ہوتا ہے، اور درمیان میں جو تھوڑا بہت وقت ملتا ہے اسمیں طلباء اپنی دوسری ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں، جو ان کا حق ہے، اور ضروری بھی ہے، دریافت طلب امر یہ

ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بچوں کو ایسے وقت بھیجا جائے جس سے بچوں کی تعلیم کا نقصان نہ ہو، تو اب کونسا ایسا وقت ہے جس میں بچوں کو قرآن خوانی کیلئے بھیجا جائے، یعنی ان کی تعلیم کو ضائع کیا جائے یا ضرورت کو؟

(۲) کیا اللہ کے نبی ﷺ کے زمانے میں بھی قرآن خوانی کا ایسا ہی رواج تھا، صحابہ کرام بھی کاروبار کرتے تھے، مکان بھی بناتے تھے، شادی بیاہ بھی کرتے تھے، بیماری وموت بھی واقع ہوتی تھی، کیا صحابۂ کرامؓ نے بھی کسی کی موت یا اور موقع پر اس طرح قرآن خوانی کرائی ہے؟ کیا اس کا کسی کتاب میں کوئی ثبوت ہے؟

(۳) مروجہ قرآن خوانی خواہ ایصال ثواب کیلئے ہو یا کسی اور غرض کے لئے جس میں ختم قرآن کے بعد کھانے یا چائے وغیرہ کی دعوت کی جاتی ہے یا کہیں نقدی رقم دی جاتی ہے، یہ پڑھنے اور پڑھوانے والوں کے لئے جائز ہے؟ اجرت میں داخل تو نہیں؟

(۴) کیا اسطرح قرآن خوانی کرانا یعنی کھانے پینے اور رقم کے لئے ریا تو نہیں؟

(۵) اس طرح جمع ہوکر قرآن خوانی کا شرعاً کیا جواز اور کیا مقام ہے؟

المستفتي: اللہ مہر، ناظم جامعہ اسلامیہ چنڈ بڑی روڈ، تحصیل خاص، قصبہ بڈھانا، ضلع: مظفرنگر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بلا التزام مالا یلزم فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت خواہ ایصال ثواب کے لئے ہو یا سوالنامہ میں درج شدہ مواقع میں خیر وبرکت کے لئے ہو بہت زیادہ ثواب وبرکت کے ساتھ اہمیت رکھتی ہے، لیکن کسی کے یہاں جاکر اجتماعی قرآن خوانی کو لازم وضروری سمجھنا دس پندرہ یوم پہلے سے بکنگ کرانا بچوں کی تعلیم جو انکا اصل مشغلہ ہے، اس میں حرج ڈال کر دن میں کئی کئی دفعہ کئی جگہ اور دور دراز اسکے لئے جانا نیز قرآن خوانی میں بدعنوانیاں وغیرہ وغیرہ خرافات کی بنا پر مروجہ قرآن خوانی ناجائز اور بدعت سیئہ ہے، علاقہ کے دینی ذمہ دار افراد کو چاہئے کہ اس قسم کی رسومات پر روک تھام اور

پابندیاں عائد کردیں، نیز ارباب مدرسہ کا فرض ہے کہ بچوں کو ہرایسی چیز سے محفوظ رکھیں جو ان کی تعلیم میں نقصان دہ ہو چاہے وہ چیز فی نفسہ اچھی کیوں نہ ہو، ان کے لئے تعلیم سے اہم کوئی چیز نہیں ہے، اتفاقاً اگر ختم قرآن کریم کی نوبت آجائے تو بچوں کو بھیجنے کے بجائے مدرسہ ہی میں قرآن کریم پڑھکر ثواب پہونچا دیا کریں، مروجہ لوازمات وبدعنوانیوں کی بناپر بعض فقہاء نے اجتماعی قرآن خوانی کو ناجائز اور مکروہ قرار دیا ہے، چاہے سوالنامہ میں درج شدہ مواقع ووجوہات کے بغیر کیوں نہ ہو۔

عن المحيط من المشايخ من قال قراءة القرآن بالجماعة جهراً ويسمىٰ بالفارسية سپاره خواندن مكروه الخ. (نفع المفتى والسائل / ۱۲٤، المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والإستحسان، الفصل الرابع، الصلاة والتسبيح وتلاوة القرآن والذكر، المجلس العلمي جديد ۵۱۳/۷، رقم: ۹٤۵۲)

ومن المشايخ من قال قراءة القرآن بالجماعة بالأجزاء الثلاثين مكروهة لما فيه من الغلط (قوله) قراءة القرآن للدنيا مكروهة الخ. (البنايه، كتاب الكراهية مسائل متفرقة، اشرفيه ديوبند۱۲ /۲۳۷)

(۲) آنحضرت ﷺ کے دور میں مروجہ قرآن خوانی کا ثبوت کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذرا اور نہ اسکی نظیر ملی ہے۔

(۳) مروجہ قرآن خوانی چاہے ایصال ثواب کیلئے ہو یا سوالنامہ میں درج شدہ وجوہات میں سے کسی کے لئے یا کسی اور غرض کیلئے ہرصورت میں شیرینی تقسیم کرنا، چائے پلانا، کھانا کھلانا، نقدی رقم دینا سب ناجائز اور حرام ہے، اور قرآن خوانی کی اجرت میں داخل ہے، قرآن کریم کو بے وقعت بناکر چند پیسوں کے عوض بیچنے کے مترادف ہے، اس سے احتراز لازم اور واجب ہے، کھانے والے کھلانے والے لینے والے اور دینے والے سب سخت گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

الآخذ والمعطى آثمان الخ. (البنايه، كتاب الكراهية مسائل متفرقة، اشرفيه

دیو بند۲ ۱/۲۳۷)

یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الإنعام أو الإخلاص (إلیٰ قوله) وأطال فی ذلک فی المعراج وقال وهذا القرآن وغیرذلک مماهو شاهد فی هذه الأزمان وما کان کذلک فلا شک فی حرمته الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی الکراهیة الضیافة من أهل المیت زکریا ۳/۱۴۸، ۱۴۹، کراچی ۲/۲۴۰، کوئٹه ۱/٦٦٤)

نیز اس زمانہ میں کھانا چائے وغیرہ بھی بلاشرط اجرت ہی ہے، کیونکہ اگر انتظام نہ کیا جائے تو آئندہ جانے سے اعراض کریں گے، جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے، تو عرف میں اس کو اجرت کہا جائے گا۔

المعروف کالمشروط الخ . (رسم المفتی قدیم /۹٤)

(۴) جی ریا میں داخل ہے۔

وهذه الأفعال کلها للسمعة والریاء الخ. (شامی، زکریا۳/۱٤۸، کراچی ۲/۲٤۰)

(۵) ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۱۴)

قرآن خوانی کیلئے اعلان اور لوگوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟

سوال: [۴۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم گجراتی جنکے باپ دادا یہ کام کرتے آئے ہیں کہ ہمارے گھروں میں جب کسی آدمی کا انتقال

ہوجاتا ہے، تو تیسرے چوتھے روز لوگوں کو جمع کرکے قرآن پاک کی تلاوت فرماکر مرحوم کیلئے ایصال ثواب اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اگرچہ اس عمل کو معین دن اور وقت اور اہتمام کی بناپر علماء دیوبند منع فرماتے ہیں، لیکن یہی گجراتی حضرات ہندوستان چھوڑ کر یہاں انگلینڈ پہونچے اور ساتھ ساتھ وہ طور وطریقے جو وطن میں کرتے تھے، وہ ساتھ ہیں لیکن یہاں ان میں تھوڑی سی اصلاح ہوئی اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی کے یہاں پر انتقال ہوتا ہے یا ہندوستان سے اپنے عزیز اور رشتہ داروں کے انتقال کی خبر آتی ہے تو خاص کر جمعہ کے دن اور گاہ گاہ کسی دوسرے دن مسجد کے امام صاحب اعلان فرماتے ہیں کہ مرحوموں کے ایصال ثواب کے لئے یٰسین شریف کا ختم ہوگا اس اعلان کے بعد جن صاحبان کے پاس فرصت اور وقت ہوتا ہے وہ مسجد میں نماز کے بعد بیٹھ جاتے ہیں، اور وہ بھی سو میں سے پانچ فی صد بیٹھتے ہیں، اور پانچ دس منٹ بیٹھ کر یٰسین پاک پڑھتے ہیں ، اور دعا فرماکر مجلس برخاست ہوجاتی ہے، اور اسکے بعد کوئی شیرینی وغیرہ کی تقسیم نہیں ہوتی ہے، اور مرحوم کے گھر جاکر کھانا وغیرہ کا اہتمام نہیں ہوتا اور تیسرے چوتھے روز گھر پر جمع ہوکر جو اہتمام وطن میں کرتے تھے وہ ختم ہوگیا ، اور لوگ اطمینان کرلیتے ہیں کہ ہم نے اپنے مرحوموں کیلئے ایصال ثواب کرلیا مزید اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ: یہ اعلان بعض مرتبہ کئی جمعہ تک مسلسل چلتا ہے کیونکہ یہاں پر علاقہ میں بہت سارے دیہاتوں کے لوگ رہتے ہیں، اور کسی نہ کسی کے انتقال کی خبر آتی رہتی ہے، اسلئے مسلسل چلتا ہے، اس کے باوجود کوئی جمعہ خالی بھی ہوجاتا ہے، اور جمعہ ہی کو یہ اعلان ہو ضروری نہیں ہے، دوسرے دنوں میں بھی چل سکتا ہے، لیکن جمعہ کو زیادہ تر اعلان اسلئے ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن لوگ زیادہ جمع ہوتے ہیں ، ورنہ دوسرے دنوں میں بھی اعلان ہوسکتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا بھی ہے، اب اس معاملہ میں ہمارے یہاں ایک نوجوان عالم دین جو جلال آباد سے فارغ ہوکر تشریف لائے ہیں، اور ہمارے یہاں دین کی خدمت کرتے ہیں ، انہوں نے اعلان کیا کہ ہمارے یہاں یہ طریقہ جو اعلان کرکے جمع

ہوکر یٰسین شریف پڑھتے ہیں یہ بدعت ہے اسکو بند کروتو اس طرح اعلان کر کے جمع ہوکر پڑھنا بند کر دیا، لیکن لوگوں کو ان کے اس اعلان پر اطمینان نہیں، کیونکہ جب دوسرے علماء کرام جو یہاں پر ہیں اور وہ علماء کرام جو ہندوستان و پاکستان سے تشریف لاتے ہیں، ان میں سے بعض اور وہ بھی جید اور سالہا سال سے بڑی بڑی درسگاہوں میں خدمات پر مامور ہیں ان سے اس بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں، پڑھ سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ساتھ ساتھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یٰسین شریف اس طرح پڑھنا بدعت ہے تو یٰسین شریف پڑھنے کا اہتمام دارالعلوموں میں اور خانقاہوں میں اور مرکزوں میں کیوں کرتے ہیں، ان وجوہات کی بنا پر لوگوں کو اطمینان نہیں ہے، ہاں بعض ایسے بھی ہیں جو ہمارے اس عالم دین کے ہم خیال ہیں، ساتھ جن لوگوں کو اطمینان نہیں ہے، وہ اور وہ لوگ جو اپنے مرحوم کو ایصال ثواب خود نہیں کر سکتے انہوں نے وہی اہتمام جو وطن میں کرتے تھے اسکو پھر سے اپنے گھروں میں شروع کر دیا ہے، یعنی تیسرے چوتھے روز لوگوں کو گھروں میں جمع کرتے ہیں، اور قرآن خوانی کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ دودھ اور کھانا پینا شروع ہوگیا ہے، اور بعض جگہ پر بدعتی مسجد کے امام اور بچوں نے ہمارے صحیح العقائد لوگوں کے گھروں میں آ کر ختم پڑھنا اور دعا کرنا شروع کر دیا ہے، کیونکہ وہ تو کام اور اہتمام کے عادی ہیں اور ہمارے بچے اور علماء کسی کے گھر پر جاتے نہیں ہیں، یٰسین شریف اس طرح پڑھنا بدعت ہے تو اس سے بڑی بڑی بدعتیں جو ہمارے یہاں ہمارے گھروں میں یہاں پر پہلے نہیں تھیں وہ شروع ہوگئیں ہیں، اگر دو مصیبتیں ہوں تو چھوٹی اور آسان کو اختیار کر لیں کیونکہ ان دونوں بدعتوں میں چھوٹی اور آسان بدعت کو کر لینے سے بڑی بدعتوں سے بچ جانا اچھا ہے۔

حضرت اقدس مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷ کے سوال وجواب سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

المستفتی: اسماعیل احمد مکوریا، دارالعلوم کنتھاریا، بھروچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ختم قرآن بہت مبارک اور باعث خیر وبرکت ہے، اور ختم قرآن کریم کے ذریعہ ایصال ثواب بھی جائز اور اس کا ثواب میت کو پہنچنے کی قوی امید ہے، لیکن ختم شریف کیلئے تداعی اور اعلان کو امداد الفتاویٰ ۴/ ۵۶۰، احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۲، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۸۲، جدید زکریا ۳/ ۳۱ نفع المفتی والسائل/ ۱۲۴، میں مکروہ اور بدعت نقل کیا ہے۔

إن ختم القرآن بالجماعة جهراً ویسمیٰ بالفارسیة سپاره خواندن مکروه الخ. (نفع المفتی / ۱۲٤)

نیز فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الرابع فی التسبیح وقراءة القرآن الخ زکریا ۵/ ۳۱۷ میں بھی مکروہ نقل فرمایا ہے، البتہ فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۱۳۶، جدید ڈابھیل ۳/ ۹۲ میں طحطاوی علی المراقی کی عبارت سے استدلال کر کے اسکی گنجائش نقل فرمائی ہے، اور سوالنامہ میں جو صورت حال نقل کی گئی ہے، کہ جمعہ کو ختم یاسین شریف کا سلسلہ ختم ہونے کی وجہ سے باقاعدہ گھر گھر مٹھائی شیرینی کھانا و دعوت وغیرہ کے لوازمات کیساتھ ختم قرآن کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، تو اسکو ختم کرنے کیلئے جمعہ میں ختم قرآن اور تعزیت کا اعلان کرنے کی گنجائش ہے۔

إن من ابتلیٰ ببلیتین وهما متساویان یأخذ بأیتهما شاء وإن اختلفا یختار أهونهما الخ. (الإشباه قدیم / ١٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۵۷)

قرآن خوانی کیلئے اعلان کر کے بلانا

سوال: [۴۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

ہمارے مدن پورہ کا یہ دستور ایک مدت سے چلا آرہا ہے، کہ میت کو قبرستان میں دفن کر کے فارغ ہونے کے بعد یہ اعلان کیا جاتا ہے، کہ کل صبح قرآن خوانی ہے، اور کلمۂ طیبہ کا ختم ہے، آپ سب حضرات شرکت فرمائیں، چنانچہ حسب اعلان قرآن خوانی ہوتی ہے اور ختم کلمۂ طیبہ ہوتا ہے، اس پر اب موجودہ دور میں کچھ حضرات کو اعتراض ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ قبرستان میں اعلان درست نہیں ہے، نیز یہ بھی کہتے ہیں، کہ قرآن خوانی کیلئے اس طرح عام اعلان کر کے خواہ وہ قبرستان میں ہو یا گھر پر پہونچ کر ہو یا لوگوں کے گھر جا کر ہو درست نہیں ہے، آپ از روئے شرع مدلل ومفصل جواب مرقوم فرمادیں۔

المستفتي: حاجی عبدالمجید، پانڈے حویلی، وارانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن خوانی کیلئے اس طرح اعلان کرنے کو حضرات تھانویؒ نے امدادالفتاویٰ میں مکروہ اور بدعت لکھا ہے، لہٰذا اعتراض کرنے والوں کا اعتراض درست ہے۔ (امدادالفتاویٰ زکریا ۴/ ۵۶۰، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۸۱، جدید زکریا ۳/ ۳۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۰/۲۳ھ

ایصال ثواب کیلئے اجتماعی قرآن خوانی کا حکم

سوال: [۴۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسئلہ ایصال ثواب کیلئے اجتماعی قرآن خوانی کا ہے، میت کے ایصال ثواب کیلئے اجتماعی قرآن خوانی کا کیا ثبوت ہے، کیا مروجہ اجتماعی قرآن خوانی دور نبوی ﷺ میں رائج تھی، یا دور خلافت اور آثار صحابہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ اگر نہیں تو اہل حق کے حلقوں میں اس کا رواج کیوں ہے، اکثر مدارس عربیہ میں بھی ایصال ثواب کیلئے

اجتماعی قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، ایسا کیوں؟

المستفتی: شفیق احمد غازی، گوگاواں، مدھیہ پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا فی نفسہ درست اور مستحسن ہے لیکن مروجہ طور پر اجتماعی قرآن خوانی کہ قرآن پڑھنے کے بعد کھانا وغیرہ اس کا ثبوت شریعت مطہرہ میں نہیں ہے، لہٰذا جولوگ مروجہ قرآن خوانی میں بذات خود شرکت کرتے ہیں یا بچوں کو بھیجتے ہیں، ان کو اس مسئلے سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس طرح قرآن پڑھنے سے خود پڑھنے والوں کو ثواب نہیں ملتا تو وہ میت کو ثواب کہاں سے پہونچا سکتے ہیں۔

فالحاصل أن ماشاع فی زماننا عن قراء ۃ الأجزاء بالأجرۃ لایجوز. (شامی، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مطلب فی الإستیجار علی الطاعات کراچی ۶/۵۶، زکریا ۹/۷۷)

بل الضرر صار فی الإستئجار علیہ حیث صار القرآن مکسبا وحرفۃ یتجربھا (وقولہ) فمن أین یحصل لہ الثواب الذی طلب المستأجر أن یھدیہ لمیتہ. (شرح عقود رسم المفتی سعیدیہ /۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۹ھ

قرآن خوانی میں تلاوت کے بعد کچھ سورتیں پڑھ کر دعا کرنا

سوال: [۴۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے لوگ قرآن خوانی کرتے ہیں قرآن کی تلاوت کرنے کے بعد بعض لوگ کچھ سورتیں پڑھتے ہیں، کوئی الحمد کی سورۃ پڑھتا ہے کوئی دس سورتیں پڑھتا ہے، کوئی سورہ یاسین پڑھتا ہے، اس کے بعد دعا کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے قرآن وحدیث سے اس کا جواب دیجئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کا ثبوت قرآن وحدیث اور ائمہ مجتہدین اور سلف خلف میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے، یہ بعد کے لوگوں کی ایجاد کردہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۶۸)

گھر بلا کر قرآن خوانی کرانا

سوال: [۴۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے، تو اس کے وارثین ایصال ثواب کی نیت سے اپنے گھر دس بیس افراد کو بلاکر قرآن شریف پڑھواتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے۔

(۲) ایک شخص رمضان شریف میں اپنے گھر دس بیس افراد کو بلاکر کلام پاک پڑھواتا ہے، ثواب یا برکت کی نیت سے اور اس کے بعد افطار کراتا ہے، اس طرح قرآن شریف پڑھنا اور پڑھوانا اور افطار کرانا اور کرنا کیسا ہے؟

(۳) ایک شخص غیر رمضان میں اپنے گھر دس بیس اشخاص کو بلاکر برکت اور ثواب کی نیت سے قرآن خوانی کراتا ہے اور اس کے بعد اپنی خوشی سے اور مہمان نوازی کے طور پر پڑھنے والوں کو ناشتہ کراتا ہے، اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے اور پڑھنے والوں کا قرآن خوانی کیلئے جانا اور ناشتہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: منشی امام الدین، تاج پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب کیلئے قرآن کریم کی تلاوت بہت اچھا عمل ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کے لوازمات نہ ہوں، نیز رمضان وغیر

رمضان دونوں میں بغیر کھانا اور مٹھائی وغیرہ کے لوازمات کے باعث ثواب اور خیر وبرکت ہے، مگر کھانا یا ناشتہ یا مٹھائی وغیرہ کے لوازمات کے ساتھ ثواب بھی نہیں ملے گا، اور خیر وبرکت کا باعث بھی نہ ہوگا، بلکہ یہ بدعت ہی ہوتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۱/۳۶۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۱۸ھ

مدرسہ کے طلبہ سے ایصال ثواب کرانا

سوال: [۴۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانہ میں مسلم قوم بالخصوص چھوٹے طبقہ میں علم کا فقدان ہے اور پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں اور پڑھے لکھے بھی قرآن تیز نہیں پڑھ سکتے ایسی حالت میں چند حفاظ کرام اور ناظرہ خواں اسلامی مدرسہ کے بچوں کو ایصال ثواب کیلئے جمع کر کے قرآن خوانی کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن خوانی کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا باعث اجر وثواب ہے، مگر اس میں دعوت وشیرینی وغیرہ تقسیم کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۱۲۲، جدید زکریا ۴/۱۳۶، جدید زکریا مطول ۵/۵۷۳)

فالحاصل: إن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (البزازيه على الهندية الخامس والعشرون فى الجنائز، قبيل السادس والعشرون فى حكم المسجد زكريا ٤/ ٨١، جديد ١/ ٥٤)

ومنها الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أو بعده وبإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أو يسبح أو يهلل له وكلها بدع منكرات باطلة والمأخوذ منها حرام للآخذ وهو عاص بالتلاوة والذكر

لأجل الدنيا . (شامی ، كتاب الصلاة، باب الإجازة الفاسدة مطلب فی الاستئجار علی الطاعات زکریا ۹/۷۸، کراچی ۶/۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ررجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۷/۵ھ

مدرسہ کے اوقات میں طلبہ سے قرآن خوانی کرانا

سوال: [۴۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مروجہ قرآن خوانی جو کہ بڑی شخصیت کے انتقال پر ہوا کرتی ہے، آیا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے، یا ناجائز؟ جبکہ مدرسہ کے اوقات کے اندر تعلیم چھوڑ کر قرآن خوانی کے لئے مجبور کیا جاتا ہے، اور مدرسہ کے طلباء عزیز جو کہ شہر کے اندر گھر گھر جا کر قرآن خوانی کرتے ہیں، آیا اس کے جواز کی کیا کوئی صورت ہے؟ جبکہ اس کے اندر حرص لالچ کا بھی ایک گوشہ ہے، اور کتنی صورتوں سے ناجائز ہے، جبکہ علمائے دیوبند کے فتاویٰ بھی قرآن خوانی کے خلاف ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب دیکر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: سلمان فارسی اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: میت کے ایصال ثواب کیلئے فی نفسہ قرآن پڑھ کر ثواب پہونچانا جائز اور مباح ہے، لیکن ایسے مباح کام کیلئے تداعی اور مدرسہ کی تعلیم کے اوقات کے اندر تعلیم چھوڑ کر قرآن خوانی کیلئے مجبور کرنا جائز نہیں ہے، نیز ختم قرآن وغیرہ کیلئے دعوت دیکر لوگوں کو جمع کرنا نیز کھانا کھانے وغیرہ کی دعوت دینا مکروہ ہے۔

قال في المرقاة: من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب عنه الشيطان من الإضلال ، فكيف من أصر على بدعة أو منكر (وفيه أيضاً) أن الله يحب أن يوتى رخصة كما يحب أن يوتى

عـزائمه الخ. (مرقاة شـرح مشكـوٰة ، الصلاة، باب الدعاء فی التشهد ملتانی ۲/۳۵۳، شرح الطیبی ،الصلاة، با ب الدعاء فی التشهد کراچی ۲/ ۳۷٤)

وفـی الشامیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونـقـل الـطـعـام إلی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراء ة الـقـرآن وجـمـع الـصلحاء والقراء ة للختم أو لقراء ة سورة الإنعام، أو الإخـلاص (إلیٰ قـولـه) وهـذه الأفـعـال کـلها للسمعة والریاء فیحترز عنهاالخ. (شامی ، کتاب الصلاة، با ب صلاة الجنازة ، مطلب فی کراهة الضیافة من أهـل الـمیت زکریا ۳/ ۱٤۸، کراچی ۲/ ۲٤۱، وهکذا فی شرح سفر السعادة /۲۷۳، و مدارج النبوة ۱/ ۲۱ ٤، بـحـوالـه فتاویٰ رحیمیه قدیم ۲/ ۳٤۱، جدید زکریا۷/۹۸، اختلاف امت او ر صراط مستقیم ۱/ ۱۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۴۹)

طلبہ کا قرآن خوانی کے بعد کھانا پینا

سوال: [۴۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس کے طلبہ قرآن خوانی کرتے ہیں جو شخص قرآن خوانی کیلئے دعوت دیتا ہے، طلبہ ان کے گھر قرآن شریف لیکر جاتے ہیں، ایک پارہ یا اس سے کچھ کم وبیش پڑھتے ہیں پھر یہ طلباء اور اہل خانہ جمیع مسلمانوں کیلئے دعاء مغفرت کرتے ہیں، پھر اسی جگہ ناشتہ اور کھانا کھلایا جاتا ہے، تو کیا اس طرح کرنا صحیح ہے، اور اگر صحیح نہیں ہے تو قرآن خوانی کرانے والے شخص کو ثواب ملیگا یا نہیں؟ اور جمیع مسلمانوں کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے تو میت کو اس کا ثواب ہوگا؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ طریقہ پرقرآن خوانی درست نہیں ہے، ایسی قرآن خوانی کا ثواب نہ قرآن خوانی کرانے والے کوملتا ہے نہ میت کو ہاں البتہ اگر کھانے پینے کےلوازمات نہ ہوں تو خیروبرکت سے خالی نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ/ ۲۶۸، محمودیہ ۱۴/ ۲۸۸)

فالحاصل: إن ما شاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لا يجوز لأن فيه الأمر بالقراء ة وإعطاء الثواب للآمر والقراء ة لأجل المال فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر. (شامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الإستئجار على الطاعات زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٦)

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا لليمت ولا للقارئ. (شامی، کراچی ٦/ ٥٦، زکریا ۹/ ۷۷)

ولا يصح الإستئجار على القراء ة وإهداها إلى الميت لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة الإذن في ذلك. (شامی، کراچی ٦/ ٥٧، زکریا ۹/ ۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۳۹۱)

اکٹھے ہوکر بآواز بلند قرآن خوانی اور اسکے بعد کچھ انعام لینا یا کھانا پینا

سوال: [۴۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت ہونے کے بعد میں قرآن خوانی میت والوں کے مکان پر خواہ عورتوں سے کی جائے یا مردوں سے یا مدارس کے طلبہ سے اور قرآن خوانی کے بعد امام کو طلبا کے اساتذہ کو یا مدارس اسلامیہ کو انعام دیا جائے یا کھانا چائے وغیرہ کی جائے، اس شکل میں قرآن خوانی جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح عورتوں کا اور مردوں کا یا طلبا کا مجمع میں بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟ کیونکہ علماء کے

نزدیک اس طرح اکٹھے ہوکر بلند آواز سے تلاوت ممنوع ہے؟
مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ایسی تلاوت کو جسمیں منازعت کی سی شکل ہوجائے اور ایک دوسرے سب اپنی اپنی آوازیں پڑھیں ناجائز اور حرام لکھا ہے۔ (فتاویٰ افریقیہ/ ۲۹)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اکٹھے ہوکر بآواز بلند قرآن خوانی کو حضرات فقہاء نے ممنوع اور مکروہ تحریمی لکھا ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

إن ختم القرآن بالجماعة جهراً ويسمىٰ بالفارسية سپاره خواندن مكروه الخ. (نفع المفتي والسائل/ ۱۲٤، المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع الصلاة، والتسبيح وتلاوة القرآن والذكر، المجلس العلمي جديد ۷/ ۵۱۳، رقم: ۹٤۵۲، الفتاویٰ التاتار خانيه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع رفع الصوت عند قراءة القرآن زكريا ۱۸/ ۵۸، رقم: ۲۸۰۲۳)

نیز جن علاقوں میں قرآن خوانی کے بعد کھانا چائے یا انعام وغیرہ کا دستور ہے، وہاں یہ سب چیزیں بمنزلہ اجرت کے ہوتی ہیں، اس لئے یہ طریقہ ناجائز اور ممنوع اور ثواب سے محرومیت کا باعث ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۱/ ۳۶۱) نیز مولانا احمد رضا خان صاحب کا اس طریقہ کو ناجائز لکھنا صحیح و درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رمضان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۶۶)

قرآن خوانی کے بعد کچھ کھانا پینا یا ہدیہ پیش کرنے کا حکم

سوال: [۴۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کچھ لوگ اپنے کسی مرحوم رشتہ دار کیلئے بغرض ایصال ثواب قل خوانی، کلمہ خوانی وغیرہ کراتے ہیں، اور حاضرین مجلس کیلئے بخوشی کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی کرتے ہیں، یہ کھانا حاضرین کیلئے

کیسا ہے، اگر نا جائز ہے تو اس کے جواز کی کوئی تاویلی صورت بھی ہے؟

(۲) بعض حضرات مدرسہ کے طلبا سے قرآن خوانی وغیرہ کراتے ہیں، اور بطور ہدیہ کچھ دیتے بھی ہیں، یہ کیسا ہے، مطلقاً ممنوع ہے یا جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟

المستفتي: ربیع الاسلام قاسمی، مدرس مدرسہ معماری، بردوان (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم پڑھکر میت کو ایصال ثواب کرنا جائز اور مستحسن ہے، لیکن مروجہ طریقہ اور اس میں کھانے پینے کے لوازمات کی وجہ سے مکروہ تحریمی اور بدعت شنیعہ ہے، اس کا ترک کرنا لازم ہے، نیز یہ رواج ہو چکا ہے، کہ اگر کچھ کھانے پینے کا انتظام نہ کیا جائے، تو آئندہ کبھی قرآن خوانی کیلئے اس کے یہاں کوئی نہیں جائیگا تو ایسی صورت میں میت کو قرآن خوانی سے کوئی ثواب نہیں ملیگا بلکہ الٹا قرآن خوانی کرانے والے اور شرکت کرنے والے گہنگار ہوں گے۔

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة . (إلی قوله) واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الإنعام أو الإخلاص الخ. (شامی کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی کراهیة الضیافة من أهل المیت زکریا ۳/ ۱۴۸، کراچی ۲/ ۲۴۰)

ہدیہ دینے کے مواقع بہت ہیں صرف یہی موقع ہدیہ دینے کا نہیں ہے اور بنام ہدیہ قرآن خوانی کے موقع پر جو دیا جاتا ہے، وہ درحقیقت ہدیہ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ایک قسم کی اجرت ہے، قرآن خوانی سے کسی بھی طرح کا معاوضہ حاصل کرنا ثواب سے محروم کردیتا ہے، اور جب خود قاری ثواب سے محروم ہوجاتا ہے، تو وہ دوسروں کو ایصال ثواب کہاں سے کریگا، اسلئے بطور ہدیہ بھی اس موقع پر کچھ لینا جائز نہ ہوگا۔

إن ماشاع فی زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لا یجوز (إلی قوله) فإذا لم یکن للقاریء ثواب لعدم النیة الصحیحة فأین یصل الثواب إلی المستأجر ولو لا الأجرة ماقرأ أحد لأحدٍ فی هذالزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلة إلی جمع الدنیا الخ. (شامی کتاب الإجارة، مطلب فی الإستئجار علی الطاعات زکریا ۹/ ۷۷، کراچی ۶/ ۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ / ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۱۲ھ

فاتحہ کی حقیقت

سوال: [۴۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فاتحہ کی حقیقت کیا ہے، کیونکہ آج کل مسلک دیوبند میں بھی عام رواج ہوگیا ہے، فاتحہ پڑھنا گناہ تو نہیں یا فاتحہ کے بغیر مردوں کو ثواب نہیں پہونچتا، اور فاتحہ کا طریقہ کیا ہے؟

المستفتي: محمد شریف، فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: فاتحہ کی حقیقت شریعت میں بس اتنی ہے کہ کسی نے کوئی نیک کام کیا اس پر جو کچھ اس کو ثواب ملا اس نے اپنی طرف سے وہ ثواب کسی دوسرے کو دیدیا، یا اللہ! یہ میرا ثواب فلاں کو دیدیجئے یہی فاتحہ ہے، اس کے علاوہ فاتحہ کے نام سے جو لوگوں میں رائج ہے نہ وہ فاتحہ ہے نہ شریعت میں اس کا ثبوت ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۶/ ۴۸)

من صام أو صلیّٰ أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة. (شامی، کتاب الحج، الحج

عن الغیر کراچی ۲/ ۲۹۵، زکریا۳/ ۱۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷رصفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۴ ۸۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۲/۱۴۲۶ھ

مروجہ فاتحہ خوانی کے بعد کھانا کھانا کیسا ہے؟

سوال: [۴۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) فاتحہ مروجہ یعنی سامنے کھانا یا کچھ شیرینی رکھ کر اس پر ’’**الم ذلک الکتاب لاریب فیه**‘‘ سے لیکر ’’**مفلحون**‘‘ تک اور سورہ حشر کی آخری تین آیات اور چار قل پڑھتے ہیں پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اس کے بعد کھانے کو تناول فرماتے ہیں یہ امر کیسا ہے؟

(۲) فاتحہ مروجہ کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور کس نے اس کام کو شروع کیا ہے؟

(۳) ایسے کھانے کو کھانا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد عبد الصمد، بلاسپور گیٹ، امام کھیر والی مسجد، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) فاتحہ خوانی کا مروجہ طریقہ بے اصل ہے اور اس کا ثبوت نہ تو قرآن سے ہے، اور نہ ہی حدیث نبوی سے اور نہ فقہ کی کتابوں سے ہے، بلکہ حضرات فقہاء نے اسکو بدعت لکھا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ۱/ ۸۱، احیاء العلوم/ ۱۴۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۲۲۹، جدید ڈابھیل ۳/ ۶۸، امداد المفتیین / ۱۵۷)

قراء ۃ الفاتحة والإخلاص والکافرون ، علی الطعام بدعة. (فتاویٰ سمر قندی بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۱۹۳، جدید زکریا ۲/ ۱۱۶)

(۲) فاتحہ مروجہ کی ابتداء کہاں سے ہوئی ہے، اس کا کہیں سے ثبوت نہیں ملتا ہے، البتہ ہندوستانی مسلمانوں نے ہندوانی تہذیب سے متأثر ہوکران کے افعال کو اپنالیا ہے،

جیسا کہ ”تحفۃ الہند“ کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ جب ان غیر مسلموں میں سے کوئی مرجاتا تھا تو اس کے مرنے پر کھانا پکا کر پنڈت سے اس پر وید پڑھواتے تھے، اسی رسم کو مسلمانوں نے بھی اپنالیا۔ (تحفۃ الہند/ ۸۵)

نیز جو ہدیۃ الحرمین کے حوالہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دسواں اور چالیسواں کیا اور کھجور پر فاتحہ دی تو یہ غلط اور بے ثبوت بات ہے، کتب معتبرہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (فتاوی رشیدیہ قدیم/۱۵۲، جدید زکریا/ ۱۲۷)

(۳) فاتحہ کا یہ طریقہ ناجائز ہے مگر نفس کھانا حرام نہیں ہے، بلکہ اسکی حلیت باقی رہتی ہے، اور اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اسکو ضروری جاننا برا ہے، اور بہتر یہ ہیکہ جو کچھ پڑھنا چاہیں پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہونچادیں اور کھانے کو تصدق کی نیت سے فقراء کو کھلادیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۱۵۳، جدید زکریا/ ۱۲۷، احیاء العلوم/ ۱۴۸)

صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غیر ها کذا فی الهدایة . (شامی، کتاب الصلاة، ، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی القرأة للمیت واهداء ثوابها له، زکریا ۳/ ۱۵۱، کراچی ۲/ ۲۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۹۹)

کھانے پینے کی چیزوں پر فاتحہ پڑھنا

سوال: [۴۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانے پینے کی چیزیں مثلاً شیرینی، بریانی اور پانی وغیرہ سامنے رکھ کر فاتحہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد مبین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی کھانے پینے کی چیز کو سامنے رکھ کر مروجہ طریقہ پر فاتحہ دینا اور اس کے ساتھ دیگر ممنوع التزامات کرنا اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر میت کو ثواب نہیں پہونچ سکتا، یہ سب بدعت اور ممنوع ہے، فاتحہ کی صرف اتنی اصل شریعت میں موجود ہے، کہ آدمی کسی بھی نیک عمل کا ثواب میت پہونچا سکتا ہے، نیک عمل میں ذکر تلاوت صدقہ وخیرات کسی کو کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا سب شامل ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۳۰۴، بہشتی زیور ۶/ ۴۸)

من صام أو صلیٰ أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة الخ. (شامی ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی القراء ة للميت وإهداء ثوابهاله ، کراچی ۲/ ۲۴۳، زکریا ۳/ ۱۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۸ھ

کھانے پر فاتحہ خوانی کا حکم

سوال: [۴۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں میں کھانے پر فاتحہ خوانی کا جو رواج ہے کہ جب تک اس کھانے پر فاتحہ نہیں پڑھی جائیگی کھانا نہیں کھاتے اور نہ ہی کھلاتے ہیں، تو کیا یہ مروجہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فاتحہ خوانی کا مروجہ طریقہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور نہ ہی صحابہؓ وتابعین اور ائمہ مجتہدین سے بلکہ یہ بے اصل اور بدعت ہے جس کا ترک لازم ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۴۰۷، جدید ڈابھیل ۳/ ۶۸)

قراء ة الإخلاص والكافرون على الطعام بدعة . (فتاویٰ سمرقندی ، بحواله فتاویٰ رحیمیه قدیم ۱۹۳/۳ ، جدید زکریا ۱۱۶/۲)

وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة . (شامی ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، کراچی ۲۳۵/۲ ،زکریا۱۴۱/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ :شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۷۰۰۱/۳۵)

الجواب صحیح :
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

میت کے ورثاء اور مالداروں کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا

سوال: [۴۰۵۶] : کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہمارے علاقہ میں یہ عام رواج ہے، کہ جب کسی کے گھر کسی آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو تجہیز و تکفین کے چوتھے یا پانچویں روز یا کسی اور دن میت کے نام پر ورثاء میت کھانا کھلاتے ہیں، جس میں ورثاء میت امیر غریب اور مدرسہ کے طلبہ و مدرسین کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں، تو کیا امیر و مدرسین (جو کہ صاحب نصاب ہیں) کو اس طرح کی دعوت میں شرکت کرنا اور کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) خود ورثاء میت کو اسی کھانے سے کھالینا کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳) ورثاء میت طلبہ سے قرآن خوانی کرا کے دعوت دیکر طلبہ و دیگر لوگوں کو کھلاتے ہیں، تو کیا اس قرآن خوانی کا ثواب میت کو ملے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) میت کے ورثاء کی طرف سے میت کے ایصال ثواب کیلئے غریبوں کو کھانا کھلانا بلاتردد جائز اور درست ہے لیکن اس میں دن کی تعیین جائز نہیں ہے۔

لہٰذا تیجہ اور چوتھے دن اور دسویں وغیرہ کی رسم جائز نہیں ہے۔

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول و الثالث وبعد الأسبوع

(شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی کراهیة الضیافة من أهل المیت، زکریا ۳/۱۴۸، کراچی ۲/۲۴۰)

(۲) ورثاء میت کا بھی اس کھانے میں شریک ہونا جائز ہے۔

(۳) قرآن خوانی کرا کے کھانا کھلانے کی رسم جائز نہیں ہے، اس سے ثواب کی امید نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/۲۳، جدید ڈابھیل ۹/۲۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
۱۴۱۵/۳/۱۲ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۱۳)

خودکشی کرنے والے کو ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی نے جہیز کے دباؤ میں آ کر زہر کی گولی کھالی یا اسکو کھلائی گئی اور وہ اس دنیا فانی سے رخصت ہوگئی، اب اگر اس کے نام پر صدقہ وخیرات کیا جائے، تو اس کو ثواب پہونچے گا یا نہیں؟

المستفتي: حاجی صفدر علی خان، مدرس جامعہ اسلامیہ، ضلع: بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس طرح عام میت کو صدقہ وخیرات کا ثواب پہونچ جاتا ہے، اسی طرح خودکشی کرنے والے کو بھی پہونچ جاتا ہے، اور مذکورہ صورت میں اگر لڑکی نے از خود زہر کی گولی کھا کر دم توڑا ہے تو خودکشی میں داخل ہوگی، اور ایصال ثواب اس کے حق میں درست ہے، اور اگر کسی دوسرے نے کھلائی ہے، تو خودکشی نہیں ہے بلکہ درجۂ شہادت حاصل ہونا بھی ممکن ہے، اس کے حق میں بھی ایصال ثواب بلاشبہ درست ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۲۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ارشعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۷۲)

رقم لے کر ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی آدمی نے عمر سے چالیس یوم تک ایصال ثواب کیلئے قرآن مجید پڑھوایا چالیس یوم جب پورا ہوا تو اس آدمی نے عمر کو کچھ نقد رقم دی یہ لینا کیسا ہے؟ مہربانی فرما کر مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، مدرسہ بشیریہ، سکر ہٹہ خورد، بھوجپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح چالیس دن یا کم وبیش ایصال ثواب کیلئے رقم لیکر قرآن کریم کی تلاوت سے ثواب نہیں ملتا ہے، بلکہ دونوں گنہگار رہوں گے، اور ثواب سے دونوں محروم ہوں گے اور میت کو بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ويكره اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقرأ للختم الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی کراهة الضيافة من أهل الميت زكريا ۳/ ۱۴۸، کراچی ۲/ ۲۴۰)

ولا يصح الإستئجار على القراءة وإهدائها إلى الميت الخ. (شامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الإستئجار علی الطاعات زكريا دیوبند ۹/ ۷۸، کراچی ۶/ ۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ررجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۷/ ۱۴۱۲ھ

۱۹ / باب الشهید

شہید حقیقی کی تدفین کیسے کی جائے

سوال: [۴۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ اغوان پور میں ایک صاحب کا قتل ہوا امام صاحب نے کفن و غسل دینے کو منع فرمایا، لھذا امام صاحب کی رائے کے مطابق نہ اس کو کفن دیا گیا اور نہ ہی اس کو غسل دیا گیا کیا اس طرح جائز ہے، بچے کو کھانا دینے جارہا تھا تو راستے میں کسی دشمن نے گولی ماردی، اسی وقت انتقال ہو گیا، اور وارثوں کو قاتل کے بارے میں علم ہے لیکن انھوں نے کوئی بدلہ ابھی تک نہیں لیا اور نہ ہی تھانہ میں رپورٹ درج کی ہے۔

المستفتي: مولانا محمد یعقوب، اغوان پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں مقتول شرعاً شہید حقیقی ہے اور شہید حقیقی کا حکم یہی ہے کہ اسی کپڑے میں بغیر غسل نماز جنازہ پڑھکر دفن کردیا جائے ، ہاں البتہ اگر بدن پر جو کپڑے ہیں وہ بہت کم ہیں تو اس کے رہتے ہوئے ضرورت پوری کرنے کیلئے مزید کپڑا ابھی لگایا جاسکتا ہے، امام صاحب کا عمل اور رائے صحیح ہے۔

من قتله أهل الحرب أو أهل البغي أو قطاع الطريق ، فبأي شيئ قتلوه لم يغسل الخ. (هدايه ، كتاب الصلوٰة ، باب الشهيد زكريا۳/ ٢٤، رقم: ٣٦٤٦)

وكذا يكون شهيداً لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو تسببا أو بغير آلة جارحة فإن مقتولهم شهيد بأي آلة قتلوه. (درمختار ، كتاب الصلوٰة، باب الشهيد زكريا۳/ ١٦٠، كراچی ٢/ ٢٤٩)

فینزع عنه ما لا یصلح للکفن ویزاد إن نقص ماعلیه عن کفن السنة وینقص إن زاد لأجل أن یتم کفنه المسنون ویصلی علیه بلا غسل ویدفن بدمه وثیابه الخ. (الدرالمختار، کتاب الصلوٰة، باب الشهید زکریا۳/ ۱٦۱، کراچی ۲/ ۲۵۰)

ویزیدون فی أکفانهم ماشاؤا، وینقصون ماشاؤا، وقیل: معناه یزاد علیٰ ما علیه من الثیاب إذا قل، حتی یبلغ السنة وینقص عما علیه، إذا کثر، حتی یقصر علی السنة. (الفتاویٰ التاتار خانیة، الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، قسم أخر فی تکفین الشهید زکریا۳/ ۲٤، رقم: ۳٦٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

کیا فسادات میں مقتول مسلمان شہید ہوں گے؟

سوال: [۴۰٦۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مسلمان جو فسادات کے وقت غیر مسلم حکومت کی پولیس سپاہی، پی ایس سی، کے ہاتھوں ظلماً قتل کردئے جاتے ہیں تو کیا یہ مسلمان شہید ہوں گے یا نہیں؟

المستفتي: شبیر احمد، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: جو مسلمان فسادات کے موقعہ پر مقابلہ میں نہیں آتے ہیں اوران کو پی ایس سی پولیس ظلماً قتل کردیتی ہے، وہ سب کے سب شہید ہیں البتہ جو لوگ ابتداءً غیر مسلم یا پولیسوں کے مقابل میں آتے ہیں اوراس میں مرجاتے ہیں ان کا شہید کے دائرہ میں آنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، جدید ڈابھیل ۹/ ۲۹۷)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من قتل دون مظلمة فهو شهید. (مسند

احمد بن حنبل ۱/ ۳۰۵، رقم: ۲۷۸۰، المعجم الکبیر للطبرانی ، دار احیاء التراث العربي بیروت ۷/ ۸۶، رقم: ٦٤٥٤)

المقتول مدافعاً عن نفسه أو ماله أو المسلمين أو أهل الذمة فإنه شهيد . (شامی ، کتاب الصلوٰة ، باب الشهيد زكريا ۳/ ۱۵۹، کراچی ۲/ ۲٤۸)

ومن قتل مدافعا عن نفسه أو ماله أو عن المسلمين أو أهل الذمة بأي آلة قتل بحديد أو حجر أو خشب فهو شهيد كذا فی محيط السرخسی.

(هندیه ، کتاب الصلوٰة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السابع فی الشهيد زكريا ۱/ ۱٦۸، جدید ۱/ ۲۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۵ھ

کیا ہندو مسلم لڑائی میں قتل ہونے والے شہید ہیں؟

سوال: [۴۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنے وطن سے کسی جگہ کا سفر کر رہا ہے یعنی علی گڈھ سے بمبئی کا سفر کر رہا ہے، اور اسی سفر کے درمیان کوئی شخص غیر مسلم کی لڑائی میں گرفتار کر لیا گیا، اس شخص کو ان غیر مسلموں نے مسلمان سمجھ کر قتل کر دیا یا جان سے مار دیا ہو تو کیا ایسی حالت میں مرنے والا شہیدوں میں شمار ہوگا؟ یا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا یا اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا؟

المستفتي: محمد فاروق، سکندر اراؤ، ہاتھرس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص ہندو مسلم لڑائی میں گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا ہو اس شخص کا شمار شہداء میں ہوگا، اور جو احکامات شہداء پر جاری ہوتے ہیں وہی احکامات اس پر بھی جاری ہوں گے اور اللہ رب العزت فرض کے علاوہ تمام گناہ معاف فرما دیں گے، اور وہ

شخص عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔

عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ: من قتل دون مظلمة فهو شهيد. (مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۰۵، رقم: ۲۷۸۰، المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربي بیروت ۷/ ۸۶، رقم: ٦٤٥٤)

المراد بشهيد الآخرة من قتل مظلوماً. (شامی، کتاب الصلاة، باب الشهيد، مطلب فی تعداد الشهداء کراچی ۲/ ۲۵۲، زکریا ۳/ ۱٦٤)

عن عبد الله ابن عمروا بن العاص أن النبی ﷺ قال: القتل فی سبیل الله یكفر كل شيء إلا الدين. (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب من قتل فی سبیل الله کفرت خطایاه إلا الدين، النسخة الهندیة ۲/ ۱۳۵، بیت الأفکار رقم: ۱۸۸٦، مشکوٰة ۲/ ۳۳۱)

أن عمرو بن مالك الجنبيّ أخبره أنه سمع فضالة بن عبيد يحدث عن رسول الله ﷺ أنه قال: كل ميت يختم علىٰ عمله إلا الذي مات مرابطاً فی سبيل الله فإنه ينمى له عمله إلى يوم القيمة ويأمن فتنة القبر، الحديث: (ترمذی، ابواب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل من مات مرابطاً، النسخةالهندیة ۱/ ۲۹۱، دارالسلام رقم: ۱٦۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۱ھ

ہندو پاک کے درمیان لڑنے والے مسلمان شہید ہیں یا نہیں

سوال: [۴۰٦۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پاکستان کی حکومت اسلامی ہے اور ہندوستان کی حکومت غیر مسلم ہے تو دونوں ملکوں سے اگر لڑائی ہو اور پاکستان کی جانب سے لڑنے والے تمام مجاہد اسلامی ہوں اور ہندوستان کی جانب سے لڑنے والے غیر مسلم ہوں لیکن کچھ مسلمان بھی ہوں اور ہندوستان کے

مسلمانوں کو پاکستان کے مسلمان جہاد کے میدان میں ماردیں تو ہندوستان کے مسلمانوں کو شہید مانا جائے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد انظر عالم، کشن گنج،
صدیق منزل ۱۵ ہتھورا، ضلع: باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس جنگ میں مرنے والے سپاہیوں کو شہید کہا جاتا ہے، جو صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنیکی غرض سے جنگ لڑتے ہیں، اور ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جو جنگ ہوتی ہے اس میں نہ پاکستان کی فوج کے ذہنوں میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کا مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی ہندوستان کی طرف سے لڑنے والے سپاہیوں کے دل میں یہ بات ہوتی ہے، کہ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے لڑا جا رہا ہے، اسلئے دونوں طرف کے فوجیوں کی لڑائی جہاد اسلامی کے دائرے میں شامل نہیں ہے، بلکہ دونوں طرف کی لڑائی اقتدار کی لڑائی ہے اور اقتدار کی لڑائی میں مرنے والے ان شہداء میں شامل نہیں ہوسکتے جنکے بارے میں قرآن وحدیث میں بشارت آئی ہے۔

عن ابي موسیٰ قال جاء رجل إلى النبی صلی الله عليه وسلم، فقال الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل للذكر والرجل يقاتل ليریٰ مكانه فمن فی سبيل الله قال من قاتل لتكون كلمة الله هی العليا فهو فی سبيل الله. (بخاری شریف، کتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هی العليا، النسخة الهندية ۱/ ۳۹۴، حديث: ۲۷۲۶، ف: ۲۸۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۵ھ

ایکسیڈنٹ میں مرنے والا شہید ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) خالد موٹر سائیکل سے جارہا تھا کہ راستہ میں پیچھے سے کسی گاڑی والے نے عمداً ٹکر ماردی جس کے نتیجہ میں وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگیا تو کیا اس صورت میں خالد کو شہادت کا درجہ ملیگا یا نہیں؟ اگر ملیگا تو شہادت اخروی یا دنیوی یا دونوں اوراس کے صغائر وکبائر کے بارے میں کیا حکم ہے، دونوں معاف ہوں گے یا صرف صغائر، نیز اگر خالد نے اسی کے ساتھ ساتھ شراب بھی پی رکھی ہوتو کیا حکم ہے؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ خالد بغیر کسی ارادہ کے گاڑی کی زد میں آجاتا ہے، اور موقع پر ہی وفات ہوجاتی ہے، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ خالد نے دوسری صورت میں شراب نہیں پی رکھی تھی؟

المستفتي: محمد حاکم، چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حقیقی معنوں میں شہید وہ ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جہاد کرتے ہوئے قتل کیا جائے یا ظالموں نے اس کو ظلماً قتل کیا ہو بقیہ جو ایکسیڈنٹ اور حادثاتی اموات سے مرنے والے ہیں وہ صرف شہید اخروی ہیں، لہٰذا ان کو غسل دے کر ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور احادیث میں گناہوں کے معافی کا جہاں بھی تذکرہ ہے مراد صغائر ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کبائر کو بھی معاف کرسکتا ہے، ایکسیڈنٹ سے مرنے والا اگرچہ شراب پی کر مرا جب بھی وہ شہید اخروی ہوگا، یہ اور بات ہے کہ اس کو شراب پینے کا گناہ ملیگا، اس تفصیل سے سوالنامہ کی دونوں شکلوں کا جواب آگیا۔

وقید بالقتل لأنه لومات حتف أنفه وابترد أو حرق أو غرق أوهدم لم يكن شهيداً في حكم الدنيا، وإن كان شهيد الآخرة. (شامی، کتاب الصلاۃ،

باب الشهيد كراچی ۲/ ۲٤۸، زكريا ۳/ ۱٥۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۳ھ

ایکسیڈنٹ سے ہلاک ہونیوالے شہید حکمی

سوال: [۴۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایکسیڈنٹ سے جو لوگ مرجاتے ہیں وہ دنیوی اعتبار سے بھی شہید ہیں یا صرف اخروی اعتبار سے کیا ان کو غسل وغیرہ دیا جائے گا؟

المستفتي: عنایت علی، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایکسیڈنٹ سے ہلاک ہونیوالے شرعاً شہید اخروی ہیں، غسل دینا لازم ہوگا۔

ولو انهزم المسلمون فوطئت دابة المسلم مسلما وصاحبها عليها أو سائق لها أو قائد غسل الخ. (فتاویٰ تاتار خانية ،الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون، فی الجنائز، قسم أخر يتصل بمسائل الشهيد زكريا۳/ ۲۳، رقم: ۳٦٤۱، قديم ۲/ ۱٤٤، فتاویٰ عالمگیری ، كتاب الصلوٰة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهيد زكريا ۱/ ۱٦۸، جديد ۱/ ۲۳۰، وهكذا البحر الرائق ، كتاب الجنائز، باب الشهيد زكريا ۲/ ۳٤٤، كوئٹہ ۲/ ۱۹٦، احسن الفتاویٰ ٤/ ۲٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۸۶)

مال کی حفاظت میں مقتول شہید ہے یا نہیں

سوال: [۴۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دہلی کے مدینہ بکڈ پو کے شائع شدہ کیلنڈر تقویم ۱۹۸۹ء کے اپریل کے ماہ نامہ میں بطور اقوال زریں چند الفاظ پر مشتمل مندرجہ ذیل عبارت ہے۔ (جو شخص اپنے مال کے پیچھے مارا جائے وہ شہید ہے)۔

(۱) مذکورہ بالا عبارت کی صداقت کس حدیث سے ثابت ہے؟

(۲) وہ کون سا مال ہے جس پر مرنا باعث شہادت ہے، جبکہ اہل اسلام کی نظر میں مال کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟

(۳) شہادت کا درجہ کیا ہے؟

لہٰذا مندرجہ بالا تین نکات کو سامنے رکھ کر اس عبارت کی وضاحت فرمادیجئے، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد شریف، محلّہ قاضی ٹولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ بالا عبارت کی صداقت بخاری و مسلم ترمذی کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

عن عبد الله بن عمرو قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : من قتل دون ماله فهو شهيد. (صحيح بخارى ، كتاب المظالم ، باب من قتل دون ماله ، النسخة الهندية ۱/۳۳۷، رقم: ۲۴۱۶، ف: ۲۴۸۰، صحيح مسلم ، كتاب الإيمان ، باب الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق كان القاصد مهدر الدم الخ، النسخة الهندية ۱/۸۱، بيت الأفكار رقم: ۱۴۱، سنن الترمذى ، ابواب الديات ، باب ماجاء من قتل دون ماله فهو شهيد ، النسخةالهندية ۱/۲۶۱ ، دارالسلام رقم: ۱۴۱۹)

(۲/۳) وہ مال جسکو مالک نے حلال طریقے سے حاصل کیا ہے، اور اہل اسلام کی نظر

میں ایسے مال کی اہمیت ہے جو حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، اور اسکی زکوٰۃ ادا کردی جاتی ہو، اور ایسے مال کی حفاظت میں اگر قتل ہو جائے تو شہادت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ (نووی ۱/۸۱)

عن أبي هريرةؓ قال: جاء رجل إلیٰ رسول الله ﷺ فقال: يارسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي قال: فلا تطعه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني، قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني قال: فأنت شهيد، الحديث.

(صحيح مسلم، کتاب الإيمان، باب الدليل علیٰ أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق کان القاصد مهدرالدم الخ، النسخة الهندية ۱/۸۱، بيت الأفکار رقم: ۱۴۰)

اور اہل اسلام نے جس مال کی مذمت کی ہے وہ، وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جاتی ہو، یا غلط طریقے سے حاصل کیا جاتا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۸۶)

کیا اپنی جان ومال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے؟

سوال: [۴۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک بستی کا پردھان تھا، جو ہر وقت گاؤں کے بناؤ سدھار کی فکر میں رہتا تھا، گاؤں کے راستے بیوہ عورتوں کی دیکھ بھال غریبوں کی ہمدردی غرض جو اوصاف ایک ذمہ دار میں ہونے چاہئے زید ان کا حامل تھا، لیکن گاؤں کے کچھ بدمعاش لوگ اس سے دشمنی رکھتے تھے، کیونکہ زید سے پہلے اس کے باپ نے تقریباً ۳۵؍سال پردھانی کی اور لوگوں نے خوشی سے اس کو ووٹ دیا کیونکہ گاؤں کے اندر کارنامے اچھے تھے، اب چند بدمعاش زید سے دشمنی رکھتے تھے، اسلئے زید اپنی حفاظت کی غرض سے

لائیسنس والی بندوق اپنے پاس رکھتا تھا، ایک دن گاؤں کا راستہ ٹھیک ہورہا تھا، زید اسکی دیکھ بھال کررہا تھا، دوپہر کو کام پورا ہونے کے بعد زید واپس گھر کو آرہا تھا، لیکن گاؤں کی پنچایت کے ایک ممبر سے کوئی مشورہ کرنے کیلئے زید اس کے پاس بیٹھ گیا اچانک وہ بندوق جو اس کے پاس تھی ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گری اور اس کا گھوڑا ایک اینٹ کے کنارے سے ٹچ ہوا اور بندوق چل گئی اور اس کی گولیاں زید کی چھاتی کے اوپر پڑیں اور زید فوراً انتقال کرگیا۔

اب مسئلہ صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ زید بندوق صرف اپنی حفاظت کیلئے رکھتا تھا، اور میں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے کہ جو شخص اپنی جان ومال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے، تو کیا زید کو حکماً شہادت کا درجہ ملے گا، یا نہیں؟ یا ایسی موت کے متعلق حدیث شریف میں کوئی صراحت کیساتھ حکم موجود ہے؟ اگر کوئی ایسا حکم ہو تو تحریر فرمائیں، اور مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: عتیق الرحمٰن قاسمی، مدرسہ تعلیم القرآن، صدرالدین نگر، پوسٹ: خاص، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہت ممکن ہے کہ سوالنامہ کی مذکورہ صورت میں زید کو بھی شہادت کا درجہ مل جائے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن سعید بن زید قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: من قتل دون ماله فهو شهید ومن قتل دون أهله فهو شهید، ومن قتل دون دینه فهو شهید، ومن قتل دون دمه فهو شهید. (مسند احمد بن حنبل ۱/ ۱۹۱، رقم: ۱۶۵۲، سنن أبی داؤد، قبیل کتاب الأدب، النسخة الهندیة ۲/ ۶۵۸، دارالسلام رقم: ۴۷۷۲، سنن النسائی، کتاب المحاربة من قاتل دون دینه، النسخة الهندیة ۲/ ۵۵۵، دارالسلام رقم: ۴۱۰۰، سنن الترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء من قتل دون ماله فهو

شهيد النسخة الهندية ۲٦١/١، دارالسلام رقم: ١٤٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۱۱/۳۲)

کیا بندوق سے ظلماً مارا ہوا شخص شہید ہے

سوال: [۴۰٦۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص کسی کو ظلماً بندوق سے ماردے اور وہ مسلمان بھی ہو تو وہ شہید حقیقی ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل ذکر فرمائیں؟

المستفتي: فضل الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں یہ شخص مقتول شہید حقیقی ہوگا، کیونکہ شہادت حقیقی کے ثبوت کیلئے غیر مسلم ہونا اور آلہ کا آلہ جارحہ قاطعہ ہونا مشروط نہیں ہے۔

عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ: من قتل دون مظلمة فهو شهيد. (مسند احمد بن حنبل ٣٠٥/١، رقم: ٢٧٨٠، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ٨٦/٧، رقم: ٦٤٥٤)

الشهيد من قتله (إلى قوله) أو قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية فيكفن ويصلى عليه ولا يغسل ... (وقوله) فبأي شيىء قتلوه لم يغسل لأن شهداء أحد ما كان كلهم قتيل السيف والسلاح الخ. (هدايه، كتاب الصلاة، باب الشهيد، اشرفيه ديوبند ١٨٣/١)

والشهيد من قتله أهل الحرب –إلى– أو قتله مسلم ظلما عمداً بمحدد.

(نور الايضاح ، باب أحكام الشهيد ، امداديه ديو بند /۱۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۷۶)

حاملہ عورت کا ولادت کے دردزہ میں انتقال

سوال: [۴۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاملہ عورت ولادت کے دردزہ میں فوت ہوجائے تو اسکا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے؟ کیا اس کو درجۂ شہادت حاصل ہوگا ، اگر اسکو درجۂ شہادت حاصل ہوتا ہے، تو اس کے ثبوت میں کوئی حدیث وارد ہوتو تحریر فرمادیں۔

المستفتي: یعقوب احمد، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو عورت ولادت کے دردزہ میں فوت ہوجائے اسکو شہادت کا مقام حاصل ہوتا ہے، حدیث شریف میں اسکی شہادت سے متعلق حضور اکرم ﷺ کا واضح ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو عورت ولادت کے موقع پر دردزہ کی وجہ سے فوت ہو جائے ،تو اس کو شہادت کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے، اور اس کو شہیدوں کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن عبد الله بن جابر بن عتيک عن أبيه عن جده أنه مرض فأتاه النبی ﷺ يعوده فقال قائل من أهله إنا كنا لنرجوا أن تكون وفاته قتل شهادة فی سبيل الله فقال رسول الله ﷺ إن شهداء أمتی إذا لقليل القتل فی سبيل الله شهادة والمطعون شهادة والمرأة تموت بجمع شهادة يعنی الحامل والغرق والحرق والمجنوب يعنی ذات الجنب شهادة.

(سنن ابن ماجه ، ابواب الجهاد، مايرجى فيه ، الشهادة ،النسخة الهندية /۱ ۲۰۱، دارالسلام رقم: ۲۸۰۳، سنن أبى داؤد ، كتاب الجنائز، باب فضل من مات بالطاعون ، النسخة الهندية ۴۴۳/۲ ، دارالسلام رقم: ۳۱۱۱، سنن نسائى ،كتاب الجنائز، الشهيد ، النسخةالهندية ۲۲۴/۱ ، دارالسلام رقم: ۲۰۵۶، مسند احمد بن حنبل ۳۲۳/۵، رقم: ۲۳۱۳۶)

عن عبادة بن الصامت قال: عاد النبى ﷺ إبن رواحة فقال رسول الله ﷺ ماتعدون شهداء أمتى؟ فقالوا: من قتل فى سبيل الله : فقال رسول الله ﷺ إن شهداء أمتى إذا لقليل القتل شهادة والبطن شهادة ، والطاعون شهادة والمرأة يقتلها ولدها جمعاء شهادة . (شعب الإيمان ۱۶۹/۲ ،رقم: ۹۸۷۸، ۹۸۷۹، ۹۸۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۵۲/۴۱)

حاملہ عورت ولادت میں فوت ہوجائے تو پیٹ چیر کر بچہ نکالنا

سوال: [۴۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاملہ عورت ولادت کے دردزہ میں فوت ہوجائے اوراس کے پیٹ میں بچہ ہوتو ایسی صورت میں اگر بچہ پیٹ میں مرجائے تو اس کو ماں کے ساتھ دفن کردیا جائے گا، یا بچہ کو پیٹ چاک کر کے نکالا جائے گا، اسی طرح اگر پیٹ میں بچہ زندہ ہو یا زندہ ہونے کا غالب گمان ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ فقہی جزئیات کیساتھ ساتھ اگر کوئی نص حدیث بھی ہوتو تحریر فرمادیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: شعیب احمد، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر عورت کے پیٹ میں بچہ پہلے ہی ختم ہو چکا

ہے، اور بچہ کی موت کا یقین بھی ہے تو ایسی صورت میں پیٹ چاک کر کے بچہ نکالنا لازم نہیں، لیکن اگر ماں کی موت کے بعد پیٹ میں بچہ کی زندگی کا یقین یا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں ماں کے پیٹ کو چاک کر کے بچہ کو نکالنا لازم اور ضروری ہے، جیسا کہ فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

امرأة ماتت والولد يضطرب في بطنها ، قال محمدؒ يشق بطنها، ويخرج الولد لايسع إلا ذلك. (خانيه على الهندية ، كتاب الصلاة، باب في غسل الميت وما يتعلق به زكريا ديوبند ۱/۱۸۸، جديد۱/۱۱۷، هنديه ، كتاب الصلوٰة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر زكريا ديوبند ۱/۱۵۷، جديد ۱/۲۱۸، شامي ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميت ،كراچی ۲/۲۳۸، زكريا۳/۱۴۵، التفاویٰ التاتار خانيه ، كتاب الصلوٰة ، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر في الخطأ الذي يقع في الباب زكريا ۳/۸۲، رقم: ۳۷۷۰)

لو أن حاملاً ماتت في بطنها ولد يضطرب فإن كان غالب الظن أنه ولد حي وهو في مدة يعيش غالباً فإنه يشق بطنها لأن فيه إحياء الآدمي فترك تعظيم الآدمي أهون من مباشرة سبب الموت. (تحفة الفقهاء ۳/۳۴۳، بحواله جديد فقهي تحقيقات ۱/۳۱۴، هنديه ، كتاب الكراهية ، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات الخ زكريا ۵/۳۶۰، جديد ۵/۴۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۷۶۶)	۱۸/۷/۱۴۲۱ھ

کتاب الزکوٰۃ

۱ / باب الزکاۃ ومتعلقاتها

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب

سوال: [۴۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے چار بچوں کے ہمراہ جس میں دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں، ایک لڑکا قریب بالغ ہونے کو ہے، جو آپکے مدرسہ میں پڑھتا ہے، اور ایک لڑکی بالغ ہونے کو ہے، باقی دو بچے چھوٹے ہیں، میرے پاس کچھ مال ہے جو مجھے میرے والدین کی طرف سے وراثت میں ملا ہے، اس کی تفصیل ذیل میں لکھتی ہوں، میرے شوہر کی آمدنی بہت کم ہے، جس سے ٹھیک طرح گھر کے اخراجات بھی پورے نہیں ہو پاتے ہیں، یہ مال میں نے اپنے بچوں کی شادی بیاہ کے لئے محفوظ کررکھا ہے، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں کہ کیا مجھے زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے، اس کا اجروثواب کیا ہے؟ اور نہ نکالنے پر کیا کیا عذاب اور دنیاوی کیا کیا نقصان ہوتے ہیں، یہ بھی تحریر کریں، نیز ۱۰؍تولہ چاندی، ۶؍تولہ دوآنہ سونا اور نقدروپیہ بینک میں ۳۵۰۰۰ ہزار ہے؟

المستفتیہ: شاہین افسر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں آپ پر جمع

شدہ سونا، چاندی اور روپیہ سے زکوٰۃ نکالنا فرض ہے!

ليس فيما دون مأتي درهم صدقة – فإذا كانت مأتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (هداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال أشرفي ١/ ١٩٤)

ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرين مثقالا ففيها نصف مثقال. (هدايه، كتاب الزكاة، باب زكوٰة المال، المكتبة الأشرفيه ١/ ١٩٥، الدر المختار مع الشامي، زكريا ٣/ ٢٢٤، كراچی ٢/ ٢٩٥)

اگر آپ نہ نکالیں گی تو دردناک عذاب الٰہی کی مستحق ہو جائیں گی۔

(قوله تعالیٰ) والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها فى سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم، الآية. (سورة التوبة:٣٤)

نیز دنیا میں بھی ایسی دولت میں برکت نہیں ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۷۵)

بیت المال قائم کرنا

سوال: [۴۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر کی ۱۹/ برادریوں نے مل کر ایک بیت المال قائم کیا ہے، جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں زکوٰۃ کی رقم کو ان کے حق داروں تک پہونچانے کی ذمہ داری لی ہے، کیا اس بیت المال میں زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الحمید راعین، پائنک روڈ، پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بیت المال کے ذمہ دار دیانتدار افراد ہوں اور

صحیح مصرف پر صرف کرتے ہوں تو جائز ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۴/ ۳۰۳ تا ۴/ ۳۰۷، زکریا جدید ۴/ ۳۲۳، ۳۲۴، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۹۶-۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۲۹)

بیت المال سے قرض دینا

سوال: [۴۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں بیت المال کا فنڈ ہے لوگ بطور قرض اس سے رقم لینا چاہتے ہیں، کیا اس رقم کو قرض میں دیا جا سکتا ہے؟ نیز اس رقم کے خرچ کی بھی کوئی حد ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک سال کے اندر اندر اس رقم کا ختم کرنا ضروری ہے جبکہ ضرورت مند کب آجائے معلوم نہیں؟

المستفتی: محمد اسماعیل، چورو، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے بیت المال وغیرہ کی صحیح نگرانی حکومت اسلامی اور قوت نافذہ کے ذریعہ ہوتی ہے، ورنہ ہر شخص اپنا بیت المال قائم کرکے لوگوں کی زکوٰۃ وصدقات کے پیسے بٹورنے کا سلسلہ قائم کریں گے، نیز زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے بیت المال سے بطور قرض کسی کو دینا اور پھر واپس لینا حنفیہ کے نزدیک درست نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/ ۳۰۳)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. (شامی، زکریا ۳/ ۲۹۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۰۲)

زکوٰۃ وصول کرنے کی کمیٹی بنانا

سوال: [۴۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

الف: ہمارے محلّہ میں ایک کمیٹی ہے جس کا نام زکوٰۃ کمیٹی ہے اس کمیٹی کے ممبران لوگوں سے زکوٰۃ صدقہ فطرہ چرم قربانی وصول کرتے ہیں، اور غرباء کو تقسیم کرتے ہیں، اور اس کا فنڈ بنا کر بھی رکھتے ہیں، حسب ضرورت تقسیم کرنے کیلئے نیز ضرورتمندوں کی لڑکیوں کی شادی بھی کراتے ہیں، اور غریب کو جو چاہتا ہے، اسے مختصر سا کاروبار بھی کرادیتے ہیں،

(**ب**) اور زکوٰۃ کا پیسہ غریب کی شادی میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حافظ فرید احمد، محلّہ لوہاری سرائے، نگینہ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: **الف**: حکومت کی ماتحتی کے بغیر اس طرح کی کمیٹی قائم کرنا بہت سے مفاسد کی وجہ سے مشروع اور درست نہیں، اور تجربہ میں دیکھا گیا ہے، کہ جہاں اس طرح کی کمیٹیاں قائم کی گئیں ہیں، وہاں لوگ شروع شروع میں صحیح کام کرتے رہے، اور بعد میں زکاۃ کا پیسہ خرد برد کر دیا، اور زکاۃ کا پیسہ ہڑپ کر لیا ان پر نہ کوئی مقدمہ قائم ہوسکا اور نہ دار و گیر ہوسکی، اسلئے اس طرح کی کمیٹی قائم کر کے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا حکومت کی ماتحتی سے آزاد ہو کر جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الأحکام ۴/۴۵)

(**ب**) مالک زکاۃ اپنے طور پر دیکھ بھال کر کے واجبی ضرورت کے مطابق فقیر لڑکی کی شادی میں دے سکتا ہے، کمیٹی کے حوالہ نہ کرے نیز یہ خیال رہے کہ پانچ ہزار روپئے تک اس فقیر کے پاس پہونچنے کے بعد دوبارہ زکوٰۃ کا پیسہ نہیں دیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ پانچ ہزار کے بعد نصاب کا مالک ہو جاتا ہے، ہاں البتہ اس کے بعد زکاۃ کے علاوہ جیب خاص کا پیسہ دیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۷)

ولا یجوز دفع الزکاۃ إلیٰ من یملک نصاباً، ویجوز دفعها إلیٰ من

يملك أقل من النصاب . (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف، زکریادیوبند ۱/۱۸۹، جدید ۱/۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۰۶)

زکوٰۃ وفطرہ کا پیسہ بیت المال کی شکل میں جمع کرنا

سوال: [۴۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک برادری اپنے زکوٰۃ وفطرہ اور چرم قربانی کا پیسہ ایک بیت المال کی شکل میں جمع کر کے صرف اپنی برادری کے مستحق لوگوں پر صرف کرسکتی ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں اس کا مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتي: مشکور الظفر، قریشی نگر، ایس وي روڈ، باندرہ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح بیت المال شرعی بیت المال نہیں ہوا کرتا ہے، اسلئے کہ اس میں اگر غبن وخیانت وغیرہ ہوجائے تو اسکی تلافی کیلئے شرعی قانون کے مطابق دارو گیر نہیں ہوسکتی نیز دیکھنے میں آیا ہے، کہ جہاں جہاں اس طرح بیت المال قائم ہوا ہے، وہاں خیانت وغبن ہوا ہے، پھر اسکی کوئی تلافی نہیں ہوسکی، اسلئے حکومت اور امارت کی ماتحتی کے بغیر اس قسم کا بیت المال قائم کرنا اور اس میں زکوٰۃ وغیرہ کی رقم جمع کرنا اور دینے والے کا دینا ہرگز جائز نہیں ہوگا، نیز مستحق فقراء اپنے حقوق سے محروم ہوجائیں گے۔

ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری شرح بخاری، داراحیاء التراث العربی

بیروت ۲/۲٤ ۱۰۹، زکریا دیوبند ۱٦/ ۲۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۳ھ

غریب علماء کے نام ٹرسٹ قائم کرنا

سوال: [۴۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر گودھرا میں علماء کی جماعت ہر پندرہ دن پر ایک مرتبہ جڑتی ہے، جس میں یہ حضرات معاشرہ میں پھیلے ہوئے رسم ورواج اور منکرات کولیکر اصلاح معاشرہ کے عنوان سے کام کرتے ہیں، اس مرتبہ کی مجلس میں عوام کی طرف سے ایک بات رکھی گئی کہ شہر میں علماء کی تعداد زیادہ ہے، جن میں سے علماء کی ایک تعداد حالات اور تنگی کا شکار ہے، اور بعض علماء گھر میں ولادت کے موقع پر یا کوئی ایسی بیماری لاحق ہوگئی جس میں وہ صاحب فراش ہوگئے، یا ایسی بیماری جس میں آپریشن کی ضرورت پڑتی ہے نیز بعض دفعہ بڑی عمر ہوجانے کی وجہ سے معذوری کے باعث مدرسہ سے معزول کردئے جاتے ہیں، بالآخر سخت تنگی کا شکار ہوجاتے ہیں، ان سب موقعوں پر علماء کو حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور اپنی ضرورت کا اظہار لوگوں کے سامنے کرنا پڑتا ہے، تو یہ بات علماء اور عوام دونوں کیلئے باعث عار ہے، لہذا علماء اگر ایک جماعت بنا کر اس رمضان کے موقع پر تھوڑا سا چندہ جمع کرلیں جس سے سال بھر ایسے حالات میں علماء کی مدد کی جائے، تاکہ ان کو عوام کے سامنے اپنی ضروریات رکھنی نہ پڑیں۔ یہ درخواست عوام کی طرف سے رکھی گئی۔۔۔

چنانچہ علماء کے درمیان مشورہ ہوا اور علماء نے ارادے بھی کئے کہ یہ کام ضرور کرنا چاہئے، اب آپ سے دو باتیں پوچھنی ہیں۔

اول: تو یہ کہ چندہ میں للہ رقم کے ساتھ زکوۃ بھی وصول کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جس کو صرف مستحقین پر ہی خرچ کیا جائیگا؟

دوم: ہمارے شہر میں ایک دوٹرسٹ اور ہے جو للّٰہ رقم اورزکوٰۃ کووصول کرکے سال بھر غریب لوگوں کی مدد کرتے ہیں، وہاں علماء بہت کم جاتے ہیں، جس کی بنیاد پر یہ علماء کی جماعت صرف اورصرف علماء کے نام سے لوگوں کو ماہانہ ممبر بنا کر ان سے وصول کرے اور صرف علماء پرخرچ کرے تو یہ جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد سلطان سمول، گودھرا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: علماء کے نام سے اس طرح کا ٹرسٹ قائم کرکے غریب علماء کوٹرسٹ کامحتاج بنانا ہم مناسب نہیں سمجھتے ہیں، اورعلم اور اہل علم کی تخفیف کی بات اس سے سمجھ میں آتی ہے، اگرکوئی عالم ضرورت مند ہوجائے، تو کوئی سرمایہ دار انفرادی طور پر انکا خصوصی تعاون کرے، تواس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، مگر فلاں ٹرسٹ کامحتاج بنانے میں ٹرسٹ کے سارے ذمہ داروں کو یہ معلوم ہوجائے گا، کہ فلاں عالم کواتنے پیسے دیئے گئے ہیں، اور کتنے علماء ٹرسٹ کےمحتاج ہیں، ان سب کے نام درج ہوجائیں گے، اس کوہم علماء کی عزت نفس کے خلاف سمجھتے ہیں، اس لئے ہم اس طرح کے ٹرسٹ قائم کرنے کومناسب نہیں سمجھتے، اورصدیوں کے اکابر ومشائخ سے اس طرح کی نظیر کاثبوت نہیں ملتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۵ھ

فقیر زکوٰۃ کی رقم کہاں خرچ کرے؟

سوال: [۴۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگرکسی غریب کوزکوٰۃ کا پیسہ دیا جائے تو وہ جس مدمیں چاہے اس میں خرچ کرسکتا ہے یانہیں؟ یا کسی

خاص مد میں ہی خرچ کرنا ضروری ہے؟

المستفتي: وصی الدین، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زکوٰۃ کسی غریب کو دی جاتی ہے، تو وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے، اسلئے وہ جس شرعی مصرف میں چاہے، خرچ کرسکتا ہے۔

وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم لأنه؛ مقتضىٰ صحة التمليك قال الرحمتي والظاهر أنه لا شبهة فيه لأنه ملكه إياه عن زكاة ماله. (شامی، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۳، مرقاۃ، مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/٤٤٧)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۳ھ

محلّہ کی کمیٹی کا زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے برادری کے غرباء پر خرچ کرنا

سوال: [۴۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ میں ایک کمیٹی ہے اسمیں ذمہ دار افراد ہیں جو برادری کے جملہ امور کی دیکھ بھال کرتے ہیں، یہ کمیٹی چاہتی ہے کہ محلّہ کی زکوٰۃ فطرہ وغیرہ ایک جگہ جمع کرلیا جائے، اور برادری کے غرباء پر خرچ کیا جائے، مثلاً غرباء کی شادی پر یا جو افراد کاروبار کرنا چاہتے ہیں، لیکن نادار ہیں ان کو ان کے پیروں پر کھڑا کیا جائے، اور اسی میں سے بیواؤں پر خرچ کیا جائے، جو نادار ہیں اور اسی میں سے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے، وقتاً فوقتاً مدارس کو بھی دیا جائے، اس طرح یہ زکوٰۃ سال بھر خرچ کی جائے گی، مسئلہ مذکورہ کو مدلل ومفصل تحریر فرمادیں، اور اس کام کو اہل علم کی سرپرستی میں کیا جائیگا۔

المستفتي: محمد سلیم ملتانی، اہاری سرائے، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی کمیٹی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی برادری کی زکوٰۃ وفطرہ جمع کرے اور پھر برادری کے غریبوں بیواؤں اور نادار لوگوں پر خرچ کرے کیونکہ مسلمانوں سے زکوٰۃ فطرہ وغیرہ وصول کر کے مصارف میں خرچ کرنا خلیفۃ المسلمین کی ذمہ داری ہے، کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ، صدقہ واجبہ وغیرہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرے اور بیت المال کے قیام کیلئے اسلامی حکومت لازم ہے، جو بیت المال کی حفاظت دیکھ بھال تصرف فوجی طاقت کے ذریعہ کرتی رہے گی، اور یہ امور ہندوستان میں موجود نہیں ہیں، اسلئے ہندوستان میں عام مسلمانوں کیلئے زکوٰۃ، فطرہ اور صدقات واجبہ کا آپس میں اکٹھا کرنا شرعی طور پر درست نہیں ہے، اور اس کا انجام بھی صحیح نہیں ہوتا۔

بيت المال يطلق على الجهة التى تملك المال العام للمسلمين والمال العام هنا: هو كل مال تثبت عليه اليد في بلاد المسلمين.

(الموسوعة الفقهية ۸/ ۲٤۲)

بيوت المال أربعة لكل: مصارف بينتها العالمونا، فأولها الغنائم والكنوز، ركاز بعد ها المتصدقونا: وثالثها خراج مع عشور، وجالية يليها العاملونا، ورابعها الضوائع مثل مالا، يكون له أناس وارثونا. (شامی، كتاب الزكاة، قبيل باب المصرف كراچی ۲/ ۳۳۷، ۳۳۸، زكريا۳/ ۲۸۱، ۲۸۲، الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف، فصل مايوضع فى بيت المال أربعة، أنواع زكريا ۱/ ۱۹۰، جديد ۱/ ۲۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۶ھ

اپنی برادری کوزکوٰۃ دینے کیلئے زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے رکھنا

سوال: [۴۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم کو جمع کر کے روکنا اس غرض سے کہ اپنی برادری کے فقراء و مستحقین کو ضرورت پیش آنے پر اس رقم سے ان کی مدد کی جائے گی شرعاً کیسا ہے؟ اور ایک ہی برادری کے مستحقین کو زکوٰۃ کے دینے میں مخصوص کرنا جبکہ دوسری برادری کے مستحقین موجود ہوں کیسا ہے؟

المستفتي: شبیر احمد قاسمی، جلگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جو شکل بیان کی گئی ہے وہ صدقہ واجبہ کے بیت المال کی شکل ہے اور ہندوستان میں فی الحال اس طرح بیت المال قائم کرنے اور اس کی حفاظت کی شرائط موجود نہیں ہیں، اسلئے زکوٰۃ دہندگان سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے کسی شخص واحد یا کسی انجمن میں جمع کر لینا خطرے سے خالی نہیں ہے، اسلئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، بلکہ زکوٰۃ دہندگان اپنی مرضی سے مستحقین یا ان کے وکلاء اور مدارس کے سفراء کو از خود دیدیا کریں، نیز اگر برادری میں زیادہ ضرورت مند موجود ہیں، تو ان کو دیدیں، اور اگر دوسری برادری میں اور زیادہ ضرورت مند موجود ہوں، تو دوسری برادری کے لوگوں کو بھی ضرور دیدینا چاہئے، اور زکوٰۃ کی رقم جتنا زیادہ ضرورت مند کو دی جائے گی، اتنا ثواب بھی زیادہ ملے گا۔

وكره نقلها إلا إلىٰ قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۴، كراچی ۲/ ۳۵۳، مجمع الانهر، دارالكتاب العلميه بيروت ۱/ ۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۴۹)

زکوٰۃ کا ثواب مرحومین کو پہونچانا اور اپنی رسید دوسروں کے نام سے کٹوانا

سوال: [۴۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمرو صاحب مال ہے اور صاحب عیال ہے اور گھر کا مالک بھی ہے، اس کے مال کی زکوٰۃ تیس ہزار روپئے نکلتی ہے، زکوٰۃ کی رقم جب وہ مدرسہ میں دیتا ہے تو کچھ اپنے نام سے کچھ اپنے اہل وعیال کے نام سے کچھ اپنے اہل وعیال بالغ نابالغ سب کے نام سے جو حیات ہیں رسید کٹاتا ہے، اور کچھ اپنے مرحومین دادا، دادی، نانا، نانی کے نام سے رسید کٹاتا ہے، عمرو کا اپنے گھر کے مالک ہونے کے اعتبار سے اپنے اہل وعیال بالغ نابالغ کے نام سے جو حیات ہیں، اور مرحومین کے نام سے زکوٰۃ کی رقم کی رسید کٹانا کیسا ہے؟

عمرو رسید کٹاتے وقت نہ معلوم کیا نیت کرتا ہے، نیز اگر کوئی صاحب مرحوم کے نام بنیت ثواب زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں یا کسی غریب مسکین کو دیتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور مرحومین کو ثواب ملیگا یا نہیں؟ نیز عمرو کو اپنے ہی نام سے رسید کٹانی چاہئے، یا اہل وعیال بالغ نابالغ کے نام سے جو حیات ہیں رسید کٹادے تو کیا کوئی حرج ہے؟ یا اس کے متعلق جو بھی مسئلہ ہو تحریر فرمادیں، دونوں سوال کے جواب بحوالہ تحریر کریں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: منظور عالم قاسمی، مدرس: مدرسہ اسلامی باب العلوم، بابوگنج، ضلع: پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زکوٰۃ کی نیت سے رقم دیتا ہے، اور دوسرے کو ثواب پہونچنے کیلئے رسید دوسرے اہل وعیال اور مرحومین کے نام سے کٹواتا ہے، تو اس سے عمرو کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اور دوسرے زندہ ومرحومین کو ثواب بھی پہونچ جائیگا، عمرو کو

اختیار ہے کہ اپنی زکوٰۃ کا ثواب کسی کو بھی پہونچادے، اور کسی کے نام سے بھی رسید کٹادے!

صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰةً أو صوماً أو صدقة (إلیٰ قوله) لإطلاق کلامهم وإنه لا فرق بین الفرض والنفل الخ. (شامی، کراچی ۲/ ۲۴۳ کوئٹہ ۲/ ۲۵۶، زکریا۳/ ۱۵۱ البحرالرائق، کوئٹہ ۳/ ۵۹، زکریا۳/ ۱۰۵)

ومن أعطی مسکیناً دارهم وسماها هبة أو قرضاً ونوی الزکوٰة فإنها تجزیه وهو الأصح. (فتاویٰ عالمگیری، زکریا ۱/ ۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول: فی تفسیرها الخ جدید ۱/ ۲۳۲، زیلعی، امدادیه ملتان ۱/ ۲۵۸، زکریا۲/ ۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۶۱)

غیر صاحب نصاب کیلئے سوال کرنا کیسا ہے؟

سوال: [۴۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب نصاب نہیں ہے کیا وہ لوگوں سے زکوٰۃ فطرہ لے سکتا ہے، جبکہ ایسے شخص کو کھانے پینے کی کوئی پریشانی نہیں ہے، مگر اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ جو صاحب نصاب ہوجائے، اگر ایسے شخص کو زکوٰۃ فطرہ دیں تو کیا ادا ہوجائے گا؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڑھا، بجنور۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص کھاتا پیتا ہومگر صاحب نصاب نہ ہوتو اس کے لئے سوال کرنا منع ہے، لیکن اگر کوئی اس کو زکوٰۃ یا صدقہ فطر دیدے تو دینے والے کی زکوٰۃ یا صدقہ فطر ادا ہوجائیگا۔

ویجوز دفعها إلی من یملک أقل من النصاب وإن کان صحیحاً

مکتسباً. (هنديه، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف ۱/۱۸۹، جدید ۱/۲۵۱)

لا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب . (درمختار مع الشامی، کراچی ۲/۳۵٤، زکریا دیوبند ۳/۳۰٦، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح دارالکتاب دیوبند/۷۲۲، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲٦/۳٤۱)

لاتحل لمن یملک قوت یومه بعد سترة بدنه .(هندیه ، زکریا ۱/۱۸۸، جدید ۱/۲٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۱۰/۴۱)	۱۴۳۶/۱/۵ھ

جس شخص کو زکوٰۃ دی اس کے یہاں کھانا کھانا

سوال: [۴۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک صاحب نصاب شخص ہیں، ان کی ایک ایسے فقیر سے گہری دوستی ہے، جس کو زید خود ہر سال صدقہ فطر اور زکوٰۃ کی رقم دیا کرتے ہیں، تو کیا زید کیلئے اس فقیر کے یہاں ضیافت ومہمان نوازی کرنا اور اسمیں فقیر کا تحفہ وغیرہ قبول کرنا درست ہے؟

المستفتي: مختار عالم، پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق : زید کا اس فقیر کے یہاں آمد ورفت کرنے اور اس کا تحفہ قبول کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، اور زید کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی ، البتہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کے یہاں جا کر کھانے پینے سے اور اس سے تحفہ تحائف قبول کرنے کی نیت نہیں ہونی چاہئے۔

عن عائشةؓ أنها أرادت أن تشتری بریرة للعتق –إلیٰ– فقال : هو لها

صدقة ولنا هدية ،الحديث: (بخاری شریف، كتاب الزكاة ، باب الصدقة على موالى ازواج النبی صلى الله عليه وسلم ،النسخة الهندية ۱/ ۲۰۲، رقم: ۱۴۷۱، ف: ۱۴۹۳)

وفى فتح البارى ،وجواز أكل الغنى ماتصدق به على الفقير إذا أهداه له، وجواز قبول الغنى هدية الفقير. (فتح البارى ، دارالريان للتراث العربي بیروت۹/ ۳۲۴، اشرفیه دیوبند۹/ ۵۱۷، دارالفکر بیروت۹/ ۴۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/ ۶۹۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/ ۱۴۲۱ھ

ولی کا یتیم کے زکوٰۃ کے مال کو اپنے مال میں ملانا

سوال: [۴۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہرالنساء نامی عورت اپنے ماموں کے یہاں پلی بڑھی ماموں نے ہی ایک جگہ اس کی شادی کردی چار بچے ہونے کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا، مہرالنساء ان بچوں کو لیکر ماموں کے یہاں منتقل ہوگئی ،عوام الناس اس کو بیوہ ہونے اور بچوں کے یتیم ہونے کی بنا پر زکوٰۃ فطرہ اور دیگر صدقات دیتے ہیں، تو اس مال کو ماموں کے مال میں ضم کر دیا جاتا ہے، پھر مشترکہ مال سے وہ عورت بچے ماموں اور ماموں کے گھر کے دیگر افراد اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض دفعہ پڑوسی بھی اسی مال سے دعوت وغیرہ کے موقع پر کھانا کھاتے ہیں، تو کیا اس عورت اور بچوں کے علاوہ دیگر حضرات کیلئے اس مشترکہ مال کا استعمال صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالحمید، تری پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مہر النساء مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کے لئے صدقہ فطرہ ودیگر صدقات واجبہ لیکر کے ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے، پھر اس کے

پیسہ اور اس کے مال کو ماموں کے مال میں ضم کرنے کی اس شرط پر گنجائش ہے کہ ماموں کے گھر کے افراد اور مہر النساء اور اس کے چاروں بچوں کے درمیان افراد کا شمار کرلیا جائے، مہر النساء اور اس کے بچے کل ملا کر پانچ ہیں اور ماموں اور ان کے گھر کے افراد کتنے ہیں، دیکھ لیا جائے فی آدمی خرچہ کا حساب لگا لیا جائے، مثلاً ماموں اور ان کے گھر کے افراد کل دس ہیں، اور مہر النساء اور اس کی اولاد پانچ ہیں، تو ایسی صورت میں ماہانہ خرچہ میں مثلاً اگر مہر النساء دو ہزار روپیہ دے تو ماموں کو چار ہزار روپیہ دینا ہوگا، کل چھ ہزار روپیہ مخلوط کر کے سب کیلئے ایک ساتھ میں ملا کر کھانا وغیرہ تیار کرنے کی جو اجازت ہے، اس میں اس طرح کے حساب کی قید کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، لہٰذا اگر پڑوسی وغیرہ کی دعوت کی جاتی ہے، تو دعوت کے موقعہ پر اسی حساب سے ماموں کے مال کا اضافہ کرنا ضروری ہو جائے گا۔ (مستفاد: تفسیر شیخ الہند پارہ۴/۹۹)

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامىٰ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وُاللهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ الخ. (پارہ ۲ سورۂ بقرہ/ ۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم رشعبان ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۲۰/۳۸)	۱۴۲۶/۸/۱ھ

۲/ باب وجوب الزكاة

نمو کی تعریف اور وجوب زکوٰۃ کی شرط

سوال: [۴۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نمو کی حقیقت اور اس کی صورتیں کیا کیا ہیں؟

المستفتي: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمو کے معنی بڑھوتری اور باب زکوٰۃ میں اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) نمو حقیقی: اس کا مطلب یہ ہے کہ مال توالد وتناسل اور تجارت کی شکل میں بڑھتا رہے۔

(۲) نمو تقدیری: اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال از خود یا اپنے نائب وغیرہ کے ذریعہ سے مال کو بڑھانے اور ترقی کرنے پر قدرت رکھتا ہو اور وجوب زکوٰۃ کیلئے مال نامی کا ہونا شرط ہے، چاہے نمو حقیقی ہو یا تقدیری۔

وفي الشرع هو نوعان حقيقي وتقديري، فالحقيقي الزيادة بالتوالد والتناسل والتجارات، والتقديري تمكنه من الزيادة بكون المال في يده أو يد نائبه الخ. (شامي،

ترجمہ: اور اصلاح شرع میں نمو کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) نمو حقیقی۔
(۲) نمو تقدیری اور حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ توالد وتناسل اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ اضافہ ہو اور

تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال ازخود یا اپنے نائب کے ذریعہ مال کو بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ٣/ ١٧٩، كراچی ٢/ ٢٦٣، البحرالرائق، كتاب الزكاة زكريا ديوبند ٢/ ٣٦٢، كوئٹه ٢/ ٢٠٦، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ديوبند ١/ ١٧٤، بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، و مراتب الديون زكريا ديوبند ٢/ ١٩١، الموسوعة الفقهيه الكويتية ٧/ ٦٣، ٣١/ ٢٦٧، ٣٦/ ٣٩، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح قديم / ٣٨٩، دارالكتاب ديوبند/ ٧١٥)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۴۳/۲۸)

حوائج اصلیہ کی شرط

سوال: [۴۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حوائج اصلیہ کی شرائط اور حاجت اصلیہ کی تعریف اور اس کا دائرہ کیا ہے؟ اور کیا حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور اور ماحول میں اس کے اعتبار سے کیا جائیگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اکیڈمی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حوائج اصلیہ میں وہ اشیاء داخل ہیں، جنکے بغیر انسانی زندگی بسر کرنا دشوار ہوجائے، اور آج کل کے دور میں بہت سی غیر ضروری اشیاء کو

لوگوں نے اپنے لئے یوں ہی ضروری کرلیا ہے، جو درحقیقت حوائج اصلیہ کے دائرہ میں نہیں آتی ہیں، اور حوائج اصلیہ دو قسموں پر ہے۔

(۱) حاجت اصلیہ حقیقیہ اس کے اندر وہ اشیاء شامل ہوتی ہیں جس کے بغیر انسان کو ہلاکت کا خطرہ ہے، مثلاً ضروری نفقہ اور اخراجات اور رہائشی مکانات اور آلات جنگ اور سردی اور گرمی کے وہ کپڑے جن کی اپنے موسم کے اعتبار سے ہر وقت ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) حاجت اصلیہ تقدیریہ اس کے اندر وہ اشیاء داخل ہوتی ہیں انسان جن کے بارے میں ہر وقت صحیح معنی میں متفکر رہتا ہے، مثلاً واجب الأ دا قرض اور پیشہ اور کاریگری کے اوزار و آلات اور گھر کے ضروری اثاث وسامان اور سواری کے جانور اور علماء کیلئے دینی کتابیں یہ سب حوائج اصلیہ میں شامل ہیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس نقد رقم موجود ہے، لیکن اس پر قرض بھی ہے یا کسی عالم نے ضروری کتابیں خریدنے کیلئے کچھ رقم الگ کر رکھی ہے یا کسی کاریگر نے اوزار کیلئے کسی کو رقم دے رکھی ہے، یا گھر کے سامان اور سواری کیلئے کچھ پیسہ دے رکھا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

وهي ما يدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة ودور السكنى والآت الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد أو تقديراً كالدين فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذى هو كالهلاک وكالآت الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب

ترجمہ: حوائج اصلیہ میں ہر وہ شئ شامل ہوتی ہے جو انسان سے حقیقی معنی میں اسباب ہلاکت کو دور کرتی ہے، جیسا کہ نفقہ رہائشی مکان، جنگی آلات، گرمی سردی کے ضروری کپڑے۔ یا تقدیراً اور باطناً ہلاکت کو دور کرتی ہے، جیسے کہ واجب الادا قرض جو اس کے قبضہ میں بقدر نصاب مال ہے، اس کے ذریعہ ادا کیا جائیگا، اپنے سے قید وغیرہ کو دور کرنے کیلئے اور قید بھی ہلاکت کے درجہ میں ہے صناعت کے اوزار اور گھر کے اثاث

وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاك، فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج صارت كالمعدومة كما ان الماء المستحق بصرفه إلى العطش كان المعدوم. (شامی، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة لمن المبيع وفاءً زكريا ديوبند ۳/۱۷۸، كراچی ۲/۲٦۲)

اور سواری کے جانور اور علماء کیلئے دینی کتابیں اسلئے کہ جہالت ان کے نزدیک ہلاکت ہے، لہذا ان ضروریات میں خرچ کے لئے جو رقم موجود ہے وہ کالعدم ہوگی، جیسا کہ پیاسے کے حق میں پینے کے پانی کو کالعدم قرار دیکر اس پر وضو واجب نہیں ہوتا ہے۔

شامی کی مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کی حقیقت اور علاقہ ہر دور کے اعتبار سے حاجات اصلیہ میں تفاوت ہوسکتا ہے، مثلاً عوام کیلئے کتب حدیث کتب فقہ وغیرہ حاجات اصلیہ کے دائرہ میں نہیں آتی اور علماء کیلئے حاجات اصلیہ میں سے ہیں، اور ایسی جگہ جہاں سواری کے جانوروں کو کام میں لایا جاتا ہے، اور وہاں اسکوٹر، سائیکل وغیرہ چلانے کیلئے کوئی راستہ بھی نہیں ہے، وہاں سواری کے جانور حوائج اصلیہ میں شامل ہوں گے، اور گاڑی اسکوٹر وغیرہ شامل نہیں ہوں گی، اور شہر والوں کیلئے یہ سب اشیاء حوائج اصلیہ میں شامل ہوں گی، نیز اگر ایسی جگہ جہاں گاڑی وغیرہ چلانے کا راستہ نہیں ہے، وہاں کے لوگ اگر گاڑی وغیرہ رکھ لیں تو وہ اشیاء حوائج اصلیہ سے اگر چہ زائد ہیں لیکن مال نامی نہ ہونے کی وجہ سے ان پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۴۴)

غیر استعمالی گھریلو سامان پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) برتن جو بالکل زائد ہیں کبھی کبھار ضرورت کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں، ان میں نصف برتن تو صرف شادی بیاہ کے موقع پر ہی استعمال میں آتے ہیں، کچھ برتن گھر کی زینت کیلئے بھی ہیں۔

(۲) بچوں کے کھلونے جو نمائش کے طور پر شیشے میں رکھے ہوئے ہیں، زینت کیلئے اس میں چند کھلونے کئی سال سے رکھے ہوئے ہیں، اس میں کچھ کھلونے ایسے ہیں، جس سے سال بھر میں کبھی کھیل لیا ورنہ اسی میں رہتے ہیں؟

(۳) کپڑے جو ضرورت سے زائد رکھے ہوئے ہیں، دو دو سال یا کم وبیش ہو جاتے ہیں جن کو استعمال کرنے کی نوبت نہیں آتی ہے؟

(۴) عطر جو ضرورت سے زائد نمائش کے طور پر شیشے میں رکھا ہوا ہے، بہت کم استعمال میں آتا ہے؟

(۵) جس کا ذاتی کتب خانہ ہو جس میں کتابیں رکھی ہوئی ہیں، وہ برائے فروخت نہیں ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

(۶) قیمتی قلم اور قیمتی گھڑی جو کبھی کبھار استعمال میں آتی ہیں، بقیہ وقت محفوظ رہتی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ گھریلو سامان میں زکوٰۃ کن کن چیزوں پر واجب ہے تفصیل سے وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: ملک محمد ابراہیم بن ہاشم، خضر آباد،
نسواں اشٹریٹ تملناڈ، میل وشارم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تمام اموال میں زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے دو صفتوں میں سے ایک صفت کا اس مال کیساتھ متصل ومتصف ہونا لازم ہے۔

(۱) نمو وبڑھوتری کی صفت ، اور یہ صفت حقیقی بھی ہوسکتی ہے ، جیسا کہ سائمہ جانوروں میں توالدوتناسل ، اور حکمی بھی ہوسکتی ہے ، جیسا کہ سونا چاندی گھر میں رکھا ہوا ہو چاہے زیورات کی شکل میں کیوں نہ ہوں ، حکمی طور پر ان میں نمو سمجھا جاتا ہے ، اسی طرح وہ روپیہ پیسہ جو محض جمع کررکھا ہے ، تجارت میں نہیں لگایا ہے اس میں بھی رکھے ہوئے ہونے کی حالت میں صفت نمو کا حکم ہے ۔

(۲) تجارت : جن اموال میں یہ صفت موجود ہے ، ان کی بھی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے ، اگر چہ تجارت میں ایک پیسہ کا بھی نفع نہ ہو تب بھی رأس المال پر زکوٰۃ واجب ہے ، اور مال تجارت میں ہر طرح کا مال شامل ہے ، لہٰذا جن اشیاء میں ان دونوں صفتوں میں سے کوئی بھی صفت نہ ہو یعنی نہ نمو کی صفت ہو اور نہ ہی تجارت کی صفت ہو تو ایسی اشیاء میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے ، چاہے گھر میں بیکار کیوں نہ پڑی ہوئی ہو ، اب دیکھنا یہ ہے کہ سوالنامہ میں جتنی چیزوں کا ذکر ہے ان میں ان دونوں صفتوں میں سے کوئی صفت موجود ہے یا نہیں ، اب سائل خود غور کرکے دیکھ لے کہ سائل کی سوال کردہ چھ چیزوں میں سے کسی بھی چیز میں ان دونوں صفتوں میں سے کوئی بھی صفت موجود نہیں ہے ، لہٰذا صرف شادی بیاہ میں استعمال ہونے والے برتن اور بچوں کے کھلونے اور نمائش کی چیزیں اور ضرورت سے زائد استعمالی کپڑے اور شیشی میں رکھا ہوا عطر اور ذاتی کتب خانہ کی کتابیں ان میں سے کسی میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے ، اسلئے کہ مذکورہ اشیاء میں نہ تو نمو کی صفت ہے اور نہ ہی تجارت کی صفت ہے ، فقہاء کی عبارتیں ملاحظہ فرمایئے :

دليلنا لأن الزكاة عبارة عن النماء وذلك من المال النامي على التفسير الذي ذكرناه وهو أن يكون معداً للإستنماء وذلك بالإعداد للإسامة في المواشي والتجارة في أموال التجارة . (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في دين الزكاة زكريا ۲/ ۹۲)

ليس فيما يشترى للتجمل والزينة من خادم ومتاع ولؤلؤ وجوهر

وفلوس للنفقة شئی. (تاتار خانیه، کتاب الزکاة، الفصل الثالث فی بیان زکاة عروض التجارة زکریا۳/۱۷۳، رقم: ۴۰۳۱، ۲/۲۴۴)

ولیس فی دور السکنیٰ وثیاب البدن وأثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰة لأنها مشغولة بالحاجة الأصلیة ولیست بنامیة أیضا وعلیٰ هذا کتب العلم لأهلها. (هدایه، کتاب الزکاة المکتبة الأشرفیة ۱/۱۸۶)

وقال صاحب الهامش تحت هذه العبارة: لو لم یکن من أهلها ولیست هی للتجارة لایجب فیها الزکوٰة أیضا، وإن کثرت لعدم النماء. (حاشیة هدایة نمبر۱۸)

لأن الوجوب فی الکل باعتبار التجارة یعنی أن سبب وجوب الزکاة ملک النصاب النامی والنماء أما بالإسامة أو بالتجارة. (عنایه، کتاب الزکاة، باب زکاة المال فصل فی العروض قدیم ۲/۲۲۲، زکریا ۲/۲۲۹، کراچی ۲/۱۶۹)

النماء إما تحقیق یکون بالتوالد والتناسل والتجارات أو تقدیری یکون بالتمکن من الاستنماء بأن یکون فی یده أو ید نائبه لأن السبب هو المال النامی فلا بدمنه تحقیقاً أو تقدیراً. (مجمع الانهر کتاب الزکاة، قدیم بیروت ۱/۱۹۳، جدید ۱/۲۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۲۵ھ

زائد برتن وشوکیس وغیرہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انسان کی ضرورت کے علاوہ کے برتن وشوکیس وغیرہ کی چیزوں میں زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: محمد زبیر مومن ورش پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: استعمالی شوکیس برتن وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وليس فى دورالسكنىٰ وثياب البدن وأثاث المنازل ... زكوٰة لإنها مشغولة بحاجته الأصلية . (شامی، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند ۳/۱۷۸، کراچی ۲/۲۶۲، هدايه، جيسور كتاب الزكاة ۱/۱۸۶)

ومنها فراغ المال (إلىٰ قوله) وكذا طعام أهله وما يتجمل به من الأواني إذا لم يكن من الذهب والفضة الخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب الاول فی تفسیر ها وصفتها و شرائطها زکریا ۱/۱۷۳، جدید ۱/۲۳٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۶۵ ۱۳)

دیگچی برتن وغیرہ حوائج اصلیہ میں داخل ہیں

سوال: [۴۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیگچی اور برتن وغیرہ حوائج (ضروریات) میں سے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد طارق، مدرس ہدایت العلوم، مدار پور، پوسٹ: چتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دیگچی برتن وغیرہ سونے چاندی کے نہیں تو وہ حوائج ضروریہ میں داخل ہیں زکاۃ کی ادائیگی میں ان چیزوں کی قیمت نہیں لگائی جائیگی۔

وبهذا الشرط خرجت الثياب التى لاتراد لتجارة سواء كان صاحبها محتاجاً إليها أولا وأثاث المنزل والحوانيت والعقارات والكتب لأهلها

أو غير أهلها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/ ۲۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

ملک تام کی تعریف

سوال: [۴۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ملک تام وجوب زکوٰۃ کیلئے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ ملک تام سے کیا مراد ہے؟

المستفتي: مجاہد الاسلام، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شئی میں مالک کو ملکیت اور قبضہ دونوں حاصل ہوجائیں، اس پر ملک تام کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور اگر صرف ملکیت حاصل ہوجائے، لیکن قبضہ حاصل نہ ہو جیسا کہ قبضہ سے قبل طے شدہ مہر کی عورت مالک ہوجاتی ہے لیکن مہر پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت تامہ عورت کو حاصل نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر مال پر قبضہ تو ہوجائے لیکن ملکیت درحقیقت اپنی نہ ہو بلکہ کسی اور کی ہو تو ایسی صورت میں بھی ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ قرضدار شخص جو مال کما کر قبضہ کرتا ہے، یا ہبہ وغیرہ کے توسط سے اس کے قبضہ میں آتا ہے، تو ایسی صورت میں قرضدار کے قبضہ میں تو مال آگیا لیکن مال کیساتھ قرض خواہ کا حق بھی لاحق ہوجاتا ہے، اور اس کے ذریعہ سے قرض ادا کرنا اس پر واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا اس مال کا مالک درحقیقت قرض خواہ ہی ہوا کرتا ہے، اسلئے مقروض کے حق میں اس مال میں ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی ہے اسی وجہ سے مقروض پر اس مال کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوتی ہے۔

ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك

کملک المکاتب والمدیون لاتجب فیه الزکوٰة . (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب الاول فی تفسیرها و صفتها و شرائطها ۱/۱۷۲، جدید ۱/۲۳۳، ومثله فی الجوهرہ النیرة، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند ۱/۱۳۷، قدیم کراچی ۱/۱۳۹)

ترجمہ: ملک تام وہ ہے کہ جس میں قبضہ وملکیت دونوں جمع ہوجائیں، اور بہرحال جب صرف ملکیت حاصل ہو اور قبضہ نہ ہو جیسا کہ قبل القبض عورت کا مہر یا قبضہ حاصل ہو لیکن ملکیت نہ ہو جیسا کہ مکاتب اور مدیون کی ملکیت تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۳۶)

حولان حول کے بعد زکاۃ واجب ہوتی ہے

سوال: [۴۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس شروع سال سے مثلاً شوال سے ۵؍تولے سونا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے شعبان میں چل کر اس کو دو تولہ چاندی یا پچاس روپئے اور مل گئے تو کیا اس شکل میں اسکی مالیت نصاب کے بقدر پہونچ جائیگی، ایک شخص شروع سال سے تو غیر صاحب نصاب تھا اب اخیر سال میں اس کے پاس روپیہ آ گیا تو کیا اب سے اس پر سال گذرنا شرط ہے یا شوال میں پہونچ کر اس پر زکوٰۃ فرض ہوجائیگی؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، مقام
وپوسٹ: قصبہ: سیڈھا، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: ایسی صورت میں اس کا شروع سال شعبان سے شمار ہوگا، اب آئندہ سال شعبان تک سونے کے ساتھ چاندی یا روپیہ موجود رہے گا تب اسکی

زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اس سے قبل نہیں، وحال علیہا الحول کا مطلب بھی یہی ہے۔

عن عائشۃؓ قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا زكاة في مالٍ ، حتى يحول عليه الحول . (سنن ابن ماجه، كتاب الزكاة ، باب من استفاد مالًا ، النسخة الهندية ۱/۱۲۸، دارالسلام رقم: ۱۷۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۲۳/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۰ھ

سال کی ابتدا وانتہا میں نصاب مکمل ہونے پر وجوب زکوٰۃ

سوال: [۴۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صورت حال اس طرح سے ہے کہ زید کے پاس کچھ مال دادا الٰہی ہے اور کچھ بذات خود خریدا ہوا ہے، جس میں کچھ زیورات بھی ہیں، اور نقد بھی اور غلہ بھی خرچہ سے زائد رہتا ہے، بعض مرتبہ زید ایک لاکھ روپیہ کا مقروض بھی ہو جاتا ہے، اور بعض موقع ایسا بھی ہوتا ہے کہ زید کا روپیہ دوسروں پر ہوتا ہے قابل طلب امر یہ ہے کہ زید پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس طرح سے ہوگی، اور نہیں تو کس وجہ سے، نیز بیل بھینس کی قسم سے کچھ جانور بھی ہیں اس کو بھی تحریر فرمائیں کہ کون سے مد پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

المستفتي: محمد شعیب، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گھر کے غلوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور سونے چاندی کے زیورات پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اگر شروع سال میں نصاب کے برابر یا اس سے زائد کا مالک ہوتا ہے، اور اسی طرح اخیر سال میں بھی قرض وغیرہ مجری کر کے نصاب یا اس سے زائد باقی رہتا ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اتنے کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے جو اخیر سال میں قرض وغیرہ منہا کرنے کے بعد باقی بچے اور سال کے

درمیان میں قرض وغیرہ کی وجہ سے نصاب سے کم ہو جائے تو اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ونقصان النصاب فی الحول لا یضر إن کمل فی طرفیہ لأنه یشق اعتبار الکمال فی أثنائه الخ. (البحر الرائق ، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ المال زکریا ۲/ ۴۰۰، کراچی ۲/ ۲۲۹، الدرالمختار، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ المال زکریا ۳/ ۲۳۳، کراچی ۲/ ۳۰۲)

اور مذکورہ جانور پر زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت یوں ہے تیس پر ایک سال کی گائے یا بھینس دینا واجب ہے، اور چالیس پر دوسالہ ایک بھینس اور پھر ساٹھ پر ایک سالہ دو بھینس یا گائے ، اور ستر پر ایک سالہ اور دوسالہ ایک واجب ہوگا ، اس سے زائد ہو جائے تو دوبارہ استفتاء لیجئے گا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۷۱)

لیس فی أقل من البقر صدقة فإذا کانت ثلثین سائمة وحال علیها الحول ففیها تبیع أو تبیعة وفی أربعین مسن أومسنة ، فإذا زادت علیٰ أربعین وجب فی الزیادۃ بقدر ذلک إلیٰ ستین ثم فی الستین تبیعان أو تبیعتان وفی سبعین مسنة وتبیع. (ھدایه ، اشرفیه ۱۹۰، ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ۳/ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۳۲)

وجوب زکوٰۃ کیلئے سال گذرنا شرط ہے

سوال: [۴۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے کھاتے (بینک) میں کبھی روپیہ ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا ہے، یعنی جمع ہوتا رہتا ہے، اور ساتھ ہی نکلتا رہتا ہے، کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ زید اپنی تنخواہ سے کچھ ہر ماہ روپیہ نکال دیا کرے تا کہ بعد میں زکوٰۃ نہ نکالنی پڑے؟

المستفتي: شفیع احمد اعظمی ، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ سال پورا ہونے پر ادا کرنا واجب ہوتی ہے، لہٰذا بینک میں روپیہ جمع کرنے میں اور نکالتے رہنے میں یہ دیکھا جائے کہ جس وقت نصاب پورا ہوا ہے، اس وقت آئندہ سال پورا ہونے پر نصاب کے بقدر باقی ہے یا نہیں؟ اگر نصاب کے بقدر باقی ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

عن علي عن النبي ﷺ ببعض أول الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليك شيئ يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون ديناراً، فإذا كانت لك عشرون ديناراً وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فمازاد فبحساب ذلك. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ۱/۲۲۱، دارالسلام رقم: ۱۵۷۳)

عن ابن عمرؓ قال: لاتجب في مالٍ زكاة، حتى يحول عليه الحول، قال محمد: وبهذا نأخذ وهو قول أبي حنيفةؒ إلا أن يكتسب مالاً فيجمعه في مال عنده مما يزكي، فإذا وجبت الزكاة في الأول زكى الثاني معه، وهو قول أبي حنيفةؒ، وابراهيم النخعي رحمهما الله تعالىٰ. (مؤطا امام محمد، كتاب الزكاة، باب المال مت تجب فيه الزكاة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۱/۱۷۳، ۱۷۴، رقم: ۳۲۶)

وحولان الحول وهو في ملكه وثمنية المال كالدراهم والدنانير ...... فتلزم الزكاة كيفما أمسكهما ولو للنفقة وتحته في الشامية، والشرط تمام النصاب في طرفي الحول الخ. (شامي، كتاب الزكاة، كراچی ۲/۲۶۷، زکریا ۳/۱۸۶)

اور ایسی کوئی صورت ہم نہیں بتلا سکتے کہ تنخواہ میں سے کچھ نکالدینے سے زکوٰۃ نہ دینی پڑے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

پہلے عشرہ میں زکوٰۃ نکالنے والے کا دوسرے عشرہ میں جمع کردہ رقم کی زکوٰۃ

سوال: [۴۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے کچھ ساتھیوں نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اپنی زکوٰۃ نکالی اور حج کی رقم ۴۰۰۰۰؍ ہزار روپئے دوسرے عشرہ میں بھیجی، کیا ان لوگوں پورے ۴۰۰۰۰؍ روپئے کی زکوٰۃ دینا لازم ہے؟

المستفتي: حجاج کرام، حلقہ نہٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ہر سال زکوٰۃ نکالنے کا وقت رمضان کا پہلا عشرہ ہے اور پہلا عشرہ گذر جانے تک اس کے پاس وہ پیسہ موجود ہے جس کو حج کیلئے جمع کیا ہے، تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی لازم ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک، ۱۶۰)

ما إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه، فحال الحول، وقد بقي معه نصاب فإنه يزكي ذلک الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضا في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول.

(شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً، زكريا ۳/ ۱۷۹، كراچی ۲/ ۲۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ شوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۲۹ھ

حولان حول کے بعد زکوٰۃ صحیح مال پر

سوال: [۴۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس تین لاکھ روپئے ہیں وہ ان کی زکوٰۃ دیتا ہے اب اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ایک بلڈنگ میں بنیت تجارت دوسرا مالا خرید لیا جیسا کہ بمبئی، کلکتہ وغیرہ میں فروخت ہوتے ہیں،

نیچے کا مالا (منزل) کسی اور نے خرید لیا ہے دوسرا کسی اور نے تیسرا کسی اور نے اب معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ مکان کی زکوٰۃ کس طرح دے گا آیا جب نقد کیش پر حولان حول ہوا سی وقت دے گا، یا جب سے مکان خریدا ہے اسی وقت سے ادا کریگا، ان کے جوابات مدلل نمبرات کے حساب سے دیں، نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبدل جنس کی وجہ سے حول جدید لازم نہیں بلکہ حول قدیم کے اعتبار سے پورے تین لاکھ کی ملکیت کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

لو استبدل مال التجارة بمال التجارة وهي العروض قبل تمام الحول لا يبطل حكم الحول سواء استبدلها بجنسها أو بخلافه بلا خلاف لتعلق وجوب زكوٰتها بمعنى المال وهو المالية والقيمة وهو باق الخ. (شامی، الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم زکریا۳/۲۰۹، کراچی ۲/۲۸۴)

ولا ينقطع حكم الحول لوكان الاستبدال قبل تمامه بل يتحول الوجوب إلى البدل فيبقى ببقائه ويسقط بهلاكه كما نقلناه صريحا عن البدائع فما قيل من أنه لا تجب زكوٰة البدل بهذا الاستبدال بل يعتبر له حول جديد خطأ صريح فافهم. (شامی، الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم زکریا۳/۲۱۰، کراچی ۲/۲۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۰۹)

کیا ایک مرتبہ زکاۃ نکالدینے کے بعد دوبارہ اس مال پر زکوٰۃ نہیں

سوال: [۴۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اہل نصاب ہے زید نے اپنی رقم کی زکوٰۃ اس سال نکال دی اور دوسرے سال اس کے پاس وہی

رقم فاضل رکھی ہے، تو اس رقم کی زکوٰۃ دوسرے سال نکالے یا نہ نکالے زید کہتا ہے، کہ میں نے اسکی زکوٰۃ نکال دی ہے، اب نہیں نکالونگا، اب وہ رقم تین یا چار سال فاضل رکھی رہی تو اس رقم کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ وہ زکوٰۃ دے یا نہ دے؟

المستفتي: بشیر احمد، نرولی نئی بستی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کے پاس جو رقم فاضل رکھی رہی جب تک وہ رقم بقدر نصاب ہے تو اس وقت تک اسمیں سے زکوٰۃ دینا لازم ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی شرط صاحب نصاب ہونا ہے، اور اس پر سال گذر جانا ہے، اور یہ دونوں باتیں یہاں پر موجود ہیں۔

عن عائشةؓ قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا زكاة في مالٍ ، حتى يحول عليه الحول . (سنن ابن ماجه، كتاب الزكاة ، باب من استفاد مالاً ، النسخة الهندية ١/١٢٨ ، دارالسلام رقم: ١٧٩٢ ، مسند البزار ، مكتبة العلوم الحكم ١٨/٢٥٩ ، رقم: ٣٠٣)

وسبب افتراضها ملك نصاب . (شامی ، كتاب الزكاة ، کراچی ٢/٢٦٧ ، زکریا ٣/١٧٤)

اور یہاں پر سال گذر چکا ہے، لہذا زکوٰۃ دینا لازم ہے، اگر ادا نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴/۱/۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۲۹)	۱۴/۱/۱۴۲۱ھ

نصاب زکوٰۃ کی مقدار

سوال: [۴۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کتنے مال پر فرض ہوتی ہے؟

المستفتي: انور جمال، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی ملکیت میں موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱۲ر گرام ۳۶۰ر ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نقد روپیہ پیسہ ہو تو ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۲، کتاب المسائل۲/۱۳۵)

عن أبی سعید الخدری رضـ قال: قال رسول الله ﷺ ليس في ما دون خمس ذود صدقة من الإبل، وليس فيما دون خمس أواق صدقة، وليس فيما دون خمسةأوسق صدقة. (صحيح البخاری، الزكاة، باب زكاة الورق، النسخة الهندية ١/١٩٤، رقم: ١٤٢٧، ف: ١٤٤٧، صحيح مسلم، الزكاة، النسخة الهندية ١/٣١٥، بيت الأفكار رقم: ٩٧٩)

نصاب فضة مائتا درهم بالإجماع. (الموسوعة الفقهية ٢٣/ ٢٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۵۳)

موجودہ اوزان کے اعتبار سے زکوٰۃ کا نصاب

سوال: [۴۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کا وزن موجودہ اوزان (۱۰ر گرام) کے حساب سے کتنا ہوگا تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: حافظ فرقان، تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا نصاب قدیم اوزان کے اعتبار سے ۱۲ر تولہ کے حساب سے ۱/۲-۵۲ر تولہ چاندی ہے اور ۱۲ر ماشہ کا ایک تولہ گیارہ گرام

۶۶۴ر ملی گرام کا ہوتا ہے، تو اس حساب سے ۱۲ر ماشہ کے اور ½ ۵۲ر تولہ ہوئے اور دس گرام کا انگریزی تولہ جو موجودہ زمانہ میں رائج ہے کے حساب سے ۶۱ر تولہ دو گرام تین سو ساٹھ ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت صرافہ سے معلوم کر لی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ رتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۷۷)

سونے، چاندی کا نصاب شرعی موجودہ اوزان کے اعتبار سے

سوال: [۴۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) موجودہ اوزان کے اعتبار سے نصاب چاندی کیا ہے؟

(۲) موجودہ اوزان کے اعتبار سے نصاب سونا کیا ہے؟

(۳) موجودہ اوزان کے اعتبار سے صدقہ فطر کی مقدار کیا ہے؟

المستفتي: مولانا محمد عمر صاحب، نائب مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) چاندی کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۶۱۲ر گرام، ۶۰ ۳ر ملی گرام چاندی ہے۔ (۲) سونے کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۸۷ر گرام، ۴۸۰ر ملی گرام سونا ہے۔ (۳) صدقہ فطر کی صحیح مقدار ۱۳۵ر تولہ گیہوں ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۲/ ۴۲۸) جو موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۴۷ر گرام ۶۴۰ر ملی گرام گیہوں ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۹۲)

جیب میں رکھے ہوئے خرچ کے پیسے بھی نصاب میں شامل ہیں

سوال: [۴۰۹۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس نصاب زکوٰۃ مکمل ہونے میں صرف سو پچاس روپئے کم ہیں یعنی اگر سو پچاس روپئے ملائے جائیں تو نصاب مکمل ہوسکتا ہے، اب جیب میں جو روزمرہ کے اخراجات کیلئے سو پچاس روپئے ہوا کرتے ہیں، ان کو ابتدائے سال سے نصاب میں اگر ملایا جائے تو نصاب مکمل ہوکر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا یا نہیں؟ اور اسی طرح انتہائے سال میں سو پچاس روپئے ملائے جائیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: مشتاق احمد اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نصاب کے مکمل ہونے کے لئے اپنی ملکیت کے سارے پیسے شمار کرنا لازم ہے، اور سو پچاس روپیہ جیب میں جو خرچہ کیلئے رکھے جائیں وہ بھی اس کی ملکیت ہی ہے، اس لئے سال کی ابتدامیں اگرخرچ کے لئے جو جیب میں رکھے گئے ہیں اس کو ملانے کے بعد نصاب پورا ہوجاتا ہے، اسی طرح سال کی انتہامیں بھی سو پچاس روپیہ خرچ کیلئے جو جیب میں رکھے ہوئے ہیں، اس کو ملانے سے نصاب پورا ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے اوپر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے، بس شرط یہ ہے کہ درمیانی سال میں کوئی ایسا وقت نہ گذرا ہو جس میں اس اس کی ملکیت میں کچھ بھی نہ رہا ہو بلکہ سال کے درمیان میں اس کے پاس کچھ نہ کچھ ضرور رہا ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۴/۳۰۱، فتاویٰ عثمانی ۲/۶۲)

ولنا: أن كمال النصاب شرط وجوب الزكاة فيعتبر وجوده في أول الحول وآخره لا غير لأن أول النصاب وقت انعقاد السبب وآخره وقت ثبوت الحكم فأما وسط الحول فليس بوقت انعقاد السبب ولا وقت ثبوت الحكم فلا معنىٰ لاعتبار كمال النصاب فيه، إلا أنه لا بد من بقاء شيءٍ من

النصاب الذی انعقد علیه الحول لیضم المستفاد إلیه : الخ. (بدائع الصنائع ، کتاب الزکاة ، بیان ما یقطع حکم الحول ومالا یقطع زکریا ۲/ ۱۰۰)

وثمنیة المال کالدراهم والدنانیر لتعینها للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزکاة کیف ما أمسکهما ولو للنفقة . (الدر مع الرد زکریا ۳/ ۱۸٦، کراچی ۲/ ۲٦۷، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الزکاة دارالکتاب دیو بند/ ۷۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/ ۱۴۳۴ھ

موجودہ دور کے تولہ کے حساب سے سونے کا نصاب آٹھ تولہ سات گرام ۴۸۰ ملی گرام ہے

سوال: [۴۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ڈیڑھ سال سے میرے پاس اپنی شادی کے تقریباً آٹھ تولے کے زیورات سونے کے ہیں، اور میری آمدنی قریب ایک ہزار روپیہ ماہانہ ہے، جس میں میرا خرچ پورا ہو جاتا ہے، آمدنی سے کوئی پیسہ نہیں بچ پاتا ہے اس لئے برائے مہربانی آپ یہ بتائیں کہ میں زکوٰۃ کس صورت میں ادا کروں؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد یونس قریشی محلّہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : سونے کا نصاب ۱۲/ ماشہ کے تولے کے حساب سے ½۷/ تولہ ہے جس کا وزن ۱۰/ گرام کے تولہ حساب سے آٹھ تولہ سات گرام ۴۸۰/ ملی گرام ہوتا ہے، اگر آپ کے پاس اتنا سونا ہے، تو بازار سے قیمت معلوم کرکے ہزار میں

۲۵؍روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ نکالیں اور اگر سونا اس سے کم ہے، اور تھوڑی سی چاندی بھی ہے، یا کچھ روپیہ ہے تو سونے کی قیمت کو چاندی کے نصاب میں لیجا کر ہزار میں ۲۵؍روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ نکالیں اور ۱۰؍گرام کے تولہ سے ۶۵؍روپیہ فی تولہ کے حساب سے ۳۹۸۰؍روپیہ چاندی کا نصاب بنتا ہے، اور اگر سونا مذکورہ وزن سے کم ہے اور چاندی بالکل نہیں ہے، نیز روپیہ بھی بالکل نہیں ہے، اور سال گذرنے پر تنخواہ کا روپیہ بھی نہیں ہے تب زکوٰۃ واجب نہیں ورنہ واجب ہوگی۔

عن عمرو بن يعلي فذكر الحديث نحو حديث الخاتم قيل لسفيان: كيف تزكيه؟ قال تضمه إلى غيره. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب الكنز ما هو زكاة الحلى، دارلسلام/ ۲۹۲، رقم: ۱۵۶۶)

عن عبيد الله بن عبيد قال: قلت لمكحول: يا أباعبد الله إن لي سيفاً فيه خمسون و مائة درهم فهل علي فيه زكاة؟ قال: أضف إليه ماكان لك من ذهب وفضة، فإذا بلغ مأتي درهم ذهب و فضة فعليك فيه الزكاة. (المصنف لابن أبي شيبة، الزكاة فى الرجل تكون عنده مائته درهم وعشرة دنانير مؤسسه علوم القرآن ۶/ ۳۹۳، رقم: ۹۹۷۹)

وتضم قيمة العروض إلى الذهب والفضة وكذا يضم بعضها إلىٰ بعض وإن اختلف أجناسها (قوله) وكذلك الذهب والفضة بالقيمة حتى يتم النصاب عند أبى حنيفهؒ كماإذا كان معه مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة درهم فعليه الزكوٰة عند أبى حنيفةؒ الخ. (الجوهره، النيرة، كتاب زكاة العروض، دارالكتاب ديوبند/ ۱۵۱، ۱/ ۱۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۹۵)

کیا دورِ حاضر میں سونے کے نصاب کو انفع للفقراء قرار دیا جاسکتا ہے؟

سوال: [۴۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت اسلامی نے انسان پر سونے، چاندی، کرنسی، اور مال تجارت میں زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے، فی زمانا یہ چاروں چیزیں زیادہ لوگوں کے پاس موجود رہتی ہیں، اور لوگ اس کی زکوٰۃ ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔

سونے اور چاندی کا نصاب تو منصوص ہے کرنسی اور مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے اور حرمان زکوٰۃ کیلئے مستقل نصاب نہیں ہے، اس کے لئے معیار سونے اور چاندی کا نصاب ہے۔ البتہ سونے اور چاندی میں چاندی کا کرنسی سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہا جیسا کہ ہمارے اکابر نے اس کی وضاحت کی ہے، نیز سونا بھی براہ راست کرنسی باقی نہیں رہا لیکن اب بھی کس کسی ملک کی کرنسی کی قدر متعین کرنے میں سونے کا اہم رول ہوتا ہے، اسے دنیا کے تمام مرکزی بینکوں میں ایک اہم محفوظ سرمایہ مانا جاتا ہے، دنیا کے مختلف ممالک سونے کے محفوظ ذخیرہ کی وافر مقدار رکھتے ہیں، تاکہ ان کی کرنسی مضبوط رہے، اور خاص ڈالر کے مقابلہ میں کمزور نہ ہو جائے، خلاصہ یہ ہے کہ کرنسی کی قدر کا کچھ نہ کچھ تعلق اور ربط اب بھی باقی ہے۔

موجودہ دور میں چاندی کی قیمت میں ایسا انحطاط پیدا ہو گیا کہ اب چاندی کا نصاب زکوٰۃ ۶۱۲ر گرام چاندی بہت معمولی ہو گیا، اب اس وقت چاندی کا نصاب ہندوستان میں ۳۰ر ہزار روپئے میں پورا ہو جاتا ہے، جبکہ سونے کا نصاب دو لاکھ سے بھی متجاوز ہے، تو ان حالات میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر کوئی شخص فقط سونے کا مالک ہو تو سونے کے مکمل حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی؟

اگر کوئی چاندی کا مالک ہو تو چاندی کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی؟

اگر کچھ مقدار چاندی اور کچھ مقدار سونا ہو تو حضرات صاحبین کے مسلک کے مطابق ضم بالقیمت کے بجائے ضم بالاجزاء کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟ امام صاحبؒ نے

جس دور میں ضم بالقیمت کا اعتبار کیا تھا، اس میں سونے اور چاندی کی قیمت کے درمیان توازن تھا، یعنی دوسو درہم چاندی اور بیس دینار سونے کی قدر برابر تھی، موجودہ حالات اس سے بالکل مختلف ہے۔

کرنسی اور مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے نیز حرمان زکوٰۃ کیلئے سونے اور چاندی کے نصاب میں سے کس نصاب کو معیار قرار دیا جائے؟ اس سلسلہ میں امام صاحبؒ کا مسلک انفع للفقراء بتایا جاتا ہے، کسی دور میں چاندی کا نصاب ضرور انفع للفقراء تھا لیکن اب دیکھا جائے تو چاندی کے نصاب کی قدر بہت ہی کم ہے، نیز فقر اور غناء کا تعلق عرف واحوال سے ہے، ہر زمانے کے حالات کے لحاظ سے اس زمانہ کے لوگوں کی ضروریات ہوتی ہیں، خود فقہاء نے حاجات اصلیہ کو متعین کرنے میں ان کو ملحوظ رکھا ہے، اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو آج ایک سرکاری ملازم کی تنخواہ چاندی کے نصاب سے زیادہ ہوتی ہے، نیز ثمنیت کا پہلو سونے میں بہ مقابلہ چاندی کے زیادہ ہے، نیز لوگوں کے تعامل اور قیمت کے استحکام کے اعتبار سے سونے کا چلن بھی زیادہ ہے، اس کی قدر سے شریعت کا منشاء بھی پورا ہوتا ہے، کہ فقراء پر زکوٰۃ واجب نہ ہو، اغنیاء پر واجب ہو، اور فقراء زکوٰۃ سے محروم نہ ہوں، اغنیاء محروم ہوں، تو کیا کرنسی اور مال تجارت میں بجائے چاندی کے سونے کو معیار بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ دور حاضر میں چاندی کا نصاب فقراء کیلئے انفع ہے یا نہیں؟

آگے رمضان المبارک آرہا ہے مسلمانوں کی اکثریت اس ماہ میں اپنی زکوٰۃ ادا کرتی ہے، لوگ برابر تعین نصاب کے سلسلہ میں شک وشبہ میں مبتلا رہتے ہیں، کہ زکوٰۃ کس معیار والے آدمی کو دی جائے، اکثریت کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر مالیت تو رہتی ہے تو اس صورت حال میں ”**تغير الأحكام بتغير الزمان**“ کے پیش نظر سونے کے نصاب کو انفع قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: نثار احمد، گودھرا، خادم: جامعہ رحمانیہ گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح سونے اور چاندی میں زکاۃ کا حکم منصوص

ہےاسی طرح مال تجارت میں بھی زکاۃ کا حکم منصوص ہے،حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن سمرة بن جندب قال: أما بعد! فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع . (ابوداؤد ، الزكاة ، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكاة ، النسخة الهندية ۲۱۸/۱ ، دارالسلام رقم:۱۵٦۲ ، سنن دار قطنی ، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱۱/۲ ، رقم: ۲۰۰۸)

عن ابن عمر قال ليس فى العروض زكاة الاما كان للتجارة . (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، دار الفكر ٦٤/٦ ، رقم: ۷٦۹۸)

ہاں البتہ سونے اور چاندی کا نصاب الگ الگ طور پر منصوص ہے اوراموال تجارت کا نصاب مستقل طور پر منصوص نہیں ہے، بلکہ اس کو سونے اور چاندی کے نصاب کے ساتھ ملانے کا حکم ہے،اوراسی سے کرنسی کا نصاب بھی ثابت ہوجاتا ہے،حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبيد الله بن عبيد قال قلت لمكحول ياأباعبد الله إن لى سيفا فيه خمسون ومأة درهم فهل علي فيه زكاة ؟ قال: أضف إليه ما كان لک من ذهب و فضة فإذا ابلغ مائتى درهم ذهب وفضة فعليک فيه الزكاة .

(المصنف لابن أبي شيبة ، مؤسسه علوم القرآن ۳۹۳/٦ ، رقم: ۹۹۷۸ ، ۹۹۷۹)

عن حماس قال مر علي عمر فقال أد زكاة مالک قال قلت: مالي مال أزكيه إلا فى الخفاف والأدم قال قومه وأد زكاته . (مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمى ۹٦/٤ ، رقم: ۷۰۹۹ ، دار قطنی ، دارالکتب العلمیه بیروت ۱۰۹/۲ ، رقم: ۱۹۹۹)

اور یہ کہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہیکہ اکابر نے کرنسی کو چاندی کے ساتھ نہیں جوڑا ہے؛ بلکہ اکابر سے اس سلسلے میں یہی بات ثابت ہے، کہ کرنسی کو چاندی کے ساتھ جوڑا جائے ، ملاحظہ فرمائیے: (رحمۃ اللہ الواسعہ ۶۳/۴ ،فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳۹۳/۹)

اور یہ بات بھی قابل تردد ہے کہ کرنسی کا تعلق صرف سونے سے ہے چاندی سے نہیں، بلکہ ہماری معلومات کے مطابق بعض ملکوں کی کرنسی کا تعلق سونے سے ہے، جیسا کہ کویت ،

بحرین، مسقط کے دینار، برطانیہ کا پاؤنڈ، یورو، ڈالر اور امریکن ڈالر وغیرہ ان کا تعلق سونے سے ہے، اور سعودی ریال، امارات متحدہ کا درہم اور برصغیر کے روپئے کا تعلق چاندی سے جڑا ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیے: (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴/۶۳)

جمهور الفقهاء يرون وجوب الزكاة في الأوراق المالية لأنها حلت محل الذهب والفضة في التأمل ويمكن ...... صرفها بالفضة بدون عسر.

(الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ۱/۶۰۵، مكمل /۳۳۵)

اور آج کے زمانہ میں چاندی اور سونے کی قیمت میں پچھلے زمانہ کے مقابلے میں زیادہ تفاوت ہے، اور انفع للفقراء کا اعتبار ہر زمانہ میں کیا گیا، اور آج بھی انفع للفقراء کا اعتبار کیا جائے گا، اور انفع للفقراء چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے ہی میں ہے، اس لئے چاندی کے نصاب کا اعتبار کر کے زکاۃ دینا لازم ہے، اور جب سونا اور چاندی دونوں کا نصاب مکمل نہ ہو تو سونے کے نصاب کو چاندی کے نصاب کے ساتھ ملا کر زکاۃ دینا لازم ہوگا، اور سائل کا یہ کہنا کہ ایک سرکاری ملازم کی تنخواہ بھی پچیس تیس ہزار روپیہ ہوتی ہے، تو صحیح بات یہ ہے کہ جس کی تنخواہ پچیس تیس ہزار روپیہ ہے وہ فقیر نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس کو چاندی کے نصاب کے بقدر سالانہ نصاب پورا ہونے پر زکاۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اور یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ کسی دور میں چاندی کا نصاب انفع للفقراء تھا، اور آج یہ بات نہیں ہے؛ بلکہ آج کے دور میں بھی چاندی کا نصاب ہی انفع للفقراء ہے، مثلاً چاندی کا نصاب اگر تیس ہزار روپیہ میں پورا ہوتا ہے، اور سونے کا نصاب ڈھائی لاکھ روپیہ میں پورا ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ہندوستان میں اگر پانچ کروڑ افراد چاندی کے نصاب کے مالک ہیں اور پچاس لاکھ افراد سونے کے نصاب کے مالک ہیں تو انفع للفقراء کس میں ہے، خود ہی غور فرمائیے، پانچ کروڑ افراد زکاۃ نکالنے والے ہوں تو فقراء کا زیادہ فائدہ ہے یا پچاس لاکھ افراد زکاۃ نکالنے والے ہوں تب فقراء کا زیادہ فائدہ ہے، ظاہر بات ہے کہ جب پانچ کروڑ افراد زکاۃ نکالنے والے ہوں تب فقراء کا زیادہ فائدہ ہے، اس لئے امام

صاحب کے قول پر ہی فتویٰ دینا لازم ہوگا، لہٰذا چاندی کے نصاب کے جولوگ مالک ہوجائیں اورزکاۃ ادا نہ کریں تو وہ گنہ گار ہوں گے، اورسونے کے نصاب کوانفع قرار دینا خلاف واقعہ اور بداہت کاانکار ہے۔

وعن أبي حنفيةؒ أنه يقوم بما فيه إيجاب الزكاة حتى إذا بلغ بالتقويم بأحد هما نصاباً ولم يبلغ بالآخر قوم بما يبلغ نصاباً ، وهو إحدى الروايتين عن محمدؒ ، ولو كان بالتقويم بكل واحد منهما يبلغ نصاباً، يقوم بما هو أنفع للفقراء من حيث الرواج ، وإن كانا فى الرواج سواء يتخير المالک ، وفى شرح الطحاوى : فأما فى بلادنا اليوم يقوم عروض التجارة على كل حال بالدراهم لأن النقد عندنا هوالدراهم .

(تاتار خانية ،زكريا ديوبند۳/ ١٦٤، ١٦٥، رقم: ٤٠٠٠)

يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا. (شامى، زكريا۳/ ٢٣٤، كراچى ٢/ ٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۳۴ھ

درمیان سال میں لائے ہوئے مال تجارت پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۰۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ہر سال رمضان میں زکاۃ ادا کرتاہوں اس سال رمضان سے دو مہینے پہلے میں دو لاکھ کا مزید مال لایا ہوں، تو رمضان میں اس نئے مال کی زکاۃ بھی دینی ہوگی؟

نیز یوم الأ دامیں جتنا مال موجود ہے اس پورے مال کا حساب لگا کرزکاۃ دینی ہوگی؟

المستفتي: محمد ادریس، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان سے دومہینہ پہلے تجارت کی غرض سے جو مال آپ لائے ہیں، بقیہ مال تجارت کے ساتھ اس کوشامل کر کے رمضان میں اسکی بھی زکاۃ نکالنی ضروری ہے۔

عن ابن عباسؓ: فی الرجل یستفید مالاً؟ قال: یزکیه حین یستفیده. (المصنف لإبن أبي شيبه، كتاب الزكاة، من قال يزكيه إذا استفاده، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/ ٤٨١، رقم: ١٠٣٢٦)

والمستفاد وسط الحول یضم إلی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الأصل وفی الشامی قوله ولو بهبة أو إرث: أدخل فیه المفاد بشراء أو میراث. (شامی، کتاب الزکاۃالغنم، مطلب محمد امام فی اللغة واجب التقلید فیها من أقران سیبویه کراچی ٢/ ٣٠٧، زکریا ٣/ ٢١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۱۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

سال کے درمیان اضافہ شدہ پر بھی زکوٰۃ لازم

سوال: [۴۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس پانچ لاکھ روپئے ہیں، اس نے سال پورا ہونے پر ان پیسوں کی زکوٰۃ نکالی، لیکن اگلے سال درمیانی سال میں مزید دولاکھ کا اضافہ ہوگیا، سوال یہ ہے کہ اگلے سال یہ شخص پانچ لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرے یا سات لاکھ کی جبکہ ان دولاکھ پر ابھی پورا سال نہیں گذرا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس شخص کے ذمہ پورے سات لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہوگی، سال میں حاصل شدہ دولاکھ پر اگرچہ سال نہیں گذرا لیکن یہ دولاکھ

روپئے ان پانچ لاکھ کے تابع ہونگے جن پر سال گزر چکا ہے اور مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۳۱۰/۹، میرٹھ ۵۲/۱۴)

فمن ملک مأتی درهم وحال الحول وقد حصلت في أثنائه أو في وسطه مائة درهم يضمها إليه ويزكي عن الكل. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة دارالكتب العلميه بيروت ۳۰۷/۱، مصرى قديم ۲۰۷/۱، ۲۰۷/۱، كذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الغنم زكريا ۶۲/۲، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱۷۵/۱، جديد ۲۳۷/۱، هدايه، كتاب الزكاة، فصل فى الغنم، اشرفيه ديوبند ۱۹۳/۱، بدايع، كتاب الزكاة زكريا ۹۶/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۷/۴۰)

ضم نصاب کی صورت میں مزکی کا سونے چاندی یا ان کی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سعید کے پاس بقدر نصاب چاندی بھی ہے، اور سونا بھی ہے، یا دونوں ملا کر بقدر نصاب ہے، تو سونے چاندی کی زکوٰۃ الگ الگ اور دونوں ملے ہوئے کی زکوٰۃ کس طرح نکالے آیا سونے چاندی کی قیمت نکالکر اس روپیہ کی زکوٰۃ کا چالیسواں حصہ نکالے یا سونے چاندی ہی کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ نکالے، اگر سونے چاندی کی بھی زکوٰۃ نکالے تو زیورات کی زکوٰۃ نکالنے کی کیا ترکیب ہوگی؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: منظور عالم قاسمی، مدرس مدرسہ باب العلوم، بابوگنج، ضلع: پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سعید کو اختیار ہے چاہے سونے چاندی کا

چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالے اور چاہے چالیسویں حصہ کی قیمت زکوٰۃ میں ادا کرے، یہی زیورات کا بھی حکم ہے!

وجاز دفع القيمة في زكوٰة وعشر وخراج وفطرة الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم زكريا ديوبند ۳/ ۲۱۰، كراچی ۲/ ۲۸۵، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، قديم/ ۳۹۰، دارالكتاب ديوبند/۷۱)

ويجوز دفع القيم في الزكاة عندنا، ويعتبر فيهما أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً، ولو أدى من خلاف جنسه يعتبر القيمة بالإجماع. (هنديه، زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۸، جديد ۱/ ۲۴۳، ۲۴۰، مجمع الأنهر، دارالكتب العلميه بيروت ۱/ ۳۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۱/۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۶۴)

مال نصاب پر گذشتہ برسوں کی زکاۃ

سوال: [۴۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۱۹۳۷ء میں ہوئی، مجھے اندازاً ۱۴/ تولہ سونا دونوں طرف ملا، میرے شوہر کی آمدنی قلیل تھی جس کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ ہوسکی میں بھی ادا نہیں کرسکی ۱۹۵۲ء میں لڑکے کی شادی میں ڈیڑھ تولہ سونا دیدیا، اس کے بعد ۱۹۶۳ء میں لڑکی کی شادی میں دو تولہ زیور سونا دیدیا، اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں میرا لڑکا میرے زیور کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے لیکن ۱۹۳۷ء سے ۱۹۷۵ء تک کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکی مہربانی کرکے مجھے شرعی حکم دیا جائے کہ اس سلسلہ میں کیا مسئلہ ہے یہ بات بھی واضح رہے کہ زیور کا وزن میں نے انداز سے لکھا ہے، امید کہ اس سے زائد نہیں ہوگا؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتیه: رحینہ بیگم، ولد سرفراز صدیقی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ پر ۱۹۳۷ء سے ۱۹۷۵ء تک کی زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۹۹)

البتہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ ۱۴؍ تولہ میں اول سال کیلئے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کر دیا جائے پھر دوسرے سال کیلئے چالیسواں منہا کے ماباقی میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیں اس کے بعد جو بچے گا اس میں سے چالیسواں حصہ پھر تیسرے سال کیلئے زکوٰۃ میں دیں اس طرح ۱۹۵۲ء تک کرتے چلے آئیں پھر مابقیہ میں سے اولاً ڈیڑھ تولہ منہا کرلیا جائے، اس کے بعد جو بچے گا، اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکال لیا جائے، پھر بعد والے سال کیلئے مابقیہ میں سے چالیسواں زکوٰۃ میں نکال دیا جائے، اس طرح ۱۹۶۳ء تک کیلئے کرتے جایئے، پھر ۱۹۶۳ء میں دو تولہ منہا کرلیا جائے، اس کے بعد جو بچے گا اس میں چالیسواں حصہ ۱۹۷۴ء کیلئے نکال لیا جائے، پھر ۱۹۷۴ء میں ڈھائی تولہ منہا کرلیا جائے، اس کے بعد جو بچے مابقیہ حساب میں ہوگا، مذکورہ طریقہ سے ادا کرنا ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۶۵، احسن الفتاویٰ ۴/۲۶۴)

المستفاد: عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفانؓ ، كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه ، حتى تحصل أموالكم فتؤد منها الزكاة ، قال محمد : وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ، ففيه زكاة وثلث مائتا درهم ، أو عشرون مثقالاً ذهباً ، فصاعداً ، وإن كان الذى ، بقى أقل من ذلك بعد مايدفع من ماله الدين ، فليست فيه الزكاة ، وهو قول أبي حنيفةؒ

(مؤطا امام محمد ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، اشرفيه ديوبند ١/ ١٧٢، ١٧٣، رقم: ٣٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۸۱)

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں

سوال: [۴۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مال پر ۴؍سال گزر چکے ہیں، اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہے، تو اب اس مال پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

المستفتي: عقیل احمد، حسن پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی گذشتہ چار سال کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی واجب ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۶۰)

تجب زکوته ما مضٰی من السنین و النا س عنه غافلون الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال زکریا دیوبند ۳/۲۳۶، کراچی ۲/۳۰۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۹۰)

حج کے لئے رکھے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نفلی حج کا ارادہ ہے اور اس نے کافی محنت سے حج کیلئے روپیہ کمایا ہے، اور اس روپیہ پر حولان حول ہوجاتا ہے، تو جس طرح نفل نماز کی نیت باندھنے کے بعد اگر نماز توڑ دی جائے تو اس کا پڑھنا واجب ہوجاتا ہے، تو کیا اسی طرح حج کی نیت سے حج کا پیسہ جمع کر کے اس پر زکوٰۃ ہوگی، یا حج واجب ہوگا، جبکہ اس روپیہ پر سال گھوم جائے؟

المستفتي: امام جامع مسجد، دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج کیلئے جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے، اور اس پر سال

گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے، اور اگر زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بسہولت حج ادا کرنے کیلئے رقم موجود ہو تو حج کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا دونوں فرض ہوجاتا ہے۔

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول، وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول.

(شامی ، کتاب الزکوٰۃ ، مطلب فی زکوٰۃ ثمن المبیع وفاءً، زکریا دیوبند ۳/ ۱۷۹، کراچی ۲/ ۲۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر صفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۲/ ۱۴۱۳ھ

حج کی منظوری پر جو رقم جمع نہیں ہوئی اس کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حج کیلئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ اسمیں سے کچھ رقم حج کمیٹی میں جمع کردی گئی ہے، اور منظور بھی ہوگئی ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آچکا ہے اور اسمیں سے کچھ اپنے پاس باقی ہے تو ان میں سے کس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص اگر پہلے سے صاحب نصاب ہے ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا آیا ہے، تو جو رقم حج کمیٹی میں جمع کردی گئی ہے، اور حج کی منظوری بھی آچکی ہے تو جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور جو رقم اس نے جمع نہیں کی ہے، اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اور اگر مذکورہ شخص پہلے سے صاحب نصاب نہیں تھا، تو اگر بقیہ رقم بقدر نصاب ہے تو سال پورا ہونے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۱۶۰، کتاب المسائل ۲/ ۲۱۶)

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه

نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي ،وإن كان قصده الإنفاق منه ايضاً فى المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول .
(شامی ، كتاب الزكوٰة ، مطلب فی زكوٰة ثمن المبيع وفاءً زكريا۳/۱۷۹، كراچی ۲/۲٦۲)

وتجب الزكوٰة في كل مالٍ سواء كان نامياً فاضلاً عن الحاجة الأصلية أو لا . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكوٰة ،مراتب الديون ، زكريا ۲/ ۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۵۳)

حج کمیٹی میں دی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک صاحب پر حج فرض ہے انھوں نے حج کمیٹی میں مثلاً جمادی الاخریٰ میں مکمل رقم دولاکھ جمع کردی ، یہ صاحب ذیقعدہ کی کسی تاریخ کو روانہ ہوں گے، اور رمضان کی ۲۱/ تاریخ پر زکوٰۃ نکالتے ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ اپنے فرض حج کی ادائیگی کیلئے جمع کردہ دولاکھ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اگر ہاں تو کیوں اور نہ تو اسکی وجہ بھی بتلا دیجئے؟

(۲) مندرجہ مسئلہ میں حج کمیٹی کے بجائے پرائیویٹ ٹور ہو تو مسئلہ پر کوئی فرق پڑے گا؟

(۳) مندرجہ بالا صورت میں بجائے مکمل رقم کے ڈاون پیمنٹ کے طور پر کچھ رقم دی گئی ہو اور بقیہ رقم بعد میں ادا کرنے کی بات ہو تو کیا مابقیہ رقم پر زکوٰۃ آئیگی؟ براہ کرم واضح فرمائیں، کہ مابقیہ رقم کی حیثیت کیا ہے؟ نیز اگر بکنگ کرالی ہو لیکن رقم بالکل نہ دی ہو تو کیا حکم ہے؟

(۴) اوپر ذکر کردہ شکلوں میں فرض حج نہ ہو بلکہ نفل حج ہو، عمرہ ہو یا تفریحی تجارتی سفر ہو تو کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: مفتی عبد الرشید نعمانی، دار الافتاء والارشاد، شبھاس نگر، اندھیری ایسٹ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:(۱) جب رمضان آنے سے پہلے دولاکھ روپیہ حج کے نام سے جمع کردیے ہیں اور حج کی منظوری بھی آ گئی ہے تو ایسی صورت میں اس جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ وہ خرچ ہو چکا ہے، زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ رقم اس کی ملکیت سے خارج ہو چکی ہے، اور وجوب زکوٰۃ کیلئے ملک تام کا ہونا لازم ہے۔

(۲) حج کمیٹی کے بجائے اگر پرائیویٹ ٹور میں حج کیلئے رقم جمع کردی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ یہاں بھی اگرچہ مال پر ملکیت باقی ہے لیکن قبضہ جو وجوب زکوٰۃ کی شرط ہے نہ ہونے کی وجہ سے اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۱۶۱، محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۳۲۷)

ومنها الملک التام هو ما اجتمع فيه الملک واليد وأما إذا وجد الملک دون اليد كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملک كملک المكاتب والمديون لاتجب فيه الزكوٰة الخ. (هنديه، كتاب الزكوٰة، الباب الأول في تفسير ها وصفتها وشرائطها ۱/ ۱۷۲، جديد ۱/ ۲۳۳، ومثله في الجوهرة النيره، كتاب الزكوٰة، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۳۹)

(۳) مندرجہ بالا صورت میں بجائے مکمل رقم جمع کرنے کے ڈاؤن پیمنٹ کے طور پر کچھ رقم جمع کی ہے، اور بقیہ رقم بعد میں ادا کرنیکی نیت سے اپنے پاس رکھ رکھی ہے، اور وہ مال نصاب تک پہونچتا ہے اور اس پر سال بھی گذر گیا ہے، تو جتنی رقم جمع کر چکا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور مابقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر بکنگ کرادی لیکن رقم بالکل ادا نہیں کی تو کل مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۴) مذکورہ مسئلہ میں فرض حج ہو یا نفل سفر عمرہ ہو یا تفریحی یا تجارتی سفر سب میں وہی حکم ہوگا، جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، کہ جتنی رقم جمع کر چکا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اور جو رقم باقی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ جو رقم زر مبادلہ کی بعد میں واپس

ملے گی، اس پر دین قوی ہونے کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک /۱۶۰، کتاب المسائل ۲/ ۲۱۶)

إذا أمسكة لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلک الباقي، وإن كان قصدهٗ الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلىٰ حوائجه الأصلية وقت حولان الحول الخ. (شامي، كتاب الزكوٰة مطلب في زكوٰة ثمن المبيع وفاءً زكريا ۳/ ۱۷۹، كراچی ۲/ ۲٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۷ھ

حج کیلئے بھیجی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم اپنی زکوٰۃ کا حساب رمضان کے آخری عشرہ میں لگاتے ہیں، اسی وقت ہمارا سال پورا ہوتا ہے، اس سال ہم حج کے لئے جارہے ہیں، ہم نے شروع میں رمضان سے کئی مہینے پہلے دس ہزار سات سو روپئے حج کے فارم کے ساتھ جمع کردیئے تھے، اور باقی مکمل رقم رمضان کے شروع میں بھیج دی معلوم یہ کرنا ہے، کہ کیا ان ۵۸۰۰۰؍ ہزار روپئے کی زکوٰۃ ہم نکالیں یا اس رقم میں سے جو رقم ہم کو حج پر جاتے ہوئے واپس ملے گی، صرف اس کی زکوٰۃ نکالیں شرعاً کیا فیصلہ ہے؟

المستفتي: حجاج کرام، حلقہ نہٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، تو آخری عشرہ تک جس رقم پر ملک تام حاصل ہوگی، صرف اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لہٰذا سعودیہ ریال کی شکل میں جو کرنسی واپس ملنی یقینی ہوتی ہے، وہ چونکہ دین قوی

میں شامل ہوتی ہے، اسلئے اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ (مستفاد: ندائے شاہی، اکتوبر ۲۰۰۸ء)

ومنها الملک التام وهو ما اجتمع فيه الملک واليد وأما إذا وجد الملک دون اليد كالصداق قبل القبض، أو وجد اليد دون الملک كملک المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكاة. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ١/ ١٧٢، جديد ١/ ٢٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ شوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۰/۱۸ھ

پرائیویٹ ٹور کو حج کیلئے دی گئی رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کے ارسال کردہ جواب سے حج کمیٹی اور دیگر ٹور ایجنٹ حضرات کی حیثیت کا تعین ہوگیا کہ وہ ایک حیثیت سے بکنگ کرانے والوں کے وکیل ہیں، الحمد للہ بندہ کا نظریہ بھی یہی تھا، بس کسی معتمد کی تائید کی ضرورت تھی، ان کی حیثیت کے متعین ہوجانے سے ایک بات طے ہوجاتی ہے، کہ ان کے پاس جمع کردہ رقم ''امانت'' ہے خواہ رقم پوری ہو خواہ کم وبیش ہو، لہذا پرائیویٹ ٹوروں میں رقم جمع کرنے کے بعد جب تک رقم ٹکٹ کی خریداری کاغذات کی تیاری، ہوٹل میں بکنگ وغیرہ میں صرف نہیں کی گئی ہے، تب تک اس کی امانتی حیثیت اگر برقرار ہے، اور اسی دوران کسی کا سال زکوٰۃ مکمل ہوجائے، تو ضابطہ کے مطابق زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے، ہاں البتہ اگر جمع کردہ رقم پر تصرفات ہو چکے ہیں، تب تو زکوٰۃ کا مسئلہ نہیں ہے، چنانچہ بعض حضرات چھ آٹھ ماہ قبل اور اب تو پرائیویٹ ٹوروں میں سال دو سال پہلے بھی مکمل یا نصف رقم دے کر بکنگ کرا لیتے ہیں، اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ ہر کسی کا سال زکوٰۃ رمضان ہی میں پورا نہیں ہوتا بلکہ درمیان سال میں

کبھی بھی حولان حول ہوسکتا ہے، اسلئے اس طرح کی صورتیں پیش آسکتی ہیں، بلکہ آتی ہیں کہ رقم علیٰ حالہ بغیر کسی تصرف کے باقی ہے، اور سال مکمل ہوگیا تو کیا اب بھی رقم کی امانت والی حیثیت کے علی الرغم صرف اس بنیاد پر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جانا درست ہوگا، کہ رقم ملکیت سے خارج ہوچکی ہے، اور مذکورہ ممکنہ صورتوں کے باوجود علی الاطلاق صرف رقم جمع کردینے سے ہی عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم کردینا صحیح ہوگا یا ان کی وجہ سے احکام میں فرق ہوکر تفصیل ناگزیر ہوگی؟

واضح رہے کہ احکام میں تفصیل کا خانہ صرف پرائیویٹ ٹوروں سے متعلق ہے خواہ حج وعمرہ کے ہوں، یا سیاحتی اور تجارت کے ہوں، حج کمیٹی سے متعلق نہیں کیونکہ ہماری اپنی معلومات کے مطابق قرعہ اندازی میں نام نکل آنے کے بعد جب وقت مقررہ پر رقم جمع کردی جاتی ہے، تو اگلے سارے مراحل حکومتی سطح پر طے ہونے کی وجہ سے فوراً روبہ عمل ہوجاتے ہیں، اس لئے ان میں زکوٰۃ علی الاطلاق واجب ہوگی، جیسا کہ آنجناب کا جواب بھی ہے، نیز دوسری گذارش یہ ہے، کہ پرائیویٹ ٹور والوں کے پاس جمع کردہ رقم سے اگر ٹکٹ، ہوٹل بکنگ وغیرہ امور انجام دیئے جاچکے ہوں لیکن انہیں صرف ڈاؤن پیمنٹ یا نصف رقم مثلاً ادا کی گئی ہو، بقیہ رقم کی ادائیگی باقی ہو جس کا دینا ضروری ہو اور اتنی رقم پاس موجود بھی ہو جو بقدر زکوٰۃ بھی ہو اور اسی اثناء میں زکوٰۃ کا سال مکمل ہوجائے، تو چونکہ اس بقیہ رقم کو ادا کرنا حولان حول کے وقت بھی ضروری ہے، اس لئے شامی کی تصریح:

بخلاف ما إذا حال الحول وهو مستحق الصرف إليها. (شامی، زکریا ۳/۱۷۹، کراچی ۲/۲۶۲)

کے پیش نظر زکوٰۃ لازم نہیں ہونی چاہئے، ممکن ہے کہ علامہ شامیؒ کی بیان کردہ عبارت کے سمجھنے میں بندہ غلطی کررہا ہو، یا مسئلہ مجوث فیہا پر اس کا انطباق درست نہ ہو اس لئے جناب والا سے درخواست ہے کہ کچھ توجہ منعطف فرما کر دونوں گذارشات کے سلسلہ میں بندہ کی رہنمائی فرما کر ممنون ہوں؟

المستفتي: بندہ عبدالرشید عفی عنہ نعمانی، بمبئی ایسٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱) پرائیویٹ ٹوروالوں کے پاس پیسہ جمع ہوجانے کے بعد جب تک پیسوں کی آسانی سے واپسی کا اعتماد باقی رہے، اس وقت تک اس پیسہ پر زکاۃ کا حکم لاگو ہوگا اور واپسی کا اعتماد ختم ہوجانے کے بعد وہ پیسہ خرچہ میں شمار ہوجائیگا۔

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضا لعدم استحقاق صرفه إلىٰ حوائجه الأصلية وقت حولان الحول . (شامی، کتاب الزكوٰة ، مطلب في زكوٰة ثمن المبيع وفاءً كراچى ٢/٢٦٢، زكريا ٣/١٧٩)

(۲) جس شخص نے پرائیویٹ ٹوروالوں کو نصف رقم دیدی ہے اور بقیہ نصف رقم دینی باقی ہے، اور پرائیویٹ ٹور والوں نے ان کے ٹکٹ اور ہوٹل بکنگ وغیرہ کروادیئے ہیں تو مابقیہ رقم حاجی یا سیاحی پر قرض ہوگئی جس کا اسے پرائیویٹ ٹوروالوں کو ادا کرنا لازم ہے، اور ضروری ہے اس لئے اس بقیہ رقم پر زکاۃ واجب نہ ہوگی۔

عن السائب بن يزيد ، قال: سمعت عثمان يخطب وهو يقول: إن هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤده ، ثم ليؤد زكاة مافضل. (مصنف عبد الرزاق ، الزكاة ، باب الزكاة إلا في فضل ، المجلس العلمي٤/٩٢، رقم: ٧٠٨٦)

ومهنا الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق ، قبل القبض أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكاة . (هنديه، كتاب الزكاة ، الباب الاول في تفسيرها وصفتهاوشرائطها زكريا١/١٧٢، جديد١/٢٣٣)

فارغ عن الدين والمراد دين له مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم أو لله تعالىٰ . (مجمع الأنهر ، كتاب الزكاة ، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٨٦، مصرى قديم١/١٩٣، شامی، كتاب الزكاة ، مطلب الفرق بين السبب والشرط

والعلة زکریا ۳/ ۱۷۶، کراچی ۲/ ۲٦۰، هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/ ۱۷۳، جدید ۱/ ۲۳٤، عنایه ۲/ ۱٦۰، خانیه ۱/ ۲٥٥، جدید ۱/ ۱٥۷، البحر الرائق، کتاب الزکاة ، فصل فی مال التجارة ۲/ ۲۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۹ھ

گروپ لیڈر کے پاس جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال [۴۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گروپ کے ذریعہ حج پر جانیکا ارادہ ہے گروپ لیڈر رمضان کے بعد کارروائی شروع کریگا، لیکن اس نے حاجی سے رجب میں روپیہ وصول کر کے جمع کرلیا ہے، اگر اتفاقاً منظوری نہ ہوئی تو ساری رقم واپس آجائیگی اور گروپ لیڈر کے پاس نصف شوال تک یہ رقم محفوظ رہتی ہے، اور حاجی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ پروگرام کینسل کر کے روپیہ واپس لے لے تو ان روپیوں پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گروپ لیڈر کے پاس جمع شدہ رقم ابھی حج کی ضروریات میں خرچ نہیں ہوئی ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آچکا ہے، اور اس جمع شدہ رقم کا واپس لینا ممکن ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر وہ رقم گروپ لیڈر کے پاس نہ ہو اس نے حج کی کارروائی میں لگادی تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

لو دفع إلی إنسان ودیعة ثم نسی المودع فإن کان المدفوع إلیه من معارفه فعلیه الزکوٰة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، الشرائط التی ترجع إلی المال زکریا ۲/ ۸۹)

لا تجب الزکوٰة إلا بثلاث شرائط کمال النصاب وحولان الحول

و التمکن فی الأداء . (مبسوط سرخسی ، کتاب الزکاة، وفیه زکاة الإبل ، دار الکتب العلمیه بیروت ۲ /۱۷٤)

إذا أمسکه لینفق فیه کل ما یحتاجه فحال الحول وقد بقی معه منه نصاب ، فإنه یزکی ذلک الباقي وإن کان قصده الإنفاق منه أیضاً فی المستقبل ، لعدم استحقاق صرفه إلی حوائجه الأصلیة وقت حولان الحول. (شامی، کتاب الزکاة ، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاءً زکریا۳/ ۱۷۹، کراچی ۲/ ۲٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۳ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۳)

حج کمیٹی کی واپس کردہ رقم کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے اپنی حج کی پوری رقم زکوٰۃ کا حساب لگانے سے پہلے حج کمیٹی آف انڈیا کو بھیج دی تھی، لیکن حج پر جانے سے پہلے بیماری کی وجہ سے کینسل کی درخواست دیدی اب جب ہماری یہ رقم حج کمیٹی واپس کرے گی تو کیا اس پر سال آئندہ زکوٰۃ آئے گی، یا جو رمضان گذر رہا ہے اسی کی زکوٰۃ دی جائے گی، اس سلسلہ میں تفصیل سے وضاحت فرمادیں؟ امسال بھی اور ہر سال حج پر جانے والوں کے سامنے زکوٰۃ کے یہ مسائل پیش آتے ہیں؟

المستفتي: حجاج کرام، حلقہ نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب یہ رقم واپس ہوجائیگی تو پوری کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہوجائیگی۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۱۶۰،۱۶۲)

إذا أمسکه لینفق فیه کل ما یحتاجه فحال الحول وقد بقی معه منه

نصاب ، فإنه يزكي ذلك الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل ، لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول. (شامي، كتاب الزكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً زكريا۳/ ۱۷۹، كراچي ۲/ ۲٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/شوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۲۱-۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۲۹ھ

مال حرام پر زکوٰۃ اور حج کا حکم

سوال: [۴۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض اوقات کسی شخص کے پاس مال حرام اس مقدار میں جمع ہوتا ہے، کہ حج کو کافی ہو مگر یہ سمجھتا ہے، کہ یہ تو مال حرام ہے، اس میں حج کرنا اور بھی زیادہ برا ہے، اور مال حلال میرے پاس ہے نہیں اس لئے میرے ذمہ حج فرض نہیں اور یہ ہی خیال بعض لوگوں کا زکوٰۃ میں بھی ہے، پس یہ لوگ نہ حج کرتے ہیں، نہ زکاۃ دیتے ہیں، سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مدار فرضیت حج وزکاۃ خاص مقدار مال کا مالک ہونا ہے، اس کے حلال ہونے کا فرضیت میں دخل نہیں اسلئے ایسے شخص کے ذمہ حج اور زکاۃ دونوں فرض ہیں، اس مسئلہ کا حکم بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد شریف، مسلم فنڈ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مال حرام پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے، اس میں سے چالیسواں حصہ نکال کر کے زکاۃ کے نام پر دینا درست نہیں ہے اور مال حرام کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے کسی بھی عنوان سے وہاں واپس کر دیا جائے، اور اگر واپسی کے لئے کوئی راستہ نہ ہو تو ایسی مجبوری میں کل کا کل بغیر نیت ثواب نادار فقیروں میں تقسیم کر دینا واجب ہے، اور زید کا یہ کہنا کہ مال حرام سے زکاۃ نکالی جائے درست نہیں ہے۔

وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه فيها ، وإن بلغت نصاباً لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكاة عندنا. (شامی، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکوٰۃ الغنم، مطلب فی التصدق من مال الحرام زکریا۳/۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۱، منحة الخالق علی البحرالرائق، کتاب الزکوٰۃ ، کوئٹه ۲/۲۰۵،زکریا۲/۳۶۰، الفتاویٰ التاتار خانیه، کتاب الزکوٰۃ، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكوٰة زکریا۳/۳۳۳، رقم: ۴۲۱۸)

لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكاة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه و مثله فى البزارية قال فى الشرنبلالية: وبه صرح فى شرح المنظومة : ويجب عليه تفريغ ذمته ، برده إلىٰ أربابه إن علموا وإلا إلىٰ الفقراء . (منحة الخالق علی البحرالرائق، کتاب الزکوٰۃ ، کوئٹه ۲/۲۰۵، زکریا ۲/۳۵۹، ۳۶۰، ومثله فی الطحطاوی علی الدر ، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنم ، کوئٹه۱/۴۰۴)

اور مال حرام سے حج کرنا بھی جائز نہیں ہے، لیکن اگر حج کو جائے گا اور مکہ معظّمہ پہونچ کر کے وقوف عرفہ اور طواف زیارت ، وقوف مزدلفہ، رمی جمرات اور سعی وغیرہ کرلیتا ہے، تو فریضہ حج اس کے اوپر سے ساقط ہوجائے گا ،مگر عنداللہ مقبول نہیں ہوگا ، اور زکاۃ اور حج میں فرق یہ ہیکہ کہ زکاۃ خالص مالی عبادت ہے اس لئے سرے سے اس کی زکاۃ ادا ہی نہیں ہوتی ہے اور حج اصلاً بدنی عبادت ہے مگر مکۃ المکرّمہ تک رسائی کے لئے زادِراہ اور مال بھی لازم ہوجاتا ہے، لہذا حج میں مال ثانوی درجہ میں ہے، اور ادائے نسک اولی درجہ میں ہے جو بغیر مال کے بھی ادا ہوجاتا ہے، جیسا کہ اگر کوئی مکہ کا رہنے والا پیدل حج کرلیتا ہے، تو بلاشبہ حج ادا ہوجاتا ہے، اس میں مال کی ضرورت نہیں پڑتی تو اس لئے اگر مال حرام کے ذریعہ سے مکہ تک رسائی ہوجائے پھر اس کے بعد ارکان حج وہ ادا کرلیتا ہے، تو فریضہ حج ساقط ہوجائیگا، مگر مال حرام کے ذریعہ سے وہاں تک رسائی کی وجہ سے اس کا حج قبول نہیں ہوگا، اب اس تفصیل سے زکاۃ اور حج کے درمیان فرق سمجھ میں آ گیا ہوگا،

اور سائل کا یہ کہنا کہ فرضیت حج وزکاۃ دونوں کا مدار خاص مقدار مال کا مالک ہونا ہے، چاہے مالِ حرام ہو یا حلال درست نہیں ہے۔

وقدرة زادٍ وراحلة .... فلا تجب بإباحة ولا بمالٍ حرام لكن لو حج به جاز لأن المعاصي لاتمنع الطاعات ، فإذا أتى بها لا يقال إنها غير مقبولة.

(الدر المنتقىٰ ، كتاب الحج، ۱/۳۸۵، ۳۸۶)

يجب عليه أن يهيء الزاد ونفقة الطريق من وجه حلالٍ ويحذر الحرام. (المسالك في المناسك بيروت ۱/۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۰۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۱۹ھ

مالِ حرام کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ نامہ ندائے شاہی شمارہ مئی ۹۳ء میں رشوت اور مال حرام کی زکوٰۃ کے مسئلہ سے ایک مسئلہ اور ذہن میں آیا بلکہ سالوں سے اسپر غور تھا، بینک کے سود کی اگر وضاحت ہوجائے تو بہتر تھا، جو لوگ بینک میں رقم جمع کر کے ایف ڈی کرا لیتے ہیں، اور وہ رقم دوگنی اور پھر تین گنی ہوجاتی ہے، اسپر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بیاج والی رقم پر واجب ہے یا اصل رقم پر؟

المستفتي: محمد یونس، امام جامع مسجد، احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بینک کی سودی رقم اور ایف ڈی اور جیون بیمہ وغیرہ میں جو اضافہ سود ملتا ہے، وہ سب مال حرام ہیں اور انسان اس قسم کی رقموں کا مالک نہیں ہوا کرتا ہے، اور وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک تام شرط ہے، اس لئے ایسی رقموں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوا کرتی بلکہ پوری کی پوری بلا نیت ثواب صدقہ کردینا واجب ہے۔

لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه. (شامی، کتاب الزکوٰة، باب زکوٰة الغنم، قبیل مطلب فی التصدق من مال الحرام زکریا ۳/۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۲/۱۴۱۴ھ

مال حرام میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات زکاۃ نہ دینے کا یہ عذر کرتے ہیں، کہ صاحب ہمارا مال تو حلال کا ہے نہیں اور حرام مال میں زکاۃ ہی نہیں سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مسئلہ حرام مال میں زکاۃ نہیں علی الاطلاق غلط ہے حرام مال جب اپنے مال میں مل گیا وہ ملک میں داخل ہوگیا گو ملک خبیث ہی ہو اور وجوب زکاۃ کیلئے ملک ہونا شرط ہے طیب ہونا شرط نہیں؟ البتہ طیب ہونا مقبولیت کی شرط ہے، سو زکاۃ واجب ہوگی گو مقبول نہ ہوگی؟

رہا یہ کہ جب قبول نہ ہوگی تو دینے سے کیا فائدہ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا ہے، اس سے محفوظ رہے گا اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں ہوتا بلکہ ثواب سے محرومی رہتی ہے، تو کیا عذاب نہ ہونا اور ثواب نہ ہونا دونوں ایک بات ہیں ہرگز نہیں البتہ جو کسب حرام کا عذاب ہے وہ الگ ہے اس کی نفی نہیں کی جاتی لیکن نہ دینے سے دو عذاب کا استحقاق ہوگا کسب حرام کا الگ اور زکاۃ نہ دینے کا الگ اور اب زکاۃ دینے کے بعد ایک ہی ہوگا تو کیا یہ دونوں بھی یکساں ہیں ہرگز نہیں کیا یہ بیان کردہ مسئلہ صحیح ہے؟

المستفتي: محمد شریف، مسلم فنڈ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مال حرام پر زکاۃ واجب ہی نہیں ہے، اس میں سے

چالیسواں حصہ نکال کر کے زکاۃ دینا درست نہیں ہے، اور مال حرام کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے کسی بھی عنوان سے وہاں واپس کردیا جائے، اور اگر واپسی کیلئے کوئی راستہ نہ ہو تو ایسی مجبوری میں کل کا کل مال بغیر نیت ثواب نادار فقیروں میں تقسیم کردینا واجب ہے اور زید کا یہ کہنا کہ حرام مال میں زکاۃ نہیں علی الاطلاق غلط ہے درست نہیں ہے۔

لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة ؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه، ومثله في البزازية قال في الشر نبلا ليه وبه صرح في شرح المنظومه ويجب عليه تفريغ ذمته برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلىٰ الفقراء. (منحة الخالق على البحرالرائق ، كتاب الزكوٰة ، زكريا۲/۳۵۹، ۳۶۰، كوئٹه۲/۲۰۵، وهكذا في شامي، كتاب الزكوٰة ، باب زكوٰة الغنم ، قبيل مطلب في التصدق من المال الحرام زكريا ديوبند۳/۲۱۸، كراچی ۲/۲۹۱، الفتاویٰ التاتارخانية ، كتاب الزكوٰة الفصل العاشر في بيان مايمنع وجوب الزكوة زكريا ۳/۲۳۳، رقم: ۴۲۱۸)

ولو بلغ المال الخبيث نصاباً لا يجب فيه الزكاة لأن الكل واجب التصدق. (بزازيه على هامش الهنديه، كتاب الزكوٰة ، نوع آخر رجلان دفع كل منهما زكاة ماله إلى واحد زكريا ۴/۸۶، جديد ۱/۵۸)

إنما لا يقبل الله المال الحرام لأنه غير مملوك للمتصدق وهو ممنوع من التصرف فيه الخ. (عمدة القاری ۸/۲۶۹، فتح الباری ۳/۳۷۸)

أما إذا لم يكن له مال وغصب أموال الناس وخلطها ببعضها فلا زكاة عليه ويجب عليه تفريغ ذمته برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلىٰ الفقراء .
(طحطاوی على الدر المختار ، كتاب الزكوٰة ، باب زكوٰة الغنم ، كوئٹه۱/۴۰۴)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث -إلى- ولا يمكنه أن يرده إلىٰ مالكه ، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه ، فليس لهٗ حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء. (بذل ، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، دارالبشائر الإسلاميه ۱/۳۵۹،

سہارن پور قدیم ۱/ ۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۱۹ھ

رشوت اور مال حرام کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مال جو کسی شخص کے قبضہ میں بطور حرام آتا ہے، مثلاً رشوت کا مال بینک کا سود وغیرہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود اور مال رشوت اور مال حرام کا قابض شرعی طور پر مالک نہیں ہوتا ہے اور وجوب زکوٰۃ کیلئے ملکیت تامہ شرط ہے، اسلئے ایسے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی ۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۶، عزیز الفتاویٰ کراچی/۶۲ ۳، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۲۴۲، جدید زکریا ۴/ ۲۵۶، جدید زکریا مطول ۶/ ۱۵۳)

وفي القنية لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه الخ. (شامی کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الغنائم زکریا ۳/ ۲۱۸، کراچی ۲/ ۲۹۱، بزازیه علی هامش الهندیه،

ترجمہ: یعنی مال حرام اگر بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ نادار فقراء پر پورا کا پورا صدقہ کردینا واجب ہے، اور اس کے بعض حصہ کا تصدق کافی نہیں ہے۔

كتاب الزكوٰة، نوع آخر رجلان دفع
كل منهما زكاة ماله إلى واحد زكريا
٤/ ٨٦، جديد ١/ ٥٨)

اور ایسے مال کے بارے میں حکم شرعی اور واجب یہی ہے کہ پورا مال اصل مالک کو واپس کردیا جائے اور اگر اصل مالک تک رسائی ممکن نہ ہو تو بلانیت ثواب نادار فقراء کو صدقہ کردینا واجب ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی/ ۴۵۵)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، دار البشائر الإسلاميه

ترجمہ: یعنی حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ جو شخص بغیر حق کے کوئی مال حاصل کرے جیسا کہ بیوع فاسدہ، اجارہ فاسدہ، اور معصیت اور ممنوع الاجارہ طاعات سے حاصل کرتا ہے، تو تمام صورتوں میں حاصل شدہ مال اس پر حرام ہے وہ اس کا مالک نہیں ہوتا ہے، اگر مالک مل جائے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے، ورنہ فقراء کو صدقہ کردینا واجب ہے۔

۱/ ۳۵۹، سهارن پور قدیم ۱/ ۳۷، ومضمونه فی الشامی، کتاب الزکوٰة ، باب زکوٰة الغنم کراچی ۲/ ۲۹۱، زکریا دیوبند ۳/ ۲۱۸)

اگر حاصل شدہ مال حرام کے بارے میں قابض اصل مالک کو تاوان وغیرہ دیکر بری ہوجاتا ہے، یا اس سے صلح کرکے اس کو راضی کرلیتا ہے، تو ایسی صورت میں علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں، کہ قابض مقبوضہ مال کا مالک ہوجاتا ہے، اوراس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوجاتی ہے۔

لکن علمت أنه لاتجب زکوته إلا إذا استبرأمن صاحبه أو صالح عنه فیزول خبثه الخ. (شامی ، کتاب الزکوٰة ، باب زکوٰة الغنم زکریا ۳/ ۲۱۹، کراچی ۲/ ۲۹۱)

ترجمہ: یعنی لیکن آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ مال حرام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے مگر جب قابض صاحب مال کو عوض وغیرہ دیکر براءت حاصل کرلیتا ہے، یا اس سے صلح کرلیتا ہے، تو خبث اور حرمت ختم ہوجاتی ہے۔

اوراگر مال حرام کو قابض نے اپنے حلال مال کیساتھ مخلوط کردیا ہے، تو اسکی دوشکلیں ہیں، شکل نمبر ایک قابض کے پاس مال حرام کے علاوہ حلال مال بقدر نصاب یا اس سے زائد موجود ہو تو مال حرام کو مستثنیٰ کرکے بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کرنا اس پر واجب ہے شکل نمبر دو قابض کی ملکیت میں مال حرام کے علاوہ حلال مال بقدر نصاب موجود نہیں ہے۔

وإذا لم تتمیز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوک لهٗ لاتجب علیه بمقدار المغصوب وتجب فی الزائد. (تقریرات رافعي ، کراچی ۲/ ۱۳۲، زکریا دیوبند ۳/ ۱۳۲)

ترجمہ: جب مال حرام اور مغصوب کا مملوکہ نصاب سے مخلوط ہونے کی وجہ سے امتیاز نہ کرسکے تو مقدار مغصوب کو مستثنیٰ کرکے بقیہ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۰)

مال حرام کی زکوٰۃ کے بجائے پورا مال صدقہ کردینا لازم ہے؟

سوال: [۴۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس صرف حرام مال ہے، اور وہ یہ کہکر زکاۃ نہیں دیتا کہ مال حرام پر زکاۃ واجب ہی نہیں ہے، تو کیا واقعی مالِ حرام پر زکات واجب نہیں ہے؟ جبکہ دوسرا شخص کہتا ہے کہ اللہ کے یہاں مالِ حرام مقبول نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مالِ حرام کی زکاۃ نکالنے سے فریضہ ادا ہوجائیگا، اورکسب حرام کا گناہ الگ سے ہوگا، اور زکاۃ نہ دینے کی صورت میں زکاۃ نہ دینے کا گناہ بھی ہوگا، اگر زکاۃ دیدیگا، تو ایک ادا ہوجائیگا، مفتی صاحب بتایئے ان میں سے کس کی بات صحیح ہے، اور مال حرام پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: قاری احسان الحق قاسمی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالِ حرام پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اور مال حرام کا حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے، وہاں واپس کردیا جائے، اور اگر واپسی ممکن نہ ہوتو سارا مال غریبوں میں بلانیت ثواب تقسیم کردینا واجب ہے۔

لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة ؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه. (شامی، كتاب الزكوٰة، باب زكوٰة الغنم، قبيل مطلب فى التصدق من مال الحرام زكريا۳/۲۱۸، كراچی ۲/۲۹۱، منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الزكوٰة، زكريا ۲/۳۵۹، كوئٹه ۲/۲۰۵)

من ملك أموالاً غير طيبةٍ أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً، وإن لم يكن له سواها نصابٌ فلا زكاة عليه في تلك الأموال، وإن بلغت نصاباً. (تاتار خانية، كتاب الزكوٰة، الفصل العاشر في بيان

مایمنع وجوب الزکوٰۃ زکریا ۳/۲۳۳، رقم: ۴۲۱۸)

ولو بلغ المال الخبیث نصاباً لایجب فیه الزکاة ؛ لأن الکل واجب التصدق . (بزازیه علی الهندیة ، کتاب الزکوٰة ، نوع آخر رجلان دفع کل منهما زکاة ماله إلیٰ واحد زکریا ۴/۸٦، جدید۱/۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۸۳)

مخلوط مال میں حرام مال واپس کرنے کے بعد مابقیہ پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولانا تھانویؒ کی کتاب اغلاط العوام میں ص/ ۱۲۸، و۴۲ا پر ایک مسئلہ ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ڈرتے ڈرتے آپ کو ارسال کردیا ، جس کا جواب (الف۱۰/۱۱۳۹۵) مجھے مل چکا، کتاب اغلاط العوام اگر ہوتو دونوں مسئلوں کو دوبارہ دیکھ لیا جائے، شاید کاتب سے لکھنے میں غلطی ہوگئی ہو؟

المستفتي: شریف احمد، مسلم فنڈ، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اغلاط العوام فی الحال ہمارے سامنے نہیں ہے، لیکن حضرت تھانویؒ کی بعض تحریر سے وہی بات مترشح ہوتی ہے، جو سائل نے پہلے سوال میں لکھی تھی لیکن امداد الفتاویٰ میں اصلاح تسامح کے عنوان سے اس کا تدارک فرمالیا ہے، کہ اگر سارا مال مال رشوت اور حرام کا ہے، تو پورا مال مالک کو واپس کردینا واجب ہے، اور اگر واپس نہ ہوسکے تو پورا مال بغیر نیت ثواب فقیروں کو دیدینا واجب ہے، اور اگر رشوت اور مال حرام حلال مال کے ساتھ مخلوط ہو چکا ہے، تو مقدار حرام مکمل واپس کردینا یا بلانیت ثواب صدقہ کردینا واجب ہے، اور مقدار حلال اگر نصاب کے بقدر ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی

اوراگر نصاب کے بقدر نہیں ہے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم نہیں ہے، اور امداد الفتاویٰ کے حاشیہ میں بھی اس بات کو واضح کردیا گیا ہے، اس لئے سائل کو اگر اغلاط العوام کی عبارت سے کچھ شبہ ہورہا ہو تو اس کا ازالہ ہوجانا چاہئے، اس لئے کہ اصل حکم شرعی یہی ہے جو ہم نے لکھ دیا ہے ، ملاحظہ ہو۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۱۴-۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

بقدر حلال پر زکوٰۃ - اور بقدر حرام واجب التصدق

سوال: [۴۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کے پاس حلال مال بھی ہے اور حرام بھی، حرام غالب ہے اور حلال مغلوب ہے اور دونوں مل چکے ہیں ایسی صورت میں اسکی زکاۃ کیسے نکالیں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص کے حلال مال کے ساتھ حرام مال مخلوط ہوجائے حرام مال غالب اور حلال مغلوب ہو نیز حلال بقدر نصاب بھی نہ ہو تو اس مال میں زکاۃ واجب نہ ہوگی اور جو مقدار حرام کی ہے اس کا کل مال واجب التصدق ہے، اور اگر حلال بقدر نصاب ہے تو صرف اس حلال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۸۶، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۳۳۱، محمودیہ میرٹھ ۱۴/ ۳۳)

ولذا قالوا: لو أن سلطانا غصب مالاً وخلطه صار ملكا له حتى وجبت عليه الزكاة وورث عنه على قول أبي حنيفة رحمه الله لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك. (البحر الرائق، کتاب الزکوٰۃ، زکریا ۲/ ۳۵۹، کوئٹہ ۲/ ۲۰۵)

لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه لأن الخلط استهلاك - وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل

عنه یوفی دینه ، وإلا فلا زکاة کمالو کان الکل خبیثا. (درمختار ، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنم کراچی ۲/ ۲۶۰، ۲۶۱، زکریا۳/ ۲۱۷)

لـو بـلـغ مـال الـخبـث نـصابا لا یجب فیه الزکاة ، لأن الکل واجب التصدق . (بزازیه علی هامش الهندیه، ، کتاب الزکوٰۃ ، نوع آخر رجلان دفع کل منهما زکاة ماله إلیٰ واحد زکریا ۱/ ۸۶،جدید۱/ ۵۸)

مـن مـلـک أمـوالا غیر طیبة أو غصب أموالاً وخلطها ملکها بالخلط ویصیر ضامنا ، وإن لم یکن سواها نصاب فلا زکاة علیه فی تلک الأموال، وإن بـلـغـت نصاباً لأنه مدیون ومال المدیون لا ینعقد سببا لو جوب الزکاة عـنـدنـا ..... لا بـد أن یـکـو ن مـعه نصاب زائد علی مایوفی دینه لأن ماکان مشغولاً بالدین لا زکاة فیـه ، وإنـمـا یـز کـی مازاد علیه إذا بلغ نصاباً..... وعـلـی هذا فلم تـجب علیه زکاة ما غصبه بل الزکاة ماله الزائد علیه. (منحة الخالق ، کتاب الزکوٰۃ ، زکریا۲/ ۳۶۰، کوئٹه۲/ ۲۰۵، شامی، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنم زکریا۳/ ۲۱۷، کراچی ۲/ ۲۹۱)

وإذا لـم تتمیز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوک له لا تـجب عـلیـه بـمقدار المغصوب وتجب فی الزائد. (تـقـریرات رافعی کراچی ۲/ ۱۳۳، زکریا۳/ ۱۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۶)

حرام وحلال برابر ہو تو زکوٰۃ کیسے نکالیں؟

سوال: [۴۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حلال مال غالب ہے حرام مال مغلوب ہے یا دونوں برابر ہیں تو ایسی صورت میں اس مخلوط مال کی زکاۃ

کیسے نکالیں گے؟ مفصل جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حلال مال غالب اور حرام مغلوب ہو یا دونوں برابر ہوں اور حلال مال بقدر نصاب ہو تو حلال مال سے زکاۃ نکالنا لازم ہوجائیگا، اور بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ لازم نہیں؟ اور حرام حصہ کل کا کل صدقہ کردینا لازم ہوگا؟

لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه لأن الخلط استهلاک – وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه. (شامی ، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنائم زکریا۳/۲۱۷، کراچی ۲/۲۹۱)

لو أن سلطانا غصب مالا وخلطه صار ملكاله حتى وجبت عليه الزكاة– لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاک . (البحرالرائق، کتاب الزکاۃ ، زکریا ۲/۳۵۹، کوئٹہ ۲/۲۰۵)

من ملک أموالا غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير صامناً ، وإن لم يكن سواها نصاب فلا زكوٰة عليه فيها، وإن بلغت نصاباً لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكوة عندنا .

(شامی، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنائم کراچی ۲/۲۹۱، زکریا۳/۲۱۸)

لكن لابد أن يكون معه نصاب زائد على مايوفی دينه لأن ماكان مشغولا بالدين لا زكاة فيه وإنما يزكی مازاد عليه إذا بلغ نصاباً – وعلىٰ هذا فلم تجب عليه زكاة ما غصبه بل زكاة ماله الزائد عليه. (منحۃ الخالق ، کتاب الزکاۃ ، کوئٹہ۲/۲۰۵، زکریا۲/۳۶۰)

فأفاد بقوله : وإن لم يكن لها سواها نصاب الخ، إن وجوب الزكاة مقيد بما إذا كان له نصاب سواها– لكن لا يخفى أن الزكاة حينئذ إنما تجب فيما زاد عليها لا فيها. (شامی، کتاب الزکاۃ ، باب زکوٰۃ الغنائم

زکریا۳/۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۰/۴۰)

حلال کو حرام سے الگ کر کے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حرام مال غالب ہو اور حلال مغلوب ہو اور حلال مال نصاب کے بقدر ہو جب دونوں مخلوط ہو جائیں، تو زکوٰۃ کیسے نکالی جائیگی، اتنا تو معلوم ہے کہ حلال مال نصاب کے بقدر ہے لیکن مقدار کا صحیح علم نہیں تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کیسے نکالی جائیگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کے پاس حرام وحلال دونوں طرح کے مال ہوں دونوں میں اختلاط ہوگیا ہو اور حلال مال بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے تو ایسی صورت میں حلال مال کو حرام سے علیحدہ کر کے اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی، اور اس کی مقدار میں تحری کر کے قلب کے رجحان کے مطابق زکوٰۃ نکالنی ہوگی۔

وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوک لهٗ لاتجب عليه بمقدار المغصوب وتجب فی الزائد. (تقریرات رافعي، کراچی ۲/۱۳۲، زکریا دیوبند۳/۱۳۲)

لابد أن يکون معه نصاب زائد علی مايوفی دينه لأن ما کان مشغولا بالدين لا زکوٰة فيه، وإنما يزکی ما زاد عليه إذا بلغ نصاباً.... وعلی هذا فلم تجب عليه زکوٰة ما غصبه بل زکوٰة ماله الزائد عليه . (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الزکوٰة زکریا ۲/۳۶۰، کوئٹه ۲/۲۰۵)

إن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً بالفراغة من الحاجة . (هدايه، كتاب الزكوٰة ، اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۶)

حلال مال، حرام کے مقابلہ میں مغلوب ہو اور بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ کیسے؟

سوال: [۴۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حرام مال غالب اور حلال مغلوب ہے اور حلال جو مغلوب ہے وہ بھی بقدر نصاب ہے، اور دونوں مخلوط ہو گئے ہیں، تو ان کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائیگی؟ اتنا معلوم ہے کہ حلال مال بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے، لیکن صحیح طور پر مقدار معلوم نہیں ہے، تو اس صورت میں اسکی زکوٰۃ کیسے نکالیں گے؟ جواب سے نوازیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حرام مال غالب اور حلال مغلوب ہو لیکن حلال مال بقدر نصاب ہو تو حلال مال کی زکوٰۃ حرام مال سے الگ کر کے ادا کرنا واجب ہے، اور حلال کی مقدار میں تحری کر کے رجحان قلب کے مطابق زکوٰۃ نکالی جائیگی، اور حرام مال کل کا کل بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا لازم ہے۔ (مستفاد: جدید فقہی تحقیقات نعیمیہ دیوبند ۶/ ۳۴۴)

لابد أن يكون معه نصاب زائد على مايوفي دينه لأن ما كان مشغولا بالدين لا زكوٰة فيه ، وإنما يزكي ما زاد عليه إذا بلغ نصاباً.... وعلى هذا فلم تجب عليه زكوٰة ما غصبه بل زكوٰة ماله الزائد عليه . (البحر الرائق، كتاب الزكوٰة زكريا ۲/ ۳٦۰، كوئٹه ۲/ ۲۰۵)

إن وجوب الزكاة مقيد بما إذا كان له نصاباً سواها لكن لا يخفى أن الزكاة حينئذٍ إنما تجب فيما زاد عليها. (شامی ، كتاب الزكوٰة ، باب زكوٰة الغنم ،

زکریا ۳/۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۱)

وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوك له لاتجب عليه بمقدار المغصوب وتجب في الزائد. (تقريرات رافعي، كراچی ۲/۱۳۲، زکریا دیوبند ۳/۱۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۷)

مالِ مغصوب کی زکاۃ کس پر واجب ہے

سوال: [۴۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپے لئے اور دو سال کے بعد صرف ایک لاکھ روپے واپس کئے اور پچاس ہزار روپیہ دینے سے انکار کردیا تو اس صورت میں ایک لاکھ روپیہ کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ اور بقیہ کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک لاکھ روپیہ جو وصول کیا ہے، اسپر زمانہ گذشتہ کی زکوٰۃ مالک (بکر) پر واجب ہوگی اور پچاس ہزار روپیہ جسکے دینے سے صاف انکار کردیا ہے اور بکر کو وصول کرنیکی کوئی صورت نہیں ہے، اور زید کے ہاتھ میں ان روپیوں پر سال گذر چکا ہے، تو اس کی زکوٰۃ زید پر واجب رہے گی، اور زید سخت گنہگار بھی ہوگا، کیونکہ وہ غاصب کے حکم میں ہوگیا۔

ولو اغتصب رجل ألفاً من رجل فجاء آخر واغتصب الألف من الغاصب (إلى قوله) فحال الحول على مال الغاصبين كان على الغاصب الأول زكوٰة ألفه. (هنديه، كتاب الزكوٰة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها

وشرائطھازکریا ۱/۱۷۳، جدید ۱/۲۳۵، البحر الرائق، کتاب الزکوٰۃ، زکریا ۲/۳۵۹، کوئٹہ ۲/۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۳ھ
(الف فتویٰ رجسٹر خاص)

وقف شدہ معقول فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ ہے یانہیں

سوال: [۴۱۲۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل کے پاس وقف کا معقول فنڈ ہے جوکہ اس نیت سے جمع کیا گیا ہے، کہ خدانخواستہ اگر وقف پر کوئی قانونی ادبار آئے تو اس سے قانونی طور پر مقابلہ آرائی کیلئے سرمایہ ہونے پر ہی لڑا جاسکتا ہے، تو ایسی صورت میں اس پر زکوٰۃ ہوتی ہے یانہیں؟ میرے پاس عزت دار مسلمان ضرورت مند قرض خواہ آتے ہیں، تو اسی رقم میں سے بطور ضمانت زیور رکھکر ان کی ضروریات بغیر کسی مادی منافع کے حل کردی جاتی ہیں، وقت معینہ پر وہ لوگ رقم واپس دے جاتے ہیں، اور اپنی چیز واپس لے جاتے ہیں، میرے ذہن میں صرف ایک خیال یہی رہتا ہے، کہ یہ شخص ضرورت پوری نہ ہونے پر کسی سودی کاروباری کے پاس جائے گا یہ بہت ہی نقصان کا سبب بنے گا، مجھے دراصل یہ پتہ کرنا ہے، کہ شرع میں اس عمل کی کوئی گنجائش ہے یانہیں؟ جواب سے سرفراز فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائل کے پاس وقف کا جومعقول فنڈ ہے وہ بقدر نصاب ہونے اورسال گذرنے کے باوجود اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اسلئے کہ زکوٰۃ انسان کی ملکیت پر واجب ہوتی ہے، اور وقف کی مالیت انسان کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، اسلئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

ومنها الملک فلا تجب الزکوٰة فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک . (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، الشرائط التی ترجع إلی المال کراچی قدیم ۹/۲، زکریا ۸۸/۲، شامی، کتاب الزکاة ، قبیل باب نصاب الإبل زکریا دیو بند۱۹۹/۳، کراچی ۲۵۹/۲)

جب مجبوریوں اورضرورتوں کی بناپر آپ قرض دینا چاہتے ہیں، تو آپ اپنی جیب خاص سے دیں مال وقف میں سے دینے کی صورت میں آپ خائن ہونے کی وجہ سے مستحق تولیت بھی باقی نہ رہیں گے۔

وفی البزازیه : إن عزل القاضی للخائن واجبٌ علیه ومقتضاه الإثم بترکه . (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دارالکتب العلمیه بیروت ۶۰۲/۲، قدیم مصری ۷۵٤/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۷۹/۳۶)

مدارس، مساجد، قومی ورفاہی فنڈ کے مال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس مال کا کوئی مالک معین نہ ہو جیسے مدارس اوراداروں میں جمع ہونے والی رقم ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : مدارس اسلامیہ اورمساجد اوردیگر قومی اوررفاہی فنڈ بیت المال وغیرہ شخص حقیقی نہیں ہے، بلکہ یہ سب اشیاء اشخاص حکمی میں شامل ہیں، اور اسلامی شریعت نے زکوٰۃ کا فریضہ شخص حقیقی کی ملکیت تامہ پرواجب کیا ہے، اور شخص حکمی کی

ملکیت پر واجب نہیں کیا ہے، اسلئے مساجد مدارس قومی فنڈ اور بیت المال وغیرہ کی ملکیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف وخيل المسبلة لعدم الملك وهذا لأن في الزكوٰة تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الشرائط التي ترجع إلىٰ المال زكريا ۸۸/۲، كراچی ۹/۲، الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الإبل، دارالكتاب ديوبند/۱٤۲)

وقف کے جانور اور رفاہی گھوڑے میں شخص حقیقی کی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسلئے کہ وجوب زکوٰۃ کیلئے کسی شخص کو مالک بنا دینا شرط ہے، اور غیر کی ملکیت میں تملیک متصور نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۳۹/۲۸)

صاحب نصاب طالب علم پر زکوٰۃ کا وجوب

سوال: [۴۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید طالب علم ہے، صاحب نصاب بھی ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے، قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد زبیر، مومن داس، پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید اگر صاحب نصاب ہے، تو اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، اور قربانی بھی واجب ہے، اگرچہ وہ طالب علم ہی کیوں نہ ہو۔

وشرط افتراضها عقل وبلوغ وإسلام وحرية (إلىٰ قوله) وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام فارغ عن دين (إلىٰ قوله) وعن

حاجته الأصلية الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة زکریا ۱۷۳/۳، ۱۷٤، کراچی ۲۵۸/۲، ۲۵۹)

الأضحية واجبة على حر مسلم مقيم موسر في يوم الأضحى عن نفسه الخ. (هدايه، کتاب الأضحية، اشرفی بکڈپور دیوبند ٤٤٣/٤، قدیم ٤/۲۲۷)

وشرائطها الإسلام والإقامة واليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر الخ. (الدر المختار مع الشامی، کراچی ۳۱۲/٦)

وملک نصاباً يجب عليه الأضحية. (عالمگیری کتاب الأضحية، الباب الأول فی تفسيرها، وأركانها وصفتها وحكمها، فی بيان من تجب عليه ومن لاتجب زکریاو کوئٹہ ۲۹۲/۵، جدید ۳۳۷/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۷۱/۲۵)

پرائیویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ضلع پریشد کے پرائمری اسکول میں ایک معلم کی حیثیت سے کام کررہا ہوں نوکری کے دوران ہم پر حکومت کی جانب سے ضلع پریشد فنڈ کھولنے کو ضروری قرار دیا جاتا ہے، اس فنڈ کے کھاتے میں ہم کو اپنی تنخواہ کا چھ فی صد حصہ جمع کرانا پڑتا ہے، اس جمع ہونے والی رقم پر حکومت سود بھی دیتی ہے جو کہ ہمارے فنڈ کے کھاتے پر جمع ہوجاتا ہے، اسی طرح ہم اپنی مرضی سے چھ فیصد سے زائد رقم بھی جمع کرتے ہیں، اس طرح جو بھی رقم سال بھر میں جمع ہوتی ہے، اسپر سود اور ایک سال سے پہلے جتنی رقم جمع ہے جس میں پچھلا سود بھی ہوتا ہے، سب کو ملا کر پھر سود دیتی ہے، یعنی سود مرکب کی شکل ہوجاتی ہے، اس جمع شدہ رقم کا ایک تہائی حصہ ضرورت پڑنے پر حکومت سے حاصل کیا جاسکتا ہے، جو دو طریقہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (۱) جتنا روپیہ آپ حکومت سے حاصل کر

رہے ہیں، وہ بطور قرض لیا جائے اور قسط وار دوبارہ اپنے کھاتے پر جمع کر دیا جائے۔

(۲) جتنا روپیہ لے رہے ہیں، وہ واپس نہ کیا جائے، اسی طرح جب حکومت کوئی کمیشن مقرر کرتی ہے، تو اس دوران تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے، اس میں حکومت کچھ رقم ادا کرتی ہے، اور کچھ کھاتے میں جمع کر دیتی ہے، لہٰذا ایسی تمام رقم پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ سود کی رقم کا کیا حکم ہے؟ ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ کا حساب کس طرح کیا جائے گا؟ چھ فیصد یا اس سے زیادہ رقم جو ہر مہینہ فنڈ میں جمع کی جاتی ہے، اس پر زکوٰۃ دی جائیگی؟

المستفتي: فاروقی مجیب الرحمٰن، مؤمن پورہ، ایولہ، ضلع: ناسک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اسی فنڈ کے بینک سے تنخواہ ملتی ہے، اور تنخواہ لیتے وقت چھ فیصد حصہ وضع کر لیا جاتا ہے، تو ملازم کو اس چھ فیصد پر ملک تام حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اس چھ فیصد کی زکوٰۃ دینا ملازم پر لازم نہیں اور چھ فیصد وضع شدہ رقم پر جو اضافی رقم منجانب حکومت ملتی ہے، وہ سود نہیں ہے کیونکہ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے کہ سود اس کو کہا جاتا ہے، کہ آدمی اپنا مملوکہ اپنے اختیار سے جمع کرے اور اس پر اضافہ ملے اور یہاں ایسا نہیں ہوا اور اس اضافی رقم کے ملنے سے پہلے اسکی زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہے، یہ پرائیویٹ فنڈ ہی کی ایک قسم ہے، جب تک اس فنڈ کا پیسہ ملازم کو مکمل مالکانہ طور پر حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک ملازم کو شرعاً اس کا حقیقی مالک نہیں شمار کیا جائیگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ ملازم جب اپنے فنڈ سے پیسہ نکالتا ہے، تو اسے قسطوار واپس جمع کرنا پڑتا ہے، اور سائل نے جو دوسری شکل لکھی ہے کہ جتنا پیسہ نکالا ہے وہ واپس نہیں کرنا ہے، اگر یہ شکل پیش آ جائے تو رقم نکالنے کے بعد ملازم کو اس پر ملکیت تامہ حاصل ہو جائیگی، اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، حاصل یہ کہ جو رقم ملازم کے قبضہ میں آ جائے اسی کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اور جو رقم قبضہ میں نہ آئے قبضہ سے پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں۔

ومنها الملک التام هو ما اجتمع فیه الملک و الید ، وأما إذا وجد الملک دون الید .... أو وجد الید دون الملک ..... لاتجب فیه الزکاة. (هندیه، کتاب الزکاة ، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها و شرائطها ، زکریا ۱/ ۱۷۲ ، جدید ۱/ ۲۳۳)

اور مذکورہ چھ فیصد سے زائد جو رقم ملازم اپنے اختیار سے جمع کرتا ہے، حکماً اس پر ملازم کو قبضہ تام حاصل ہے، اس لئے لازمی طور پر وضع ہونے والی چھ فیصد سے زائد جتنی بھی رقم ملازم اپنے فنڈ میں جمع کریگا، ملازم پر اس رقم کی زکوٰۃ لازم ہوگی ، اور اس پر جو اضافہ ملیگا وہ سود کے دائرے میں داخل ہوگا، اور اس سود والے حصہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ اس پوری سودی رقم کو کسی بھی عنوان سے سرکار کو واپس کرنا لازم ہے، مثلاً انکم ٹیکس ، سیل ٹیکس جائیداد کی رجسٹری اسٹامپ فیس وغیرہ کے عنوان سے حکومت کو جمع کردے اور اگر ان میں سے کوئی شکل نہ ہو تو رقم بغیر نیت ثواب نادار فقیروں کو دینا لازم ہے۔

من اکتسب مالا بغیر حق .... ففی جمیع الأحوال المال الحاصل له حرام .... ویجب علیه أن یرده علی مالکه.......... ویرید أن یدفع مظلمته عن نفسه فلیس له حیلة إلا أن یدفعه إلیٰ الفقراء. (بذل المجهود ، کتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء سهارن پور قدیم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیه ۱/ ۳۵۹)

إذا کان عند رجل مال خبیث ولا یمکنه أن یرده إلی مالکه ویرید أن یدفع مظلمته عن نفسه فلیس له حیلة إلا أن یدفعه إلی الفقراء. (بذل المجهود ، کتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، سهارنپور قدیم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیه ۱/ ۳۵۹)

ینبغی المتصدق الحرام أن یزعم بتصدق المال تخلیص رقبته ولایرجو الثواب منه. (العرف الشذی علی هامش الترمذی، کتاب الطهارة

۱/ ۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۶۸/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۲۶ھ

GPF پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری مدرسین کی تنخواہ سے عوض کرکے جو رقم GPF کے نام پر جمع ہوتی ہے، اس میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

المستفتي: شمساد احمد الاعظمی، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سرکاری مدرسین کی تنخواہ سے عوض کرکے جی پی ایف کے نام پر جمع ہونے والی رقم سے سرکاری پرائیویٹ فنڈ مراد ہے، تو وہ پیسہ جب تک ملازم سرکار سے وصول کرکے اپنی ملکیت میں منتقل نہیں کریگا، اس وقت تک اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ملک تام لازم ہے اور اس میں ملک تام حاصل نہیں ہوتی ہے۔

ومنها الملك التام هو ما اجتمع فيه الملك واليد، وأما إذا وجد الملك دون اليد، كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون، لاتجب فيه الزكوٰة. (عالمگیری، کتاب الزکوٰۃ الباب الاول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/ ۱۷۲، جدید ۱/ ۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۱/ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۳۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱ھ

زکوٰۃ کے مسائل

سوال: [۴۱۲۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) صاحب نصاب شخص پر جس کے پاس صرف ساڑھے سات تولہ سونا ہے اوراس پر سال گذر گیا ہے اس پر کتنی زکوٰۃ فرض ہے؟

(۲) اگرکسی شخص کے پاس ۸ر تولہ سونا ہے، تو کیا وہ شخص ساڑھے سات تولہ سونے کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا پورے ۸ر تولہ کی ادا کریگا؟

(۳) اگرکسی شخص کی مستورات کے پاس دس تولہ سونا ہے، اور ۵ر تولہ سونا مستورات کے روزمرہ استعمال میں ہے، تو کیا وہ ۵ر تولہ سونا زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اور باقی پانچ تولہ پر کتنی زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

(۴) سونے سے اصلی سونا ہے اور بازار میں ۲۲ر کیرٹ سونا زیورات کی شکل میں ملتا ہے، تو کیا زیور کی قیمت ۲۴ر کیرٹ پر لگائی جائیگی، جس پر زکوٰۃ ادا کی جائیگی؟

المستفتي: سید محمود حسن، جونیئر انجینئر، ٹیلی فون، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اسکا چالیسواں یعنی چالیس روپیے میں ایک روپیہ دینا واجب ہے اگر قیمت دی جائے تو ہزار میں ۲۵ر روپیہ حساب ہوتا ہے۔

من ذهب أو ورق ربع عشر الخ. (الدر المختار، الزكاة، باب زكاة المال زكريا ٣/٢٢٤، كراچی ٢/٢٩٨)

(۲) پورے آٹھ تولہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

وقالا: ما زاد بحسابه وهى مسئلة الكسور الخ. (الدرالمختار، الزكاة، باب زكاة المال زكريا٣/٢٢٩، ٢٣٠، كراچی ٢/٣٠٠)

(۳) جو سونا روزمرہ کے استعمال کا ہے، اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، لہٰذا پورے

۱۰ر تولہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا۔

ولو تبراً أو حليا مطلقاً مباح الاستعمال أولا وتحته فى الشامى ماتتحلىٰ به المرأة من ذهب أو فضة. (الدر المختار، الزكاة، باب زكاة المال زكريا۳/۲۲۷، كراچى ۲/۲۹۸)

وفى تبر الذهب والفضة وحليها و أوانيها الزكوٰة . (هدايه، الزكاة، باب زكاة المال، فصل فى الذهب، اشرفى بكڈپوديوبند ۱/۱۹۵)

(۴) اگر ملاوٹ (کیرٹ) سونے پر غالب نہیں ہے تو وہ خالص اور اصلی سونے کے حکم میں ہے اس میں پورے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

وإذا كان الغالب على الورق والفضة فهو فى حكم الفضة الخ. (هدايه، الزكاة، باب زكاة المال، فصل فى الفضة اشرفى بكڈپو ديو بند ۱/۱۹۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۶۴)

والد کی فیملی میں رہنے والی اولاد صاحب نصاب ہو تو دونوں پر زکوٰۃ وقربانی واجب ہے

سوال: [۴۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ایک لڑکا ہے زید نے اپنے گھر کا سرپرست اور مالک زیورات کا نقدی پیسوں کا آمد وخرچ سب کچھ کا اپنے بیٹے کو بنادیا اور سب کچھ اپنے بیٹے کے حوالہ بھی کردیا زید گھر پر کچھ کام وغیرہ نہیں کرتا ہے سب کچھ بیٹا کرتا ہے جبکہ باپ بیٹا شرکت میں ہیں، کھانا رہنا سب کچھ یکجا اور شرکت میں ہے، معلوم یہ کرنا ہیکہ ان حالات میں زکوٰۃ حج قربانی سب کچھ بیٹے پر واجب

ہے یاباپ پراگر بیٹے پرواجب ہےتو '' انت ومالک لابیک'' کا کیا مطلب ہوگا؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی،سیڈھا،بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید کا بیٹا زید کی ہی فیملی میں ہے،اوراسی کے سرمایہ کے بل بوتے پر بیٹے نے کاروبار سنبھالا ہے تو ایسے حالات میں بیٹے کی ساری کمائی باپ کی ملکیت شمار ہوگی ،اوراس سرمایہ میں سے زکوٰۃ نکالنا باپ کے اوپرلازم ہے، اورقربانی بھی باپ پرلازم ہے،ہاں البتہ اگر بیٹے کوالگ سے اتنے سرمایہ کا مالک بنادیا جو نصاب کے برابر یااس سے زائد ہوتو ایسی صورت میں بیٹے کےاوپربھی اس نصاب کی زکاۃ نکالنااورقربانی کرنالازم ہوگا۔

إذا عمل رجل في صنعة واحدة هو ابنه الذي في عياله عند غرسه شجرة فتلك الشجرة للأب لا يشاركه ولده فيها . (شرح المجلة لرستم، اتحاد بکڈپو، دیوبند ۱/۱ ۷٤، رقم: ۱۳۹۸)

أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما مال فالكسب كله للأب ، إذا كان الابن في عيال الأب لكونه معيناً له الخ. (هنديه ، كتاب الشركة ، الباب الرابع في شركة الوجوه زكريا ۲/ ۳۲۹، جديد ۲/ ۳۳۲، شامي، كراچی كتاب الشركة فحصل في الشركة الفاسدة مطلب اجتمعافي دار واحدة واكتسبا الخ ، زكريا ٦/ ۵۰۲، كراچی ٤/ ۳۲۵)

وتتم الهبة بالقبض الكامل لأنها من التبرعات والتبرع لايتم إلا بالقبض . (شرح المجلة لرستم اتحاد بکڈپو، دیوبند ۱/ ٤٦۲)

وتتم بالقبض الكامل لقوله عليه السلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة . (مجمع الأنهر ،كتاب الهبة مكتبة دارالكتب العلمية ۳/ ٤۹۰، شامي،كتاب الهبة ، زكريا ۸/ ٤۹۰، ٤۹۳، كراچی ۵/ ٦۸۸،٦۹۰ ، هدايه ، كتاب

الهبة ، المكتبة الاشرفيه ٣/ ٢٨٣)

ومنها كون المال نصاباً. (هنديه ، كتاب الزكاة ، زكريا ١/ ١٧٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۵۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۵ھ

ایک ہزار روپیہ پر سال گذرنے سے زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس کاشت کی زمین پانچ بیگہ ہے جس میں غلہ دھان گیہوں وغیرہ پیدا ہوتا ہے، اور رہنے کیلئے مکان ہے اور گھریلو ضروریات سامان کے علاوہ نہ بقدر نصاب سونا ہے نہ چاندی ہے نہ دونوں ملاکر بقدر نصاب ہے اور نہ بقدر نصاب روپیہ ہے نہ مال تجارت اور وہ کسی مدرسہ یا اسکول کا مدرس ہے یا ماسٹر ہے جس میں اس کو تین سو روپئے ماہوار تنخواہ ملتی ہے، اوراس کے پاس اپنی زمین کی پیداوار دھان گیہوں اور اتنی تنخواہ سے تمام ضروریات پوری کرنے کے بعد سال بھر میں ایک ہزار روپئے بچے اور اس پر حولان حول بھی ہوا یہی حال بعینہ زید کے دوسرے بھائی کا ہے، اور زید کے تیسرے بھائی بکر کا ہے اور یہ تینوں بھائی جدا جدا کھاتے کماتے زندگی بسر کرتے ہیں، یعنی آپس میں کسی کا کسی سے کوئی تعلق نہیں کیا یہ تینوں بھائی جدا جدا صاحب نصاب ہیں، یانہیں؟ نیز اگر یہ تینوں بھائی یا دو بھائی آپس میں سب چیزوں کیساتھ مل جل کر کھانے کمانے اور رہنے سہنے لگیں تو کیا یہ تینوں بھائی یا دو بھائی ملکر ایک صاحب نصاب ہو سکتے ہیں، یانہیں اور اس بچی ہوئی رقم ایک ہزار روپئے پر کوٰۃ واجب ہے یانہیں؟

المستفتی: منظور عالم قاسمی، مدرس: مدرسہ باب العلوم ،بابو گنج، پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سال گذرنے پر ایک بھائی کے پاس جو رقم بچتی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے بقدر نصاب ہونا شرط ہے، چونکہ فی زماننا ایک ہزار روپئے مقدار نصاب کو نہیں پہونچتے ہیں اسلئے مذکورہ صورت میں کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

وسبب افتراضها ملك نصاب حوليّ الخ. (درمختار، مع الشامی، کتاب الزکاۃ، قبیل مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة زکریا دیوبند۳/۱۷۴، کراچی ۲/۲۵۹)

نیز اگر سب بھائی مل جل کر ایک ساتھ کھاتے پیتے ہیں، اور مال مشترک ہے اور سب کے مال مشترک میں سے سال گذرنے پر ایک نصاب کے بقدر مال بچتا ہے، جس میں سب کا حق ہے تو کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جب تک کہ ہر ایک کے حصہ میں پورا نصاب نہ بچے۔

ولا تجب الزکوٰة عند نا فی نصاب مشترک وفی الشامیة المراد أن یکون بلوغه النصاب بسبب الاشتراک وضم أحد المالین إلی الآخر بحیث لایبلغ مال کل منهما بانفراده نصاباً الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال زکریا دیوبند۳/۲۳۵، کراچی ۲/۳۰۴، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۶۴)

چوبیس ہزار روپیہ پر کتنی زکوٰۃ ہے؟

سوال: [۴۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چوبیس ہزار ۲۴۰۰۰؍روپیہ پر کتنی زکوٰۃ ہوتی ہے، تحریر فرمادیں؟

المستفتي: محمد ناظر تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روپیہ پیسہ میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینالازم ہوتا ہے، لہذا ا ہزار میں ۲۵/روپیہ اور ۲۴/ہزار ۴۰۰/روپیہ زکوٰۃ میں دینالازم ہوگا۔

أخرج ابن ابي شيبة عن عبيدة قال سألت إبراهيم لهٗ مأة درهم وعشرة دنانير؟ قال يزكي من المأة درهم درهمين ونصفا ومن الدنانير بربع دينار قال وسألت الشعبي يحمل الأكثر على الأقل – أو قال:– الأقل على الأكثر فإذا بلغت فيه الزكاة زكاه. (مصنف ابن ابی شيبه، كتاب الزكاة، فی الرجل تكون عندها مائة درهم وعشرة دنانير مؤسسه علوم القرآن ۳۹۳/۶، برقم: ۹۹۷۸)

وفی الخانية: فی كل مأتی درهم خمسة دراهم و فی كل عشرين مثقالاً نصف مثقال. (تاتارخانية، كتاب الزكاة، زكاة المال زكريا ۱۵۵/۳، برقم: ۳۹۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۴۰/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۸ھ

۷۵/ہزار کی مالیت زکوٰۃ جبکہ ۲ ہزار کا مقروض ہو

سوال: [۴۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس پچھتر ہزار روپیہ ہیں، ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے، ان روپیوں کی زکوٰۃ میرے اوپر ۱۷۵۰/روپیہ واجب ہوئی میں دو ہزار روپیہ کا قرضدار ہوں اگر مجھکو زکوٰۃ دینی ہے تو کس حساب سے دینی ہے، کتنے روپیوں کی زکوٰۃ ادا کروں جواب سے نوازیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کے اوپر ۷۵/ہزار روپئے کی

زکوۃ واجب ہے تو ہزار میں ۲۵/روپیہ کے حساب سے ۷۵/ہزار کی ۱۸۷۵/روپیہ زکوۃ بنتی ہے، اور جب آپ دو ہزار روپیہ کے مقروض ہیں تو آپ پر ۷۳/ہزار روپیہ کی زکوۃ نکالنا واجب ہے اور ۷۳/ہزار روپیہ کی زکوۃ ۱۸۲۵/روپیہ بنتی ہے، لہذا آپ پر ۱۸۲۵/روپیہ زکوۃ نکالنا واجب ہے، اور دو ہزار کے مقروض ہونے کی وجہ سے اس کی زکوۃ ۵۰/روپیہ نکالنا واجب نہیں۔

عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤدد دينه ،حتى تحصل أموالكم فتؤدون منها الزكوٰة . (موطا امام مالك، كتاب الزكاة ، باب الزكوٰة فى الدين ، اشرفى بكڈپو ديوبند/۱۰۷)

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان رضـ كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم فتؤدوا منها الزكاة ، قال محمد : وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله فإن بقي بعد ذلك ماتجب فيه زكوٰة ففيه زكاة ، وتلك مائتا درهم أو عشرون مثقالاً ذهباً فصاعدا .... وهو قول أبي حنيفة رحـ . (موطا امام محمد ، كتاب الزكوٰة ، باب زكاة أموالكم ، اشرفى بكڈپو، ديوبند۱/۱۷۳، رقم: ۳۲۳)

ولا مديون مطالب من العباد فى قدر دينه فإنه إذا كان له أربع مائة درهم مثلاً إلى ما قال ولو كان دينه مأتين تجب زكوٰة مأتين .

(مجمع الأنهر، كتاب الزكاة ، قديم ۱/۱۹٤، دارالكتاب العلميه بيروت ۱/۲۸۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۹۱/۳۶)

ڈیڑھ لاکھ روپیہ پر حولان حول کی صورت میں زکوٰۃ کا وجوب

سوال: [۴۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مکان فروخت کیا ڈیڑھ لاکھ میں بغرض خریداری دیگر مکان مگر اب تک اس روپئے کا مکان نہیں خریدا ہے، نیز اس روپئے پر حولان حول بھی ہو چکا ہے، اب صورت مذکورہ میں زید کے اس ڈیڑھ لاکھ روپئے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتي: محی الدین، محلّہ قاصدی ٹولہ، پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس ڈیڑھ لاکھ روپئے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۱/۲)

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: لا زكاة في مال امرئٍ حتى يحول عليه الحول. (سنن الدار قطني، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة بالحول، دارالكتب العلمية بيروت ۷۶/۲، رقم: ۱۹۷۰)

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال عليه الحول وقد بقي معه منه نصاب، فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل. (شامی، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند ۱۷۹/۳، کراچی ۲۶۲/۲) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۴/۲۴)

مالک مکان کو یکمشت دی گئی رقم کی زکوٰۃ کس کے ذمہ لازم ہے؟

سوال: [۴۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

ایک شخص نے کرایہ پر دوکان لی مالک نے دوکان دیتے وقت کچھ رقم تقریباً ۶۰۰۰۰ روپیہ لیے اور مالک دوکان نے کہا کہ جب دوکان خالی کروگے یہ رقم واپس دونگا، تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ اس ساٹھ ہزار روپیہ کی زکوٰۃ کون ادا کرے، کرایہ دار جس نے رقم دی ہے، یا جس کے پاس جمع ہے، یعنی مالک دوکان؟ اور ہر سال ادا کرے یا جب کرایہ دار کو واپس ملے گی؟

المستفتي: مولانا حامد علی، نئ بازار، قصبہ: تمبور، ضلع: سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کرایہ دار پیشگی یکمشت جو رقم مالک مکان اور دوکان کو ادا کرتا ہے، مالک مکان اس کا مالک ہوجاتا ہے، اسکی زکوٰۃ بھی مالک مکان ہی پر لازم ہوا کرتی ہے، کرایہ دار پراس کی زکوٰۃ لازم نہیں، اسلئے کہ اس رقم پر کرایہ دار کی ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۱)

إذا عجل الأجرة لايملك الاسترداد. (شامی، کتاب الإمارة زکریا ۹/۱۳، کراچی ۶/۱۰)

المستأجر إذا عجل الأجرة، قبل استيفاء المنفعة لم يملك الاسترداد. (المحيط البرهانی، كتاب الزكاة، الفصل السادس تعجيل الزكاة، المجلس العلمی جديد۳/۱۹۶، رقم: ۲۷۳۵)

ولو عجل الأجرة إلى رب الدار لايملك الاسترداد. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الثاني متى تجب الأجرة، وما يتعلق به من الملك وغيره، زكريا ديوبند۴/۴۱۲، جديد ۴/۴۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۶۴)

بائع کو دی گئی ایڈوانس رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا کس پر لازم ہے؟

سوال: [۴۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احمد نے فلیٹ بک کرایا ہے، اور بطور ایڈوانس (پیشگی) مالک کو کچھ رقم دی ہے لیکن ابھی وہ پوری طرح فلیٹ کا مالک نہیں ہوا ہے اور نہ ہی وہ رقم بغیر فلیٹ خریدے واپس ہوسکتی ہے، فلیٹ کا مصرف فلیٹ ملنے کے بعد کرایہ پر کسی کو دیدیا جائیگا ایسی حالت میں اس رقم پر جو ایڈوانس دی ہے، زکوٰۃ نکالنا فرض ہے یا نہیں؟

المستفتي: احقر حبیب اختر، محلّہ قانون گویان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے منزل کی خریداری میں رقم بائع کے حوالہ کردی ہے اور وہ رقم واپس بھی نہیں ہوسکتی ہے، تو اب آپ اس رقم کے مالک نہیں رہے، لہٰذا آپ پر اسکی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، بلکہ اس کا مالک فروخت کرنے والا ہو چکا ہے، لہٰذا اسکی زکوٰۃ بائع پر ہی واجب ہوگی۔

إذا عجل الأجرة ، لا یملک الاسترداد . (شامی، کراچی ۶/ ۱۰)

وفی العتابیه، وإذا عجل الأجرة إلیٰ ربها لایملک الاسترداد .

(البحرالرائق، کتاب الإجارة کوئٹه ۸/ ۵، زکریا ۸/ ۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ

۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵)

کرایہ دار کی پیشگی ادا شدہ رقم اور پگڑی کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرایہ کی مد میں دی گئی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہوجانے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار

کو واپس کیا جاتا ہے، اس نقد کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی، کرایہ دار پر یا مالک مکان پر؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کرایہ دار پیشگی یکمشت جو رقم مالک مکان اور مالک دوکان کو ادا کرتا ہے، مالک مکان اس کا مالک ہوجاتا ہے، اسکی زکوٰۃ بھی مالک مکان ہی پر لازم ہوا کرتی ہے، کرایہ دار پر اسکی زکوٰۃ لازم نہیں ہے، اسلئے کہ اس رقم پر کرایہ دار کی ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے۔

إذا عجل الأجرة لايملك الاسترداد. (شامی، کتاب الإجارة کراچی ۶/ ۱۰، زکریا ۹/ ۱۳)

ترجمہ: یعنی اگر کرایہ دار پیشگی اجرت اور کرایہ ادا کردیتا ہے تو مالک مکان اس کا مالک ہوجاتا ہے، لہٰذا واپسی کا حق نہیں ہوگا۔

ڈپوزٹ اور بیع الوفاء کی رقم کی زکوٰۃ

اگر اس طرح مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ خرید وفروخت کی جائے، کہ مشتری جو قیمت ادا کرتا ہے، وہ بائع کے پاس مثل امانت کے ہے، اور جب بائع اتنی رقم مشتری کو ادا کردے گا تو مبیع واپس مل جائے یا عقد کیلئے مدت متعین کی جائے، اور مدت پوری ہونے یا عقد فسخ ہونے پر مشتری اور مستاجر کو اپنی دی ہوئی پوری رقم واپس مل جائے، تو ایسے معاملہ کو بیع الوفاء بیع الامانت اور بیع الرہن وغیرہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں ادا شدہ رقم کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ تو اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوبکر محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ اگر اجرت رقم کی شکل میں ہے تو اسکی زکوٰۃ صرف بائع پر واجب ہوتی ہے۔

حکی عن الشیخ الإمام أبی بکر محمد بن الفضل أنه قال إن کانت الأجرة من

ترجمہ: شیخ ابوبکر محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ اگر اجرت درہم ودینار کی شکل میں ہے تو اسکی زکوٰۃ بائع پر لازم ہے اسلئے کہ قبضہ کی

الـدراهـم أومن الـدنـانيـر كـان زكـوتهـا عـلـىٰ الآجـر لأنه ملكها بـالقبض وعند انفساخ الإجارة لا يـلـزمـه رد عيـن الـمقبوض وإنما يـلـزمه رد غيرها فكان بمنزلة دين لحقه بعد الحول الخ. (قاضي خان علـى هـامـش الهندية ، كتاب الزكاة ، فـصـل فـي مال التجارة زكـريـا ديـوبند ۱/۲۵۳، ۲۵٤، جديد ۱/۱۵٦)

وجہ سے اس کو ملک تام حاصل ہو چکا ہے، اور فسخ اجارہ کے وقت عین مقبوض کی واپسی لازم نہیں ہے، بلکہ اسکے علاوہ ادا کرنا لازم ہے، تو یہ بمنزلہ اس دین کے ہوگا جو بعد حولان حول اس پر لازم ہوا ہے۔

اور امام زاہد علی بن محمد بزدویؒ اور مجد الأ ئمہ سرختگیؒ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ بائع اور مشتری دونوں پر اسکی زکوٰۃ واجب ہوگی بائع کے اوپر اسلئے لازم ہے کہ اس کو ملک تام حاصل ہے اور مشتری پر اسلئے لازم ہے کہ وہ بمنزلہ ثمن رہن ہے لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسکی زکوٰۃ صرف مشتری پر واجب ہوگی، اور اسی کو انھوں نے ''ینبغی'' کے لفظ سے راجح قرار دیا ہے۔

وقال الشيخ الإمام الزاهد على بـن مـحـمـد البزدويؒ ومجدد الائـمه السرختيگيؒ إن زكوتها تجب على المستأجر أيضا لأن الـناس يعدون مال الإجارة دينا عـلـى الآجـر وفـى بيع الوفـا الـمعهود بسـمـر قـنـد تجب زكوٰة الثمرة على البائع وعلى

ترجمہ: حضرت امام زاہد علی بن محمد البزدویؒ اور مجددالائمہ سرختگی فرماتے ہیں، کہ اسکی زکوٰۃ مستاجر پر بھی لازم ہے، اسلئے کہ لوگ مال اجارہ کو موجر پر قرض اور دین شمار کرتے ہیں، اور وہ بیع وفا جو سمرقند میں معروف ومشہور ہے اسمیں ثمن کی زکوٰۃ بائع پر واجب ہے، اور امام بزدویؒ اور سرختگی کے نزدیک مشتری پر بھی اسکی زکوٰۃ واجب ہے۔

قول الشيخ الإمام الزاهد علي بن محمد البزدوي ومجدد الائمه السرختيگي تجب على المشترى أيضا الخ. (قاضيخان هامش الهنديه، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة زكريا ديوبند ۱/ ۲٥٤، جديد ۱/ ۱٥٦)

اورعلامہ شامیؒ مشتری پر وجوب ثابت کرنے کیلئے یوں عبارت نقل فرماتے ہیں۔

ينبغي لزومها على المشترى فقط على القول الذى عليه العمل الآن من أن بيع الوفاء منزل منزلة الرهن، وعليه فيكون الثمن دينا على البائع الخ. (شامی، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً زكريا ديوبند ۳/ ۱۷۷، كراچی ۲/ ۲٦۱)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مناسب اور اولیٰ یہی ہے کہ اسکی زکوٰۃ صرف مشتری پر لازم ہواس قول کے مطابق جس پراس زمانے میں عمل ہے، اوراسلئے کہ بیع الوفاء بمنزلہ رہن قراردی جاتی ہے، لہذا ثمن بائع کےاوپر بطور قرض لازم ہے۔

حاصل یہ نکلتا ہے کہ قول راجح کے مطابق صرف مشتری پر واجب ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے، کہ بائع ومشتری دونوں ایسی رقم کی زکوٰۃ ادا کردیا کریں، بیع الوفاء کے جواز کیلئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے یہ قید لگائی ہے، کہ دستاویز کے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے بیع مع الشرط کی عبارت اور قید نہ لگائی جائے۔ (فتاویٰ مظاہر العلوم ۱/ ۳۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(رجسٹر خاص)

ڈپوزٹ کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

سوال: [۴۱۳۸] : کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے بازار میں ایک دوکان دیگر شخص سے پندرہ ہزار روپیہ ماہوار کرایہ پر لی ہے، اس میں کرایہ دار نے مبلغ پانچ لاکھ روپیہ پیشگی مالک دکان کو شرائط کے مطابق دیئے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کہ مذکورہ رقم پانچ لاکھ روپیہ پر جو زکاۃ واجب ہوئی ہے تو اس زکاۃ کو مالک دوکان ادا کرے گا یا کرایہ دار پر واجب الادا ہوتی ہے؟

المستفتي: محمد جنید، لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہونے کیلئے مال پر قبضہ اور ملک تام ضروری ہے، اور کرایہ دار جو اس رقم کا مالک ہے اس پر زکاۃ اسلئے ادا کرنا واجب نہیں ہے، کہ فی الحال اس کا قبضہ نہیں ہے، اور مالک مکان یا مالک دوکان جس نے اس شرط پر مذکورہ رقم پر قبضہ کیا ہے، کہ مکان یا دوکان خالی کراتے وقت اتنی رقم واپس کردے گا، اس پر اتنی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا اسلئے لازم نہیں ہے کہ وہ مذکورہ رقم کے بقدر مقروض ہے، یا اس پر ملک تام اس کو حاصل نہیں ہے، گویا وہ رقم دین ضعیف کے حکم میں ہے، اور اگر دین متوسط کے درجہ میں مانا جائے تب راجح قول کے مطابق اس پر قبضہ یا ملک تام حاصل ہونے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۳۱)

عن عبد الله بن دينار ، عن ابن عمر قال: زكوا ما كان في أيديكم ، وما كان من دين في ثقة ، فهو بمنزلة ما في أيديكم ، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقبضه . (السنن الكبري للبيهقي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على معسر أو جاحد، دارالفكر ٦/ ٦٩، رقم: ٧٧١٧)

وأما دين الوسط فما وجب له بدلاً عن مال ليس للتجارة (وقوله)

وفيه روايتان عنه وروى ابن سماعة عن أبي يوسف عن أبى حنيفة أنه لا زكوٰة فيه حتى يقبض المأتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه الخ. (بدائع، كتاب الزكاة، مراتب الديون زكريا۲/ ۹۰، كراچى ۲/ ۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵رشوال ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۰/۱۴۳۰ھ

امانت کی زکوٰۃ کی ادائے گی کس پر لازم ہے؟

سوال: [۴۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲رسال سے بہن نے دولاکھ روپئے اپنے بھائی کے پاس رکھے ہیں، لہذا اسکی زکوٰۃ کون ادا کرے، بھائی یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے پاس سے زکوٰۃ دے دیتا ہوں تم فکر نہ کرو؟

المستفتي: ایک اللہ کا بندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: جب بہن نے بطور امانت بھائی کے پاس رکھے ہیں اور اب بہن اپنی امانت واپس مانگ رہی ہے، تو بھائی پر لازم ہے کہ بلا تاخیر امانت واپس کردے، اور بہن اپنے مال کی زکوٰۃ خود ادا کریگی، بھائی کو اس میں کوئی اختیار نہیں، اور اگر بھائی اس امانت کے واپس کرنے میں تاخیر کریگا، یا ٹال مٹول کریگا، تو خائن شمار ہوگا، اور سخت گنہگار ہوگا۔

عن عبد الله بن عمرو أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقا خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا أؤتمن خان الحديث: (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة

العنافق ۱/ ۱۰، رقم: ۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۹/۲۵ھ

ذاتی مکان میں زکوٰۃ واجب نہیں

سوال: [۴۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنی رہائش گاہ جس میں رہنے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر فرض نہیں ہے، مگر چونکہ اس مکان میں رہنا نہیں ہوتا کیوں کہ کمپنی کے کام کی وجہ سے دوسرے شہر میں سکونت اختیار کرلی ہے تو اس رہائش گاہ میں رہنے کے باعث زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو تو کس رقم پر؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی اصلی رہائش کا مکان شرعاً حاجت اصلیہ میں داخل ہے اگرچہ ملازمت کی وجہ سے جائے ملازمت میں رہائش اختیار کرلی ہو، کیونکہ جب کبھی ملازمت چھوٹ جائیگی تو اپنی اصلی رہائش کے مکان میں آ کر رہنا ہوگا، لہٰذا ایسے ذاتی مکان میں شرعاً زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وفارغ عن حاجته الأصلية وتحته فى الشاميه وليس فى دور السكنىٰ (إلىٰ قوله) زكوٰة لأنها مشغولة بحاجته الأصلية وليست بنامية الخ.

(الدرالمختارمع الشامی، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند ۳/ ۱۷۸، کراچی ۲/ ۲۶۲، الجوهرة النیرة، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۱۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

ناقص مکان اور زمین پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے شعبان میں ایک پلاٹ خریدا نیت یہ تھی، کہ اس پلاٹ میں کمرے بنا کر فروخت کروں گا، چنانچہ تعمیر شروع کردی کچھ تعمیر ہوچکی ہے، زید کی زکوٰۃ کا سال رمضان کا آخری عشرہ ہوتا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید جب زکوٰۃ کا حساب لگائے تو اس پلاٹ اور پلاٹ پر تعمیر کیا ان سب کی قیمت بھی جوڑے گا، یا جب بھی تعمیر مکمل ہوجائے گی، اس وقت اس پلاٹ پر بنے ہوئے کمروں کی قیمت پر زکوٰۃ آئیگی شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تجارت کی نیت سے جو پلاٹ خریدا ہے اور اس پر تجارت کی نیت سے جو تعمیر کی گئی ہے سب مال تجارت میں شامل ہے لہٰذا اداءِ زکوٰۃ کے وقت زمین وناقص عمارت کی جو بھی قیمت ہوگی اس قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

عن سمرة بن جندب ؓ قال: أما بعد! فإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة، النسخة الهندية ۱/۲۱۸، دار السلام رقم: ۱۵۶۲)

عن ابن جريج، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمي ۴/۹۷، رقم: ۷۱۰۵)

وإن اشترىٰ شيئاً ونواه التجارة كان للتجارة. (حاشية چلپي على التبيين، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۲/۲۹، امداديه ملتان ۱/۲۵۶، هدايه، كتاب الزكاة، اشرفيه

دیو بند ۱/۱۸۷، ۱/۲۵۶)

وتعتبر قيمته يوم الوجوب ، وقالا: يوم الأداء (تحته في الشامية) وفي المحيط: ويعتبر قيمة يوم الأداء بالإجماع ، وهو الأصح .(الدر المختار مع الشامي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الغنم زكريا ديوبند۳/ ۲۱۱، كراچی ۲/ ۲۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ

فروخت شدہ مکان کی قیمت پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکان فروخت کیا جسکی قیمت ایک لاکھ بیس ہزار روپئے ہے جس میں سے ساٹھ ہزار مل چکے ہیں خریدار سست اور کچھ بدطینت شخص ہے اپنی طرف سے ادائیگی کی بالکل فکر نہیں کرتا بلکہ انتہائی اصرار اور کثیر آمد ورفت کے بعد بڑی مشکل سے رقم ادا کرتا ہے، ہم کو دیر سویر پورا پیسہ وصول کر لینا ممکن ہے تو اس رقم پر زکوٰۃ کے وجوب کی کیا صورت ہے، وصول کردہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہونیکے لئے حولان حول شرط ہے، یا نہیں نیز جو رقم خریدار نے ادا نہیں کی ہے، اسکی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور وصولیابی کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے، براہ کرم سوال کے تمام گوشوں پر مناسب روشنی ڈالیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکان کی قیمت کا جو پیسہ وصول ہو چکا ہے اسکی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہیں، تو اس پیسہ پر الگ سے سال گذرنا لازم نہیں بلکہ سالانہ جن تاریخوں پر زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں، ان تاریخوں سے پہلے پہلے مکان کا جو پیسہ ہاتھ آئے اسکی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور خریدار کی طرف سے جو

پیسہ وصول نہیں ہوا ہے، اور مطالبہ کے باوجود ٹال مٹول کا سلسلہ ہے اس پیسہ کی وصولی سے پہلے اسکی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ جتنا وصول ہوتا رہے اتنے کی زکوٰۃ واجب ہوتی جائیگی۔

والذی أراہ حقا وأدین اللہ علیہ : أن حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوٰۃ سواء بسواء الخ. (تکملة فتح الملهم، کتاب المساقاة والمزارعة ، حکم الأوراق المالیة ،المکتبة الأشرفیه دیوبند ۱/۵۱۷)

ومن کان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالاً من جنسه ضمه إلیٰ ماله ، وزکاہٗ سواءً . (هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب الأول فی تفسیر ها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳۷)

والمستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول یضم إلیٰ نصاب من جنسه. (الدر المختار مع الشامی ، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم ،کراچی ۲/۲۸۸، زکریا۳/۲۱۴)

یقر المدیون بالدین وبملائته ولایقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم . (شامی ،الزکاة، المصرف زکریا۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۶/۳۸)

تصویروں کو فروخت کر کے اسکی آمدنی سے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص اگر تصویروں کی فروختگی سے حاصل شدہ آمدنی سے زکوٰۃ ادا کرے تو کیا اسکی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، جلگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ تجارت سے جو رقم حاصل ہوگی نصاب پورا ہونے پر اس رقم کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا واجب ہوگا۔

ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد الخ. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، زكريا ۱/۱۷۲، جديد ۱/۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۴۹)

کیا NSC پر زکوٰۃ واجب ہے؟

سوال: [۴۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک سرکاری ٹیچر ہوں جب بھی ہماری تنخواہ بڑھتی ہے تو سرکار اس کا پچھلا پیسہ (N.S.C.) بنا کر دیتی ہے جس کا پیسہ ہمیں ۵؍ سال بعد مع سود کے ملے گا، تو (NSC) پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ پیسہ سرکار کے پاس ہے اسپر جو زائد پیسہ ملے گا وہ جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں حل فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتي: احقر شبلی حبیب، پیرزادہ، میاں ہوٹل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تنخواہ بڑھتے وقت پچھلے مہینوں کے پیسہ کے لئے جو این ایس سی (NSC) آپ کو ملتی ہے، اور وہ پیسہ فوری طور پر نکالنے کا حق نہیں ہوتا، ایسی صورت میں پیسہ نکالنے سے پہلے آپ اس کے شرعی مالک نہیں ہیں، اور ملک تام حاصل ہونے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اور اس پر جو اضافی رقم ملے گی وہ سود کے دائرے میں داخل نہیں اور یہ پراویڈنٹ فنڈ (PF) پر اضافہ ملنے کی طرح ہے، اور

اس پر قبضہ سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

ومنها الملك التام ، هو ما اجتمع فيه الملك واليد .... وأما إذا وجد الملك دون اليد ...... أو وجد اليد دون الملك ...... لا تجب فيه الزكوة . هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/ ۱۷۲ ، جديد ۱/ ۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱/ ۱۴۳۲ھ

مالدار تاجر پر زکوٰۃ اور ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مال سپلائی کرنیکی تجارت کرتا ہے، جسمیں تقریباً چالیس ہزار روپئے کی سالہا سال لوٹ پاٹ ہوتی رہتی ہے، اور تقریباً ۲/ لاکھ کا مال گھر میں موجود ہے عیدالفطر تک مال سپلائی ہونیکی امید ہے، پچیس ہزار روپئے بینک میں موجود ہیں ان اموال پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو اسکی ادائیگی اور حساب کی کیا صورت ہے واضح فرمائیے؟

المستفتي: توحید عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : سوال میں ذکر کردہ تاجر شخص شرعاً مالدار اور مالک نصاب ہے، اور اس پر زکوٰۃ فرض ہے، اور اسکے لئے حکم یہ ہے کہ یہ شخص جس دن اور جس تاریخ کو پہلی مرتبہ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہوا تھا، اس سال اس تاریخ کو مذکورہ مال تجارت اور بینک میں جمع رقم اگر اسکی ملکیت میں موجود ہے تو ان دونوں کی زکوٰۃ اس تاجر پر شرعاً واجب ہے۔

عن سمرة بن جندب قال : أما بعد فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن

نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع . (سنن أبي داؤد ، الزكاة ، باب العروض إذا كان للتجارة هل فيها، زكاة النسخة الهندية ١/ ٢١٨، رقم ١٥٦٢)

تجب الزكوٰة أيضا فى عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما . (مجمع الانهر بيروت ، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض ١/ ٣٠٦)

الزكوٰة واجبة فى عروض التجارة . (تاتار خانية ، كتاب الزكاة ، الفصل الثالث، زكاة عروض التجارة زكريا٣/ ١٦٤، رقم: ٣٩٩٩، قديم ١/ ٢٣٧)

والذى أراه حقاً وأدين الله عليه : إن حكم الورق الماليّ كحكم النقدين فى الزكاة سواء بسواءٍ (إلى قوله) فمن ملك النصاب من الورق الماليّ ومكث عنده حولاً كاملاً وجبت عليه زكوٰته باعتبار زكوٰة الفضة . (تكمله فتح الملهم ، كتاب المساقاة والمزارعة ، حكم الأوراق المالية ، المكتبة الاشرفيه ديو بند ١/ ٥١٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ ربیع الاول ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٩٤٦)

پیتل کی بنائی گئی تصویروں کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال: [٤١٤٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص پیتل کی تصاویر بنائے تو اسکی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: عبید الرحمٰن پیرزادہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نفس تصویر کشی حرام اور عذاب الٰہی کا باعث ہے، البتہ اس میں حاصل شدہ رقم کا مالک ہوجاتا ہے، کہ اصل شئی اور محنت کا پیسہ ہے اسلئے اسپر زکوٰۃ بھی واجب ہوجائے گی۔

الكسب يملك بملك الأصل. (قواعد الفقه/ ١٠٠، رقم: ٢٢٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳ ۷)

شادی کیلئے جمع شدہ مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بہن کی شادی کے واسطے کچھ مال الگ سے جمع کیا جو مقدار نصاب ہے، تو زید پر زکوٰۃ واجب ہے یا اس کی بہن پر؟

المستفتي: محمد زبیر بن نور محمد مومن داس پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک بہن کے حوالے نہ کر دے گا، اسوقت تک زید پر زکوٰۃ ادا کرنی واجب رہے گی۔

الزکوٰۃ واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكاً تاماً وحال عليه الحول الخ. (هدايه، كتاب الزكاة، اشرفی بكڈپو ديوبند، مطبوعه جيسور ۱/ ۱۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۷۱)

مکان وشادی کیلئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے مکان بنانے اور بچوں کی شادی کرنے کیلئے کچھ زیور اور روپیہ رکھا ہے، جو مکان بنانے اور

شادی کے لئے ناکافی ہے، سال گزرنے پر زید پر زکوٰۃ واجب الأ دا ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو رقم مکان بنانے یا شادی کی نیت سے رکھی جائے سال گذرنے پر اس رقم کی زکوٰۃ اداء کرنا بھی لازم اور واجب ہے۔

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال عليه الحول وقد بقي معه منه نصاب، فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلىٰ حوائجها الأصلية وقت حولان الحول الخ. (شامی، كتاب الزكاة، مطلب في زكوٰة المبيع وفاءً كراچی ۲/۲٦۲، زكريا ۳/۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

ضرورت کیلئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بھی ضرورت کیلئے تھوڑی رقم جمع کی اور اس پر سال گذر جائے اور وہ رقم نصاب کو پہونچ جائے تو زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس پیسہ کی ضرورت بھی ہے گذر بسر کیلئے ایک دوکان خریدنی ہے اسی لئے رقم جمع کی ہے؟

المستفتي: احمد نجیب، آندھروی،
پیلو جامع مسجد، اسٹیشن روڈ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان خواہ کسی بھی ضرورت کیلئے رقم جمع کرے اور اس پر سال گذر جائے، اور وہ مال نصاب کے بقدر ہو تو سال گذرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

عن علي عن النبی ﷺ ببعض أول هذا لحديث، قال: فإذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليک شيئ يعني فی الذهب حتی تكون لک عشرون ديناراً، فإذا كانت لک عشرون ديناراً، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فمازاد فبحساب على ذلک. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، با ب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۱، دارالسلام رقم: ۱۵۷۳)

شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو ملكه وثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة كيفما أمسكهما ولو للنفقة. (شامی، كتاب الزكاة، كراچی ۲/ ۲٦۷، زكريا۳/ ۱۸٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۳؍۱۴۲۸ھ

بینک میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس شادی سے پہلے کے اپنے دس ہزار روپیہ بینک میں جمع ہیں میرے شوہر کو اس کا علم نہیں ہے، تو کیا شرعاً اس کی بھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

المستفتیہ: منور جہاں، پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دس ہزار روپیہ جو بینک میں جمع ہے اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اور جتنے سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہے، ان کی بھی نکالنا لازم ہے اور دس ہزار روپیہ میں سے ڈھائی سو روپیہ سالانہ زکوٰۃ نکلے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۱۰۸، رحیمیہ ۲/ ۱۴)

عن علي عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ببعض أول هذا لحديث، قال: فإذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول، ففيها خمسة درهم، وليس عليک شيئ يعنی فی الذهب حتی تكون لک عشرون ديناراً، فإذا كانت لک عشرون ديناراً، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فمازاد فبحساب علی ذلک، فقال فلا أدری أعلی يقول فبحساب ذلک أو رفعه إلی النبی صلی اللہ عليه وسلم، الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۱، دارالسلام رقم: ۱۵۷۳)

وأما مقدار الواجب من هذا النصاب فماهو مقدار الواجب من نصاب الذهب والفضة، وهو ربع العشر لأن نصاب مال التجارة مقدر بقيمته من الذهب والفضة ،فكان الواجب فيه ما هو الواجب فی الذهب والفضة وهو ربع العشر ولقول النبی صلی اللہ عليه وسلم " ها توا ربع عشر أموالكم" من غير فصل. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، صفة الواجب فی أموال التجارة، زكريا ۲/ ۱۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۴/ ۱۴۲۵ھ

حولان حول کے بعد بینک یا ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمود صاحب نصاب ہے اوراس کی ساری رقم بغرض حفاظت سرکاری بینک یا ڈاکخانہ میں جمع ہے، یا کسی مکان یا دوکان کی ڈپازٹ کے طور پر دوسرے آدمی کے پاس جمع ہے، (ڈپازٹ) یعنی کوئی مکان یا دوکان بطور کرایہ لینا ہوتا ہے، تو کچھ روپیہ صاحب مکان کے پاس جمع کرنا پڑتا ہے، جب کرایہ دار مکان یا دوکان چھوڑتے ہیں، تو وہ روپے صاحب مکان کرایہ دار کو واپس کردیتے ہیں، اسی کو ڈپازٹ کہتے ہیں، تو کیا ان رقموں پر جو ڈاکخانہ یا بینک میں جمع ہے صاحب رقم کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ رقم صاحب رقم کے قبضہ میں نہیں ہے، تینوں سوالوں کے جواب مدلل بحوالہ تشفی بخش دینے کی زحمت فرمائیں؟

المستفتي: منظور عالم قاسمی، مدرس
مدرسہ باب العلوم پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بینک اورڈاکخانہ میں جورقم جمع ہے، اس پر سال گذرتے ہی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

أما إن كانت عند معارفه وجبت الزكوٰة لتفريطه بالنسيان في غير محله الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الزکاۃ اشرفي دیوبند/۷۱۷)

اور جورقم ڈپازٹ کے طور پر دے رکھی ہے، اس پر وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں، اور جب وصول ہوجائیگی تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہوجائیگی۔

ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد، أما إذا وجد الملك دون اليد، كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك (إلى قوله) ولا على الراهن، إذا كان الرهن في يد المرتهن الخ. (هنديه، كتاب

الزکاۃ ، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا/ ۱۷۲/۱، جدید۱/۲۳۳)

وفی الشامی ولا علی المرتهن لعدم ملک الرقبة ولا علی الراهن لعدم الید الخ. (شامی ، زکریا۳/ ۱۸۰، کراچی ۲/۲۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۶۴)

قرض کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا حکم

سوال: [۴۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے داماد کو ان کا گھر بنانے کے لئے بطور قرض ایک سال کی میعاد کے لئے دو لاکھ پچھتر ہزار روپئے دیئے، ایک سال گذرنے کے بعد وہ قرضہ ادا نہیں کر سکے تو آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ جب تک وہ قرضہ نہیں لوٹائیں گے، قرضہ کی رقم میں زکاۃ ادا کریں گے، زید کا داماد ہر سال ۲۷۵۰۰۰/ دو لاکھ پچھتر ہزار روپیہ پر زکاۃ ادا کر رہا ہے، شرعاً یہ معاہدہ کیسا ہے؟ کیا اس کا جواز ہے، اور زید کو زکاۃ ادا نہ کرنے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

المستفتي: محمد افتخار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اپنے داماد کو بطور قرض ایک سال کی میعاد کیلئے جو رقم دی ہے اور سال گذرنے پر داماد کے قرض واپس نہ کرنیکی صورت میں زید اور اس کے داماد کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے وہ شرعاً ناجائز ہے، اور داماد پر ہر سال کی رقم کی زکاۃ ادا کرنا لازم نہیں، اس لئے کہ اس کے اوپر وہ قرض ہے وہ اس کا پیسہ نہیں اور وصولیابی سے پہلے اسکی زکاۃ ادا کرنا زید پر لازم نہیں، اس لئے کہ دین متوسط ہے اور دین متوسط میں راجح قول کے مطابق وصولیابی سے پہلے زکاۃ واجب نہیں ہوتی؛ بلکہ وصولیابی کے بعد زکاۃ واجب ہوتی ہے، اور اب تک داماد نے جو ادا کیا ہے، وہ نفلی صدقہ وخیرات میں شامل ہوگا۔

عن ابن عمر قال: زكاة أموالكم حول إلىٰ حولٍ، فما كان من دين ثقة فزكوه، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقضيه صاحبه. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، في زكاة الدين مؤسسه علوم القرآن جديد٦ /٤٨٥، رقم: ١٠٣٥١)

كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة سواء كان الدين للعباد كالقرض. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ١/ ١٧٢، جديد ١/ ٢٣٤)

إن رواية ابن سماعة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المأتين ويحول الحول من وقت القبض هي الأصح من الروايتين عن أبى حنيفة. (شامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال مطلب فى وجوب الزكاة، في دين المرصد كراچى٢/ ٣٠٦، زكريا٣/ ٢٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸ر شوال ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۶۲ ۱۱۲۱)	۱۸/۱۰/۱۴۳۴ھ

قرض کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

سوال: [۴۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عمر کو پچاس ہزار روپیہ قرض دیئے عمر ہر سال ۱۰ر ہزار روپئے زید کو دیکر کل پانچ سال میں پچاس ہزار کی زکوٰۃ نکالے یا جیسے جیسے عمر لوٹا تا جائے، اتنی رقم نصاب میں ملا کر ادا کرے مثلاً ایک سال ۱۰ر ہزار لوٹائے تو نصاب میں ۱۰ر ہزار ملا کر پھر دوسرے سال مزید دس ہزار لوٹائے تو اب کل بیس ہزار نصاب میں ملائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جو عمر کو پچاس ہزار روپیہ قرض دیا ہے، اور

اس قرض کی واپسی ایک سال میں دس ہزار کے حساب سے ہوتی رہے گی، تو ایسی صورت میں اس کو دین قوی نہیں کہا جا سکتا بلکہ دین متوسط ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ جتنا وصول کرتا رہے گا، اتنے کی زکاۃ دینا لازم ہوگا، اور عمر پر زکاۃ اسلئے واجب نہیں ہوگی کہ درحقیقت وہ رقم زید کی ہے عمر کی نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۲۰۵)

عن عائشة رضی الله عنها قالت: لیس فی الدین زکاة ۔ (المصنف لابن أبي شيبة ، كتاب الزكاة ، من قال ليس في الدين زكاة حتى يقبض مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٤٨٧، رقم: ١٠٣٦٤)

عن ابن عمر رضؓ قال: زكوا ما كان في أيديكم ، وما كان من دين في ثقة فهو بمنزلة ما في أيديكم ، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقبضه . (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على معسر أو جاحد دارالفكر ٦/ ٦٩، رقم: ٧٧١٧)

وروى ابن سماعة ، عن أبي يوسف عن أبي حنيفه رحمهم الله تعالىٰ أن الدين نوعان ، وجعل الوسط كالضعيف وهو اختيار الكرخي . (المبسوط ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٩٥)

إن رواية ابن سماعة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المأتين ويحول الحول من وقت القبض هي الأصح من الروايتين عند أبي حنيفة رحؒ . (شامی ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، مطلب في وجوب الزكاة ، في دين المرصد زكريا ديوبند٣/ ٢٣٨، كراچی ٢/ ٣٠٦، امداد الفتاوىٰ ٢/ ٤٦ تا ٤٨) **فقط والله سبحانه وتعالیٰ اعلم**

كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/۸/۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۰۲)	۱۵/۸/۱۴۲۸ھ

مدیون پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی تاجر

مسلمان نے کاروبار کیلئے بینک سے مثلاً ایک لاکھ روپئے قرض لے رکھے ہیں، اوراس کے پاس ایک لاکھ کا زیور یارقم ذاتی اپنے گھر میں موجود ہے لیکن اگر بینک کا قرض ادا کردے تو اس کے پاس کچھ نہیں بچتا ایسے تاجر مسلمان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ ایک عالم یہ فرماتے ہیں کہ یا تو خدا کا حق اور قرض ادا کرو یا بینک کا ورنہ گنہ گار رہو گے، اس مسئلہ کو حل فرما کر شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: داستان برادرس، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بینک کا قرض ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب باقی نہ رہے تو اسپر زکوٰۃ واجب نہیں ہے بلکہ اسکو زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز ہے۔

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم ، فتؤد منها الزكاة ؛ قال محمد : وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة ، ففيه زكاة .... وإن كان الذى بقي أقل من ذلك بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة ، وهو قول أبي حنيفة رحمہ اللہ . (مؤطا امام محمد ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، اشرفي ديو بند ١/ ١٧٢، ١٧٣، رقم: ٣٢٣)

ومديون لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه وفى الظهيرية : الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير الخ. (الدر المختار كتاب الزكاة باب المصرف ، زكريا ٣/ ٢٨٩، كراچی ٢/ ٣٤٣، كوئٹه ٢/ ٦٦)

البتہ قرض سود پر لینا ناجائز اور مستحق لعنت ہے۔ (مسلم شریف)

عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم آكل الربا، ومؤكله ، وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء . (صحيح مسلم ، باب لعن آكل الربا ومؤكله ، النسخة

الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۳۸)

قرض کے علاوہ مابقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال: [۴۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فی الحال زید کے پاس کچھ بھی رقم نہیں ہے، لیکن زید ۲۰/ رمضان کو بیس ہزار روپئے کا مالک ہوجائے گا، زید پہلے سے تیس ہزار روپئے کا مقروض بھی ہے، تو کیا زید کل رقم کی زکوٰۃ دے گا، یا بچی ہوئی رقم کی زکوٰۃ دے گا یا نہیں؟

نوٹ: زید اس رقم کو ہر ماہ ۱۵۰۰/ یا ۲۰۰۰/ روپیہ کر کے ایک لاٹری میں جمع کرتا تھا، ایک ممبر ہونے کی حیثیت سے اور اس لاٹری میں سود وغیرہ بھی نہیں لیا جاتا ہے، اور نہ دیا جاتا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: نور عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تیس ہزار روپیہ کا مقروض ہے تو چالیس ہزار کا مالک ہوگا تو اس پر صرف دس ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا بقیہ ۳۰/ ہزار کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۱)

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفانؓ **كان يقول: هذا شهر زكاتكم ،فمن كان عليه دين، فليقضه، وزكوا بقية أموالكم .** (المصنف لابن أبي شيبة ، كتاب الزكاة ، ماقالوا فى الرجل يكون عليه الدين من قال: لا يزكيه ، مؤسسه علوم القرآن ٦/ ٥٤٨، رقم: ١٠٦٥٨)

في قدر دينه متعلق بقوله : فلا تجب فإنه إذا كان له أربع مئة درهم

مثلاً : وعليه دين كذلك لاتجب عليه الزكاة ، ولو كان دينه مأتين تجب زكاة مئتين . (مجمع الأنهر ، كتاب الزكاة ، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٨٧، مصرى قديم ١/ ١٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ ٩/ ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٨/ ٢٨٢٩)

قرض کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا

سوال: [٤١٥٦] : کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بھائی کے پاس دوسرے بھائی کے کچھ پیسے نکل رہے ہیں، لیکن فی الحال ادائیگی کے پیسے نہیں ہیں اس لئے اس نے چند سال میں ادائیگی کا وعدہ کیا تو اس درمیان ان پیسوں کی زکوٰۃ کس کے ذمہ واجب ہوگی؟

المستفتي: محمد سلیم، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس کے اوپر ادائیگی لازم ہے وہ مقروض ہے اور مقروض کے اوپر قرض کے پیسے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اور جب فوری طور پر ادائیگی کی شکل نہیں ہے تو ایسی صورت میں مالک کے اوپر بھی ان پیسوں کی زکوٰۃ فی الحال واجب نہیں ہے جب پیسہ وصول ہوجائے گا تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ٢/ ٤٨، ایضاح النوادر ٢/ ٢٨)

عن نافع عن ابن عمر قال : ليس في الدين زكاة . (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة، باب لازكاة إلا ناض ، المجلس العلمي ٤/ ١٠٣، رقم: ٧١٢٥)

عن ابن عمر قال: زكاة أموالكم حول إلى حول ، فما كان دين ثقة فزكوه ، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقضيه صاحبه . (المصنف لابن

أبي شيبة ، كتاب الزكاة ، في زكاة الدين ، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٤٨٥،رقم: ١٠٣٥١)

ولو كان الدين على مقر مليء أو على معسر –إلى قوله –وعن محمدؒ لازكوٰة وهو الصحيح. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة ، زكريا ديوبند ١٨٤/٣، ١٨٥، كراچی ٢٦٦/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۸/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۱)

دین اور قرض کی زکوٰۃ کس پر لازم

سوال: [۴۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دین کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی دائن پر جسکی ملک ہے لیکن قبضہ نہیں یا مدیون پر جس کے قبضہ وتصرف میں ہے لیکن اس کے ملک میں نہیں یا دین کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہ ہوگی ، کیا اگر مدیون باوجود قدرت کے دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہے، اور اس مال کو تجارت میں لگا کر استفادہ کرر ہا ہو ایسی صورت میں اس مدیون پر زکوٰۃ واجب قرار دی جاسکتی ہے؟

وصولیابی کی امیدی اور ناامید کے اعتبار سے دین کی قسمیں اور وجوب زکوٰۃ کا حکم کیا ہوگا؟ اور اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو کب اور وصولیابی کے بعد سابق کی زکوٰۃ بھی دین ہوگی یا وصول ہونے کے بعد مستقبل کی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی ،فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دیون کی زکوٰۃ سے متعلق اہم ترین تین شکلیں علی الترتیب یہاں پر درج کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) وہ دین جو تجارتی مال یا قرض کے طور پر لازم ہے، اور مدیون اس قرض کا اقرار بھی کرتا ہے اور مدیون ادائیگی پر قدرت بھی رکھتا ہے، اور دائن بآسانی اس کو وصول بھی کر

سکتا ہے، تو ایسے دین کو دین قوی کہا جاتا ہے، اور اسکی زکوٰۃ دائن پر واجب ہوا کرتی ہے، اس میں شریعت نے یہ رعایت دی ہے کہ وصول ہونے سے قبل ادا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب نصاب کے پانچویں حصہ کے بقدر وصول ہوجائے تو اس وصول شدہ کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرتا جائیگا، اور حضرت امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جو کچھ بھی وصول ہوتا رہے گا اسکی زکوٰۃ چالیسویں حصہ کے حساب سے نکالنا واجب ہوگا، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح اور مفتی بہ ہے۔

أما القوي فهو الذي وجب بدلاً عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة وعبيد التجارة أو غلة مال التجارة ولا خلاف في وجوب الزكاة إلا أنه لا يخاطب بأداء شيءٍ من زكوٰة ما مضى مالم يقبض أربعين درهماً فكلما قبض أربعين درهماً أدى درهما واحدا وعند أبي يوسفؒ ومحمدؒ كلما قبض شيئا يؤدي زكوته قلّ المقبوض أو كثر الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل من الشرائط التي ترجع إلى المال قديم ۲/ ۱۰، زكريا۲/ ۹۰، مثله رسائل الأركان /۱۶۵، مجمع الأنهر ۱/ ۱۹۵، قاضيخان، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة زكريا ۱/ ۲۵۲، جديد۱/ ۱۵۵، ۱۵۶، البحر الرائق، كوئٹه ۲/ ۲۰۷، زكريا۲/ ۳۶۳)

ترجمہ: دین قوی وہ ہے جو مالِ تجارت وغیرہ کا بدل ہو جیسا کہ تجارتی کپڑے اور غلام وغیرہ سامان تجارت کا ثمن یا مال تجارت کی آمدنی اور اس میں وجوب زکوٰۃ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن سنین ماضیہ کی زکوٰۃ چالیس درہم یعنی نصاب کے پانچویں حصہ کے بقدر قبضہ ہونے سے پہلے واجب نہ ہوگی اور چالیس درہم وصول ہونے پر ایک درہم زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم ہوگا اور حضرات صاحبین کے نزدیک جو کچھ بھی وصول ہوگا اسکی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، مقبوض کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔

(۲) اگر مدیون دین کا اقرار کررہا ہے مگر مفلس ہونیکی وجہ سے قرض ادا کرنے سے قاصر ہے، تو ایسی صورت میں اگر حاکم نے اس کو مفلس تصور کر کے اس پر افلاس کا حکم نہیں لگایا ہے تو دین متوسط کے حکم میں ہونے کی وجہ سے قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی دائن پر لازم ہوگا، اور اگر حاکم نے افلاس کا حکم لگا دیا ہے، تو مال ضمار اور دین ضعیف کے حکم میں ہونے کی وجہ سے قبضہ کرنے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دائن پر واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ قبضہ سے قبل اس کے وصول پر دائن کو قدرت حاصل نہیں ہے اور حضرات شیخین کے نزدیک سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہے اس لئے کہ اس میں جانب فقراء کی رعایت پائی جاتی ہے، اور صاحب درمختار، صاحب تحفہ اور قاضی خان وغیرہ نے حضرت امام محمدؒ کے قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے، اور باقانی نے کافی سے نقل کر کے شیخین کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

ولو كان الدين (إلى قوله) على معسر أو مفلس أى محكوم بإفلاسه أو على جاحد عليه بينة وعن محمدؒ لا زكوٰة وهو الصحيح (وتحته فى الشامية) لو لم يفلسه القاضى وجبت الزكوٰة بالاتفاق (إلى قوله) وهو الصحيح صححهٗ فى التحفة كما فى غاية البيان وصححه فى الخانية أيضا (إلىٰ قوله) ونقل الباقانى تصحيح الوجوب عن الكافى

ترجمہ: اگر تنگدست اور مفلس پر قرض ہے اور حاکم نے اس پر مفلس ہونے کا حکم لگا دیا یا منکر پر دین ہے جس پر گواہ موجود ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک قبضہ ہونے پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے (اور شیخین کے نزدیک واجب ہے) اور اگر قاضی نے مفلس قرار نہیں دیا ہے، تو بالاتفاق سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہے، اور امام محمدؒ کے قول کو تحفہ غایۃ البیان خانیہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور باقانی نے کافی سے وجوب کے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔

الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء زکریا ۳/۱۸۴، کراچی ۲۶۷، ومثله فی مجمع الانهر، کتاب الزکاۃ، المکتبۃ دار الکتب العلیمۃ ۱/۲۸۸، عنایه، کتاب الزکاۃ، زکریا ۲/۱۷۷، کراچی ۲/۱۲۳، بدائع، کتاب الزکاۃ، فصل وأما الشرائط التی ترجع إلیٰ المال زکریا ۲/۸۹، قدیم ۲/۹)

(۳) دین کا اقرار کررہاہے، اوراس کے پاس ادا کرنے کیلئے مال بھی ہے لیکن ٹال مٹول کررہاہے، اور مروز فردا میں کئی سال گذر گئے، اور دائن کواس کے حاصل کرنے پر قدرت بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا دائن پرواجب نہیں ہوگا صرف مستقبل کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۳۵)

یقر المدیون بالدین وبملائته ولا یقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، زکریا ۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴٤)

مدیون دین کا اور مالداری کا اقرار کرتا ہے، اور دائن اس کے چھڑانے پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو وہ بمنزلہ عدم کے ہے، اور عدم پر شرعی حکم لاگو ہوکر زکوٰۃ وغیرہ واجب نہیں ہوا کرتی ہے۔

وأما دین الوسط فما وجب له بدلا عن مال لیس للتجارة (إلی قوله) وفیه روایتان عنه وروی ابن سماعه عن أبی یوسف عن أبی حنیفة أنه

ترجمہ: اور بہرحال دین متوسط وہ ہے جو اس کے ایسے مال کے بدلے واجب ہے جو مال تجارت نہیں ہے اوراس کے وجوب میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں، اور ابن سماعہ امام ابو یوسفؒ سے اور وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے

لا زكوٰة فيه حتى يقبض المأتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه الخ. (بدائع، كتاب الزكاة، فصل و ماالشرائط التى ترجع إلى المال زكريا ۲/ ۹۰، قديم ۲/ ۱۰، منحة الخالق، كتاب الزكاة، زكريا ۲/ ۳٦۳، كوئٹه ۲/ ۲۰۷، ومثله فى الشامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مطلب فى وجوب الزكاة فى دين المرصد زكريا۳/ ۲۳۸، كراچى ۲/ ۳۰٦، ومثله فى مجمع الانهر، كتاب الزكاة، المكتبة دارالكتب العلمية ۱/ ۲۸۹)

نقل فرماتے ہیں، کہ اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے حتی کہ دوسو درہم قبضہ کرلے اور اس پر قبضہ کے بعد سال گذر جائے، اور یہی امام صاحب کی دونوں روایتوں میں سے صحیح اور راجح روایت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۱)

قرض وصول ہونے سے پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں

سوال: [۴۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب نصاب ہے اور پہلے سے زکوٰۃ دیتا چلا آرہا ہے، اب اس کے زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت متعین ہے، مگر اس وقت فی الحال جو پیسہ باہر گیا ہوا ہے قرض کی شکل میں یا مال کی شکل میں اور اس کے واپس آنے میں وقت ہے تو کیا اس گئے ہوئے مال کی یہ شخص اس وقت زکوٰۃ ادا کریگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں قرض وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہوجائیگا تو اس کا چالیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۲۶، احسن الفتاویٰ۴/ ۱۲۶)

عن أبي مليكة، عن عائشةؓ قالت : ليس فيه (الدين) زكاة حتى يقبضه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، من قال: ليس فى الدين زكاة حتى يقبضه مؤسسه علوم القرآن جديد٦/ ٤٨٦، رقم: ١٠٣٥٩)

إلا أنه لا يخاطب بأداء شيئى من زكوة مامضى مالم يقبض أربعين درهماً فكلما قبض أربعين درهماً أدىٰ درهماً واحداً . (بدائع، كتا ب الزكاة، مراتب الديون زكريا٢/ ٩٠، قديم كراچى ٢/ ١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱۹ھ

قرض وصول ہونے پر اس کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر کو کچھ روپیہ قرض دیا ایک سال کا عرصہ گزر گیا، بکر نے قرض ادا نہیں کیا، قرض وصول ہونے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مقدار کیا ہوگی؟

المستفتي: شفیع احمد الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقروض مفلس ہونے کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر پایا تھا، تو یہ دین متوسط ہے امام محمدؒ کے نزدیک سنین ماضیہ کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے،

اور شیخین ؒ کے نزدیک لازم ہے، اور مفلس نہیں ہوا تھا، بلکہ قدرت کے باوجود ادا نہیں کیا تھا، تو یہ دین ضعیف ہے ایسی صورت میں سنین ماضیہ کی زکوٰۃ کسی کے نزدیک لازم نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۲۸ تا ۳۰)

عن عبد بن دينار ، عن ابن عمرؓ قال: زكوا ماكان في أيديكم ، وما كان من دين في ثقة، فهو بمنزلة ما في أيديكم ، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقبضه . (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على معسر أو جاحد، دار الفكر ٦٩٣، رقم: ٧٧١٧)

عن عطاء قال: ليس على صاحب الدين الذي هو له ، ولا الذي هو عليه زكاة. (المصنف لابن أبي شيبه ،كتاب الزكاة ، من قال: ليس فى الدين زكاة، حتى يقبض ،مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٤٨٦، رقم: ١٠٣٦١)

دیون کی تفصیل مندرجہ حوالوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ (المبسوط للسرخسي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٩٥، شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال زكريا ٣/٢٣٦ تا ٢٤٠، كراچی ٢/٣٠٥ تا ٣٠٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٣/٢٤٠، مجمع الانهر ، كتاب الزكاة ، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٨٩، مصرى قديم ١/١٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

مال غیر مقبوض پر قبضہ سے پہلے زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) احقر ایک معمولی تاجر ہے اور ۴؍۵؍ سال سے باہر پیسہ رکا ہوا ہے، جس کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی باقاعدہ نہیں ہو رہی ہے۔

(۲) ایک سال سے ٹیکس جمع کرنے کی وجہ سے قرضدار ہوگئے، اسکی ادائیگی مع سود

کے کرنی ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کس طرح ہوسکتی ہے؟

المستفتي: اشرف علی محلّہ، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے پاس رکے ہوئے مال کے علاوہ دوسرا مال نہیں ہے تو رکا ہوا مال وصول ہونے تک زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے، جب وصول ہوجائے گا، تو سنین ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگا۔

عن الليث بن سعد، أن عبد الله بن عباس، وعبدا لله بن عمرؓ قالا: من أسلف ما لا فعليه زكاته في كل عام، إذا كان في ثقة. (السنن الکبریٰ للبیقهی، کتاب الزکاة، باب زکاة الدين، إذا كان على ملي موفىٰ، دارالفکر ٦/٦٨، رقم: ٧٧١٣)

عن ابن أبي مليكة، عن عائشةؓ قالت: ليس فيه (دين) زكاة حتى يقبضه. (المصنف لابن ابي شيبة، كتا ب الزكاة، من قال: ليس فی الدين زكاة حتى يقبض ٦/٤٨٦، رقم: ١٠٣٥٩)

فالدين القوى (إلى قوله) وأموال التجارة وكذا غلة مال التجارة (إلىٰ قوله) فإذا قبض أربعين درهماً زكى درهماً الخ. (مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٨٩، مصری قديم ١/١٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۹۵)

قرض کی وصولیابی کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ کم وبیش چالیس سال ہوگیا جو رقم وصول ہوگی اسپر زکوٰۃ کس حساب سے واجب ہے؟

المستفتي: عبدالعزیز، برتن بازار، شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وصولیابی پر سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔
(فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۵، ۵۲، ۷۷، ۸۲، ۹۰، ۹۵)

الـديـون ثلثة: دين قوى وهو بدل مال التجارة والقرض ودين وسط (إلىٰ قوله) ففى الدين تجب الزكوٰة إذا حال الحول ويتراخىٰ الأداء إلىٰ أن يقبض أربعين درهماً وكلما قبض أربعين درهماً يلزمه درهم الخ. (قاضيخان على هامش الهندية، كتاب الزكاة، فصل في مال تجارة ۱/ ۲۵۲، جديد ۱/ ۱۵۵، وهكذا فى الشامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال زكريا ديوبند۳/ ۲۳٦، كراچى ۲/ ۳۰۵، مصرى نعمانيه ۲/ ۲۷، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا۱/ ۱۷۵، جديد ۱/ ۲۳٦)

البتہ اتنا لحاظ رہے کہ یافتہ رقم میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد والے سال کیلئے اداشدہ کو منہا کرکے مابقیہ میں سے اس کا چالیسواں حصہ دینا ہے، پھر اس طرح ہر بعد والے سال کیلئے بیچ والے سال اداشدہ مجریٰ کرکے ہی زکوٰۃ ادا کرتے جائیں، اگر آخر میں نصاب کے مقدار نہ رہے، اور بیچ سال میں آکر کم ہوجائے تو اس کے مابعد کیلئے زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان رضـ كال يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه، حتى تحصل أموالكم فتؤد منها الزكاة؛ قال محمدؒ: وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقى بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة، ففيه زكاة وتلك مائتا درهم، أو عشرون مثقالاً ذهبا فصاعداً، وإن كان الذى بقى أقل من ذلك بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفةؒ. (مؤطا امام محمد، كتاب الزكاة، با ب زكاة المال، اشرفي ديو بند۱/ ۱۷۲، ۱۷۳، رقم: ۳۲۳)

عن حميد بن عبد الرحمن أن عبد الرحمن بن عبد القاری وكان على بيت مال عمر رضـ قال: -إلىٰ- ولكنهم كانوا إذا قبضوا الدين أخرجوا عنها لما مضى منها. (السنن الكبریٰ للبيهقی، كتاب الزكاة، باب زكاة الدين، إذا كان على معسر أو جاحد، دار الفكر ٦/٦٩، رقم: ٧٧١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۹۵)

طویل الأجل قرض اورکونسا دین مانع زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کون سا دین مانع زکوٰۃ ہے دین کی قسمیں اوران کے احکام کیا ہیں، دین طویل الأجل آج کے دور میں زراعتی قرض تعمیر مکان کیلئے قرض، اوراس طرح کے مختلف قرض سرکار اپنے شہریوں کو دیتی ہے، جن کیلئے پانچ سال سے لیکر ۳۰، ۴۰؍ سال کی طویل مدت مقرر کی جاتی ہے، اس مدت کے دوران قسطوار قرض کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، اس قرض کی مقدار بھی عموماً بہت بڑی ہوتی ہے، مثلاً زید نے اپنے کسی تجارتی کاروبار کیلئے پانچ کروڑ روپئے قرض لئے جسے پچاس قسطوں میں ادا کرنا ہے، یعنی سالانہ دس لاکھ روپئے ادا کرنا ہے یا کسی شخص نے ٹریکٹر کی خریداری کیلئے ایک لاکھ روپیہ قرض لیا جسے دس سال میں دس ہزار سالانہ کے لحاظ سے ادا کرنا ہے ان صورتوں میں وجوب زکوٰۃ کیلئے اموال زکوٰۃ سے پورے قرض کو منہا کیا جائے گا، یا سالانہ واجب الأداء قسط وضع کرکے باقی اموال پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائیگی؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ تمام دیون جو مدیون پر واجب الادا ہوتے ہیں،

وہ سب وجوب زکوٰۃ کو مانع ہیں اس لئے موجودہ دور میں تجارت کو فروغ دینے کیلئے اور فیکٹری اور فرم وغیرہ قائم کرنے کیلئے پبلک حکومت سے جو قرض لیتی ہے، اور ادائیگی کیلئے سالانہ ماہانہ قسط مقرر کی جاتی ہے، اور طویل الأجل قرض کے بارے میں بھی یہی حکم ہے، کہ مقدار قرض کو منہا کرنیکے بعد مابقیہ مال اگر نصاب کو پہونچ جاتا ہے، تو اسکی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور اگر نصاب کو نہیں پہونچتا ہے تو زکوٰۃ ہی اس مدیون پر واجب نہ ہوگی، نیز اگر ایک کروڑ روپیہ قرض میں لے رکھا ہے اور سالانہ پانچ لاکھ کے حساب سے بیس سال میں ادا کرتا ہے، تو سالانہ قسط کے لحاظ سے مجریٰ نہ ہوگا بلکہ پورے ایک کروڑ کو منہا کیا کریگا۔

فارغ عن الدين والمراد دين له مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم أولله تعالىٰ وسواء كانت المطالبة بالفعل أو بعد زمان فينتظم الدين المؤجل. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۸۶، مصرى قديم ۱/۱۹۳، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول فى تفسيرها وصفتها و شرائطها زكريا ۱/۱۷۲، ۱۷۳، جديد ۱/۲۳۴، الدر مع الرد، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۳/۱۷۶، ۱۷۷، كراچى ۲/۲۶۰، البحرالرائق، كتاب الزكاة، كوئٹه ۲/۲۰۴، زكرياديوبند ۲/۳۵۷، ۳۵۸)

مال نصاب قرض سے بری ہو اور قرض سے ایسا قرض مراد ہے کہ منجانب العباد اس کا مطالبہ ہو چا ہے وہ دین بندوں کا ہو یا اللہ تعالیٰ کا اور مطالبہ فی الحال اور بالفعل ہو یا مدت اور زمانے کے بعد، لہٰذا دین مؤجل بھی مانع زکوٰۃ میں شامل ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸ / ۳۰۴۵)

قسطوں میں وصول ہونے والی رقم پر زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

سوال: [۴۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آڑت کے فائدہ کا روپیہ باہر رہتا ہے، اس روپیہ پر زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے، روپیہ قسطوں میں وصول ہوتا ہے، دس سال سے آڑت کا کام کرتا ہوں، مگر میرے پاس روپیہ اکٹھا نہیں رہتا ہے، کاغذوں میں رہتا ہے، تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے ممنون فرمائیں، عین عنایت ہوگی؟

المستفتي: محمد یامین قریشی، آڑھتی موانہ کلاں، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایک نصاب کا خمس یا اس سے زیادہ قسطوں میں وصول ہو جائے، اسکی زکوٰۃ ادا کر دیا کریں، نیز اگر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہے تو اسکی بھی ادا کرنا واجب ہوگا۔

اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثه قوي ومتوسط وضعيف فتجب زكوتها، إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوي كقرض وبدل مال تجارة فكلما قبض أربعين درهماً يلزمه درهم. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، زكريا ديوبند ٣/٢٣٦، كراچی ٢/٣٠٥، مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٨٩، قديم مصری ١/١٩٥، كوئٹه ٢/٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۵۲)

بونڈس اور حکومت کو بطور قرض دی گئی رقم کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

بونڈس سے مراد یہ ہے کہ اکثر حکومتیں یا مختلف کمپنیز لوگوں سے قرضے مانگتی ہیں، اور ان قرضوں کی واپسی کیلئے کچھ مدت ۵؍سال دس سال وغیرہ مقرر کرتی ہے، اور کچھ شرح فیصد سود کا بھی اعلان کرتی ہیں، اور بطور ثبوت قرض دہندہ کو سارٹیفکٹ ایشو کرتی ہیں، وہی بونڈ ہے سوال یہاں پر صرف اتنا ہے کہ جو کچھ سود کے نام پر دیا جاتا ہے، اس کی حرمت میں تو کوئی شبہ نہیں؟ قرض دہندہ نے جو سرمایہ بونڈس پر لگایا ہے، اس کی زکوٰۃ اسے ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ادا کرنی ہوگی تو سال بہ سال یا بونڈ کے کیش کرانے کے وقت سبھی گذرے ہوئے برسوں کی یا صرف آئندہ کی؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت اور کمپنی وغیرہ کو طے شدہ مدت اور معاہدہ کے تحت جو رقم بطور قرض دی جاتی ہے، وہ شرعی طور پر دین قوی کے حکم میں ہوتی ہے، اسلئے قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوا کرتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری کی البحر الرائق کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

الدين على ثلثة أقسام قوى وهو بدل القرض ومال التجارة (قوله) ففى القوى تجب الزكوٰة إذا حال الحول ويتراخى القضاء إلىٰ أن يقبض أربعين درهماً فيها درهم وكذا فيما زاد بحسابه الخ.

(البحرالرائق، کتاب الزکاۃ، الزکاۃ کوئٹہ ۲/ ۲۰۷، زکریا ۲/ ۳۶۳)

ترجمہ: قرض اور دین تین قسموں پر ہے، (۱) دین قوی اور وہ بدل قرض اور مال تجارت ہے تو دین قوی کے اندر حولان حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے لیکن ادائیگی چالیس درہم کے قبضہ کرنے تک موقوف رہے گی، اس کے بعد جتنا وصول ہوتا رہے گا اس کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کیا کریگا۔

عن عبد الله بن دينار ، عن ابن عمرؓ قال: زكوا ما كان في أيديكم ، وما كان من دين في ثقة ، فهو بمنزلة ما في أيديكم ، الحديث: (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على معسراً وجاحد ، دارالفكر ٦/٦٩ ، رقم: ٧٧١٧)

عن الليث بن سعد أن عبد الله بن عباس ، وعبدالله بن عمر رضى الله عنهما، قالا: من أسلف مالاً فعليه زكاته فى كل عام، إذا كان فى ثقة . (السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الزكاة ، باب الدين مع الصدقة ، دارالفكر ٦/٦٨، رقم: ٧٧١٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۵۰)

۳/باب زكاة الذهب والفضة والحلى

سونے چاندی کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) سونا نہ ساڑھے سات تولہ ہے، اور نہ ہی چاندی ۵۲؍ تولہ ہے کم کم مقدار میں سونا چاندی ہے تو اس کیلئے زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر سونا ساڑھے سات تولہ ہے، اور چاندی ۵۲؍ تولہ ہے تو اسکی زکوٰۃ دینے کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سونا اور چاندی جب نصاب سے کم ہیں تو دونوں کی قیمت لگا کر نصاب بنالیا جائے اور جب دونوں ملکر چاندی کے نصاب کو پہونچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔

عن الحسن أنه كان يقول: إذا كانت له ثلاثون ديناراً ومئة درهم، كان عليه فيها الصدقة، وكان يرى الدراهم والدنانير عينا كله. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، فى الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانيز، مؤسسه علوم القرآن جديد ۶/۳۹۳، ۳۹۴، رقم: ۹۹۸۰)

عن عبيدة قال: سألت إبراهيم عن رجل له مئة درهم وعشرة دنانيز؟ قال: يزكي من المئة درهم درهمين ونصفا ومن الدنانيز بربع دينار، قال: وسألت الشعبي فقال: يحمل الأكثر على الأقل، أوقال: الأقل على الأكثر، فإذا بلغت فيه الزكاة زكاهٗ. (المصنف لابن أبي شيبة، كتا ب الزكاة، فى الرجل تكون عنده، مئة درهم وعشرة دنانيز، مؤسسه علوم القرآن ۶/۳۹۳، رقم: ۹۹۷۸)

وتضم قيمة العروض إلىٰ الثمنين والذهب إلى الفضة قيمةً. (حاشية

الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکوٰۃ ، دارالکتاب دیوبند/۷۱۷، قدیم /۳۹۰،
هندیه ، کتاب الزکوٰۃ ، الباب الثالث الفصل الثاني في العروض زکریا دیوبند۱/ ۱۷۹،
جدید ۱/۲٤۱، کنزالدقائق، کتاب الزکاة،باب زکاة المال قدیم ۱/ ۲۰)

(۲) جب سونا اور چاندی اپنے نصاب کو پہونچ جائیں تو دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۴)

عن علي رضی الله عنه عن النبی ﷺ ببعض أول الحدیث قال: فإذا کانت لک مائتا درهم وحال علیها الحول، ففیها خمسة دراهم ، ولیس علیک شیئی یعنی فی الذهب حتی تکون لک عشرون دیناراً ، فإذا کانت لک عشرون دیناراً، وحال علیها الحول ففیها نصف دینار، فمازاد فبحساب ذلک. (سنن أبي داؤد ، کتاب الزکاة، باب في زکاة السائمة ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۱ ، دارالسلام رقم:۱۵۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۵۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۷/۵ھ

موجودہ اوزان کے اعتبار سے سونے چاندی کا نصاب زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے کتنا ہوتا ہے، اور تولہ کی مقدار کیا ہوتی ہے، بالتفصیل مع الدلائل تحریر فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالباری، دربھنگہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سونے میں زکوٰۃ کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۸۷؍گرام، ۴۸۰؍ملی گرام ہے اور موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے آٹھ تولہ سات

گرام ۴۸۰؍ملی گرام سونا ہوتا ہے، اور چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۶۱۲؍ چھ سو بارہ گرام اور ۳۶۰؍ تین سو ساٹھ ملی گرام ہے اور موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱؍ تولہ دو گرام اور ۳۶۰؍ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۳۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍ شعبان ۱۴۱۱ھ

صرف چھ تولہ سونا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال: [۴۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس چھ تولہ سونا ہے اس کے علاوہ نہ چاندی ہے نہ نقد پیسہ ہے نہ تجارتی سامان ہے صرف چھ تولہ سونا ہے، ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ تقریباً ۲۵؍ ہزار روپیہ کی مقدار کا سونا اس کے پاس ہے اگر کسی کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ جتنے میں ساڑھے باون تولہ چاندی مل جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے؟ تو کیا اس چھ تولہ سونے کی چاندی بنا کر زکوٰۃ نکالیں گے؟ یا نقد روپئے میں تبدیل کر کے زکوٰۃ نکالیں گے یا سرے سے اس پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر صرف چھ تولہ سونا ہے، اور نہ چاندی اور نہ ہی نوٹ وسکہ ہے تو اس پر سرے سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور نہ ہی اس سونے کو چاندی یا روپیہ بنا کر زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے۔

عن علي عن النبي ﷺ ..... وليس عليک شيئ يعني في الذهب، حتى تكون لک عشرون ديناراً، فإذا كانت لک عشرون ديناراً، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار، فمازاد فبحساب ذلک. (سنن أبي داؤد،

كتاب الزكاة ، باب في زكاة السائمة ، النسخة الهندية ۱/۲۲۱، دارالسلام رقم:۱۵۸۳)

نصاب الذهب عشرون مثقالاً وتحته في الشامي فمادون ذلك لازكوٰة فيه الخ .(شامي، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، زكريا ديوبند۳/۲۲٤، كراچی ۲/۲۹۵)

نصاب الذهب عند جمهور الفقهاء عشرون مثقالاً، فلا تجب الزكاة في أقل منها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/۲٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰؍صفر ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۲۳/۲۹)	۱۴۱۴/۲/۲۰ھ

سوتولہ چاندی سے زائد مقدار پر زکوٰۃ کا وجوب

سوال: [۴۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس سوتولہ چاندی ہے اور اس پر سال گذر چکا ہے، اور اس شخص کے اوپر سوتولہ چاندی کی قیمت سے زیادہ قرض ہے، اور قرضہ دینے والے شخص کی طرف سے مطالبہ بھی نہیں ہے اور قرض دینے والے سے تقریباً آٹھ دس مہینہ تک مطالبہ نہ کرنے کی امید ہے، اور اگر قرض دینے والا مطالبہ کرے گا تو دوسری جگہ سے قرض لیکر اس پہلے قرضہ کو ادا کرسکتا ہے، تو ایسی صورت میں سوتولہ چاندی پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ اور اگر دوسرے شخص سے قرض نہ لیکر اسی چاندی کو بیچ کر قرض ادا کردیا جائے، تو چاندی پر جو سال گذر چکا ہے تو اس چاندی کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد طالب، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شخص مذکور کے پاس صرف سوتولہ چاندی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے اور سوتولہ سے وہ قرضہ ادا کرنا ہے، جو سوتولہ سے

زائد ہے تو ایسی صورت میں اس سوتولہ میں سال گذرنے کے باوجود بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے ، اور اگر اس سوتولہ سے قرض ادا نہیں کرنا ہے، بلکہ قرض ادا کرنے کیلئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے ، تو ایسی صورت میں اس قرضہ کا تعلق سوتولہ سے نہیں ہوگا ، اور جب قرضہ کا تعلق اس سوتولہ سے نہیں ہوگا ، تو اس پر زکوٰۃ لازم ہوجائیگی ، اور اگر دوسری جگہ سے قرضہ لیکر پہلا قرضہ ادا کردیا ہے، اور دوسرے قرضہ کو اسی سوتولہ سے ادا کرتا ہے، تو پھر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی ، اور فقہاء نے جہاں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ قرضدار کیلئے زکوٰۃ لیکر قرض ادا کرنا جائز ہے، وہاں پر یہی مراد ہے کہ اپنی ساری ملکیت سے قرضہ ادا کردیا جائے، اس کے بعد بھی قرض باقی رہے تو بقیہ قرض زکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہوتا ہے ۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۱)

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه قال و الغارم من لزمه دين أوله دين على الناس لا يقدر على أخذه و ليس عنده نصاب . (شامی على الدر، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند۳/ ۲۸۹، كراچی ۲/ ۳۴۳، هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف زكريا ديوبند۱/ ۱۸۸، جديد۱ / ۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۹۴)	۱۴۲۶/۲/۲ھ

ایک ہزار روپیہ کے سونے پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

سوال: [۴۱۶۹] : کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہزار روپیہ کے سونے پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

المستفتي: منصور احمد، تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اگر آپ کو ہزار روپیہ میں ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ سونا مل سکتا ہے، تو ہزار روپیہ کے سونے پر اس کا چالیسواں حصہ یعنی پچیس روپیہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہوگا۔

عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا علي إني عفوت عن صدقة الخيل .... ولكن هاتوا ربع العشورمن كل مائتى درهم خمسةدرهم ، ومن كل عشرين ديناراً نصف دينار ، وليس في مائتي دراهم شيئى حتى يحول عليها الحول، فإذا حال عليها الحول ففيها خمسة دراهم ،فمازاد ففي كل أربعين درهما درهم . (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة ، باب صدقة العين ، المجلس العلمي ٤/٨٨، رقم: ٧٠٧٧)

عن ابن عمر وعائشة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من كل عشرين ديناراً فصاعداً نصف دينار، ومن الأربعين ديناراً . (سنن ابن ماجه ، أبواب الزكاة، باب زكاة الورق والذهب ، النسخة الهندية ١/١٢٨، دارالسلام رقم: ١٧٩١)

ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرون مثقالا ففيها نصف مثقال الخ. (هدايه ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال فصل فى الذهب ، اشرفيه ديوبند١/١٩٥)

نصاب زربست مثقال است كه هفت ونيم توله باشد الخ. (مالابد منه، مطبوعه لكهنؤ/١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۹۸)

سامان تجارت اور تھوڑے سونے پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس کچھ سامان تجارت ہے لیکن بقدر نصاب نہیں اور تھوڑا سونا ہے وہ بھی نصاب کی مقدار نہیں ، البتہ سب ملایا جائے تو چاندی کا نصاب پورا ہوتا ہے، پھر بھی سونے کا نصاب پورا نہیں ہوتا ہے، تو مذکورہ صورت میں زید پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو اس کی وجہ کیا ہے؟

المستفتي: محمد اشفاق، ہاوڑہ مغربی، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں اگر سامان تجارت کی قیمت کو سونے سے ملا کر چاندی کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے کی صورت میں فقراء کا فائدہ زیادہ ہے، جب چاندی کے نصاب کا اعتبار نہ کیا جائے تو زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہوتی، تو ایسی صورت میں فقراء کا نقصان ہے اس لئے ایسی صورت میں فقہاء نے چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا ہے۔

حدثنا سفيان الثوري عن عمر بن يعلىٰ الطائفي الثقفي عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم وفي إصبعي خاتم من ذهب فقال: ” تؤدي زكاة هذا“ فقلت : يارسول الله ! وهل في ذا زكاة ؟ قال نعم ، جمرة عظيمة ، قال الوليد : فقلت لسفيان كيف تؤدي زكاة خاتم وإنما قدره مثقال أو نحوه؟ قال: تضيفه إلى ما تملك فيما يجب في وزنه الزكاة ثم تزكيه . (السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب تحريم تحلى الرجال بالذهب ، دارالحديث القاهره ٤/٤٢١، رقم: ٧٥٨٥)

وتضم قيمة العروض إلىٰ الذهب والفضة حتى يتم النصاب . (هدايه ، كتاب الزكاة ،با ب زكاة المال ،اشرفيه ديوبند١/١٩٦)

يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطاً لحق الفقراء الخ. (هدايه، كتاب الزكاة، باب زكاة المال اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۳۱ھ

سونا، چاندی علیحدہ طور پر بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ کس طرح نکالے

سوال: [۴۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس تقریباً آدھا کلو چاندی اور ڈھائی تولہ سونا ہے دونوں میں سے کسی کا بھی نصاب مسئلہ کے مطابق پورا نہیں ہے پوچھنا یہ ہے کہ سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس طرح ادا کروں؟ دونوں کی یا ایک کی؟

المستفتي: عبد السلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں آپ پر صرف ایک نصاب کی زکوٰۃ لازم ہوگی جس کا طریقہ یہ ہے کہ سونے کی موجودہ قیمت لگا کر اس کو چاندی تسلیم کر لیں اور چاندی کا نصاب بارہ ماشہ کے ساڑھے باون تولہ (۵۲½ تولہ) کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۶۱۲؍گرام ۳۶۰؍ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱؍تولہ ۲؍گرام ۳۶۰؍ملی گرام اگر چاندی کی قیمت بن جاتی ہے، تو چاندی کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۲)

عن عبيدة قال: سألت إبراهيم عن رجل له مئة درهم وعشرة دنانير؟ قال: يزكي من المئة درهمين ونصفاً، ومن الدنانيز بربع دينار، قال: وسألت الشعبي فقال يحمل الأكثر على الأقل أو قال: الأقل على الأكثر، فإذا

بلغت فيه الزكاة زكاةٌ. (المصنف لابن ابي شيبة ،الزكاة ، ماقالوا فى الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانير ، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٣٩٣ ،رقم:٩٩٧٨)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة الخ. (درمختار، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال زكرياد يوبند٣/٢٣٤ ، كراچى ٢/٣٠٣، هدايه ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، فصل فى الذهب ،اشرفيه ديوبند١/١٩٦، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الزكاة ، دارالكتاب ديوبند/٧١٧، قديم/٣٩٠، هنديه ،كتاب الزكاة الباب الثالث الفصل الثاني فى العروض زكريا ديوبند١/١٧٩، جديد ١/٢٤١، كنزالدقائق ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال قديم ١/٢٠، بدائع الصنائع، كتاب الزكاة ، فصل في صفة الذهب زكريا ديوبند٢/١٠٦، خانيه على هامش الهنديه ،كتاب الزكاة ، فصل في مال التجارة ، زكرياديوبند١/٢٥٠، جديد ١/١٥٤، الفتاوىٰ التاتارخانيه ، الفصل الثاني ، زكاة المال كوئٹه ٢/٢٤٥، زكريا ديوبند ٣/١٥٨، رقم: ٣٩٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۳۷۷۶)	۱۴۲۱/۶/۷ھ

سونا، چاندی الگ الگ نصاب کو نہیں پہونچے تو ؟

سوال: [۴۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس کچھ روپئے ہیں جو چاندی کے نصاب تک نہیں پہونچتے ہیں ، اور تھوڑا سونا ہے وہ بھی سونے کے نصاب تک پہونچتا نہیں ہے، لیکن روپئے اور سونا دونوں ملائے جائیں تو چاندی کا نصاب مکمل ہو جاتا ہے، پھر بھی سونے کا نصاب پورا نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں زید کو کیا کرنا ہے؟ کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی ؟ کس حساب سے ہوگی ؟

المستفتي: اشفاق ،ہاوڑہ ،مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :مسئولہ صورت میں جب روپئے اور سونے کو ملا کر چاندی کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں آپ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

عن عبيد الله بن عبيد، قال: قلت لمكحول : يا أبا عبدالله ! إ ن لي سيفا فيه خمسون ومئة درهم ، فهل علي فيه زكاة؟ قال: أضف إليه ما كان لک من ذهب وفضة، فإذا بلغ مئتي درهم ذهب وفضة ، فعليک فيه الزكاة. (المصنف لابن ابي شيبة ، كتاب الزكاة ، فى الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانير ،مؤسسه علوم القرآن جديد ۳۹۳/۶، رقم: ۹۹۷۹)

وتضم قيمة العروض إلى الثمنيين والذهب إلى الفضة قيمة . (حاشية الطحطاوى على المراقى ، كتاب الزكوٰة ، دارالكتاب ديوبند /۷۱۷، قديم: ۳۹۰، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث الفصل الثانى فى العروض زكريا ديوبند۱ /۱۷۹، جديد ۲۴۱/۱)

فمن ملک النصاب من الورق المالى ومكث عنده حولاً كاملاً وجبت عليه زكاته باعتبار زكاة الفضة . (تكمله فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة ، حكم الأوراق المالية ، اشرفيه ديو بند ۵۱۷/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۲۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹ /۷/ ۱۴۳۱ھ

سوا کلو چاندی اور ۴؍ تولہ سونے کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائیگی؟

سوال: [۴۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر سوا کلو چاندی اور چار تولہ سونا دونوں چیزوں کو ملا کر نصاب کو پہونچتی ہیں تو ½ ۵۲؍ چاندی کا حساب لگایا جائے گا؟ یا ڈھائی تولہ سونے کا حساب لگایا جائیگا ؟ اول چاندی سونے میں تبدیل

ہوگی یا سونا چاندی میں تبدیل ہوگا؟ یا دونوں کی قیمت ایک جگہ جمع کیا جائے گی؟ مسئلہ کی اس طرح وضاحت فرمائیں کی بات صاف سمجھ میں آجائے؟

المستفتي: عقیل احمد، حسن پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوا کلو چاندی میں دو نصاب پورے ہوکر کچھ زائد ہوتا ہے، اولاً ۱۰۵ر تولہ چاندی کی زکوٰۃ ادا کردی جائے، اس بقیہ چاندی کو ۴ر تولہ سونے کے ساتھ ملا کر اگر سونے کے ساتھ نصاب کو نہیں پہونچتا ہے تو دیکھا جائے کہ چاندی کے نصاب کو پہونچتا ہے یا نہیں؟ اگر چاندی کے نصاب کو پہونچ جاتا ہے، تو قیمت لگا کر چاندی کے نصاب کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کردی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۰۸)

عن عبيد الله بن عبيد، قال: قلت لمكحول: يا أبا عبدالله! إن لي سيفا فيه خمسون ومئة درهم، فهل علي فيه زكاة؟ قال: أضف إليه ما كان لک من ذهب وفضة، فإذا بلغ مئتي درهم ذهب وفضة، فعليک فيه الزكاة. (المصنف لابن ابي شيبة، كتاب الزكاة، فی الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانير، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٣٩٣، رقم: ٩٩٧٩)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال كوئٹه ٢/٣٧، زكريا ديوبند٣/٢٣٤، كراچی ٢/٣٠٣، مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٠٦، ٣٠٧، قديم ١/٢٠٧، المبسوط للسرخسی، كتاب الزكاة، باب المال ،دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۹۰)

پانچ تولہ سونا اور تین تولہ سونے کے بقدر روپئے پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس ۵ر تولہ سونا ہے اور تین تولہ سونے کی مقدار روپیہ ہے تو سونا اور روپیہ ملا کر میرے اوپر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانچ تولہ سونا اور تین تولہ سونے کے بقدر روپئے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے، اسلئے کہ روپئے کو چاندی کے درجے میں مان لیا گیا ہے، لہٰذا دونوں چیزیں ملا کر نصاب مکمل ہو رہا ہے، اگر یہ بات سونے چاندی میں ہوتی تو ایک کو دوسرے کیساتھ ملایا جاتا اسلئے یہاں روپئے کو سونے کیساتھ ملایا جائیگا۔

عن الحسن أنه كان يقول: إذا كانت له ثلاثون ديناراً ومئة درهم، كان عليه فيها الصدقة، وكان يرى الدراهم والدنانير عينا كله. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، في الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانيز، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٣٩٣، ٣٩٤، رقم: ٩٩٨٠)

عن عمر بن يعلى الطائفي الثقفي عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم وفي إصبعي خاتم من ذهب فقال: تؤدي زكاة هذا فقلت يارسول الله! وهل في ذا زكاة؟ قال: نعم جمرة عظيمة، قال الوليد: فقلت بسفيان: كيف تؤدى زكاة خاتم وإنما قدره مثقال أو نحوه؟ قال: تضيفه إلى ماتملك فيما يجب في وزنه الزكاة، ثم تزكيه. (السنن الكبرى للبيهقي، باب تحريم تحلي الرجال بالذهب، دار الحديث القاهره ٤/ ٤٢١، رقم الحديث/ ٧٥٨٥)

ويضم الذهب إلىٰ الفضة وعكسه بجامع الثمنية. (الدر المختار

مع الشامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/۳۰۳، زکریا ۳/۲۳۴)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۴۴)

چار تولہ سونا اور دو تولہ چاندی سے وجوب زکوٰۃ

سوال: [۴۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کے پاس چار تولہ سونا اور دو تولہ چاندی ہے اس کے علاوہ نقدی کچھ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسپر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتي: حافظ رئیس الدین، محلہ مانپور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر چار تولہ سونے کی قیمت دو تولہ چاندی کے ساتھ ملانے سے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہونچ جائے، تو حساب کر کے زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

عن عبید قال–إلیٰ–وسألت الشعبي فقال: یحمل الأکثر علی الأقل، أو قال: الأقل علی الأکثر، فإذا بلغت فیه الزکاة زکاہٗ. (المصنف لابن أبي شیبه، کتاب الزکاة، فی الرجل تکون عنده مئة درهم وعشرة دنانیر، مؤسسه علوم القرآن جدید۶/۳۹۳، رقم: ۹۹۷۸)

وکذلک الذهب إلیٰ الفضة بالقیمة حتی یتم النصاب عند أبي حنیفةؒ الخ. (الجوهر النیره، کتاب الزکاة، باب زکاة العروض، دارالکتاب دیوبند ۱/۱۵۱، کراچی ۱/۱۵۳)

قومه بالأنفع للفقیر. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال

زکریا دیوبند ۲۲۹/۳، کراچی ۲۹۹/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۸۳/۲۵)

سونے چاندی کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کریں؟

سوال: [۴۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) عمر کے پاس دس تولے سونا ہے، جس کی قیمت اگر وہ اپنے سونے کو بازار میں بیچنا چاہے، تو ۲۴۰۰۰/ر ملتے ہیں، لیکن اگر وہ اتنا سونا بازار سے خریدتا ہے، تو اس کو ۲۹۰۰۰/ر روپئے اس کی قیمت دینی ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ عمر کو زکوٰۃ ۲۴۰۰۰/ر روپیہ پر دینی ہے یا ۲۹۰۰۰ پر دینی ہے، جبکہ وہ حقیقت میں ۲۴۰۰۰/ر روپیہ کی مالیت کا مالک ہے۔

(۲) عمر جمادی الثانیہ میں ۴۰۰۰۰/ر روپیہ کی مالیت کے ایسے سامان کا مالک ہوتا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس نے زکوٰۃ نکالنے کا رمضان کا مہینہ طے کر رکھا ہے کیا وہ اپنی اس چالیس ہزار روپیہ پر زکوٰۃ اس چھ ماہ کے بعد آنے والے رمضان کے مہینے میں نکالے گا، یا پھر ڈیڑھ سال آنے والے رمضان المبارک کے مہینے میں یا پھر ایک سال کے بعد جمادی الثانیہ کے ہی مہینے میں۔

(۳) ایک شخص دو تولہ سونے اور بیس تولہ چاندی کا مالک ہے کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ دو تولہ سونے سے ۹۶ تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے؟

المستفتي: احقر عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اس مسئلہ میں فقہاء نے دونوں پہلوؤں پر عمل کی گنجائش لکھی ہے قوت خرید کی قیمت کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے، کہ اس میں فقراء کا فائدہ زیادہ

ہےاورقوت فروختگی کی قیمت کا اعتبار یوں کیا جاتا ہے، کہ وہ درحقیقت اتنی ہی قیمت کا مالک ہے،اورفقہاء نے انفع للفقراء کے پیش نظرقوت خرید پرفتویٰ لکھنے کو بتلایا ہے،لیکن اگرکوئی قوت فروختگی کے اعتبار سے زکاۃ ادا کرے گا تو وہ بھی بلاتر دد جائز ہے، اسلئے کہ وہ اتنے ہی کا مالک ہے،لہٰذا دونوں طرح کی گنجائش ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۷، کتاب المسائل۲/۱۵۱)

والمعتبر وزنهما أداء ووجوبا وقال الشامي: يعني يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً عند الإمام والثاني .... واعتبر محمد الأنفع للفقراء .(شامی ، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/۲۹۷، زکریا۳/۲۲۷)

وجاز دفع القيمة في زكاة وفي الشامية : ثم إن المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة. (شامی، کتاب الزکاة ، باب زکاة الغنم کراچی ۲/۲۸۵، زکریادیوبند ۳/۲۱۰، ۲۱۱،حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الزکاة ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲٤)

(۲) عمر جمادی الثانیہ کی جس تاریخ میں صاحب نصاب ہوا ہے آئندہ سال جمادی الثانیہ کی اسی تاریخ میں اس پر زکوۃ نکالنا واجب ہے اگر وہ اس سے پہلے صاحب نصاب نہ رہا ہو، البتہ چونکہ رمضان المبارک میں زکاۃ نکالنے کی فضیلت ہے اور وہ یہ فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے،تو اس کیلئے مناسب ہے کہ جمادی الثانیہ میں زکاۃ کا حساب لگا کر رقم علیٰحدہ کردے اور پھر اس کو رمضان المبارک میں تقسیم کردیا کرے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۲۱، کتاب المسائل۲/۱۳۳)

عن علي ، قال: ليس في مالٍ زكاة حتىٰ يحول عليه الحول. (مسند أحمدبن جنبل ۱/۱۲۸، رقم: ۱۲۶۵، المصنف لابن أبي شيبة ، كتاب الزكاة ، المال يستفاد، متى تجب فيه الزكاة ، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٤٧٩، رقم: ۱۰۳۱٤، ۱۰۳۱۵، سنن الدارقطني ، كتاب الزكاة ، باب وجوب الزكاة بالحول ، دارالكتب العلمية بيروت۲/۷۷، رقم:۱۸۷۵)

وشرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه . (الدر مع الرد، كتاب الزكاة ، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ديوبند ١/ ١٧٥)

وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي نسبة للحول وقال الشامي: أي الحول القمري لا الشمسي. (شامي ، كتاب الزكاة، كراچی ٢/ ٢٥٩، زكريا ٣/ ١٧٥)

(۳) اگر سونے اور چاندی دونوں کے زیورات یا اشیاء ملکیت میں ہوں لیکن کسی ایک کا نصاب بھی پورا نہ ہوتو دونوں کو ملا کر قیمت لگائی جائیگی ،اگر دونوں کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے ،تو زکاۃ واجب ہوجائیگی ،لہذا مسئولہ صورت میں چونکہ سونے اور چاندی کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہونچ رہی ہے، اس لئے اس پر زکاۃ واجب ہوگی ۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۰۵، کتاب المسائل ۲/ ۱۳۵)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة. (در مختار) وفي الشامية : فمن له مأة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مأة عليه زكاتها الخ. (شامي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال كراچي ٢/ ٣٠٣، زكريا ٣/ ٣٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۳۶)

زیورات کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائیگی

سوال: [۴۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے کا بھاؤ برابر بڑھ رہا ہے، زیور کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائیگی، شرع کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد نسیم تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زیورات کی قیمت حضرات صاحبین کے قول کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی کے دن مارکیٹ میں خریداری کا جو بھاؤ ہو اسی کے حساب سے لگانا لازم ہے، اس میں فقراء کا فائدہ ہے یعنی خریدنے میں اگر پچاس ہزار روپیہ کا اور بیچنے میں پینتالیس ہزار کا بنتا ہے، تو پچاس ہزار کی زکوٰۃ نکلے گی۔

عن الحسن فی رجل اشتری متاعاً فحلت فیه الزکاة ؟ فقال: یزکیه بقیمته یوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، ماقالوا فی المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

عن ابن جريج، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمی ٤/٩٧، رقم: ٧١٠٥)

ولو أراد أن يؤدی القيمة جاز عندنا لكن عند أبي حنيفةؒ فی الزيادة والنقصان جميعاً يؤدی قيمتها يوم الحول وعند هما فی الفصلين جميعاً يؤدی قيمتها يوم الأداء فی النقصان وفی الزيادة. (بدائع، كتاب الزكاة، فصل التصرف في مال الزكاة، زكريا ديوبند ٢/١١٥، كراچی قديم ٢/٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۳۷)

سونے چاندی کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کی جائے؟

سوال: [۴۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے چاندی کی زکاۃ کس اعتبار سے ادا کی جائے گی، خریدی ہوئی قیمت کے اعتبار سے یا موجودہ

بازاری قیمت کے اعتبار سے؟

المستفتي: مولوی محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے اور چاندی کی زکاۃ موجودہ بازاری قیمت کے اعتبار سے نکالی جائے گی۔

عن ابن جريج قال: سمعت أناأنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الزکاۃ، الزکاۃ من العروض، المجلس العلمی ۹۷/٤، رقم: ۷۱۰٥)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يو م الأداء ………… وهو الأصح. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم کراچی ۲۸٦/۲، زکریا ۲۱۱/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۱۳ھ

زیورات کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کی جائے؟

سوال: [۴۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس دس تولے سونے کے زیورات ہیں، مانا کہ اس وقت مارکیٹ میں سونے کی قیمت چھ ہزار روپئے فی تولہ ہے، زید کے پاس جو زیورات ہیں اگر وہ انہیں مارکیٹ میں فروخت کرنا چاہے تو وہ پانچ ہزار روپئے فی تولے کے حساب سے فروخت ہوتے ہیں، آپ سے یہ معلوم کرنا ہے، کہ زید جو زکوٰۃ نکالے وہ اوپر دی گئی کون سی قیمت کے حساب سے نکالے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات واقعی ہے کہ زیورات بازار سے خریدنے کے بعد اسی بازار میں اسی صراف کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیں، تو ٹانکے کاٹنے کے نام سے

وزن سے کچھ مقدار مجریٰ کر کے لیتے ہیں، جس سے مثلاً بارہ سو روپیہ کی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ایک ہزار رہ جاتی ہے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا کرتے وقت خریداری کی قیمت کا لحاظ کر کے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں چھ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

وتعتبر القيمة يوم الوجوب ، وقالا يوم الأداء (تحته في الشامية ، وفي المحيط) يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامی، كتاب الزكاة ، باب زكاة الغنم زكريا ديوبند ۳/۲۱۱، کراچی ۲/۲۸۶)

عن الحسن في رجل اشترى متاعاً فحلت فيه الزكاة ؟ فقال: يزكيه بقيمته يوم حلت . (المصنف لابن أبي شيبه ، كتاب الزكاة، ماقالوا في المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٥٢٦، رقم: ۱۰۵۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۳۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

رشتہ دار کے پاس رکھی چاندی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس کچھ چاندی ہے اس کو کسی رشتہ دار کے پاس استعمال کے واسطے دیا ہے، تو کیا اس پر بھی زید کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے؟

المستفتي: محمد زبیر، مومن داس، پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر زید کے واپسی کا مطالبہ کرنے پر بغیر انکار کے دیدینے کا یقین ہے تو زید ہی پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔

عن الليث بن سعد ، أن عبد الله بن عباس ؓ وعبد الله بن عمر قالا : من أسلف مالا فعليه زكاته في كل عام، إذا كان فى ثقة. (السنن الكبریٰ للبيهقى ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على ملى موفى دار الفكر ٦/٦٨، رقم: ٧٧١٣)

اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة قوى ومتوسط وضعيف فتجب زكاتها، إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لافوراً بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض الخ. (الدر المختار مع الشامى ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال زكريا ديوبند٣/٢٣٦، ٢٣٧، كراچی ٢/٣٠٥، حاشية الطحطاوى على المراقى ، كتاب الزكاة، دارالكتاب ديوبند/٧١٧، قديم /٣٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۷۱/۲۵)

گروی رکھے ہوئے زیور پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کے پاس اچھا خاصہ زیور تھا، وہ اسکی زکوٰۃ دیتی رہی ہے، لیکن اب سارا زیور گروی رکھا ہوا ہے، اس کے پاس صرف ٦/ تولہ سونا زیور باقی ہے اور گروی والے زیور کی دور تک چھوٹنے کی کوئی صورت سامنے نہیں ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ دے یا نہ دے اور دے تو کتنے زیور پر چاندی بالکل نہیں ہے؟

المستفتیه: انجم آراء، محلہ رفعت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی ملکیت کو قرضہ سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے کہ قرضہ کے بقدر مجریٰ کرنے کے بعد اگر نقدی وزیور وغیرہ کو ملا کر چاندی کے نصاب کے

بقدر بچ جاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ دینی لازم ہوگی اور اگر چاندی کے نصاب کو نہیں پہونچتا ہے، تو زکوٰۃ دینی لازم نہ ہوگی، بلکہ قرضہ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ لے سکتی ہے۔

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفانؓ كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم فتؤدوا منها الزكاة، قال محمدؒ: وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله فإن بقي بعد ذلك ماتجب فيه الزكاة ففيه زكاة وتلك مائتا درهم أو عشرون مثقالاً ذهباً فصاعداً وإن كان الذى بقي أقل من ذلك بعد مايدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة وهو قول أبي حنيفةؒ. (مؤطا إمام محمد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال اشرفى ديوبند١/ ١٧٢، ١٧٣، رقم: ٣٢٣)

مديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند٣/ ٢٨٩، كراچى ٢/ ٣٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۸۵)

مسلم فنڈ میں رکھے زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات اپنا زیور بطور حفاظت مسلم فنڈ میں رہن رکھتے ہیں اور روپیہ قرض لیتے ہیں دو فائدے کیوجہ سے ایک تو زیور کی حفاظت رہتی ہے، دوسرے روپیہ لیکر کاروبار کرتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کیا ایسے زیور پر زکوٰۃ فرض رہتی ہے، یا زکوٰۃ ختم ہے جیسا کہ راہن اور مرتہن پر زکوٰۃ نہیں ہے، بہت لوگوں نے یہ جزئیہ سن کر اپنے زیورات رہن پر رکھنا شروع کردیئے ہیں شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسلم فنڈ میں چاہے حفاظت کی غرض سے بطور رہن زیور رکھا جائے یا پیسوں کی ضرورت کی وجہ سے قرض لینے کی غرض سے زیور رہن میں رکھا جائے، ہر صورت میں رہن میں رکھے ہوئے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، مرتہن پر اسلئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے کہ مرتہن کو ملک رقبہ حاصل نہیں ہے، اور راہن پر اسلئے واجب نہیں ہوتی ہے کہ مال رہن پر راہن کا قبضہ باقی نہیں رہتا ہے، اور وجوب زکوٰۃ کیلئے ملک تام لازم ہے، اور بغیر قبضہ کے ملک تام حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لئے راہن پر بھی مال رہن کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اور رہن چھوڑ کر کے واپس حاصل کر لینے کے بعد بھی راہن پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے، اس لئے سوال نامہ میں ذکر کردہ صورتوں میں مسلم فنڈ میں گروی رکھے ہوئے زیور کی زکوٰۃ کسی پر بھی واجب نہیں ہے۔

لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولاعلى الراهن لعدم اليد وإذا استرده الراهن لايزكى عن السنين الماضية قوله ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم ملك اليد، وليس فيها ما يدل على أنه لايزكى بعد الاسترداد لكن قال في الخانية السائمة إذا غصبها ومنعها عن المالك وهو مقر ثم ردها عليه لازكاة على المالك فيما مضىٰ وكذا لو رهنها بألف وله مائة ألف فحال الحول على الرهن في يد المرتهن يزكى الراهن ماعنده من المال إلا ألف الدين. (شامی، کتاب الزکاة کراچی ۲/۲۶۳، زکریا۳/ ۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۰۱)

گزشتہ سالوں کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زبیدہ کے پاس بیس سال تک چار تولہ سونا اور ڈھائی سو گرام چاندی رہی پھر پانچ سال کے عرصہ میں پہلے آدھا تولہ پھر ایک تولہ سونا کم ہوگیا، پھر مزید تین سال کے بعد سب چاندی سونا تقسیم کردیا تو اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ اس اٹھائیس سال کے عرصہ کی جو زکوٰۃ نہیں دی ہے، اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے، براہ کرم حساب لگا کر مطلع فرمائیں؟

المستفتي: انعام احمد قاسمی، کاسگنج، جامع مسجد، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مابقیہ سے دوسرے سال کی زکوٰۃ ادا کریں، اور پھر اسی طرح حتی کہ جب تک نصاب سے کم نہ ہوجائے زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اور جب نصاب سے کم رہ جائے، تو پھر زکوٰۃ لازم نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۶۵، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۵)

وفی البدائع إذا کان لرجل مأتا درھم أوعشرون مثقال ذھب فلم یؤد زکاته سنتین یزکی السنة الأولیٰ. (بدائع، پاکستانی ۲/ ۷، کتاب الزکاۃ، دین الزکاۃ، زکریا دیوبند ۲/ ۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۹)

سالوں سے مدفون زیورات کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صغریٰ بیگم کے پاس تقریباً ڈیڑھ کلو ذاتی زیورات ہیں جس میں دو ڈھائی تولہ سونا اور بقیہ چاندی ہے یہ زیورات پچیس سال سے مدفون تھے، اب شوہر کے انتقال کے بعد اس نے وہ زیورات

نکالے ہیں، اور شوہر کیلئے صدقۂ جاریہ کے طور پر مسجد وغیرہ کی تعمیر میں وہ زیورات دینے کا ارادہ ہے اب سوال یہ ہے!

(۱) کیا پچھلے پچیس سال کی اس زیور کے اوپر واجب ہونے والی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، اگر زکوٰۃ دی جاتی ہے تو مسجد میں دینے کیلئے تھوڑا بہت ہی زیور بچ پائے گا، اور بیوہ کے پاس اسکے علاوہ کچھ نہیں ہے؟

(۲) بیوہ کے لڑکوں کا مطالبہ یہ ہے کہ والدہ زیور تقسیم کریں جبکہ والدہ کا ارادہ نہیں ہے، کیونکہ وہ ان کا ذاتی زیور ہے، تو کیا اولاد کا یہ مطالبہ کرنا درست ہے، شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد شاکر، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو زیورات ۲۵؍سال سے مدفون تھے اور ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہے، ان کی زکوٰۃ ادا کرنا صغریٰ بیگم پر واجب ہے اور ان کی زکوٰۃ ادا کرنے کی شکل یہ ہوگی کہ سوالنامہ کے مطابق ۱۴۰۵ھ میں یہ زیور دفن کئے گئے ہیں، ۱۴۰۶ھ کی زکوٰۃ کل زیورات کی چالیسواں حصہ شمار ہوگی، پھر ۱۴۰۷ھ میں ما باقی کا چالیسواں، پھر ۱۴۰۸ھ میں اسکے ما باقی کا چالیسواں حصہ، اسی طرح حساب لگا کر ۱۴۳۰ھ میں ڈھائی تولہ سونے کو چھوڑ کر چاندی کی زکوٰۃ کا حساب یہ بیٹھا ہے کہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱/۲ :۱۴۷؍تولہ چاندی ہے اور پچیس سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد ۸۷؍تولہ ۳؍گرام اور ۱۵؍ملی گرام یعنی ۸۴۳؍گرام ۱۵؍ملی گرام چاندی بچتی ہے، اس کو صغریٰ بیگم جہاں چاہے خرچ کر سکتی ہے، اور چونکہ چاندی کیساتھ سونا بھی ہے ایسی صورت میں سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر قیمت لگائی جائے، اور ۲۵؍سال تک جو قیمت بیٹھے اس کا ہر سال خود حساب لگا کر زکاۃ نکال دیں۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ۹/ ۳۸۰، ۳۸۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۳۴، ۳۵)

(۲) جب تک صغریٰ بیگم زندہ ہے اس میں نہ بیٹوں کا حق ہے اور نہ ہی بیٹیوں کا حق ہے، وہ جس طرح چاہیں صرف کرسکتی ہے۔

ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه . (الدر مع الرد، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره ، مطلب اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك زكريا ديوبند ۱۵۲/۸، كراچی ۴۴۷/۵)

والمالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك . (بيضاوى شريف، كتب خانه ، رشيديه دهلى ۷/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۲۲ھ

زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا شوہر پر واجب ہے یا بیوی پر

سوال: [۴۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری شادی ۱۲ر سال قبل ہوئی تھی، اللہ کی رحمت سے ۴ر بچے ہیں، پہلے میرے کاروباری حالات بہت اچھے تھے، ہر سال زکوۃ بھی ادا کرتا تھا، دو سال سے کاروبار بالکل ختم ہو چکا ہے، اور میں نوکری پر ہوں بتیس سو روپیہ ماہوار میری تنخواہ ہے دونوں کے پاس ذاتی جمع پونجی کچھ نہیں، دو سال سے میں زکاۃ نہیں ادا کر پا رہا ہوں، میرے اوپر کوئی زکوۃ نہیں ہے، بیوی کی زکوۃ میں ہی ادا کرتا ہوں بیوی کے پاس زیور کے علاوہ کوئی رقم نہیں ہے، اور نہ کوئی کاروبار، میں اس کا مہر بھی نہیں ادا کر سکا، زکوۃ سال کی تقریباً تین ہزار روپیہ بنتی ہے ، دو سال سے یہی سوچتا رہا ہوں اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ کاروبار ہو گیا تو زکوۃ ادا کر دوں گا، لیکن حالات یہ بتا رہے ہیں، کہ کاروبار سے فی الحال جڑنا مشکل ہے؟

(۱) کیا زیور ماں اپنے بچوں کے نام کرسکتی ہے اور کچھ اپنے پاس رکھ لے؟

(۲) لڑکے اور لڑکیوں میں برابر تقسیم ہوگا؟

(۳) بچوں کے بالغ ہونے پر زکوۃ ان پر فرض ہوگی جبکہ کوئی آمدنی کا ذریعہ نہ ہو؟

(۴) ضرورت پڑنے پر اس کو خرچ کیا جا سکتا ہے؟

(۵) مہر کی رقم جو کہ لگ بھگ تیس بتیس ہزار روپیہ بنتی ہے، غیر مؤجل ہے عورت کو اس کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟

(۶) بچوں کے نام جو زیور کریں، اس کو بیچ کر ایف ڈی بچوں کے نام کرا سکتے ہیں، کیا ایف ڈی جائز ہے؟

المستفتي: نواب، تمبا کو اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) مذکورہ زیورات کے مالک آپ نہیں ہیں آپ کی بیوی ہے کاروبار کے بند ہونے کی وجہ سے آپ مفلس ہو چکے ہیں، تو آپ پر تو زکوۃ دینا واجب نہیں لیکن آپ کی بیوی مالدار صاحب نصاب ہے اسلئے اس پر زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، گذشتہ دو سالوں کی جو زکوۃ نہیں ادا کی گئی ہے، اس کا بھی ادا کرنا لازم ہے، اور زیورات کی زکوۃ اصلاً ان ہی زیورات میں سے ادا کرنا لازم ہوتا ہے، البتہ اگر اس کے علاوہ روپیہ پیسہ ہو تو اس سے ادا کرنا بھی جائز ہے، دین مہر کی زکوۃ اس وقت تک ادا کرنا عورت پر لازم نہیں ہے، جب تک دین مہر اس کو وصول نہ ہو جائے، اور جب دین مہر وصول نہیں ہوا ہے تو عورت پر اس کی زکوٰۃ بھی لازم نہیں، اسلئے کہ اداء زکوٰۃ کیلئے ملک تام شرط ہے، اور یہاں ملک تام نہیں، اگر زیورات کو بچوں کے نام کر دیا جائے تب بھی پچھلے سالوں کی زکوۃ معاف نہیں ہوگی، اور ایک بات یاد رکھنی چاہئے، کہ زکوٰۃ سے بچنے کیلئے اس طرح کا حیلہ کاروبار میں بے برکتی کا سبب بنتا ہے، نیز اگر حیلہ کر کے بچوں کو مالک بنا دیا جائے، تو پھر بچوں سے واپس لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ کھانے پینے میں محتاجی پیش آ جائے تو بقدر ضرورت اس میں سے لیکر کھانے پینے میں خرچ کرنیکی گنجائش ہے اور بچوں کے بالغ ہونے کے بعد ان پر بھی ان زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام -إلى- وافتراضها عمري اى على التراخي (تحته في الشامي) ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب ويتعين ذلك الوقت للوجوب، وإذا لم يؤد إلىٰ آخر عمره، يتضيق عليه الوجوب حتى لولم يؤد حتى مات يأثم . (شامی، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/۲۵۹، ۲۷۱، زکریا۳/۱۷۴، ۱۹۱)

والمعتبر وزنهما أداء ووجوباً لاقيمتهما وفي الشامية: وهذا إن لم يؤد من خلاف الجنس، وإلا اعتبرت القيمة إجماعاً . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال کراچی ۲/۲۹۷، زکریا۳/۲۲۷)

ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد وأماإذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض لاتجب فيه الزكاة .(هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ديوبند۱/۱۷۲، جديد ۱/۲۳۳)

وإذا فعله حيلة لدفع الوجوب -إلىٰ- قال أبو يوسف: لايكره -إلىٰ- وقال محمد: يكره واختاره الشيخ حميد الدين الضرير لأن فيه إضراراً بالفقراء وإبطال حقهم مآلا..... الفتوىٰ.... في الزكاة على قول محمد. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم کراچی۲/۲۸٤، زکریادیوبند۳/۲۰۸، الموسوعة الفقهية الكويتية۲۳/۲۸۷)

ومنها أن يهبه لطفله قبل التمام بيوم (تحته في الشامي) لكن لايمكنه الرجوع في هذه الهبة لكونها لذي رحم محرم منه نعم إن احتاج إليه فله الإنفاق منه على نفسه بالمعروف. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال قبیل باب المعاشر کراچی ۲/۳۰۸، زکریا۳/۲٤۱)

(۲) سود حاصل کرنے کے لئے ایف ڈی کرانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۱۷۵) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۳۵)

بیوی کے زیورات میں شوہر پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی

سوال: [۴۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کے زیورات میں شوہر کو کب زکوٰۃ دینی ضروری ہوگی؟

المستفتي: محمد زبیر، مومن داس، پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زیورات پر بیوی کی ملکیت وقبضہ کی صورت میں بیوی پر ہی اس کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہے، لیکن اگر بیوی اپنے قبضہ سے نکال کر شوہر کو مالک بنادے، تو اس صورت میں شوہر پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم وضروری ہوگا، ورنہ بیوی کے ذمہ زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

الزکوٰة واجبة علی حر مسلم عاقل بالغ إذا ملک نصاباملکاً تاماً وحال علیه الحول. (هدایه، کتاب الزکاة، اشرفیه دیو بند ۱/۱۸۵، مطبوعه جیسور ۱/۱۶۵)

ومنها الملک التام وهو ما اجتمع فیه الملک والید الخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا دیوبند ۱/۱۷۲، جدید ۱/۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۶۵)

بیوی کے زیورات یا مال کی زکوٰۃ شوہر کا ادا کرنا

سوال: [۴۱۸۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بیوی کے زیورات یامال کی زکوٰۃ شوہر اپنے مال سے ادا کردے یا جتنی زکوٰۃ نکلتی ہے شوہر اتنی قیمت خودادا کردے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یانہیں؟

المستفتي: شیخ عبدالکریم، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت اپنے زیورات یامال کی زکوٰۃ خودادا کرے گی، لیکن عورت کی جانب سے صراحتاً یادلالۃً اجازت ملنے پر شوہر اپنے مال سے ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔

من أدیٰ زکوٰۃ مال غیره من مال نفسه بأمر من علیه الزکوٰۃ جاز.

(تاتار خانیه، کتاب الزکاۃ، الفصل التاسع المسائل المتعلقة بمعطي زکریا دیوبند۳/۲۲۷، رقم: ۴۱۹۹، کوئٹه ۲/۲۸۴، البنایه، کتاب الزکاۃ، قبیل باب صدقة السوائم، اشرفیه دیوبند۳/۴۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲ھ

شادی کیلئے رکھے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ ماں باپ پر یالڑکی پر؟

سوال: [۴۱۸۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کی شادی کے لئے رکھے ہوئے زیورات پرزکوٰۃ کس کے ذمہ لازم ہے، باپ پرلازم ہے یالڑکی پر؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی کیلئے رکھے ہوئے زیورات لڑکی کے حوالے نہیں کئے گئے ہیں، بلکہ ماں باپ کی ملکیت میں ہیں، توان کی مالیت کے اعتبار سے ماں باپ پرزکوٰۃ واجب رہے گی، اور اگرلڑکی کی ملکیت میں دے دیے ہیں تو جب تک وہ

نابالغ ہیں، ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور بالغ ہونے کے بعد اگر نصاب وغیرہ کی شرائط پوری ہوتی ہیں، تو سال گزرنے پر لڑکی ہی پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۳۷۶، میرٹھ ۱۴/۸۱، کتاب المسائل ۲/۲۲۰)

وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي...... تام . (شامی، کتاب الزکاۃ زکریا ۳/۱۷۴، کراچی ۲/۲۵۹)

وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام خرج المجنون والصبى فلا زكوٰة فى مالهما- وإنما يعتبر ابتداء الحول من وقت الإقامة كالصبي إذا بلغ يعتبر ابتداء الحول من وقت البلوغ؛ (البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، زکریا ۲/۳۵۳، کوئٹہ ۲/۲۰۲)

ومنها العقل والبلوغ فليس الزكاة على صبي ومجنون.......... وكذا الصبى إذا بلغ يعتبر ابتداء الحول من وقت بلوغه. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/۱۷۲، ماجديه ۱/۱۷۲، هنديه جديد اتحاد ۱/۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۰/۴۰)

سسرال سے ملے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ کس پر

سوال: [۴۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کو میکہ کی طرف سے جو زیورات ملتے ہیں، اس پر لڑکی کی ملکیت ہونے پر کوئی تردد نہیں ہے لیکن سسرال کی طرف سے مہر کے علاوہ جو زیورات ملتے ہیں ان کی زکوٰۃ کون ادا کریگا، لڑکی پر واجب ہے یا لڑکے پر اگر خدانخواستہ علیحدگی واقع ہو جائے تو یہ زیورات لڑکے کو واپس مل جاتے ہیں، اور اگر علیحدگی عمل میں نہیں آتی ہے تو وہ زیورات دلہن کے

پاس رہتے ہیں، اسی کے تصرف میں رہتے ہیں، وہ اپنے اولاد کی شادیوں میں دیتی ہے جو چاہے کرسکتی ہے؛ اس بات کو پیش نظر رکھ کر اس کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی ؟ جو بھی جواب ہو تحریر فرمائیں کرم ہوگا ؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میکہ کی جانب سے جو زیورات لڑکی کو ملے ہیں ان کی زکوٰۃ خود لڑکی پر فرض ہے اور جو زیورات سسرال کی جانب سے ملے ہیں، اگر انہیں دلہن کی ملکیت میں دے دیا گیا ہے، تو زکوٰۃ دلہن پر فرض ہوگی اور اگر دلہن کے پاس بطور عاریت کے رکھے ہوئے ہیں، تو ایسی صورت میں شوہر پر زکوٰۃ فرض ہوگی، کیونکہ وجوب زکوٰۃ کیلئے ملکیت تام کا ہونا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ عثمانی ۲/۴۲، کتاب الفتاویٰ ۳/۲۸۲)

وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي...... تام . (شامی، کتاب الزكاة زكريا ۳/۱۷٤، كراچی ۲/۲۵۹)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم، إذا ملك نصابا ملكاً تاماً وحال عليه الحول . (تاتارخانيه، كتاب الزكاة، وجوب الزكاة وسببها وحكمها زكريا ٤/۱۳٤، برقم: ۳۹۳٤)

وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام والحرية وملك نصاب حولي فارغ عن الدين. (البحر الرائق، كتاب الزكاة زكريا ۲/۳۵۵، كوئٹه ۲/۲۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۸)

شادی میں ملے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب سے میری شادی ہوئی ہے، میرے زیور کی زکوٰۃ نہیں نکالی گئی آیا ان زیورات کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور انکی زکوٰۃ کس طرح سے ادا کی جائے گی؟

المستفتیه: منور جہاں، پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر آپ کے زیورات کی مقدار نصاب کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو اس کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے، اور اب تک جتنے سالوں کی زکوٰۃ نہیں نکالی گئی، سب کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور اگر آپ کے پاس کچھ نقدی رقم نہیں ہے تو انہی زیورات میں سے کچھ بیچ کر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن امرأتين أتتا رسول الله، وفي أيديهما سواران من ذهب، فقال لهما! أتؤديان زكاته؟ قالتا: لا، قال: فقال لهما رسول الله ﷺ: أتحبان أن يسوركما الله بسوارين من نار؟ قالتا: لا، قال: فأديا زكاته. (سنن الترمذی، کتاب الزكاة، باب ماجاء فی زكاة الحلي، النسخة الهندية ۱/۱۳۸، دار السلام رقم: ۶۳۷، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۴/۱۷۰، رقم: ۴۳۱، مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب التبر والحلي، المجلس العلمي ۴/۸۵، ۸۶، رقم: ۷۰۶۵، مسند أحمد بن حنبل ۲/۱۷۸، رقم: ۶۶۶۷، ۲/۲۰۴، رقم: ۶۹۰۱، ۲/۲۰۸، رقم: ۶۹۳۹)

وفی تبر الذهب والفضة وحليهما وأوانيهما زكوٰة. (هدايه، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل فی الذهب، اشرفيه ديوبند ۱/۱۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۲۳ھ

ایضاح المسائل کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال :[۴۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایضاح المسائل/ ۱۰۵ پر ایک مسئلہ نظر سے گذرا جس میں تحریر ہے کہ سونے چاندی کی زکوٰۃ خریداری کی قیمت سے ادا کی جائے گی، چاہے دام زیادہ ہو، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ششم طبع جدید/ ۱۰۸ پر تحریر ہے کہ سوتولہ چاندی میں ڈھائی تولہ چاندی دینا لازمی ہے، قیمت لگا کر دینا ہوتو جو قیمت زکوٰۃ نکالنے کے وقت چاندی کی وہاں کے بازار میں ہے اس حساب سے ادا کرے، خرید کے دن کا حساب معتبر نہ ہوگا، دریافت طلب بات یہ ہے کہ ایضاح المسائل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خریداری کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے اور فتاویٰ دارالعلوم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید کے دن کا حساب معتبر نہیں ہے پس ان دونوں میں کون صحیح ہے یا دونوں ہی صحیح ہیں میرے سمجھنے کا فرق ہے، وضاحت سے تسلی بخش جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: دلدار علی، شفاعت امروہہ گیٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سونا چاندی دو قسموں پر ہیں۔

(۱) وہ جو اپنے گھر کے لئے خریدا جاتا ہے، اس میں تجارت کا ارادہ نہیں ہوتا ہے تو ایسے سونے چاندی میں خریداری کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا بوقت ادائیگی بازاری بھاؤ کا اعتبار ہوگا اور فتاویٰ دارالعلوم میں یہی شکل مراد ہے۔

(۲) وہ سونا چاندی جو گھر کیلئے نہیں خریدا بلکہ تجارت کیلئے خریدا ہے مثلاً دہلی سے لاکر مرادآباد میں فروخت کرنے کی نیت ہے تو ایسی صورت میں خریداری کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے، اور ایضاح المسائل میں یہی شکل ہے، اس کی سرخی سمیت دوبارہ نظر ثانی فرمائیں، انشاء اللہ تعالیٰ بات سمجھ میں آجائیگی یہ ایسا ہے کہ جیسے تاجر دہلی سے کپڑا بیچنے کیلئے لاتا ہے، تو اسکی زکوٰۃ خریداری کے حساب سے نکال کر دینے کا حکم ہے، انشاء اللہ تعالیٰ امید کہ

شبہ دور ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۲۲)

ہیرے جواہرات کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہیرے جواہرات کی تجارت کی جاتی ہے، جو لوگ ہیرے اور جواہرات کی تجارت کرتے ہیں، بظاہر مال تجارت ہونے کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی ہی لیکن دوسرا سوال یہ ہے کہ جو لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین کی زد سے بچنے کیلئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کی صورت میں اپنے سرمائے کو محفوظ کرنے کے بجائے ہیرے جواہرات لاکھوں روپئے کے خرید کر محفوظ کر دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہیرے جواہرات حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہیں اور بڑی مالیت رکھتے ہیں، شرعاً ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

بعض اوقات خواتین محض تزئین و آرائش کیلئے ہیرے جواہرات استعمال کرتی ہیں ان کا مقصد تمول نہیں ہوتا ہے، وجوب زکوٰۃ کے بارے میں ان کا کیا حکم ہوگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہیرے جواہرات اگر تجارت کیلئے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر تجارت کیلئے نہیں ہیں، بلکہ گھروں میں برائے زینت یا کسی اور مقصد سے جمع کر رکھا ہے تو ہیرے و جواہرات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسلئے کہ ہیرے جواہرات اگرچہ حوائج اصلیہ سے زائد ہیں لیکن وجوب زکوٰۃ کیلئے مال نامی ہونا بھی شرط ہے، اوران میں نمو اور بڑھوتری کی شرط نہیں پائی جاتی ہے، اسلئے ہیرے جواہرات چاہے

کتنے ہی مقدار میں ہوں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

عن عمرو بن شعیب ، عن أبیه ، عن جده ، قال: قال رسول الله ﷺ : لازکاة في حجر . (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الزکاة ، باب مالا زکاة فیه من الجواهر غیر الذهب والفضة ،دارالفکر ٦/ ٦٠، رقم: ٧٦٨٣)

عن سعید بن جبیر قال: لیس في حجر زکاة، إلا ما کان لتجارة من جوهر ولا یاقوت ولا لؤلؤ ولا غیره إلا الذهب والفضة وروینا نحو هذا القول عن عطاء ، وسلیمان بن یسار وعکرمة والزهری والنخعي ومکحول. (السنن الکبری للبیهقی، کتاب الزکاة، باب مالا زکاة فیه من الجواهر غیر الذهب والفضة، دارالفکر ٦/ ٦١، رقم: ٧٦٨٥، انظر للتفصیل المصنف لابن أبی شیبة، کتاب الزکاة ، فی اللؤلؤ والزمرد ، مؤسسه علوم القرآن ٦/ ٤٤٧، ٤٤٨، رقم:١٠١٦٢ تا ١٠١٧١)

أما الیواقیت واللآلی والجواهر فلا زکوٰة فیها وإن کانت حلیا إلا أن تکون للتجارة. (الجوهرة النیرة، کتاب الزکاة ، باب زکاة الذهب ، دارالکتاب دیوبند ١/ ١٤٩، هندیه، کتاب الزکاة، الباب الثالث الفصل الثانی فی العروض زکریا دیوبند ١/ ١٨٠، جدید ١/ ٢٤١)

ترجمہ: یاقوت ،موتی ، جواہرات اگر تجارتی نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ زیور کی شکل میں کیوں نہ ہوں۔

والجواهر واليواقيت فلا شيئ فيها. (هنديه، كتاب الزكاة، قبيل، الباب السادس في زكاة الزرع والثمار زكريا ديوبند ١/١٨٥، جديد ١/٢٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/١٩٧)

ترجمہ: یاقوت وجواہرات میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

فإن الحوائج الأصلية أعم من الدين والنامى أعم منها لأنه يخرج به كتب العلم لغير أهلها وليس من الحوائج الأصلية الخ. (شامی، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ٣/١٧٨، كراچی ٢/٢٦٢)

ترجمہ: اسلئے کہ حوائج اصلیہ میں دین بھی شامل ہے اور نمو بھی دین کو شامل ہے اور اسی نمو کی قید کی وجہ سے غیر اہل کیلئے کتب دینیہ نصاب کے دائرہ سے خارج ہوجاتی ہے، حالانکہ وہ غیر اہل کیلئے حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہیں۔

اور غیر نامی اشیاء اگر بقدر نصاب یا نصاب سے زیادہ حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو مالک پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اس کی وجہ سے صرف مستحق زکوٰۃ بننے سے محروم ہوتا ہے، اسلئے ہیرے وجواہرات میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتجارة غير أن الأهل له أخذ الزكوٰة، وإن ساوت نصباً (تحته فى الشامية) وأما غير الأهل فإنهم يحرمون بالكتب من أخذ الزكوٰة لتعلق الحرمان بملك

ترجمہ: ایسے ہی کتابیں اگر چہ نااہل کیلئے ہوں جبکہ تجارت کی غرض اسمیں نہ ہو (تو اسمیں زکوٰۃ نہیں ہے) لیکن اگر با اہل عالم کی کتابیں ہیں تو اس کیلئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہوگا، کتابیں چاہے کئی نصاب کے بقدر کیوں نہ ہوں اور غیر اہل ان کتابوں کی وجہ سے مستحق زکوٰۃ ہونے سے محروم ہوجائیگا جبکہ نامی اور

قدر نصاب غير محتاج إليه وإن لم يكن نامياً. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۲، كراچی ۲/ ۲٦٥)

تجارتی نہ ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۷)

۴/باب أموال التجارة

مال تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صاحب نصاب ہے، ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اس کے پاس مال تجارت میں کچھ رومال ٹوپیاں وغیرہ بھی ہیں مگر رومال کی خرید پچاسی روپیہ کے حساب سے ہے اور وہ ایک سو دس یا سوا سو روپیہ میں بیچتا ہے، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ زکوٰۃ لاگت کے اعتبار سے ادا کرے یا جس قیمت میں بیچتا ہے، اس قیمت کے اعتبار سے ادا کرے؟

المستفتي: محمد ساجد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ ادا کرتے وقت ٹوپی رومال وغیرہ کی جو قیمت بازار میں ہو اسی کا لحاظ کر کے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، خواہ وہ قیمت خرید سے زائد ہو یا کم ۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۰۵، ایضاح النوادر ۲/ ۴۱، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۱۴۱)

عن الحسن في رجل اشترىٰ متاعاً فحلت فيه الزكاة؟ فقال: يزكيه بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا فى المتاع يكون عندالرجل يحول عليه الحول، مؤسسه علوم القرآن ٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

عن ابن جريج، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تجرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمى ٤/ ٩٧، رقم: ٧١٠٥)

وفى المحيط يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامى، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كراچى ٢/ ٢٨٦، زكريا٣/ ٢١١، هكذا فى الهنديه، كتاب الزكاة،

الباب الثالث الفصل الثاني في العروض زكريا ١/١٨٠، جديد ١/٢٤١، بدائع، كتاب الزكاة، صفة الواجب في أموال التجارة زكريا ديوبند ٢/١١ ٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۲ھ

مال تجارت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

سوال: [۴۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک سال میں ۶؍لاکھ روپیہ کا دھندا کرتا ہوں ہمارے پاس روپیہ ایک یا دو دن ہی رہتا ہے، روپیہ آج ہمارے پاس آتا ہے کل یا پرسوں کو ہم اس کا مال خرید کر بیچ دیتے ہیں، ہمارے پاس اس مال کا فائدہ بھی نہیں رہتا سب مال ہی میں لگا رہتا ہے، اس میں اپنے خرچ میں جتنا آجاتا ہے وہی اسمیں سے نکلتا ہے روپیہ سارا غیر مسلموں پر رہتا ہے، براہ کرم تحریر فرمائیں ہمیں زکوٰۃ کس طرح دینا ہے۔

المستفتي: عبدالستار، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ کی درج شدہ شکل میں آپ کی ملکیت میں مال تجارت ہے اگر پورا مال فروخت ہوکر روپیہ ہاتھ میں آجانے کے بعد زکوٰۃ ادا کرنی ہے، تو ہزار میں ۲۵؍روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ میں نکالدیا کریں، اور اگر مال فروخت ہونے سے پہلے ادا کرنی ہے، تو مال کی قیمت لگا کر ہزار میں ۲۵؍روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ میں نکالدیں، اور اگر کچھ روپیہ ہے اور کچھ مال تجارت ہے تو روپیوں میں سے ہزار میں ۲۵؍ روپیہ کے مال کی قیمت لگا کر ہزار میں ۲۵؍روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ میں نکالدیا کریں۔

عن سمرة بن جندب قال: أما بعد: فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب العروض إذا

كانت للتجارة، هل فيها زكاة، النسخة الهندية ١/٢١٨، دارالسلام رقم: ١٥٦٢، المعجم الكبير للطبراني ، دار إحياء التراث العربي ٧/٢٥٣، رقم: ٧٠٢٩، ٧/٢٥٧،رقم: ٧٠٤٧، السنن الكبرى للبيهقي ، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة، دارالفكر ٦/٦٢، رقم: ٧٦٩٠)

عن حماس قال:مرعلي عمر فقال : أدزكاة مالک ، قال: قلت مالي مال أزكيه إلا في الخفاف والأدم قال: قومه وأدزكاته. (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة ، باب الزكاة من العروض ، المجلس العلمى ٤/٩٦، رقم: ٧٠٩٩، السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة ، دارالفكر ٦/٦٤،رقم: ٧٤٩٦)

الزكوٰة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت الخ. (الجوهرة، كتاب الزكاة، باب زكاة العروض ، دارالكتاب ديو بند ١/١٥٠، كراچی ١/١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۴/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۱ھ

تجارت کے مال کی زکوٰۃ کیسے نکالی جائے گی؟

سوال: [۴۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید تجارت کرتا ہے، اب اسے زکوٰۃ ادا کرنی ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مالیت کس اعتبار سے لگائی جائیگی، جتنے میں مال خریدا ہے اس کا اعتبار کیا جائیگا یا جتنے میں بکے گا، اس کا اعتبار کیا جائیگا، چنانچہ زید کے پاس اس وقت ساٹھ ہزار کا مال ہے جو وہ خرید کر لایا ہے، جبکہ زید جب اسے فروخت کریگا، تو تقریباً ایک لاکھ کا ہو جائیگا، اب آیا ساٹھ ہزار کی زکوٰۃ نکالے یا ایک لاکھ کی واضح فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن غازی، شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے پاس جو مال ہے، اسکی فی الحال ادائیگی

زکوٰۃ کے وقت جو قیمت بازار میں بنتی ہے، اس کا اعتبار کیا جائیگا، اور اسی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۱۴۱، و۶/ ۱۴۹، ایضاح النوادر ۲/ ۴۲)

عن الحسن رجل اشترى متاعاً فحلت فيه الزكاة؟ فقال: يزكيه بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ماقالوا فى المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جديد ۶/ ۵۲۶، رقم: ۱۰۵۵۹)

وعنده تعتبر قيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء (تحته فى الشامية) وفى المحيط يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامى، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، زكريا ديوبند ۳/ ۲۱۱، كراچى ۲/ ۲۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ صفر ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۱۸)	۱۴۲۰/۲/۶ھ

مشترکہ کاروبار میں زکوٰۃ کی ادائے گی کیسے ہو؟

سوال: [۴۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو فریق کافی عرصہ سے کاروبار میں بقدر حصہ نفع ونقصان میں شریک تھے، ۳۱/ مارچ ۱۹۹۰ء کو فریقین کی اتفاق رائے سے شرکت ختم ہوگئی، یہ دونوں فریق ہر سال اپنے مشترکہ فنڈ سے زکوٰۃ اپنے اپنے سرمایہ کے بقدر ادا کرتے چلے آئے ہیں، ۳۱/ مارچ کو شرکت ختم ہوگئی ہے علاحدگی والے سال میں بھی زکوٰۃ ادا کی ہے تقسیم شدہ زکوٰۃ کے بارے میں ایک فریق کا کہنا یہ ہے کہ نصف نصف زکوٰۃ نام میں درج کرنی ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ تقسیم شدہ زکوٰۃ کو بقدر سرمایہ فریقین کے نام درج کرنی ہے، اس بارے میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں کیا درست ہے؟

المستفتي: محمد یامین جمالی، شیدی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زکوٰۃ کی ادائیگی ہر فریق کے سرمایہ کے حساب

سے کرنا ہر فریق پر لازم ہے، لہذا اس کا حساب اور اندارج بھی اسی حساب سے کرنا دونوں فریق پر لازم ہے، اور جن شرائط پر شروع سے کاروبار چل رہا ہے، ان کا لحاظ بھی علاحدگی تک باقی رکھنا لازم ہے۔

قال سفیان: لایجب حتی یتم لهذا أربعون شاة، ولهذا أربعون شاة.
(صحیح البخاری، تعلیقا، الزکاة، باب ماکان من خلیطین فإنهما یتراجعان بنیهما بالسویه، النسخةالهندیة ۱/۱۹۵)

عن الثوری قال: قولنا : لایجب علی الخلیطین شیئی إلا أن یتم لهذا أربعین و لهذا أربعین . (مصنف عبد الرزاق، الزکاة، باب الخلیطین، المجلس العلمی ٤/ ۲۱، رقم: ٦٨٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ /صفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۹)

کمپنی اور مشترکہ کاروبار کے حصہ داروں کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بھی کمپنی میں متعدد شرکاء ہوتے ہیں، اور اپنے اپنے حصہ کے مطابق اثاثے اور آمدنی کے مالک ہوتے ہی، بعض ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں، جس میں کمپنی کا مجموعی اثاثہ اور مالیت کروڑوں روپئے کو پہنچتا ہو جس میں نصاب وجوب زکوٰۃ موجود ہے لیکن اس کے شرکاء اور حصہ داروں کی تعداد اتنی بڑی ہے کہ کمپنی کی مجموعی مالیت کی تقسیم حصہ داروں پر کی جائے تو ان میں سے کوئی بھی صاحب نصاب نہیں ہوتا، یا کچھ لوگ صاحب نصاب نہیں ہوتے سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ وجوب زکوٰۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار ہوگا، یا ہر فرد کے انفرادی حصہ کا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشترکہ تجارت اور کمپنی فیکٹری وغیرہ کے حصہ داروں کی زکوٰۃ مجموعہ رقم اور مال پر واجب نہیں ہوتی ہے، بلکہ ہر حصہ دار کی زکوٰۃ اس کے حصہ کے حساب سے ادا کرنا واجب ہوگا، لہٰذا جس کا حصہ نصاب کو پہونچے گا اس پر اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور جس کا حصہ نصاب کو نہیں پہونچتا ہے اور اس کے پاس اس کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے، جس کو ملا کر نصاب مکمل ہوسکتا ہو تو ایسے حصہ دار پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہے اور جس کے پاس شرکت کے حصہ کے علاوہ اتنا مال ہے جسکو ملا کر نصاب مکمل ہوجاتا ہے، اس پر زکوٰۃ تو واجب ہوجاتی ہے، لیکن وہ اپنے حصہ کی زکوٰۃ اپنے طور پر نکالا کرے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۶۷)

قال سفیان: لاتجب حتی یتم لهذا أربعون شاةً، ولهذا أربعون شاةً.

(صحیح البخاری، تعلیقاً الزكاة، باب ماكان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۵)

ولاتجب الزكاة عندنا فی نصاب مشترک من سائمة ومال تجارة، وإن صحت الخلطة (إلیٰ قوله) وإن تعدد النصاب تجب إجماعاً ويتراجعان بالحصص فإن بلغ نصيب أحدهما نصاباً زكوٰة دون الآخر الخ. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال زكريا ديوبند ۳/ ۲۳۵، ۲۳٤٦، كراچی ۲/ ۳۰٤)

ترجمہ: ہمارے نزدیک جانوروں اور مال تجارت کے ایک مشترکہ نصاب پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ اس میں اختلاط واشتراک صحیح ہوچکا ہے اور اگر نصاب متعدد ہوجائے، تو ان نصابوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور حصہ دار حضرات اپنے اپنے حصوں کے حساب سے ایک دوسرے سے مراجعت کریں گے، اور اگر کسی کا حصہ نصاب کو پہونچتا ہے، اور کسی کا نہیں پہونچتا ہے تو جس کا حصہ نصاب کو پہونچتا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی دوسرے پر نہیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۶)

استعمالی مشینوں پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ماروتی کا انٹینا (ایریل) تیار ہوتا ہے، ہمارے پاس تقریباً چار پانچ مشینیں ہیں جن سے مال تیار ہوتا ہے، ہم نے ایک کتاب میں پڑھا تھا، کہ مشین پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ کچے مال پر زکوٰۃ واجب ہے، اس وقت ہمارے کارخانہ میں کچے مالوں میں سے پانچ ہزار روپیہ کا تار پانچ ہزار روپیہ کا پائپ اور تین ہزار روپیہ کا اسفنج ہے، اتنا مال تقریباً ہر مہینے آتا ہے، اور سات ہزار روپیہ کا مال تیار ہے سال بھی پورا ہو گیا ہے، بینک میں ہمارے چالیس ہزار روپیہ جمع ہے، سال بھی پورا ہو گیا ہے، اب آپ شریعت کی رو سے بتائیں کہ زکوٰۃ صرف چالیس ہزار کی دینی پڑیگی یا پانچ ہزار روپیہ کا جو تار اور پانچ ہزار روپیہ کا جو پائپ اور تین ہزار کا اسفنج اور سات ہزار روپیہ کا جو تیار مال ہے، اس سب کی بھی زکوٰۃ دینی پڑیگی یا نہیں؟ جواب دیں؟ کل کتنی رقم کی زکوٰۃ دینی پڑے گی؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، چوہان بانگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: استعمالی مشینوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسلئے کہ وہ از قبیل آلات ہیں، اور مشینوں کے علاوہ چالیس ہزار نقد اور کچے اور تیار شدہ مال جن کی قیمت سوالنامہ میں بیس ہزار بتلائی گئی ہے، جن کا مجموعہ ساٹھ ہزار ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وكذلك (فلا زكاة على) آلات المحترفين الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند۳/۱۸۳، كراچی ۲/۲۶۵، مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، دارالكتب العلميه بيروت ۱/۲۸۶، تبيين الحقايق، كتا ب الزكاة، مكتبه امداديه ملتان ۱/۲۵۳، زكريا ۲/۲۳، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها و شرائطها زكريا ۱/۱۷۲، جديد۱/۲۳٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/۳۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۴/۱۴۱۸ھ

سامان تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال: [۴۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سامان تجارت پر زکوٰۃ کا مسئلہ کیا ہے کہ جیسے مشینری کا کاروبار ہے کمپنی سے مشینری کریڈیٹ پر منگوائی جاتی ہے، اور اس کی قیمت کی رقم کمپنی ایک متعینہ مدت کے بعد آ کر لیجاتی ہے، جب مشینری فروخت نہیں ہوتی تب بھی کمپنی کو اس کی قیمت ادا کرنی ہوتی ہے، جس میں بعض مشینری فوراً فروخت ہو جاتی ہے، اور بعض کو سال بھی لگ جاتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ وقت تک مشینری فروخت نہیں ہوتی اسلئے اب اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائیگی، اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اس کا شرعی حکم کیا ہے، بیان فرمائیں؟

المستفتي: بشیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: سامان تجارت میں زکوٰۃ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ نصاب کے بقدر ہو اور اس پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، لہٰذا کمپنی سے جس مشینری کا تجارت کیلئے منگا کر کاروبار کیا جاتا ہے، تو نصاب کی مقدار کو پہونچ جانے اور سال

گذرنے پراس پرزکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے،خواہ وہ آپ کے پاس سےاس درمیان فروخت ہو یانہ ہواسکی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اسکی قیمت اس طرح لگائی جائے کہ یقینی طور پر جتنے میں فروخت ہونے کی امید ہےاتنی قیمت لگا کراسکی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

عن عبد الله بن أبي سلمة : أن أباعمرو بن حماس أخبره: أن أباه حماسا كان يبيع الأدم والجعاب ، وأن عمر قال له : ياحماس أد زكاة مالك، فقال: والله مالي مال ، إنما أبيع الأدم والجعاب ، فقال : قوّمه وأد زكاته . (المصنف لابن ابي شيبه ، كتاب الزكاة ، ماقالوا فى المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن جديد ٥٢٥/٦، رقم: ١٠٥٥٧)

وفی عرض تجارة قیمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما إن استویا فلو أحدهما، أروج تعین التقویم به . (تنویر الابصار مع الدر المختار ، کتاب الزکاة، باب زکاة المال زکریادیو بند۲۲۸/۳، ۲۲۹، کراچی ۲۹۸/۲، ۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۳۴/۳۷)

تجارت کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک دوکان چلاتا ہے، جس میں مثلاً سات لاکھ روپئے کا سامان ہے اور اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ جمع شدہ رقم ہے، مثلاً تین لاکھ روپئے ہیں تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا دونوں مال یعنی جو دوکان میں سات لاکھ کا سامان ہے اور جو اس کے پاس تین لاکھ جمع ہیں تو دونوں میں زکوٰۃ واجب ہے، یا صرف جمع شدہ رقم تین لاکھ میں زکوٰۃ واجب ہے اور سات لاکھ کا جو سامان دوکان میں ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے؟

المستفتي: محمد جہانگیر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دوکان میں جو سامان برائے فروخت ہوتا ہے، وہ تجارت کا سامان ہوتا ہے، اور مال تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، لہذا دوکان میں جو سات لاکھ روپئے کا سامان برائے فروخت رولنگ میں موجود ہے، اس کی اور نقد جو تین لاکھ روپئے موجود ہیں اس کی بھی کل دس لاکھ روپئے میں سے زکوٰۃ نکالنا اس پر لازم ہوگا۔

عن سمرة بن جندب ،قال أما بعد ! فإن رسول الله ﷺ كان يأمر نا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة ، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۸، دار السلام رقم: ۱۵۶۲)

عن حماس قال: مرعلي عمر فقال: أد زكاة مالك ، قال: قلت: مالي مال أزكيه إلا فى الخفاف والأدم ، قال: قومه ، وأد زكاته . (مصنف عبد الرزاق ، الزكاة، باب الزكاة من العروض ، المجلس العلمي ۴/ ۹۶، رقم: ۷۰۹۹)

الزكاة واجبة فى عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب ،كذا فى الهداية. (هندیه ، كتاب الزكاة، الباب الثالث ، الفصل الثاني العروض زكريا ۱/ ۱۷۹ ، جديد ۱/ ۲۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۴ھ

پلاٹ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سرکاری ملازم ہے، دفتر کے کچھ لوگوں نے ایک کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی بنائی اور کچھ زمین

خرید کر اس میں رہائشی پلاٹ نکالے، زید نے بھی اس میں ممبر بن کر پلاٹ خریدا شہر کے کنارے پر کھیتی کی زمین تھی جس کو رہائش کیلئے منظور کروایا گیا یہ تقریباً ۲۵؍سال پرانی بات ہے اس وقت وہاں آبادی نہیں تھی، غالباً ارادہ یہی تھا کہ ایک چیز ہے کبھی بھی آگے ضرورت پڑنے پر کسی مصرف میں استعمال کی جاسکتی ہے، اگر آئندہ آبادی ہوئی تو دوکان بھی نکالی جاسکتی ہے، یا کچھ تعمیر کر کے رہنے کیلئے کرایہ سے بھی دی جاسکتی ہے، کوئی پختہ نیت کسی بات کی نہیں تھی، اس قسم کی جگہ کبھی قابو میں آتی ہے کبھی مسائل بھی سامنے آتے ہیں، بہر حال بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جگہ ریلوے یارڈ بنانے کیلئے مخصوص کی گئی ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کہ کیا اس زمین کے پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ کچھ پراپرٹی ڈیلر کی طرف سے اس پلاٹ کو خریدنے کی پیش کش کچھ سال پہلے آئی تھی بذریعۂ پوسٹ کارڈ؟

المستفتي: میر افتخار حسین، نیو کالونی، ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خریداری کے وقت زمین کو فروخت کرنے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ اپنی کسی بھی ضرورت میں لانے کا ارادہ تھا، دوکان بنانے یا رہائشی مکان بنانے یا کرایہ پر دینے کا ارادہ رہا ہو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے ہاں البتہ آئندہ جب اس زمین کو فروخت کر کے نقد پیسہ ہاتھ میں آجائے گا تو اس پیسہ پر زکوٰۃ واجب ہوسکتی ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: لیس فی العروض زکاۃ، إلا ما کان للتجارۃ.

(السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ، دارالفکر ۶/ ٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

قالوا وتشترط نیة التجارۃ فی العروض ولابد أن تکون مقارنة للتجارۃ فلو اشتریٰ شیئاً لنفسه ناویاً أنه إن وجد ربحاًباعه لا زکاۃ علیه.

(الأشباہ والنظائر زکریا/۷۹، قدیم ۳۸، کذا فی الشامی، کتاب الزکاۃ، قبیل باب الدائم کراچی ۲/ ۲۷٤، زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۵، حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۱۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۳/ ۲۷۲)

ولو نویٰ التجارة فما خرج من أرضه العشرية أوالخراجية أو المستأجرة أو المستعارة لا زكاة عليه . (الاشباہ زکریا/۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱ھ

تجارتی زمین پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال: [۴۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو رہائشی مکان یا جگہ کی ضرورت ہے لیکن مکان بنانے یا جگہ خریدنے کے بقدر رقم نہیں ہے، بلکہ پچاس ہزار روپئے ہیں تو زید نے اپنے ان پچاس ہزار روپئے کا ایک پلاٹ خرید کر ڈال دیا اس نیت سے کہ دو چار سال میں اس کو بیچ کر مکان بنا لوں گا، یا جگہ خرید لوں گا تو اب اس شکل میں زید پر اس پلاٹ کی قیمت پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟ یہ تجارت کا سامان شمار ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بیچنے کے ارادے سے زمین خریدی ہے، تو یہ زمین تجارتی سرمایہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اس زمین کی قیمت پر ہر سال کی یقینی قیمت کے حساب سے ہر سال زکوٰۃ نکالنا لازم ہے۔

عن سمرة بن جندب ،قال أمابعد ! فإن رسول الله ﷺ كان يأمر نا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع . (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة ، النسخةالهندية ۱/۲۱۸، دارالسلام رقم: ۱۵٦۲)

زكاة التجارة تجب فى الأرض . (شامی، كتاب الزكاة، قبيل باب السائمة كراچی ۲/۲۷۵، زكريا۳/۱۹٦)

والأصل أنه ماعدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة.

(درمختار شامی، کتاب الزکاة ،قبیل باب السوائم کراچی ۲/۲۷۳، زکریا۳/۱۹٤)

فالصريح أن ينوى عند عقد التجارة أن يكون المملوك للتجارة. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها و شرائطها زكريا ١/١٧٤ ، جديد ١/٢٣٥)

الزكاة واجبة فى عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب . (هنديه، كتاب الزكاة ، الباب الثالث الفصل الثانى فى العروض زكريا ١/١٧٩، جديد ١/٢٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۲/۸/۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۱۰۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

فروخت کرنے کیلئے خریدی گئی زمین پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار ہے، اس میں زکوٰۃ کے سلسلے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں زکوٰۃ نکالنے کا کوئی آسان طریقہ دریافت کرنا ہے تاکہ اس طریقے کے مطابق زکوٰۃ کا حساب لگانے میں آسانی ہو جائے، دشواریاں لاحق نہ ہوں، ہمارے کاروبار کے سلسلے میں جن سوالات کے جوابات مطلوب ہیں وہ بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں؟

(۱) زید نے ایک زمین خریدی عمر سے اور زمین کی قیمت ۳ر لاکھ عمر کو ادا کردی گئی، بعد میں پتہ چلا کہ یہ جگہ عمر کی نہیں تھی، عمر تو دادا قسم کا آدمی تھا، اس کا اصل مالک تو محمد سلیم ہے اور محمد سلیم کے پاس زمین کے اصل پروف اور کاغذات بھی ہیں، جو محمد سلیم کی ملکیت کو ثابت کرتے ہیں، تو محمد سلیم سے دوبارہ سودا کر کے ۴ر لاکھ روپئے محمد سلیم کو ادا کردئے اور محمد سلیم کے ساتھ دوسرے بھی شریک تھے انہیں بھی دو لاکھ ادا کئے کل ۶ر لاکھ ادا کر کے زید نے دوبارہ سودا کیا، نیز اس پوری زمین میں کچھ حصہ کی زمین میں گورنمنٹ کارپوریشن تھا، جس کو

چھڑانے میں مزید ۱/لاکھ کی رقم خرچ ہوئی تو اس صورت میں اس زمین کو حاصل کرنے میں پہلے سودے میں ۳/لاکھ اور دوسرے سودے میں ۶/لاکھ اور ایک لاکھ گورنمنٹ کو ادا کئے تو کل ۱۰/لاکھ کی زمین سمجھ کر ۱۰/لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا بعد میں محمد سلیم مع شریکان کو جو ۶/لاکھ دئے اس کی صرف زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، اس زمین کی زکوٰۃ ادا کرنے میں کتنی مالیت کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے؟

(۲) زید نے ایک زمین خریدی اور اس زمین میں بلڈنگ بنانے کا ارادہ ہے لیکن نیچے کے حصے میں دوکانیں ہوں گی اور پہلے منزلہ سے فلیٹ ہوں گے، اور جو دوکانیں بنانے کا ارادہ ہے اس میں زید ہی کاروبار کرنا چاہتا ہے، ہوٹل اور اسٹورس بنانے کا ارادہ ہے اور ان دوکانوں کو بنا کر فروخت نہیں کرنا ہے اس کے اوپر پہلے منزلہ پر جو فلیٹ بنائے جائیں گے، اسے فروخت کرنیکا ارادہ ہے تو اب سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ مال تجارت میں واجب ہے اور بلڈنگ کے نیچے کا حصہ جہاں دوکانیں تعمیر ہوں گی اور اس کے لئے جتنی زمین کا استعمال ہوگا، اس کی زکوٰۃ زید پر واجب ہے یا نہیں؟ زمین خریدنے میں جو رقم لگائی ہے اس میں سے زکوٰۃ کا حساب لگانے میں زمین اور تعمیر کی مجموعی رقم سے کتنی رقم کس طرح منہا کی جائے؟ اس میں زکوٰۃ کا حساب لگانے کی آسان صورت کیا ہوگی؟

المستفتي: مولانا آصف، پالنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو زمین خریدی گئی ہے، اگر وہ زمین فروخت کرنے کیلئے خریدی گئی ہے، چاہے خالی زمین فروخت کرنا مقصود ہو یا اس پر عمارت تعمیر کر کے فروخت کرنے کا ارادہ ہو دونوں صورتوں میں اس زمین کی زکوٰۃ سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے موقع پر ادا کرنا لازم ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت کی قیمت لگائی جائیگی؟ تو حکم شرعی یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اس زمین کی قیمت جو بیٹھے گی وہی ادا کرنی ہوگی، جیسا کہ مذکورہ سوال میں زمین کی قیمت ۱۰/لاکھ روپئے بیٹھ گئی

اورزکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت مثلاً اس کی قیمت صحیح طور پر ۸/لاکھ بیٹھتی ہے تو ۸/لاکھ کی زکوٰۃ ادا کیجائیگی ، اوراگر۱۲/لاکھ بیٹھتی ہے تو ۱۲/لاکھ اوراگر۵/لاکھ بیٹھتی ہے تو ۵/لاکھ ادا کی جائیگی ۔(مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۴۱)

وعندهما فی الفصلین جمیعاً یؤدی قیمتها یوم الأداء فی النقصان (إلیٰ قوله) وفی الزیادة . (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل وأماصفة الواجب فی أموال التجارة التصرف فی مال الزکاة، زکریا۲/ ۱۱۵، کراچی ۲/ ۲۳)

(۲)اگرزمین کے اوپرعمارت بن گئی ہے مثلاً ۴/منزلہ عمارت بن گئی ہے، اور ہر ایک منزل کی قیمت متعین ہوگئی ہے تو نیچے کی منزلوں کی قیمت پرجوذاتی استعمال کیلئے پہلے سے ارادہ کررکھاہے اس پرزکوٰۃ نکالنا لازم نہیں ہے اورباقی تین منزلوں کی قیمت پرزکوٰۃ واجب ہوگی ۔

ومنها (أي من شروط وجوبها) کون النصاب نامیا حقیقة بالتوالد والتناسل والتجارة. (هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب الاول في تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا۱/ ۱۷۴، جدید۱/ ۲۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۸/ربیع الاول۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۷/ ۸۶۷۶)

تجارتی زمین پرزکوٰۃ اداکرنے کا طریقہ

سوال: [۴۲۰۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک بلڈر ہوں مکان بناکر بیچتاہوں میں نے مکان کی زمین خریدی کہ مکان بناکر بیچوں گا لیکن کسی وجہ سے ایک بھی مکان نہ بناسکا، اورایک سال مکمل ہوگیاتو کیا صرف زمین پرزکاۃ واجب ہوگی اگر ہوگی تو کس اعتبار سے جس قیمت میں زمین خریدی ہے اس اعتبار سے یا ابھی فی الحال جوزمین کی قیمت ہے اس اعتبار سے؟

المستفتي: مولوی محمدزبیر، احمدآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپنے مکان بنا کر بیچنے کی نیت سے زمین خریدی اور کسی وجہ سے زمین پر مکان نہیں بنا سکے اور اس زمین کو خریدے ہوئے ایک سال گذر گیا تو اس زمین پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اسلئے کہ یہ تجارتی زمین ہے، جو تجارتی سامان کے حکم میں ہے، اور زکوٰۃ موجودہ قیمت کے اعتبار سے نکالی جائے گی۔

عن سمرة بن جندب، قال أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر نا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع. (السنن الكبریٰ للبيهقى، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة، دارالفكر ٦/ ٦٢، رقم: ٧٦٩٠)

عن ابن جريج قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمي ٤/ ٩٧، قم: ٧١٠٥)

وما اشتراه لها أي للتجارة كان لها لمقارنة النية لعقد التجارة. (شامی، كتاب الزكاة، قبيل باب السوائم، كراچی ٢/ ٢٧٣، زكريا٣/ ١٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۷ھ

بلڈر کے مکان وزمین پر زکوٰۃ سے متعلق ایک مسئلہ

سوال: [۴۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک بلڈر ہوں ۲۰۰۲ء میں میں نے دس لاکھ روپیہ لگائے جس سے زمین خریدی ۲۰۰۵ء تک معاملہ یونہی رہا اور کوئی مکان کہیں نہ بن سکا ۲۰۰۶ء سے مکان بننا شروع ہوئے اور ۲۰۰۷ء میں پورا فلیٹ تیار ہوگیا، ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۷ء کے درمیان ۵/ مکانات فروخت ہوئے اس کے علاوہ تین مکانات قسطوں پر فروخت کئے جنکی آدھی قیمت آچکی ہے اور آدھی قسطوں میں آئیگی، اس کے علاوہ ۱۰/ مکان ابھی فروخت ہونا باقی ہیں، میں اپنی

سمجھ سے ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۵ء تک تو دس لاکھ کی زکاۃ نکالتا رہا لیکن ۲۰۰۶ء کے بعد کی زکاۃ کس طرح ادا کروں نیز جو مکان ابھی فروخت نہیں ہوئے ہیں کیا ان کی بازاری قیمت کے اعتبار سے انمیں بھی زکاۃ فی الفور واجب ہوگی یا فروخت ہونے کے بعد؟ برائے کرم ذرا تفصیل سے جواب دیں؟

المستفتي: محمد زبیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے ۲۰۰۲ء میں فلیٹ تعمیر کرانے کی غرض سے جو زمین دس لاکھ میں خریدی ہے ۲۰۰۵ء تک ہر سال سال پورا ہونے کے وقت کی یقینی قیمت کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہے قیمت خرید (دس لاکھ) ہی کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں بلکہ اگر قیمت کچھ بڑھ گئی تھی تو اسی کے حساب سے زکاۃ واجب ہے اور اگر قیمت گھٹ گئی تھی تو اس کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے، اور ۲۰۰۶ء سے ادءاز کوٰۃ کی شکل یہ ہے کہ سال پورا ہونے کے وقت اس زمین پر جتنے مکانات تعمیر ہو چکے تھے، چاہے وہ مکمل ہوں یا نامکمل زمین اور مکان سب کی اسی وقت کی مالیتی یقینی قیمت لگا کر زکوٰۃ نکالنی ضروری ہے، یہ حکم ان مکانات کا ہے جو اس وقت تک فروخت نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آپ کی ملکیت میں تھے، اور جو مکان فروخت ہو چکے تھے، ان کے وصول شدہ پیسوں پر زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح جو مکان قسطوں پر فروخت ہوئے تھے، ان کی جتنی قسطیں آ چکی تھیں اس کی زکوٰۃ نکالنی ضروری ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۷/ ۳۶۵، ۳۷۰، جدید زکریا ۷/ ۱۵۸، ۱۶۰)

ویشترط فی عروض التجارة أن تکون قیمتها نصاباً کاملاً فی ابتداء الحول وانتهائه ولا عبرة لنقصان فیما بین ذلک. (تاتارخانیہ، کتاب الزکاة الفصل الثالث زکاة عروض التجارة، کوئٹہ ۲/ ۲۴۰، زکریا دیوبند ۳/ ۱۶۸، رقم: ۴۰۱۱)

أو فی عرض تجارة قیمته نصاب –إلیٰ– مقوما بأحدهما إن استویا فلو أحدهما أروج تعین التقویم به. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی

۲/ ۲۹۸، زکریا۳/ ۲۲۸، ۲۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۳ھ

فلیٹ اور بلڈنگ کے خریداروں کی پیشگی رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار ہے، اس میں زکوٰۃ کے سلسلے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، زکوٰۃ نکالنے کا کوئی آسان طریقہ دریافت کرنا ہے، تاکہ اس طریقے کے مطابق زکوٰۃ کا حساب لگانے میں آسانی ہوجائے، دشواریاں لاحق نہ ہوں، ہمارے کاروبار کے سلسلے میں جن سوالات کے جوابات مطلوب ہیں، وہ بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں!

(۱) زید نے بلڈنگ بنانے کیلئے زمین خریدی اور زمین خرید کر B.M.C. سے پلان پاس کرواکر فلیٹ کی بکنگ شروع کردی، ابھی تعمیر کا کام شروع نہیں ہوا ہے صرف پلان پر بکنگ کردی ہے، تو یہ بکنگ جائز ہے یا نہیں؟ اور بکنگ میں جو رقم آئی ہوئی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ بلڈنگ کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا ہے ڈھانچہ کھڑا ہوگیا ہے اور ۷۵/ فیصد بلڈنگ کی تعمیر ہوگئی اور ۹۰/ فیصد فلیٹ کی بکنگ ہوگئی ہے اور اس میں بعض لوگوں نے پورے پیسے ادا کردئے ہیں، اور بعض لوگوں نے ۵۰/ فیصد رقم ادا کی ہے، اور بعض لوگوں نے کچھ بھی رقم ادا نہیں کی ہے، اور بسا اوقات فلیٹ کینسل ہوتے ہیں، تو ان کی رقم واپس کرنی پڑتی ہے، اور ان ہی کی رقموں سے بلڈنگ کا کام ہوتا ہے، اب اگر ایک سال پورا ہوجائے تو اس ادھورے کام میں زکوٰۃ کس طرح ادا کیجائے، کیونکہ ابھی اس میں بلڈنگ کا اور کام باقی ہے، جس کو مکمل کرنے میں ۷/ یا ۸/ مہینے لگ جاتے ہیں، اس میں نفع کا بھی کوئی

اندازہ نہیں کہ کتنا نفع ہوگا، نفع کا اندازہ لگانا مشکل ہے، پورے نفع کا بھی کوئی اندازہ اس وقت ہوگا، جب تمام لوگوں کو فلیٹ کا قبضہ دیدیا جائے تو ابھی ایک سال پورا ہونے پر نا تمام تعمیر کے نفع کا اندازہ کیسے لگایا جائیگا اور زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے۔

المستفتی: مولانا آصف، پالنپوری، روم نمبر ۳
حاجی چال پٹھان واڑی، ستی مارگ، بمبئی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ کے وجوب کیلئے ملکیت تامہ لازم اور شرط ہے، اگر ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، اور ملکیت تامہ کیلئے دو چیزیں لازم ہیں، (۱) قبضہ۔ (۲) ملکیت۔ لہذا اگر ان دونوں میں سے ایک بھی موجود نہ ہوتو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً ملکیت ہے مگر قبضہ نہیں یا قبضہ ہے لیکن ملکیت نہیں تو زکوٰۃ واجب نہیں، لہذا سوالنامہ میں درج کردہ شکل میں خریداروں کی پیشگی رقم جو حاصل ہوئی ہے، اس پر اس وقت تک ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی جب تک فلیٹ تیار کرکے خریداروں کو قبضہ نہ دیدیا جائے، لہذا خریداروں کو فلیٹ پر قبضہ دینے سے پہلے پہلے اس کی زمین اور مالیت کی زکوٰۃ بلڈروں پر لازم ہے، جب بلڈروں نے فلیٹ کی زمین اور مالیت کی زکوٰۃ خریداروں کو قبضہ دینے سے پہلے پہلے ادا کردی ہے تو خریداروں کی طرف سے جو پیشگی رقم ملی ہوئی ہے، اس کی زکوٰۃ بلڈروں پر لازم نہیں ہے اس لئے کہ پیشگی رقم کے مقابلہ میں فلیٹ کی جو مالیت بیٹھتی ہے اس کی زکوٰۃ بلڈروں نے ادا کردی ہے، اور اگر بلڈر پیشگی قبضہ کی ہوئی رقم کی زکوٰۃ ادا کردیں گے، تو فلیٹ کی زمین اور مالیت میں سے اتنی کی زکوٰۃ ادا کرنا بلڈروں پر لازم نہ ہوگا۔

ومنها الملک التام هو ما اجتمع فيه الملک واليد (إلیٰ قوله) وجد اليد دون الملک کملک المکاتب والمديون لاتجب فيه الزکاة. (هنديه، کتاب الزکاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها و شرائطها زکريا ۱/ ۱۷۲، جديد ۱/ ۲۳۳)

(۲) دوسرے سوال کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب میں آچکا ہے کہ ایسے نا تمام

اور نامکمل فلیٹ کی زکوٰۃ بلڈروں پر لازم ہے اور جو پیسہ پیشگی آیا ہو اس کی زکوٰۃ بلڈروں پر لازم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر الف: ۸۷۶۶/۳۷)

تجارتی پلاٹ اور اموال تجارت میں کس طرح پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سامان تجارت جو تاجر کے قبضہ میں ہے ادائیگی زکوٰۃ کے دن اس کی مالیت کا تعین کس نرخ سے کیا جائے، اپنی لاگت کے حساب سے کریں یا اس دن کی قوت خرید کا اعتبار کیا جائے؟ پھر یہ کہ تھوک کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا، یا پھٹکر فروختگی کا اعتبار رہوگا؟

جو لوگ آراضی کی خرید وفروخت کو ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں، سال پورا ہونے پر نقد رقم کے علاوہ جو آراضی انکی ملکیت میں ہیں، وہ آراضی بھی اموال زکوٰۃ میں شمار ہوں گی؟ اور ان پر زکوٰۃ کا وجوب قیمت خرید کے اعتبار سے ہوگا، یا متوقع قیمت فروخت کا اعتبار رہوگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اموال زکوٰۃ میں اداء زکوٰۃ کیلئے چار قسم کے نرخ سامنے آتے ہیں۔

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس دن سال ختم ہونیکی وجہ سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوا ہے، اگر اسی روز زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے، اور پھر بھاؤ میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہوجائے تو حولان حول کے دن جو بھاؤ عمومی طور پر پایا جاتا تھا اسی بھاؤ کا اعتبار کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عـنـد أبي حـنـيـفةؒ فـى الزيادة والنقصان جميعاً يؤدى قيـمتها يوم الحـول. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل التصرف فى مال الزكاة، زكريا ديوبند ۱۱۵/۲، كراچى قديم ۲۳/۲، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثانى فى العروض زكريا ديوبند ۱۸۰/۱ جديد ۲٤۱/۱)

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حولان حول کے بعد اگر زکوٰۃ ادانہیں کی ہے، اور مال کے بھاؤ میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہوجائے، تو جب بھی ادا کریگا حولان حول کے دن کے بھاؤ کا اعتبار کر کے ادا کریگا۔

(۲) حضرت امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ کے نزدیک اگر یوم الحول میں زکوٰۃ ادانہیں کی ہے تو وقت گذر جانے کے بعد جس دن بھی اسکی زکوٰۃ ادا کی جائیگی، اسی دن کی قوت خرید کے نرخ کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، لہٰذا اگر بھاؤ گھٹ جائے تو گھٹے ہوئے کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کیجائے گی، اور اگر بڑھ جائے تو بڑھے ہوئے کی قیمت لگا کر ادا کرنا لازم ہوگا۔

وعـنـدهما فى الفصلين جميعاً يؤدى قيمتها يوم الأداء فى الـنقصان (إلىٰ قوله) وفى الـزيـادة الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل التصرف فى مال الزكاة، زكريا ديوبند ۱۱۵/۲، كراچى قديم ۲۳/۲)

ترجمہ: اور حضرات صاحبین کے نزدیک عین شيئ میں سے ادا کرے دونوں صورتوں میں یوم الأداء کے نرخ کا اعتبار ہے چاہے مال کی قیمت کم ہوگئی ہو یا زیادہ۔

(۳) متوقع قیمت فروخت کا اعتبار کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کی جائے لیکن یہ ایک امر متردد فیہ ہے، اور زکوٰۃ مال متعین اور مال یقینی اور ملکیت یقینیہ پر ہی واجب ہوا کرتی ہے

اسلئے متوقع نرخ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۴) رأس المال اور لاگت کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے یہ ایک امر یقینی اور متعین ہے، اگر اس کا اعتبار کیا جائے، تو ملکیت تامہ اور ملکیت لازمہ پر زکوٰۃ ادا کرنا پایا جاتا ہے، اور شریعت اسلامی نے ملکیت لازمہ پر زکوٰۃ واجب کی ہے، ملکیت متردد فیہ پر زکوٰۃ واجب نہیں کی ہے، اس وجہ سے اس شکل کا اعتبار کرنے میں اگرچہ عبارات فقہیہ زیادہ ساتھ نہیں دیتی ہیں لیکن وجوب زکوٰۃ کی اصل علت اور بنیاد پر غور کرنے سے اس شکل کی قوت نظر آتی ہے، اسلئے اس صورت کو اگر جائز کہا جائے، تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور کتب فقہ کی عبارات اول الذکر دونوں شکلوں کی مؤید ہیں، لہذا حاصل یہ نکلے گا کہ تیسری شکل کے جواز کے دائرے میں آنے کیلئے کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور چوتھی شکل اصل و بنیاد وعلت کے لحاظ سے جواز کے دائرے میں آسکتی ہے، اور اول و دوم کیلئے کتب فقہ کی صریح عبارات موجود ہیں، اسلئے ان تینوں شکلوں میں سے کسی بھی ایک کو معمول بہ بنایا جاسکتا ہے، مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق یوم الحول کے نرخ کا اعتبار کرنا راجح معلوم ہوتا ہے، اور تجارتی پلاٹ پر بھی مذکورہ تفصیل اور احکام لاگو ہوں گے، اور تھوک اور پھٹکر فروخت ہونیوالے اموال میں اداء زکوٰۃ میں حسب مناسب قیمت کا اعتبار رہوگا، یعنی اگر تھوک بھاؤ میں فروخت ہونے والے اموال ہیں تو تھوک بھاؤ کی قیمت کا اعتبار رہوگا، اور اگر پھٹکر میں فروخت ہونے والے اموال ہیں تو پھٹکر بھاؤ کی قیمت کا اعتبار رہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۸)

تجارتی پلاٹ کی زکوٰۃ کس وقت کی قیمت کے اعتبار سے ہوگی؟

سوال: [۴۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تجارتی

پلاٹ اور زمین پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، اگر زکوٰۃ واجب ہے تو کس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائیگا۔ مفصل بیان فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو پلاٹ یا زمین بیچنے کی نیت سے خریدے گئے تو ان کی موجودہ قیمت (وقت اداء) کا اعتبار ہوگا، اسی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی ۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۵، محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۴۱۴، میرٹھ ۱۴/ ۱۳۰، آپ کے مسائل اوران کاحل ۵/ ۱۰۷، ایضاح النوادر ۲/ ۴۱، ایضاح المسائل/ ۱۰۶، کتاب المسائل ۲/ ۲۱۷)

عن ابن جريج قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته . (مصنف عبد الرزاق ، الزكاة ، باب الزكاة من العروض ، المجلس العلمي ٤/ ٩٨، رقم: ٧١٠٥)

عن الحسن ، في رجل اشتریٰ متاعاً فحلت فيه الزكاة ؟ فقال : يزكيه بقيمته يوم حلت . (المصنف لابن أبی شيبه ، الزكاة ، ماقالوا ، فی المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وجاز دفع القيمة فی الزكاة وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء ويقوم فی البلد الذی المال فيه (فی الشامية) وفی المحيط يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم زكريا ٣/ ٢١١، كراچی ٢/ ٢٨٦، ٢٨٥)

لأن الوجوب الأصلي عندهما هو ربع عشر العين وإنما له ولاية النقل إلی القمية يوم الأداء فيعتبر قيمتها يوم الأداء والصحيح أن هذا مذهب جميع أصحابنا. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة ،صفة الواجب فی اموال التجارة زكريا ٢/ ١١١)

وعندهما فی الفصلين جميعا يؤدی قيمتها يوم الأداء فی النقصان (إلیٰ قوله) وفی الزيادة . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، التصرف في مال الزكاة زكريا ٢/ ١١٥، كراچی ٢/ ٢٣)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصابامن الذهب والورق . (هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الثالث الفصل الثاني في العروض زكريا ۱/ ۱۷۹، جديد ۱/ ۲٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۲)

پٹرول کی زکوٰۃ وخمس کی شرعی حیثیت

سوال: [۴۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانے میں پٹرول ایک بہت قیمتی شئ ہوگئی ہے پٹرول کے ذخائر رکھنے والے ممالک دنیا کے افق پر چھائے ہوئے ہیں، اور یہ ایسی بیش بہا دولت بن گئی ہے کہ دینا کے کسی ملک کو اس سے استغنا نہیں ہے، مزید یہ کہ جن ممالک میں پٹرول کے کنوئیں ہیں، ان کے یہاں مال وزر کی ریل پیل لگ گئی ہے، اس لئے ہم مسلمان شریعت کی نگاہ سے اپنے مال کی زکوٰۃ فقراء، غرباء، مساکین وغیرہ کو دیتے ہیں اور شریعت نے ہر مال میں زکوٰۃ مقرر کی ہے، لہٰذا پٹرول بھی چونکہ معدنی اشیاء ذخائر میں شمار ہوتا ہے، لہٰذا مساکین وغیرہ کو دیتے ہیں اور شریعت نے ہر مال میں زکوٰۃ مقرر کی ہے، لہٰذا اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا خمس، صورت مسئلہ میں پٹرول کو فرضی ملکیت قرار دیا جائے، یا قومی ملکیت اور اس کی زکوٰۃ یا خمس کی وصولی کون کرے گا، حکومت وقت یا مسلمانوں کی کوئی کمپنی؟ کیوں کہ منشاء سوال یہ ہے کہ کیا حکومت کو قانونی واعتباری شخص مانتے ہوئے اس سے پٹرول کی زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے؟ بایں سبب کہ اس وقت عالم عرب میں بہت سے علماء حضرات حکومت سے پٹرول پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کررہے ہیں، کیوں کہ حکومت کے بجٹ میں بعض مصارف زکوٰۃ جیسے محتاج مسافر کی مدد، اور نو مسلم کی مدد، کے لئے رقم مختص نہیں ہوتی ہے، جبکہ بعض دیگر علماء حضرات حکومت سے پٹرول پر خمس یا زکوٰۃ لینے کو

غلط سمجھتے ہیں، کیوں کہ پورے پٹرول پر بیت المال کی ملکیت ہے اور زکوٰۃ کے طور پر بعض مال کو حکومت کے نکال دینے کے بعد اسی فیصد میں حکومت اپنے آپ کو آزاد سمجھ لے گی، جس سے بیت المال کے غلط استعمال کا خدشہ ہے۔

امید ہے کہ آنجناب مسئلہ مذکورہ کا کافی شافی جواب دلائل کیساتھ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

نوٹ: آنجناب کا جواب دلائل کے ساتھ ایک کتاب میں جو اسی موضوع پر شائع ہونے والی ہے ذکر کیا جائے گا۔

المستفتي: عطاء اللہ شاہ بخاری، جامع مسجد، مونگیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پٹرول کے بارے میں کئی روز تک غور وخوض کیا گیا تمام فقہاء احناف کی جزئیات اور عبارات اس سلسلے میں حتمی طور پر ایک ہی طرح ہیں کہ پٹرول پر خمس واجب نہیں ہے، ہاں البتہ اس کی تجارت کی صورت میں زکاۃ کی شرائط کے مطابق زکاۃ نکالی جائیگی، اب رہی وہ حکومتیں جن کے دائرے مملکت میں پٹرول کا خزانہ نکلتا ہے، جیسے سعودی مملکت اور کویت حکومت وغیرہ جن میں پٹرول کے خزانہ کے خزانہ نکل رہے ہیں، اور وہ حکومتیں دیگر ممالک میں پٹرول اور ڈیزل وغیرہ کی تجارت کرتی ہیں ان کی تجارت کے اعتبار سے ڈھائی فیصد اس کی زکوٰۃ نکال کر کے اپنے مملکت کے مصرف زکاۃ پر خرچ کرنا ان پر لازم ہوگا، اور شرعی بیت المال کی چاروں قسموں میں سے ایک قسم بیت المال فقراء ہوتا ہے، جس میں زکاۃ وغیرہ جمع ہوتی ہے، اسی بیت المال اور اسی فنڈ میں اس کو اکھٹا کرنا چاہئے، پھر وہاں سے زکاۃ کے مصرف پر خرچ کرنا چاہئے، اور اپنے اکابر میں سے فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے جو لکھا ہے، اس کا بھی حاصل یہی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۳۵۸، میرٹھ ۱۴/ ۶۸)

ہاں البتہ امام احمد بن حنبل کے بارے میں امام بدرالدین عینیؒ نے شرح بخاری

میں یہ نقل فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک پٹرول میں بھی خمس واجب ہے، اور علامہ عینیؒ کی عبارت آگے نقل کی جارہی ہے، لیکن مسلک حنبلی کے اہم فقیہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں یہ نقل فرمایا ہے کہ ان سب چیزوں میں فوری طور پر مقدار زکوٰۃ واجب ہے یعنی ربع عشر ڈھائی فیصد واجب ہے، ابن قدامہؒ کی عبارت بھی ذیل کی عبارتوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، تو حاصل یہ نکلا کہ حنفیہؒ کے نزدیک تجارت کی صورت میں زکوۃ کے اصول کے مطابق پٹرول کی زکاۃ نکالی جائیگی، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اور حنابلہ کے نزدیک بعض عبارات سے وجوب خمس کی بات معلوم ہوتی ہے، اور بعض عبارات سے فوری طور پر وجوب زکوۃ کی بات معلوم ہوتی ہے، اور پٹرول کے ذخیرے جن ممالک میں ہیں، وہ حکومتیں چوں کہ حنبلی مسلک کی ہیں، اس لئے فوری طور پر خمس یا ربع عشر نکالنے کے بعد بقیہ ذخیرہ کی جب تجارت ہوجائے تو تجارت کے اصول کے مطابق سالانہ اس کی زکوۃ بھی نکالی جائے، اب عربی عبارتیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

وذكر حميد بن زنجويه النسائي في كتاب الأموال عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه أنه جعل المعدن ركازاً وأوجب فيه الخمس ومثله عن الزهري وروى البيهقي من حديث مكحول أن عمر بن الخطابؓ ... جعل المعدن بمنزلة الركاز فيه الخمس، فافهم، الوجه الرابع في المعدن وهو أنواع ثلاثة مايذوب بالنار -إلى- ومايكون مائعاً كالقار والنفط والملح المائي ونحوها، فالوجوب يختص بالنوع الأول دون النوعين الأخيرين عندنا وأوجب أحمد في الجميع ومالك والشافعي في الذهب والفضة خاصةً وعموم الحديث حجة عليه. (عمدة القاري بيروت، كتاب الزكاة، باب في الزكاة الخمس تحت رقم/ ۱۴۹۹، ۹/ ۱۰۳، زكريا ۶/ ۵۶۷)

أحدها في صفة المعدن الذي يتعلق به وجوب الزكاة وهو كل ماخرج من الأرض مما يخلق فيها من غيرها مماله قيمة كالذي ذكره

الـخـرقـى ونـحـوه من الحديد –إلى– وكذلك المعادن الجارية كالقار والـنـفـط والـكبريت ونحوذلك – إلى– الفصل الثاني فى قدر الواجب وصـفتـه وقدر الواجب فيه ربع العشر وصفته أنه زكاة وهذا قول عمر بن العزيز ومالك. (المغنى ۲/ ۳۳۰، ۳۳۱)

اعـلـم أن الـمستـخـرج من المعادن أنواع ثلاثة منهاجامد يذوب ويـنـطبع كالذهب والفضة والحديدوالرصاص والنحاس –إلى– ومنها مـائـع لايـجـمد كالماء والزئبق والنفط –إلىٰ– وكذلك الذائب الذى لايتـجـمـد أصـلا فلا شيئى فيه لأن أصله الماء والناس شركاء فيه شرعاً قـال صلى الله عليه وسلم الناس شركاء فى ثلاث فى الماء والكلأ والنار فـمـا يـكـون فـى معنى الماء وهو أنه يفور من عينه ولا يستخرج بالعلاج ولايتـجـمـد كان ملحقاً بالماء فلا شيء فيه . (الـمبسوط،كتاب الزكاة، باب المعادن وغيرها ، دارالكتب العلمية ۲ /۲۱۱، ۲۱۲)

وأمـا الـمائع كالقير والنفط فلاشيئى فيه ويكون للواجد لأنه ماء وإنه مـمـا لايـقـصـد بـالاستيـلاء فـلـم يـكن فى يد الكفار حتى يكون من الغنائم فلايجب فيه الخمس . (بدائع الصنائع ،كتاب الزكاة ، زكاة المعادن زكريا۲/۱۹٤)

فـاعـلـم أن الـمستـخـرج مـن الـمعدن ثلاثة أنواع –إلى– (الثالث) ماليس بجامد كالماء والقير والنفط ولايجب الخمس إلا فى النوع الأول .

(فتح القدير، كتاب الزكاة، باب المعادن والركاز اشرفيه ۲/ ۲۳۹، كراچى ۲/ ۱۷۹)

والـنوع الثاني ماكان مائعاً كالقار والنفط ولاشئى فيه لأنه مائع بمنزلة الماء . (الكفايه، كتاب الزكاة، باب المعادن والركاز ۲/ ۱۷۹، كراچى مع الفتح)

اعـلم أن المستخرج من المعدن ثلاثة أنواع –إلى– وماليس بجامد كالماء والقير والنفط ولايجب الخمس إلا فى النوع الأول . (طحطاوى على

الدر، کتاب الزکاۃ ، باب الرکاز کراچی ۱/ ٤١٥)

وثالثها مائع لا يتجمد كالماء والقير والنفط ولايجب الخمس إلا في النوع الأول . (تبيين الحقائق كتاب الركاز، باب الركاز، زكريا۲/ ٢٣٤)

ولاشيئى في عين القير والنفط والملح سواء كان في أرض عشر أو خراجٍ. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، المعادن والركاز، الكنوز۳/۳٤٧، رقم: ٤٥٣٥)

ولافي عين قير أي زفت ونفط دهن يعلو الماء مطلقاً أي في أرض خراجٍ أو عشر . (شامی ، کتاب الزکاۃ، باب العشر کراچی ۲/ ۳۳۱، زکریا۳/ ۲۷۳)

وأما المائع كالقير والنفط وماليس بمنطبع ولا مائع كالنورة والجص والجواهر فلاشيئى فيها وكلها لواجدها . (الموسوعة الفقهيه ۳۸/ ۱۹٤)

وأما المائع كالقير والنفط –إلى– فلا شيئى فيها. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الخامس في المعادن والركاز زكريا ۱/ ۱۸۵، جديد ۱/ ۲٤٦)

والمائع ماكان كالقار –الزفت– والنفط ،زيت البترول الغاز ونحوهما – إلیٰ– وأما المائع القار والنفط الملح فلاشيئى فيه أصلاً . (الفقه على المذاهب الأربعة ۱/ ٦١٢، ٦١٣)

والمعادن ثلاثة أنواع –إلیٰ– مائع ليس بجامد كالقار (الزفت) والنفط (البترول) ولايجب الخمس إلا في النوع الاؤل. (الفقه الإسلامی ، الهدیٰ انٹر نیشنل دیوبند، زکاۃ المعادن والرکاز، الهدیٰ انٹر نیشیل دیوبند ۲/ ٦٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۹)

تجارتی زمین کی زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ

قاضی انصار حسین صاحب نے دو قطعہ زمین اس غرض سے خریدی تھی کہ ایک قطعہ پر مکان بنائیں گے اور دوسرے قطعہ کو قیمت بڑھنے کے بعد فروخت کر کے اس کا پیسہ تعمیر میں لگادیں گے کچھ عرصہ بعد اس زمین کو فروخت کردیا گیا جس کو فروختگی کی نیت سے خریدا تھا، اور وہ زمیں ابھی باقی ہے جس کو مکان بنانے کی نیت سے خریدا تھا اب ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ دوسرے قطعہ پر مکان بنانے کا ارادہ نہیں اور اب اس کو بھی فروخت کرنے کا ارادہ ہوگیا ہے، اب مسئلہ شرعی یہ معلوم کرنا ہے کہ موجودہ زمین جس کو مکان بنانے کیلئے خریدا گیا تھا اسے فروخت کرنے سے پہلے اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی دوسری بات یہ بھی معلوم کرنی ہے، کہ جو زمین فروختگی کے لئے خریدی گئی تھی اس کو خریداری کے تقریباً پانچ چھ سال بعد فروخت کر دیا گیا تھا، مگر ان پانچ چھ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی تھی، سوال یہ ہے کہ ان پانچ چھ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی لازم ہے یا نہیں؟ اور کس ویلیو سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اور فروختگی کے بعد جو پیسہ آیا تھا اس کی بھی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی اس کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائیگی؟ جو بھی طریقہ ہو اس کو شریعت کی روشنی میں بیان فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: قاضی عبدالماجد، شوکت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں دو قطعہ زمین کا ذکر ہے ان میں سے جو زمین مکان بنانے کیلئے خریدی گئی تھی اور بعد میں ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں کہ اب اس زمین پر مکان بنانے کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ اس کو فروخت کرنے کا ارادہ ہے تو اس زمین کی قیمت پر اس وقت تک زکوٰۃ لازم نہیں ہے، جب تک کہ اس کو فروخت کر کے پیسہ کی شکل میں اس کی قیمت ملکیت میں نہ آجائے، اب رہی دوسری زمین جس کو قیمت بڑھنے پر فروخت کرنے کے ارادہ سے خریدا تھا، تو اس زمین کی ہر سال زکوۃ ادا کرنا لازم تھا، اور جن پانچ چھ سالوں کی زکاۃ ادا نہیں کی گئی تھی ان

سالوں کی قیمت معلوم کرکے زکوۃ نکالنا لازم ہے، اگر عام لوگوں سے ان سالوں کی قیمت معلوم نہ ہوسکے تو متعلقہ سرکاری محکمہ سے ان سالوں کی قیمت معلوم ہوجائیگی، اسے معلوم کرکے زکوۃ نکالنا ضروری ہے، اور زمین کو فروخت کرنے کے بعد جو پیسہ قبضہ میں آیا ہے، اس پیسہ کی زکوۃ ہزار میں سے پچیس روپیہ اور ایک لاکھ میں ڈھائی ہزار روپیہ کے حساب سے نکالنا لازم ہے، اگر کئی سالوں کی زکوۃ ادانہیں کی گئی ہے، تو ہرسال ڈھائی فیصد کے حساب سے نکالنے کے بعد دوسرے سال پچھلے سال کے ڈھائی فیصد کم کرکے بقیہ میں سے ڈھائی فیصد نکالے جائیں۔

عن نافع، عن ابن عمرؓ قال: لیس فی العروض زکاۃ، إلا ما کان للتجارۃ. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ، دارالفکر ۶/ ٦٤، رقم: ۷٦۹۸، المصنف لابن أبي شیبه، کتاب الزکاۃ، ماقالوا فی المتاع یکون عند الرجل یحول علیه الحول، مؤسسه علوم القرآن جدید ٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٦٠)

عن أبي عمر و بن حماس، عن أبیه، قال: کنت أبیع الأدم والجعاب، فمر بي عمربن الخطاب، فقال لی: أد صدقة مالک، فقلت یاأمیر المؤمنین إنما هو فی الأدم، قال: قومه ثم أخرج صدقته. (سنن الدار قطنی، الزکاۃ، باب تعجیل الصدقة، قبل الحول، دارالکتب العلمیه بیروت ۲/ ۱۰۹، رقم: ۱۹۹۹)

ولو نویٰ التجارۃ بعد العقد أو اشتریٰ شیئاً للقنیة ناویاً أنه إن وجد ربحا باعه لازکاۃ علیه (تحته فی الشامیة) ولو نوی الخ محترزقوله وشرط مقارنتها لعقد التجارۃ. (الدر مع الرد، کتاب الزکاۃ، قبیل باب السوائم زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۵، کراچی ۲/ ۲۷٤)

وتشترط نیة التجارۃ فی العروض ولابد أن تکون مقارنة للتجارۃ فلو اشتریٰ شیئاً لنفسه ناویاً أنه إن وجد ربحاًباعه،لازکاۃ علیه. (الاشباہ والنظائر قدیم /۳۸، زکریا/ ۷۹)

الزكاة واجبة فى عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق أو الذهب .... ويشترط نية التجارة وفى هامش الهداية أي حالة الشراء أما إذا كانت النية بعد الملك فلا بد من اقتران عمل التجارة بنية لأن مجرد النية لايعمل . (هدايه ، كتاب الزكاة ، فصل فى العروض اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

پیشگی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کے بھائی بہنوں کو والد کے ورثہ میں ایک پلاٹ ملا، پلاٹ کو بیچنے کے لئے ایک شخص (عمر) سے بات ہوگئی، قیمت طے ہوگئی عمر کو کچھ کاغذات بنانا ہے، اس دوران عمر نے کچھ رقم پیشگی ادا کی، زید کو بھی پیشگی رقم ملی، اور زید کا معمول ۱/ رمضان کو زکاۃ کا حساب کرنیکا ہے، تقریباً دو ماہ قبل پیشگی رقم ملی، کیا زید کو پیشگی رقم پر بھی زکاۃ ادا کرنی ہوگی؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتي: محمد افتخار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو پیشگی رقم ادا کی گئی ہے وہ رقم اگر بیعانہ اور معاہدۂ بیع کے طور پر ہے تو اس کی زکوۃ ادا کرنا زید پر لازم نہیں اس لئے کہ بیع تام نہیں ہوئی اور یہ رقم بطور امانت کے ہے، اگر خریداری کی بات ختم ہوجاتی ہے، تو اس رقم کی واپسی شرعاً لازم ہے، اور اگر پیشگی دی گئی رقم بیعانہ اور معاہدۂ بیع کے طور پر نہیں ہے بلکہ عقد بیع مکمل ہونے کے بعد

قیمت کا ایک حصہ دیا گیا ہے تو اس کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہے۔

وأما المستفاد في أثناء الحول فيضم إلى مجانسه ويزكى بتمام الحول الأصلي. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الزكاة، دارالكتاب دیوبند/ ۷۱۵، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها و صفتها وشرائطها زكريا ۱/ ۱۷۵، جديد ۱/ ۲۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۱۰؍۱۴۳۴ھ

بیعانہ کی رقم ادا کرنے کے بعد مابقیہ رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی زکوٰۃ ہر سال رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں نکالتا ہے، زید نے رجب کے شروع میں ایک مکان خریدا بیعانہ کے طور پر کچھ رقم رجب میں دیدی باقی رقم عید الفطر کے بعد دینے کا وعدہ کرلیا معلوم یہ کرنا ہے کہ زید جب رمضان کے شروع میں زکوٰۃ ادا کرے گا تو کیا اس رقم کی بھی زکوٰۃ دے گا جس کا مکان کے خریدنے پر عید الفطر کے بعد ادائیگی کا وعدہ کیا ہے، یا مکان کے خریدنے کی رقم الگ نکال کرتب بقیہ رقم کی زکوٰۃ نکالے شرعاً کیا حکم ہے؟ جواب دیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے بیعانہ کے طور پر جو رقم ادا کردی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن باقی رقم جو اس نے عید الفطر کے بعد دینے کا وعدہ کیا ہے، وہ زید ہی کی ملکیت میں ہے، اسلئے اس رقم کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی، جبکہ مکان پر قبضہ نہ کیا

ہو۔ (مستفاد انوار مناسک/۱۶۰)

إذا أمسکه لینفق منه کل ما یحتاجه فحال الحول وقد بقی معه منه نصاب فإنه یزکی ذلک الباقی، وإن کان قصده الإنفاق منه أیضاً فی المستقبل. (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاءً، کراچی ۲/۲۶۲، زکریا۳/۱۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۱۰/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۲۷ھ

تجارتی زمین پر ہر سال ادائیگی زکوٰۃ کے وقت کی قیمت معتبر ہے

سوال: [۴۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زمین بغرض تجارت خریدی ہو بلڈنگ تعمیر کرنے کے لئے ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کب واجب ہوگی یعنی جب سے زمین خریدی ہو یا بلڈنگ بنانے کے بعد فروخت کی ہو یا صرف ہوئے منافع پر زکوٰۃ دینی واجب ہوگی؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر یہی کاروبار ہے تو پورے سرمایہ کی زکوٰۃ ہر سال جس وقت ادا کی جاتی ہے اسی وقت سے قیمت لگا کر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اگر یہ پہلا سرمایہ ہے تو خریداری پر سال گذرنے کے بعد اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا۔

عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال: أما بعد! فإن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کان یأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبیع. (سنن أبی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب العروض إذا کانت للتجارۃ هل فیها من زکاۃ، النسخة الهندیة ۱/۲۱۸، دارالسلام رقم: ۱۵۶۲)

عن ابن عمرؓ قال: لیس فی العروض زکاة إلا ما کان للتجارة. (السنن الکبریٰ للبیهقی ، کتاب الزکاة، باب زکاة التجارة ،دارالفکر ٦/٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

عن عائشةؓ قالت: سمعت رسول الله ﷺ یقول: لازکاة في مالٍ حتی یحول علیه الحول . (سنن ابن ماجه ، کتاب الزکاة، باب من استفادمالاً، النسخةالهندیة ١/١٢٨، دارالسلام رقم: ١٧٩٢)

عن الحسن ، في رجل اشتریٰ متاعاً فحلت فیه الزکاة؟ فقال: یزکیه بقیمته یوم حلت . (المصنف لابن أبي شیبة ، کتاب الزکاة، ماقالوا فی المتاع یکون عندالرجل یحول علیه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جدید ٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وتشترط نیة التجارة فی العروض الخ. (الأشباه قدیم /٣٨،زکریا/٧٩)

لازکوٰة فی مال حتی یحول علیه الحول الخ. (هدایه ، کتاب الزکاة، اشرفیه دیوبند١/ ١٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

وکیل بالشراء کے پاس پھنسے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے بلڈر کو دولاکھ روپئے مکان خریدنے کیلئے دیئے لیکن بلڈر نے چارسال کے بعد کسی وجہ سے مکان میرے حوالہ کیا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان چارسالوں میں ان دولاکھ روپیوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یانہیں ؟ اور اگر بلڈر یہ مکان نہ دے بلکہ میرا روپیہ ہی واپس کردے تو ان روپیوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یانہیں ؟ واضح ہو کہ یہ مکان بغرض تجارت خریدا تھا رہائش کیلئے نہیں؟ جواب سے نوازیں، عنایت ہوگی ؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ کی عبارت سے اصل حقیقت واضح نہیں ہو پائی ہے اگر سوال کا مطلب یہی ہے کہ آپ نے بلڈر کو اسی مکان کو خریدنے کیلئے روپیہ دیا ہے، جو مکان بلڈر نے چار سال بعد آپ کے حوالے کیا تھا، اور یہ مکان آپ نے تجارت کیلئے ہی خریدا ہے، تو ایسی صورت میں بلڈر نے چار سال پہلے آپ سے جو دولاکھ روپئے لے لئے وہ آپکی ملکیت سے خارج ہوگئے اب تجارتی مکان آپکی ملکیت میں چار سال بعد آیا ہے، تو اگر آپ کا روپیہ یا مکان آپ کو ملنے میں کوئی تردد نہیں تھا، بلکہ یقینی تھا کہ مثلاً مکان آپکو ملنا ہی ملنا ہے لیکن آپ نے رعایۃً ان کے پاس چھوڑے رکھا یا اس کو کرایہ پر دے رکھا تھا، اور جب آپ چاہتے تو اپنا روپیہ یا مکان اپنے قبضہ میں لے سکتے تھے، تو ایسی صورت میں آپ پر دولاکھ روپیہ کی مالیت کی چار سال کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہوگی، اور اگر وہ روپیہ بلڈر کے پاس جا کر پھنس گیا اور پیسہ یا مکان پر قبضہ کرنا آپ پر آسان نہیں تھا، تو آپ پر پچھلے چار سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۲۷)

عن الليث بن سعد أن عبد الله بن عباس ، وعبد الله بن عمر رضى الله عنهم ، قالا : من أسلف مالاً فعليه زكاته فى كل عام ،إذا كان في ثقة . (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على ملي موفي ، دارالفكر ٦/ ٦٨ ، رقم: ٧٧١٣)

عن نافع ،عن ابن عمر قال: زكاة أموالكم حول الىٰ حول ، فما كان من دين ثقة فزكوه ، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتىٰ يقبضه صاحبه. (المصنف لابن ابي شيبة ، كتاب الزكاة ، فى زكاة الدين ، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٤٨٥ ، رقم: ١٠٣٥١)

أما القوى وهو الذى وجب بدلا عن مال التجارة إلىٰ قوله يؤدى زكوٰته قل المقبوض أو كثر. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل وأما الشرائط التي

ترجع إلیٰ المال مراتب الدیون کراچی ۲/ ۱۰، زکریا ۲/ ۹۰، البحرالرائق ، کتاب الزکاة، کوئٹه ۲/ ۲۰۷، زکریادیوبند ۲/ ۳٦۳، ۳٦٤، هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب الاول في تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/ ۱۷۵، جدید ۱/ ۲۳٦، قاضیخان علی هامش الهندیه، کتاب الزکاة، فصل فی مال التجارة زکریا ۱/ ۲۵۳، جدید ۱/ ۱۵۵، مجمع الأنهر ، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۸۹، قدیم مصری ۱/ ۱۹۵)

أما الدین الضعیف وهو الذي وجب له بدلاً عن شیئ (إلیٰ قوله) ولا زکوٰة فیه مالم یقبض کله ویحول علیه الحول بعد القبض .
(بدائع الصنائع ، کتاب الزکاة، فصل وأما الشرائط التی ترجع إلیٰ المال مراتب الدیون زکریادیوبند ۲/ ۹۰، کراچی ۲/ ۱۰)

یقر المدیون بالدین وبملاء ته ولایقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم . (شامی، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۳۹)

جس مال تجارت کی قیمت ادا کر کے قبضہ نہیں کیا اس کی زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوسکی ہے، وہ قیمت جوادا کی جاچکی ہے، اور وہ مال جوخریدار کے ملک میں آچکا لیکن قبضہ میں نہیں آیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یانہیں؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس مال تجارت کی مشتری نے قیمت ادا کردی ہے

لیکن ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اسکی زکوٰۃ مشتری پر واجب نہیں ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ١/٣٤٦)

ولا فيما اشتراه لتجارة قبل قبضه. (الدر المختار، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ٣/١٨٠، كراچی ٢/٢٦٣)

ترجمہ: یعنی جو مال تجارت کی غرض سے خریدا ہے اس پر قبضہ سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

المبيع قبل القبض لاتجب فيه الزكاة. (حاشيه چلپی علی هامش التبيين، كتاب الزكاة، امداديه ملتان ١/٢٥٧، زكرياديوبند ٢/٣٠)

ترجمہ: یعنی قبضہ سے قبل مبیع میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اور قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ مشتری پر واجب ہوگی یا نہیں؟ تو اس میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے قاضی خان کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، کہ مشتری پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

رجل له سائمة اشتراها رجل للسيامة ولم يقبضها حتى حال الحول ثم قبضها لا زكوٰة على المشتري فيما مضى ؛ لأنها كانت مضمونة على البائع بالثمن. (شامی، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند٣/١٨٠، كراچی ٢/٢٦٣، وهكذا قاضيخان على هامش الهنديه ، كتاب الزكاة، قبيل فصل فی أداء الزكاة زكريا ديوبند ١/٢٦٠، جديد ١/١٦٠)

ترجمہ: کسی شخص کے پاس چر کر گذارا کرنے والے جانور رہیں ان کو دوسرے شخص نے نسل بڑھانے اور چرا کر پالنے کی نیت سے خرید کر قبضہ نہیں کیا ہے، حتی کہ سال گذر گیا تو سنین ماضیہ کی زکوٰۃ مشتری پر واجب نہ ہوگی، اسلئے کہ وہ بائع کی ضمانت میں ہے۔

لیکن راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ مال تجارت میں قبضہ کے بعد مشتری پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب اور ضروری ہے، اسلئے کہ قبضہ سے قبل جو ملکیت ناقص ہوتی ہے اس پر بھی قبضہ کے بعد استصحاب حال کے قاعدہ سے ملکیت تامہ کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔

وأما بعده (أی بعدالقبض)فیز کیه عما مضی . (شامی ، کتاب الزکاۃ ، زکریا دیوبند۳/۱۸۰، کراچی ۲/۲۶۳)

ترجمہ: یعنی مال تجارت میں قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

لاتجب الزکوٰۃ معناه قبل قبضه ، وأما بعد قبضه فتجب زکوته فیما مضی کالدین القوي الخ. (البحرالرائق ، کتاب الزکاۃ، زکریا دیو بند ۲/۳۶۵، کوئٹہ ۲/۲۰۹)

ترجمہ: یعنی قبضہ سے قبل مشتری پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہے جیسا کہ دین قوی کا حکم ہے۔

اور مشتری نے مبیع کی جو قیمت بائع کو ادا کردی ہے، اس پر بائع کی ملکیت اور قبضہ دونوں جمع ہوکر ملکیت تامہ کے دائرے میں داخل ہوچکی ہے، اسلئے اسکی زکوٰۃ ادا کرنا بائع پر لازم ہوگا، مشتری پر نہیں ہوگا۔

رجل اشتری عبداً للتجارۃ یساوي مأتي درهم ونقد الثمن ولم یقبض العبد حتی حال الحول فمات العبد عندالبائع کان علی بائع العبد زکوٰۃ المائتین...... فلأ نه ملک الثمن (إلی قوله) لازکوٰۃ علی المشتری لأن الثمن زال عن ملکه إلی البائع . (البحرالرائق ، کتاب الزکاۃ، کوئٹہ ۲/۲۰۳، ۲۰۴، زکریا

ترجمہ: یعنی کسی شخص نے بغرض تجارت ایسا غلام خریدا جس کی قیمت دوسو درہم ہے ، اور ثمن ادا کردیا لیکن قبضہ نہیں کیا حتی کہ سال گذر گیا اور غلام بائع کے یہاں ہلاک ہوجائے، تو دوسو درہم کی زکوٰۃ بائع پر لازم ہے، اس لئے کہ وہ اس ثمن کا مالک ہوچکا ہے ، اور مشتری پر زکوٰۃ نہیں ہے، اسلئے کہ اس کی ملکیت سے نکل کر بائع کی ملکیت میں داخل ہوکر اس پر سال گذر چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

دیـو بـنـد ۲/ ۳۵۷، قـاضیخان علی
هـامـش الهندیه، کتاب الزکاۃ، قبیل
فـصـل في أداء الـزکـاۃ زکـریـا
دیوبند ۱/ ۲۵۹، جدید ۱/ ۱۵۹)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۳۷)

غیر مقبوض مال کی زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید چمڑہ کا کاروبار کرتا ہے، بعض مرتبہ رقم ایسی رک جاتی ہے، کہ ملنے کی جلدی امید نہیں ہوتی ہے، اگر ایسی رقم سے کچھ رقم مل جائے تو زکوٰۃ فوراً واجب ہوگی ؟ یا پھر سال گذرنے پر اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ تو واجب نہیں ہے صرف رقم کا چالیسواں حصہ ہی کافی ہوگا؟ یا گذشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ مفصل بیان کریں

المستفتي: رحمت اللہ قاسمی، مدرسہ دار العلوم سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جب چاہے رقم نہیں ملتی ہے تو ایسی رکی ہوئی رقم پر وصول ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا واجب نہیں جتنی رقم وصول ہوتی رہے اتنے کی زکوٰۃ ادا کردیا کریں، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ایسی صورت میں دینا راجح قول کے مطابق واجب نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۲۸)

عن عبد اللّٰه بن دینار، عن ابن عمرؓ قال: زکوا ما کان في أیدیکم، وما کان من دین ثقة، فهو بمنزلة مافي أیدیکم، وما کان من دین ظنون فلا زکاۃ فیه حتی یقبضه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الدین إذا کان

علی معسر أو جاحد دارالفکر ٦/ ٦٩، رقم: ٧٧١٧)

ولو کان الدین علی مقر ملیء أو علیٰ معسر أو مفلس أی محکوم بإفلاسه أو علی جاحد علیه بینة وعن محمد لا زکوٰة وهو الصحیح. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند٣/ ١٨٤، ١٨٥، کراچی ٢/ ٢٦٦، ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۹)

ناقص اور نامکمل مکان کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا چار مکان بنانے کا ارادہ ہے، جس میں سے ہر ایک کی قیمت ساڑھے تین لاکھ روپیہ رکھی ہے، جن میں سے ایک مکان مکمل تیار ہے، دوسرے میں پلاسٹر اور ٹائلس کا کام باقی ہے اور دوسرے دو مکان نامکمل ہیں یعنی صرف دیواریں اور چھت مکمل ہوئی ہے، ان سے اوپر کی منزل کی تعمیر ابھی باقی ہے، تو ان مکانوں کی زکوۃ کس طرح ادا کروں؟ فروختگی کی قیمت ساڑھے تین لاکھ روپیہ کے اعتبار سے ہر مکان کی زکوٰۃ ادا کروں یا جو مکان مکمل ہے اس کی مکمل اور جو ناقص ہے اس کی اسی اعتبار سے زکاۃ ادا کروں؟

المستفتي: مولوی محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو مکان مکمل تعمیر ہو چکا ہے، اس کی زکوۃ اس کی مکمل قیمت کے حساب سے نکالی جائیگی اور جو مکان ناقص تعمیر ہوا ہے، اس کی زکوۃ اس کی ناقص قیمت کے حساب سے نکالی جائیگی۔

عن ابن جریج قال: سمعت أنا أنها قیمة العروض یوم تخرج زکاته.

(مصنف عبدالرزاق ، الزکاۃ، باب الزکاۃ من العروض ، المجلس العلمي ٤/٩٧، رقم: ٧١٠٥)

عن الحسن في رجل اشتری متاعاً فحلت فیه الزکاۃ؟ فقال یزکیه ، بقیمته یوم حلت. (المصنف لابن أبی شیبة ، کتاب الزکاۃ، ماقالوا فی المتاع یکون عند الرجل یحول علیه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جدید٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا یوم الأداء وهو الأصح . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم کراچی ٢/٢٨٦،زکریا٣/٢١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۴۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۷ھ

استعمال کیلئے خریدے گئے پلاٹ کی رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک پلاٹ ۱۹۹۳ء میں اپنے استعمال کی نیت سے خریدا تھا لیکن اب زید اس کو فروخت کر کے کوئی دوسرا مکان یا پلاٹ خریدنا چاہتا ہے، کیا زید کو اس فروخت شدہ پلاٹ کی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنی فرض ہوگی یا نہیں؟ اگر ہاں تو کب سے ابھی فروخت نہیں کیا ہے؟

المستفتي: سید آفتاب علی، جامع مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صرف فروخت کرنے کی نیت سے وہ پلاٹ تجارتی نہ ہوگا، جبکہ خریدتے وقت استعمال کی نیت رہی ہو سوالنامہ میں ہے کہ ابھی تک فروخت بھی نہیں کیا ہے، بلکہ صرف ارادہ ہے تو ایسی صورت میں ایسے پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ جب فروخت کردیگا اور اس کے بعد سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آنے سے پہلے دوسرا پلاٹ استعمال کیلئے خریدے گا تو بھی اس کی زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔

عن ابن عمرؓ قال: ليس في العروض زكاة، إلا ما كان للتجارة .
(السنن الكبرىٰ للبيهقي ، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة ، دارالفكر ٦/ ٦٤،رقم: ٧٦٩٨)

عن ابن عمر قال: ليس في العروض زكاة ؛ إلا عرض في تجارة فإن فيه زكاة . (المصنف لابن ابي شبية ،كتاب الزكاة، ماقالوا في المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جديد٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٦٠)

قالوا في الزكاة لو نوىٰ فيما كان للتجارة أن يكون للخدمة كان للخدمة وإن لم يعمل، بخلاف عكسه وهو ماإذا نوىٰ فيما كان للخدمة ،أن يكون للتجارة لايكون للتجارة حتى يعمل لأن التجارة عمل فلا يتم بمجرد النية والخدمة ترك التجارة فتتم بها الخ.
(الأشباه قديم / ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ار محرم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/ ۵۵۷۹)

مکان بنانے کے ارادے سے خریدی گئی زمین میں تجارت کی نیت کرنا

سوال: [۴۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک زمین خریدی تھی جس پر کہ میرا ارادہ مکان بنا کر رہنے کا تھا، کیونکہ میرے پاس اپنا کوئی مکان نہیں کرایہ کے مکان میں رہتا ہوں جہاں پر زمین خریدی تھی وہاں پر آبادی نہ ہونے کی وجہ سے مکان بنا کر رہنا ممکن نہیں اب پچھلے ایک سال سے میں ہر چند یہ کوشش کرر ہا ہوں کہ کم از کم جتنے قیمت کی میں نے زمین خریدی تھی اتنے ہی کی بک جائے چاہے مجھ کو کوئی فائدہ نہ ہو مگر ہر چند لوگوں سے ذکر کرنے اور رابطہ کرنے کے باوجود وہ زمین نہیں بک سکی فائدہ تو درکنار اس کی قیمت بھی نہیں مل پا رہی ہے، اس طرح وہ پیسہ پھنسا ہوا ہے، کیا مجھ کو اس مکان کی قیمت کی زکوٰۃ دینی چاہئے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کبھی میرے دل

میں کسی وقت یہ خیال آیا ہو کہ یہ زمین فائدہ سے بک جائے گی تو کسی دوسری جگہ زمین یا مکان لے لوں گا؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: نظام الدین، محلّہ رفعت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ یہ نیت کیوں نہ کی ہو کہ جب نفع ملے گا تو بیچ دیں گے۔

عن نافع، عن ابن عمر، قال: لیس فی العروض زکاۃ، إلا عرض فی تجارۃ، فإن فیه زکاۃ. (المصنف لابن أبي شیبه، کتاب الزکاۃ، ماقالوا: فی المتاع یکون عندالرجل یحول علیه الحول، مؤسسه علوم القرآن جدید ۶/۵۲۶، رقم: ۱۰۵۶۰، السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ، دارالفکر ۶/۶۴، رقم: ۷۶۹۸)

وتشترط نیة التجارۃ فی العروض ولابد أن تکون مقارنة للتجارۃ فلو اشتریٰ شیئا لنفسه ناویاً أنه إن وجد ربحاً باعه لازکوٰۃ علیه الخ.

(الأشباہ قدیم/۳۸، وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند ۱/۷۱۸، قدیم/۳۹۱، الولوالجیة، کتاب الزکاۃ، فقیه الامت ۱/۱۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ جمادی الاول/۱۴۱۸ھ

مکان بنانے کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ پر فروختگی سے قبل زکوٰۃ نہیں

سوال: [۴۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس ایک پلاٹ مکان بنانے کیلئے موجود ہے، بعد میں ارادہ بدل گیا کہ جب قیمت بڑھ

جائیگی تو پلاٹ فروخت کردوں گا، تو ایسی صورت میں اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص نے مکان بنانے کیلئے پلاٹ خریدا پھر ارادہ بدل گیا کہ قیمت بڑھ جانے پر اس کو فروخت کروں گا، تو اس پر زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں ہے، جب تک کہ اسے فروخت نہ کردے گا، فروختگی کے بعد ہی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن نافع، عن ابن عمر قال: لیس فی العروض زکاۃ إلا ماکان للتجارۃ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ، دارالفکر ٦/ ٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

اشتریٰ شیئا للقنیۃ ناویاأنہ إن وجد ربحاً باعہ لازکوٰۃ علیہ. (الدر مع الرد، کتاب الزکاۃ، قبیل باب السائمہ زکریا دیوبند۳/ ۱۹۵، کراچی ۲/ ۲۷٤)

رجل اشتریٰ خادما للخدمۃ وهو ینوی إن أصاب ربحاً یبیعه فحال علیه الحول لازکوٰۃ علیه لأن المشتری للخدمۃ کذلک یکون إذا أصاب ربحاً یبیعه. (الولوالجیۃ دارالایمان سہارنپور، کتاب الزکاۃ ۱/ ۱۸۳)

وتشترط نیۃ التجارۃ في العروض ولابد أن تکون مقارنۃ للتجارۃ فلو اشتریٰ شیئاً للقنیۃ ناویاً أنه إن وجد ربحاً باعه لازکوٰۃ علیه. (الاشباه زکریا ۱/ ۷۹، قدیم /۳۸)

لکن لاتجب الزکوٰۃ إلا إذا اتجر لأن التجارۃ فعل لایتم بمجرد النیۃ. (شرح حموی زکریا ۱/ ۷۹، قدیم /۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاُخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۸)

تجارت کی نیت سے خریدنے کے بعد پلاٹ پر مکان بنانے کے ارادہ سے زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی؟

سوال: [۴۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے تجارت کی نیت سے پلاٹ خریدا پھر ارادہ کیا کہ اسے بیچنا نہیں ہے، بلکہ مکان بنانا ہے اب اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص نے تجارت کی نیت سے پلاٹ خریدا پھر ارادہ بدل گیا کہ اسمیں مکان بنانا ہے، تو اب اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل۲/۲۱۴)

عن ابن عمر ، قال: ليس في العروض زكاة، إلا عرض في تجارة ، فإن فيه زكاة. (المصنف لإبن أبي شيبه ، كتاب الزكاة، ماقالوا: في المتاع يكون عندالرجل يحول عليه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٦٠)

لو نوىٰ بمال التجارة الخدمة كان للخدمة بالنية. (الاشباه١/١٧٢، زكريا)

بخلاف مالو نوىٰ فيما هو للتجارة أن يكون للخدمة حيث يصح بمجرد النية لأن التروك يكتفى فيها بمجردها. (شرح حموی زكريا ١/٧٩، قديم /٣٨)

ومن اشترىٰ جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكاة. (هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الاول ، في صفتها وتفسيرها وشرائطها زكريا ١/١٧٤، جديد ١/٢٣٦)

والفرق أى بين التجارة حيث لاتتحقق بالفعل وبين عدمها بأن نواه للخدمة حيث تحقق بمجرد النية . (شامی، کتاب الزکاة ،قبيل باب السوائم

کراچی ۲/ ۲۷۲، زکریا ۳/ ۱۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۷۳)

تجارت کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ میں رہائشی مکان بنانا

سوال: [۴۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو پلاٹ خریدے دوسرا جو ضرورت سے زائد ہے جسکی قیمت ۵۰۰۰۷/ ہزار روپئے ہے، پلاٹ خریدتے وقت تجارت کی نیت تھی لیکن اب رہائش کا مکان بنانا چاہتا ہوں تو اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتي: توحید عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرا پلاٹ جسے خریدتے وقت تجارت کی نیت تھی، اسکی قیمت بھی نصاب کے بقدر ہے لیکن بعد میں جب ارادہ بدل گیا اب اس پلاٹ پر رہائشی مکان بنانا چاہتا ہے، ایسی صورت میں اس پلاٹ کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہے، یعنی جس دن سے مکان بنانے کا پکا ارادہ کرلیا ہے، اور بیچنے کا ارادہ ختم کردیا ہے، اس دن سے وہ پلاٹ مال تجارت نہیں رہا۔

ومن اشترى جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكاة لاتصال النية بالعمل. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ١/ ١٧٤، جديد ١/ ٢٣٦، هدايه، كتاب الزكاة، اشرفيه ديوبند ١/ ١٨٧)

لو كان عبد للتجارة ينوى أن يكون للخدمة بطل عنه الزكوٰة بمجرد النية. (تاتارخانيه، كتاب الزكاة، الفصل الثالث، زكاة عروض التجارة، زكريا

دیو بند۳/۱۶۶، رقم: ٤٠٠٥، کوئٹه ۲/۲۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۴۶)

استعمالی عمارت یا دوکان کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس عمارت میں فیکٹری یا دوکان یا دفتر ہے اس عمارت کی خرید کی رقم یا موجودہ وقت کی مالیت پر زکوٰۃ دینا واجب ہوگا یا اس عمارت میں بیٹھ کر کئے ہوئے کاروبار کی بدولت صرف منافع پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ جو بھی مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: عبید الرحمٰن، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ استعمالی عمارت دوکان ودفتر کی رقم یا موجودہ مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ ان عمارتوں میں بیٹھ کر جو کاروباری آمدنی حاصل ہوگی اس پر سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔

وليس في دور السكنىٰ وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة لأنها مشغولة بحاجته الأصلية الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/۱۷۸، کراچی ۲/۲۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۱۱ھ

فلیٹ اور بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [٤٢٢٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار ہے، اس میں زکوٰۃ کے سلسلے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، زکوٰۃ نکالنے کا کوئی آسان طریقہ دریافت کرنا ہے، تاکہ اس طریقے کے مطابق زکوٰۃ کا حساب لگانے میں آسانی ہوجائے، دشواریاں لاحق نہ ہوں، ہمارے کاروبار کے سلسلے میں جن سوالات کے جوابات مطلوب ہیں وہ بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں؟

(۱) زید نے زمین خرید کر بلڈنگ بنانا شروع کی، حکومت کی طرف سے ۴ر منزلہ عمارت بنانے کی اجازت تھی، ۴ر منزلہ عمارت مکمل ہوگئی، اور .F.S.I بھی پوری ہوگئی، اب زید کا ارادہ مزید ۳ر منزلہ زیادہ کرکے ۷ر منزلہ بلڈنگ بنانے کا ہے تو اب زید کو دوسرے شخص سے .F.S.I لینی پڑتی ہے جس کو T.D.R کہتے ہیں، اور اس T.D.R کو خریدنے کیلئے جس سے خریدا جاتا ہے، اسے رقم دینی ہوتی ہے، اور اس .T.D.R کو خرید کر .B.M.C میں پاس کروانا پڑتا ہے، .B.M.C پاس کرکے ایک کاغذ میں مزید .F.S.I دیکر مزید ۳ر منزلہ عمارت تعمیر کرنیکی اجازت دیدیتی ہے، لیکن اچانک حکومت کا قانون بدل جاتا ہے، کہ دوسرے سے خریدا ہوا .T.D.R مخصوص علاقہ میں استعمال کرنیکی اجازت نہیں ہے، زید کی اس مخصوص جگہ میں بلڈنگ ہونے کی وجہ سے زید مزید ۳ر منزلہ عمارت نہیں بنا سکتا ہے، اب بلڈنگ کا کام رک گیا، اس میں زید کا کافی نقصان ہوتا ہے اب جو رقم .T.D.R خریدنے میں دی وہ اجازت صرف کاغذات میں تھی، اب اس کو استعمال کرکے پانچویں منزل کا کام شروع نہیں کیا ہے، لہٰذا .T.D.R خریدنے میں جو رقم لگی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ .T.D.R خریدنے میں جو رقم لگی ہے، وہ ہماری مجموعی اموال زکوٰۃ سے منہا ہوگی یا نہیں؟

(۲) خریدار کو زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ مثلاً خالد نے ار فلیٹ بک کروایا بعد

میں زیادہ رقم ملنے پر فروخت کرنے ہی کی نیت سے فلیٹ بک کروایا تھا، کل فلیٹ کی قیمت ۹/لاکھ روپئے ہے، ابھی ۵/لاکھ روپئے ادا کردئے ہیں، اور بلڈنگ کا ڈھانچہ اور فلیٹ تقریباً وجودی شکل میں تعمیر ہوگیا ہے، بقیہ ۴/لاکھ روپئے کی رقم فلیٹ کا قبضہ ملنے پر ادا کی جائے گی تو خریدار کو زکوٰۃ کی تاریخ میں زکوٰۃ کس طرح ادا کرنی ہوگی، نامکمل تعمیر جو فلیٹ ہے اس کا نفع اسی کے اندازہ سے لگا کر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا صرف ۵/ لاکھ کا حساب کرکے ۴/لاکھ قرض شمار کرکے ۹/لاکھ سے منہا ہوں گے، خریدار کو زکوٰۃ ادا کرنیکی کیا صورت ہوگی، نفع کا اندازہ لگانا دشوار ہے تو آسان صورت کیا ہے، جس حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے؟

المستفتی: مولانا محمد آصف، پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید نے زمین خرید کر ۴/منزلہ عمارت حکومت کی اجازت سے تعمیر کر لی اب مزید ۳/منزلہ اور تعمیر کرنے کے لئے .T.D.R خرید کر .B.M.C میں پاس کروالیا ہے پھر حکومت کا قانون بدل جانے کی وجہ سے .T.D.R کو استعمال کرکے مزید ۳/منزلہ تعمیر کرنے پر زید قادر نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت تعمیر شدہ عمارت کی جو قیمت ہوگی اس کی مالیت کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، کاغذات میں جو پیسہ لگا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وعندهما في الفصلين جميعايؤدي قيمتها يوم الأداء في النقصان (إلى قوله) وفي الزيادة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأماصفته الواجب في أموال التجارة، التصرف في مال الزكاة زكريا۲/ ۱۱۵، كراچی ۲/ ۲۳)

(۲) جب تک فلیٹ تیار ہوکر قبضہ میں نہ آئے اسوقت تک فلیٹ کا مالک نہیں ہوتا ہے، اسلئے مکمل عمارت کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب نہیں ہے ہاں البتہ ۵/لاکھ روپئے جو ادا کیا ہے وہ بہرحال اسکی ملکیت ہیں وہ ضائع ہونے والے نہیں، اس لئے قبضہ سے پہلے صرف ۵/لاکھ ہی کی زکوٰۃ ادا کرنا اس پر لازم ہوگا، ۹/لاکھ کی نہیں، اسلئے کہ جو ۵/لاکھ

روپئے جمع کردیا ہے، وہ دین قوی کے درجہ میں ہیں اور دین قوی پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۲۶)

عن الليث بن سعد، أن عبد الله بن عباسؓ، وعبدالله بن عمرؓ قالا: من أسلف مالاً فعليه زكاته فی كل عامٍ إذا كان في ثقة. (السنن الكبري للبيهقى، كتاب الزكاة، باب زكاة الدين إذا كان على مليء موفى، دارالفكر٦/ ٦٨، رقم:٧٧١٣)

ولا خلاف فی وجوب الزكاة فيه إلا أنه لا يخاطب بأداء شيء من زكوٰة ما مضى مالم يقبض أربعين درهماً فكلماقبض أربعين درهماً أدى درهماً واحداً. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، مراتب الديون زكريا ٢/ ٩٠، كراچی ٢/ ١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۶۸)

رہائش کیلئے خریدی گئی زمین پر فلیٹ تعمیر کر کے فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال: [۴۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ایک زمین ہے جس کو میں نے اپنی رہائش کیلئے خریدا تھا، اب میں اپنی ذاتی رقم سے اسکی تعمیر کرنا چاہتا ہوں، ساتھ میں یہ بھی نیت ہے، کہ اسکے فلیٹس فروخت کروں باقی اپنی رہائش کیلئے رکھ لوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی، آیا قبل از تعمیر ان فلیٹ کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا بعد فروخت کے یا اس کی کیا شکل ہوگی؟ مسئلہ کی صاف وضاحت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتی: محمد ضوان، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ نے مذکورہ زمین کو رہائش ہی کے ارادہ

سے خریدا ہے تو اس زمین کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور تعمیر کے بعد جو فلیٹ فروخت کیا جائیگا، اس کی فروختگی کے بعد جو پیسہ آئیگا اس پیسے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

عن ابن عمرؓ ،قال: ليس في العروض زكاة ، إلا ما كان للتجارة .

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الزكاة ، باب زكاة التجارة، دارالفكر ٦/ ٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

ولا (زكاة) في دور السكنىٰ ونحوها وفي الشامية كالحوانيت والعقارات . (شامي، كتاب الزكاة، كراچی ٢/ ٢٦٥،زكريا ٣/ ١٨٢)

ولو نوىٰ فيما كان للتجارة أن يكون للخدمة كان للخدمة وإن لم يعمل ، بخلاف عكسه وهو ما إذا نوىٰ فيما كان للخدمة أن يكون للتجارة لايكون للتجارة حتى يعمل لأن التجارة عمل فلا تتم بمجرد النية والخدمة ترك التجارة فتتم بها . (الأشباه والنظائر قديم /٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶؍ شوال ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۵۳/۴۱)	۱۴۳۵/۱۰/۱۶ھ

کرایہ پر دی گئی جائیداد کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال: [۴۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو جائیداد کرایہ پر دی گئی ہے، تو اس عمارت کی خرید کے وقت کی قیمت پر یا صرف کرایہ سے حاصل ہوئی آمدنی میں بعد اخراجات عمارت کے زکوٰۃ فرض ہوگی یا عمارت مذکورہ کی موجودہ وقت کی مالیت پر؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبید الرحمان، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کرایہ پر دی گئی جائیداد مال تجارت نہیں ہے، بلکہ آلۂ آمدنی ہے اس لئے جائیداد کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے بلکہ جائیداد کے کرایہ آمدنی پر

زکوٰۃ واجب ہے۔

ولا في ثياب البدن ... وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها وتحته في الشامية أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات الخ. (الدر المختار مع الشامی ، کتاب الزکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً زکریا ۳/ ۱۸۲، کراچی ۲/ ۲۶۵)

ولو اشترى قدوراً من صفر يمسكها أويؤاجرها لاتجب فيها الزكاة، كما لاتجب في بيوت الغلة . (قاضیخان علیٰ هامش الهندیه ، کتاب الزکاة فصل في مال التجارة زکریا ۱/ ۲۵۱، جدید ۱/ ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رشعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

ٹینٹ ہاؤس کے سامانوں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ کرایہ کا سامان جو کرایہ پر شادی وغیرہ ودیگر تقریبات کے موقع پر از راہ سہولت لوگ لے جاتے ہیں، اس سامان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: آفتاب عالم، قصبہ لہرپور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹینٹ ہاؤس کے تمام سامان آمدنی کے ذرائع اور اسباب ہیں، اور آمدنی کے ذرائع اور آلات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ ان آلات کے ذریعے سے جو آمدنی ہوگی اسپر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اسلئے ٹینٹ ہاؤس کے سامان پر زکوٰۃ لازم نہیں۔

ولو اشتری قدوراً من صفر یمسکها أویؤاجرها لاتجب فیها الزکاة.
(هندیه ، کتاب الزکاة، الباب الثالث ، الفصل الثاني فی العروض زکریا۱/ ۱۸۰، جدید ۱/۱ ۲۴، قاضیخان علی هامش الهندیة، کتاب الزکاة، فصل في مال التجارة، زکریا۱/۱ ۲۵، جدید ۱/۵ ۱۵، الفتاویٰ التاتارخانیة ، کتاب الزکاة، الفصل الثالث زکاة عروض التجارة زکریا۳/۹ ۱۴، رقم: ۴۰۱۷)

ولا في ثیاب البدن وأثاث المنزل ودورالسکنی ونحوها –إلی– وکذلک آلات المحترفین. (الدر المختار ، کتاب الزکاة، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاءً ، زکریادیوبند۳/۱۸۲، ۱۸۳، کراچی ۲/ ۲۶۴، ۲۶۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۴۴)

دوکان اور اسکول کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کی ذاتی دوکان یا اسکول کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتي: زوار احمد، مال پور، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ مکان یا اسکول کی آمدنی کو شامل کرکے زکوٰۃ نکالنا لازم ہے، اور ذاتی مکان اور ذاتی اسکول کی آمدنی پر الگ سے سال گذرنا لازم نہیں۔

ومن کان لهٔ نصاب فاستفاد فی أثناء الحول من جنسه ضمه إلیه وزکاه به . (هدایه ، کتاب الزکاة ، فصل فی الغنم ، اشرفیه دیوبند۱/ ۱۹۳، هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب الأول ، فی تفسیرها وصفتها و شرائطها ، زکریا ۱/ ۱۷۵، جدید ۱/ ۲۳۷،

شامی ، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ الغنم ، مطلب محمد إمام فی اللغة ...... زکریا۳/ ۲۱٤، کراچی۲/ ۲۸۸، حاشیه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ ، دارالکتاب دیو بند/ ۷۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ :شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ۵/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۶/ ۷۶۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۲/ ۱۴۲۳ھ

کپڑوں کے تھانوں کی زکوٰۃ تخمینہ سے ادا کرنا

سوال: [۴۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی کپڑے کی دوکان ہے کپڑا کافی تعداد میں گوداموں دوکانوں میں بھرا ہوا ہے، سال بھر اس کو بیچا بھی جاتا ہے، اور اس میں خرید کر رکھا بھی جاتا ہے، زکوٰۃ دیتے وقت اس کو ناپنے میں بڑی پریشانی ہوتی ہے، لہذا اس صورت کے اندر کپڑے کی زکوٰۃ کا حساب کیسے لگایا جائیگا، آیا ناپنا ہی ضروری ہے یا شریعت نے اس کے علاوہ کوئی اور سہولت بھی دی ہے؟

المستفتي: وسیم الدین شمسی، پیلا تالاب، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تمام ٹکڑوں اور تھانوں کو ناپنے میں دشواری اور پریشانی ہے تو تخمینہ سے زکوٰۃ نکالی جاسکتی ہے، مگر ایسی صورت میں تخمینہ سے کچھ زائد دینا بہتر ہے، تاکہ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ :شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/ ۴۳۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۲/ ۱۴۱۶ھ

تجارتی مرغیوں پر زکوٰۃ ہے انڈے اور بچے پیدا کرنے والی پر نہیں

سوال: [۴۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرغی فارم چلانے والے پر فارم کی مرغیوں کی زکاۃ لازم ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مرغی فارم کی مرغیوں کو بیچنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان سے انڈے اور چوزے حاصل کرنا مقصود ہے، تو ان مرغیوں پر زکاۃ نہیں، لیکن اگر مرغیوں کو بیچنا مقصود ہے تو پھر ان مرغیوں کی رقم پر سال گذرنے کے بعد زکاۃ واجب ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۳۰۰، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۴۲۸، میرٹھ ۱۴/۱۴۳، کتاب الفتاویٰ ۳/ ۳۴۶)

عن سمرة بن جندب رضـ قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة، النسخة الهندية ١/ ٢١٨، دارالسلام رقم: ١٥٦٢)

عن ابن عمر رضـ قال ليس فى العروض زكاة، إلا ماكان للتجارة.

(السنن الكبرىٰ للبيهقى، الزكاة، باب زكاة التجارة، دارالفكر ٦/ ٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

والأصل أن ماعدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة، تحته فى الشامية، الحجرين وما عدا ماذكر كالجواهر والعقارات والمواشي العلوفة والعبيد والثياب والأمتعة ونحو ذلك. (شامى، كتاب الزكاة، قبيل باب السوائم زكريا ٣/ ١٩٤، كراچى ٢/ ٢٧٣)

فإن كانت للتجارة فحكمها حكم العروض يعتبر أن تبلغ قيمتها نصاباً. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثاني، الفصل الخامس فيما لاتجب فيه الزكاة، زكريا ١/ ١٧٨، هنديه اتحاد جديد ١/ ٢٤٠)

الزكاة واجبة فى عروض التجارة كائنة ماكانت أي سواء كانت من جنس ماتجب فيه الزكاة أومن غيره كالثياب والحمير. (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة العروض، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٥٠، مكتبه تهانوى

۱/۱۸۰، تاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثالث زکاة عرض التجارة، زکریا ۳/۱٦٤، برقم: ۲۹۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۸)

کمپنی کی عمارتوں میں رہائش پذیر ملازموں پر بلڈنگ کی زکاۃ واجب ہے یا کمپنی پر

سوال: [۴۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بلڈنگ کمپنی کی ہے، جسمیں کمپنی مذکورہ کے کارندے قیام پذیر ہیں تو ایسی صورت میں اس بلڈنگ پر زکوٰۃ کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

المستفتي: عبیدالرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی کی طرف سے کمپنی کے کارندوں کے قیام کیلئے جو کالونیاں بنائی جاتی ہیں ان کی عمارت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ یہ سب کمپنی اور فیکٹری چلانے کے اسباب میں داخل ہیں، اسلئے ان عمارتوں پر زکوٰۃ نہیں بلکہ پوری کمپنی کی جوآمدنی ہوتی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

لأنها مشغولة بحاجته الأصلية وليست بنامية الخ. (شامی، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند ۲/۱۷۸، کراچی ۲/۲۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/ ۲۲۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۱۱ھ

پگڑی کی زکوٰۃ کس پر

سوال: [۴۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بھیونڈی میں نوے فیصد کپڑے کا کاروبار ہوتا ہے، پاورلوم کپڑا تیار کرنے والی مشین کے ذریعہ کپڑا تیار کرتے ہیں، زید بھیونڈی میں رہتا ہے، اس نے پاورلوم لگانے کیلئے ایک جگہ اور پاورلوم کا موٹر بنانے کیلئے ایک دوکان رہنے کیلئے ایک مکان غیر مدت متعینہ تک کرایہ پر لیا اس جگہ دوکان ومکان والے کو زید نے پیشگی بطور پگڑی کے جسکو بھیونڈی کی عام فہم زبان میں (ڈپاشن) کہتے ہیں، ایک لاکھ روپیہ دیا جو بھیونڈی میں جگہ دوکان ومکان وغیرہ کرایہ پر لینے کا دستور ہے، جب زید وہ جگہ ودوکان ومکان خالی کریگا تب ہی وہ صاحب جگہ ودوکان ومکان کی پگڑی (ڈپاشن) کا ایک لاکھ روپیہ واپس کریگا، زید اس جگہ دوکان ومکان کا کرایہ ہر ماہ الگ سے دیتا ہے، زید نے وہ جگہ ودوکان ومکان خالی کرنے کے ارادہ سے نہیں لیا ہے، اورنہ وہ صاحب جگہ خالی کرا سکتا ہے، صاحب جگہ ودوکان ومکان نے اسکی قیمت سے زیادہ (ڈپاشن) لیا ہے، اور صاحب جگہ اسکی (ڈپاشن) رقم سے کاروبار کرتا ہے، اور روپیہ کماتا ہے، بھیونڈی میں ۹۰ رفیصد مذکورہ بالا نوعیت پر لوگ کاروبار کرتے ہیں، تو ایسی صورت مذکورہ میں مثلاً: زید پر یا اہل بھیونڈی پر جو بھی مذکورہ بالا نوعیت پر کاروبار کرتے ہیں، (ڈپاشن) رقم کی زکوٰۃ صاحب جگہ وکرایہ دار پر فرض ہے؟

ہر دوصورت میں کس علت سے فرض ہے، زید کہتا ہے، کہ ڈپاشن صاحب جگہ کے قبضہ میں ہے، اور وہ اس سے فائدہ حاصل کررہا ہے، جب تک میں جگہ خالی نہیں کرونگا، رقم واپس نہیں مل سکتی ہے، نہ میں خالی کرونگا، اورنہ وہ خالی کرا سکتا ہے، جیسا کہ بھیونڈی میں رواج ہے، جن لوگوں نے جب سے لیا ہے، خالی نہیں کیا ہے، کرایہ دیتے ہیں یا غیر مدت معینہ کی صورت میں ہے جو بھیونڈی کا دستور ہے؟

المستفتي: منظور عالم قاسمی، مدرس
مدرسہ باب العلوم، بابوگنج، پرتاب گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ رقم کی زکوٰۃ نہ کرایہ دار پر ادا کرنی

واجب ہے اور نہ قابض مالک مکان ودوکان پر، اور کرایہ دار پر اسلئے واجب نہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے، وہ یہاں مفقود ہے، اور قابض مالک جائداد پر اسلئے ادا کرنی واجب نہیں ہے، کہ ملکیت شرط ہے، اور یہاں ملکیت تامہ نہیں ہے، گویا کہ یہ مال رہن کے حکم میں ہوگا۔

ومنها الملک التام وهو ما اجتمع فيه الملک واليد، وأما إذا وجد الملک دون اليد ، كالصداق قبل القبض أو وجد اليد، دون الملک (إلیٰ قوله) **ولاعلى الراهن إذا كان الرهن في يد المرتهن الخ.**

(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاۃ الباب الاول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/۱۷۲، جدید۱/۲۳۳، الجوهرۃ النیرۃ ، کتاب الزکاۃ، کراچی قدیم ۱/۱۳۹، دارالکتاب دیوبند ۱/۳۷، البحرالرائق، کتاب الزکاۃ، کوئٹہ ۲/۲۰۳، زکریا۳/۳۵۵، شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/ ۱۸۰، کراچی ۲/۲۶۳، حاشیه چلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ ، امدادیه ملتان ۱/۲۵۵، زکریادیوبند۲/۲۷)

ولو قال خذ هذه الألف الوضح حتى آتيک بحقک واشهدلي بالقبض فأخذ فهو رهن الخ . (عالمگیری، کتاب الرهن ، الفصل الثاني فیما یقع به الرهن ومالایقع زکریادیوبند۵/۴۳۴، جدید۵/ ۴۹۰ ، قاضیخان علی هامش الهندیه ، زکریا دیوبند۳/ ۵۹٤ ، کتاب الرهن ، فصل فی الفاظ الرهن ، جدید۳/۴٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۱/۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱/۲۴)

کمپنی کے حصص اور شیئرز کی زکوٰۃ

سوال: [۴۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مختلف تجارتی کمپنیاں اپنے شیئرز فروخت کرتی ہیں، یہ شرکت کی ایک صورت ہے، کمپنی قائم کرتے وقت کچھ اکائیاں طے کرلی جاتی ہیں ہر یونٹ (اکائی) ایک شیئر ہوتا ہے، اور اس کی ایک خاص قیمت ہوتی ہے، کمپنی جو کچھ منافع کمائیگی شیئرز ہولڈرس اس میں اپنے حصے کے تناسب سے نفع کے حقدار ہوں گے، شیئرز دراصل کسی تجارتی کمپنی کے ایک خاص حصہ کی ملکیت ہے واضح رہے کہ بعد کوان شیئرز کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور کمپنی کے نفع ونقصان اوراس کے ساکھ کے پیش نظران شیئرز کی قیمت گھٹتی اور بڑھتی ہے، پہلاسوال یہ ہے کہ ان شیئرز پرایک تجارتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ واجب ہوگی یانہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت ان شیئرز کی مالیت کا تعین ان کی بنیادی قیمت کو سامنے رکھ کر کیا جائیگا؟ یا بروقت اداءزکوٰۃ مارکیٹ میں اس کا جونرخ ہواس کا اعتبار کیا جائیگا؟

المستفتي: مجاہدالاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی کے حصص اور شیئرز میں تجارتی سرمایہ ہونے کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوا کرے گی اور اسکی زکوٰۃ کی ادائیگی میں لاگت اور منافع دونوں کا اعتبار کرکے دونوں کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اوراس کے سرمایہ میں سے جتنی مقدار کمپنی کے غیرنامی اثاثوں میں خرچ ہوا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور جومقدار نامی اثاثوں میں لگا ہے، اس کے منافع کی زکوٰۃ اداکرنی واجب ہے اور اگراس کا پورا حصہ نامی اثاثہ میں لگایا گیا ہے تو پورے حصہ رأس المال اور منافع دونوں کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

اوراگرشیئرز مارکیٹ میں شیئرز کوخرید کرفروخت کیا کرتا ہے، اور فروختگی کی غرض سے حصص خریدا کرتا ہے، تو کل لاگت مال تجارت کے دائرہ میں آکر کل پر زکوٰۃ واجب ہوا کرے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱۴/۲، جدید زکریا دیوبند ۱۵۱/۷، جدید فقہی مسائل ۱۳۲/۱، اسلامی فقہ ۴۳۱/۱، جواہر الفقہ قدیم ۳۸۵/۱، جدید زکریا دیوبند ۲۳۱/۳، امداد الفتاویٰ ۲۱/۲، فتاویٰ

دارالعلوم ۶/ ۴۰، ایضاح المسائل/ ۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۹)

شیئرز کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں

سوال: [۴۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماجد نے ٹاٹا اسٹیل کی کمپنی سے ایک سال پہلے ایک شیئر ایک لاکھ روپئے میں خریدا تھا، آج کی مارکیٹ میں اس کی قیمت دو لاکھ ہوگئی ہے، اور ماجد اس کو بیچنا نہیں چاہتا ہے، گھر میں رکھے ہوئے تھے اب زکوٰۃ اسکی اصل خریداری والی قیمت پر ہوگی یا مارکیٹ کی قیمت کا اعتبار ہوگا جبکہ یہ شیئر تیسرے سال میں پچاس ہزار کا بھی ہوسکتا ہے، اور پانچ لاکھ کا بھی ایسی شکل میں زکوٰۃ کب کس طرح اور کس قیمت پر ہوگی مفصل جواب باصواب و باحوالہ سے نوازیں؟

المستفتي: محمد اظہر الاسلام قاسمی، کاشی پوری،
خادم: دارالعلوم جامع الہدیٰ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خریدار کی قیمت کا اعتبار شیئر کی زکوٰۃ میں نہیں ہوتا ہے بلکہ مارکیٹ کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوتا ہے، اگرچہ آئندہ اس کی قیمت میں کمی زیادتی ہوسکتی ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱، ایضاح المسائل/ ۱۰۶)

عن ابن جريج، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمي ٤/ ٩٧، رقم: ٧١٠٥)

وإن أدى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثاني فى العروض زكريا ١/ ١٨٠، جديد ١/ ٢٤١)

ولو ازدادت قيمتها قبل الحول تعتبر قيمتها وقت الوجوب بالإجماع.

(الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الزکاۃ، الفصل الثالث زکاۃ عروض التجارۃ، زکریادیوبند ۳/ ۱۷۰، رقم: ۴۰۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۱رشوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۰/۲۱ھ

شیئرز کی اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ماجد نے پانچ لاکھ روپئے لگا کر شیئر کیا اور ہر روز شیئر اسٹاک سے شیئرز لیتا اور بیچتا ہے، اس خرید وفروخت میں اس نے دولاکھ کا نفع کمایا اور پھر اس نفع سے بھی آگے کو شیئر ہی خریدے اور بیچے یہ سلسلہ چلتا رہا جسمیں نفع ونقصان بھی ہوتا رہتا ہے، مگر اکثر نتیجۃً نفع ہی ہوتا ہے، اب زکوٰۃ اصل پر واجب ہوگی یا نفع پر، یا اصل اور نفع دونوں پر جبکہ نفع پر سال پورا نہیں گذرا کیونکہ نفع کی آمدنی سے بھی شیئر خریدے جاتے رہے، اس شکل میں زکوٰۃ کب کتنی اور کس طرح واجب ہوگی؟

(۲) ماجد نے پانچ لاکھ روپئے اصل سرمایہ لگا کر شیئر خریدے اس سے سال بھر میں دولاکھ نفع کمایا اب اصل نفع ملاکر سات لاکھ ہوگیا پھر اس نے اس سات لاکھ سے شیئر ہی خریدے اور ان شیئرز کی قیمت مارکیٹ میں مہینے اور دو مہینے کے بعد دس لاکھ ہوگئی، اب زکوٰۃ اصل سرمایہ پانچ لاکھ پر دیں یا مع نفع دولاکھ (سات لاکھ) کی دیں، یا اس کی اس بازاری ویلو پر جو کہ دس لاکھ ہے جبکہ سال ویلو اور پروفٹ پر پورا نہیں گذرا اور یہ سلسلہ سال بھر اسی طرح جاری رہتا ہے، اب زکوٰۃ کب واجب ہوگی، حالانکہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کیلئے سال بھر گذرنا شرط ہے؟ دونوں سوالوں کے جوابات تفصیل سے دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: اظہر الاسلام، خادم: جامع الہدیٰ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اصل ونفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے، اگرچہ نفع پر سال نہ گذرا ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱، ایضاح المسائل/ ۱۰۶)

(۲) ایسی صورت میں دس لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱، ایضاح المسائل/ ۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۰/ ۱۴۱۲ھ

شیئرز کی زکوٰۃ میں رأس المال اور منافع دونوں کا اعتبار

سوال: [۴۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماجد نے ایک لاکھ کا شیئر (حصہ) ٹاٹا اسٹیل کے اسٹاک کے ایک شخص سے خریدا اور ایک سال پورا ہو گیا تو مذکورہ کمپنی ٹاٹا اسٹیل نے ماجد کو ۳۰۰۰۰ر روپئے بطور ڈرافٹ (نفع) کے دیا اور شیئر ابھی ماجد کے پاس ہی ہے، اور سال گذرنے کے بعد اس شیئر کی قیمت ۲ر لاکھ روپئے ہو گئی، مگر ابھی اس نے شیئر کو بیچا نہیں ہے، ہاں اگر بیچے تو دو لاکھ مل جائیگا، مگر اس قیمت میں ہر سال چھ مہینے پر گھٹنے بڑھنے کا سلسلہ بھی رہتا ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ نکالنے کی کیا شکل ہوگی، آیا زکوٰۃ اصل خریداری پر ہے، یا پروفٹ پر ہے، یا اس رقم پر ہے، جو کہ کمپنی نے دی ہے، نیز اس شیئر کی ویلو جو ایک سال بعد بڑھ گئی ہے، اور شیئر ابھی بیچا بھی نہیں ہے، تو اس شکل میں زکوٰۃ اصل خریداری والی قیمت کے اعتبار سے واجب ہوگی یا اس کی اس قیمت کے اعتبار سے جو کہ اس وقت مارکیٹ میں چل رہی ہے، واضح رہے کہ اسکی ویلو گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، یا اس کے نفع پر جو کہ کمپنی نے دیا تھا، یا جب اس کو ایک سال یا دو سال یا تین سال کے بعد بیچے تو اس بیچنے میں جو فروفٹ نفع ملا زکوٰۃ اس فروفٹ پر ہی نکالیں

یا کہ صرف اصل قیمت پر ہی نکالی جائیگی۔

المستفتي: اظہرالاسلام، خادم: مدرسہ جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ ادا کرتے وقت شیئر کے رأس المال اور نفع دونوں کی جو قیمت ہوتی ہے، اسکی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے یعنی رأس المال کیساتھ منافع کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی لازم ہے، اگر چہ قیمت کبھی بڑھتی اور کبھی گھٹتی رہتی ہو۔

(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/ ۲۱، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۴۰، ایضاح المسائل/ ۱۰۶)

عن ابن جريج، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته.

(مصنف عبد الرزاق، الزكاة، باب الزاكاة من العروض ،المجلس العلمي ٤/٩٧، رقم: ٧١٠٥)

عن الحسن في رجل اشترى متاعاً فحلت فيه الزكاة؟ فقال يزكيه، بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ماقالوا فى المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وكذلك الجواب فى مال الزكاة، إذاكان جارية تساوى مأتين فى جميع ماذكرنا من تغير السعرإلى زيادة أونقصان. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، التصرف في مال الزكاة، زكريا ٢/ ١١٥، كراچى ٢/ ٢٣)

وإن أدى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثانى فى العروض زكريا ١/ ١٨٠، جديد مطول ١/ ٢٤١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۵۸)

انشورنس میں جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے

سوال: [۴۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک رقم پندرہ سال سے قسطوار انشورنس میں جمع ہورہی تھی، ۱۵/سال پورے ہونے کے بعد اکٹھی ہوئی رقم ہمیں موصول ہوگئی ہے، کیا اس کی زکاۃ ادا کرنی ضروری ہے، اسی طرح دوسری رقم ۱۵/اپریل تک ملے گی اس کے لئے کیا کرنا ہوگا؟

المستفتي: ظہیر عالم، محلہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں رقم وصول ہونے پر گزشتہ پندرہ سال کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور قسطوار جمع کرنے میں ہر سال اس رقم میں جتنا قسط میں اضافہ ہورہا ہے، اس کے حساب سے زکوٰۃ میں بھی اضافہ ہوگا، البتہ اصل رقم پر جو سود ملے گا تو اس کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

اور نہ ہی اسکو اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہوگا، بلکہ فقراء کو بلانیت ثواب تقسیم کردینا لازم ہوگا، اور جو رقم ۱۵/اپریل کے بعد ملے گی اسکی زکوٰۃ بھی مذکورہ حساب سے وصول ہونے پر ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ قال: زكاة أموالكم حول إلى حولٍ فما كان من دين ثقة فزكوه، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتىٰ يقبضه صاحبه. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، فى زكاة الدين، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٤٨٥، رقم: ١٠٣٥١)

عن محمد عن عبيدة قال: سئل علي عن الرجل يكون له الدين الظنون أيزكيه؟ فقال: إن كان صادقا فليزكه لما مضى إذاقبضه. (المصنف لأبن أبي شيبه، كتاب الزكاة، فى زكاة الدين، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٤٨٦، رقم: ١٠٣٥٦)

فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لافوراً بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوي. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال

زکریادیوبند۳/۲۳۶، کراچی ۲/۳۰۵، هندیه ، کتاب الزکاة، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها، زکریا ۱/۱۷۵، قاضیخان علی هامش الهندیه، کتاب الزکاة، فصل فی مال التجارة زکریا دیو بند۱/۲۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍شوال ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۳۳)

۵/باب أداء الزكوٰة

مالیت کا حساب لگائے بغیر محض اندازے سے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مسلمان زکوٰۃ تو ادا کرتے ہیں لیکن صرف اندازہ سے بغیر حساب جوڑے یا کم زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، کیا ایسے اشخاص کی زکوٰۃ کی ادائیگی قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ ایسے اشخاص کیلئے شرعی حکم کیا ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: سید آفتاب علی، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مالیت کا حساب لگا کر ہی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے اگر بغیر حساب کے ادا کردی ہے، تو بعد میں حساب لگا کر دیکھ لے جتنی مالیت کی زکوٰۃ بنتی ہے اتنی کی ادائیگی ہوگی، اور جو مال زائد ہو اس کی زکوٰۃ پھر سے ادا کرنی ہوگی، اور اگر اتنی زیادہ رقم زکوٰۃ میں دی ہے، کہ حساب کے بعد مقدار زکوٰۃ واجب سے زائد ہے اب کوئی ذمہ داری نہیں رہی مگر ہر سال کے حساب کا التزام ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۴۸، ایضاح المسائل/ ۱۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۷۲)

زکوٰۃ دیتے وقت یہ نیت کرنا کہ مستحق ہے تو زکوٰۃ ورنہ امداد

سوال: [۴۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید

نے اپنے ایک رشتہ دار کی مدد زکوٰۃ کی رقم سے اس نیت کے ساتھ کی کہ اگر اس رشتہ دار کو شرعاً زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، تو زکوٰۃ ورنہ امداد اب معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس میں تو دوہرا ثواب ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ادا کرتے وقت زید کو اس کا علم نہ تھا، اب معلوم ہوا ہے زید کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا دوبارہ دے۔

المستفتي: عبداللہ معرفت سراج الاسلام، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں اداءِ زکوٰۃ کے وقت اگر زید کو غالب گمان تھا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اگر غالب گمان یہ تھا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، البتہ زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوگیا کہ وہ واقعی غریب ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

وإذا دفعها إليه وهو شاك ولم يتحر أوتحرى ولم يظهر لهٗ أنه مصرف أو غلب على ظنه أنه ليس بمصرف فهو على الفساد إلا إذا تبين أنه مصرف الخ. (عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا ۱/ ۱۹۰، جدید مطول ۱/ ۲۵۲، تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۲/ ۱۲۹، درمختار مع الشامی، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، مطلب فی حوائج الأصلیة زکریا ۳/ ۳۰۳، کراچی ۲/ ۳۵۲، ہدایہ، کتاب الزکوٰۃ، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، اشرفی دیوبند ۱/ ۲۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۰۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

زکوٰۃ کی الگ کردہ رقم کے علاوہ سے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کا چمڑہ ادھار بیچ دیا خریدنے والے نے کہا ۱۵/ دن کے بعد روپیہ ادا کروں گا، اتنے میں

مختلف جگہوں کے مدرسہ سے مولانا صاحب اور فقیر مسکین ہر روز آتے ہیں، میں نے چندہ وصول کرنیوالوں سے کہا کہ ابھی تک چمڑہ کا پیسہ نہیں آیا ہے، تو ان سب لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ بہت دور سے آئے ہیں، پھر آنا مشکل ہے، اسلئے میں نے اپنی طرف سے ان سب کو روپیہ دیدیا جب چمڑے کا روپیہ ملیگا، تو اسے اپنی ضرورت میں خرچ کرلیں گے، اس طرح زکوٰۃ کا روپیہ بھی میرے باپ کے پاس تھا، اس وقت باپ موجود نہیں تھے، ایک مولانا صاحب چندہ وصول کرنے آئے میں نے مولانا کو اس نیت سے پچاس روپیہ دیدئے کہ جب باپ آئیگا، تو ۵۰/روپیہ لے لوں گا تو یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب دے کر ممنون فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: مزمل الحق، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زکوٰۃ کا پیسہ پہلے سے نکال کر رکھا ہے، اور جس وقت زکوٰۃ وصول کرنے والے سامنے آجائیں اور اس وقت زکوٰۃ کا الگ کیا ہوا پیسہ اپنے پاس نہیں ہے اسی طرح فقیر آجائے اور بروقت زکوٰۃ کا پیسہ نہ ہو اور اپنے استعمال کا دوسرا پیسہ ہو تو ایسی صورت میں ایسا کرنا جائز ہے، کہ اپنی جیب سے اس نیت سے زکوٰۃ میں دیوے کہ جہاں زکوٰۃ کا پیسہ رکھا ہے بعد میں وہاں سے لے لیں گے، اور اپنی جیب سے فوری طور پر زکوٰۃ وصول کرنے والے کو دیدے تو جائز اور درست ہوگا، اسی طرح زکوٰۃ کا پیسہ پہلے سے الگ کیا ہوا نہیں ہے اور یہ ارادہ ہے کہ بعد میں حساب کرکے جوڑ لیں گے تو جو بھی زکوٰۃ کے پیسے لینے آئے زکوٰۃ کی نیت سے دیدئے جائیں، اور اس کا حساب رکھا جائے، اخیر میں سالانہ حساب جوڑتے وقت اس کو بھی جوڑ لیا جائے، تو زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اور ایسا کرنا جائز ہوگا۔

ولو تصدق أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع

من ماله ليرجع ببدلهافي دراهم المؤكل صح. (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء زکریا۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۲ھ

غیر مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی

سوال: [۴۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن لوگوں نے زکوٰۃ فطرہ لینے کی عادت بنا رکھی ہے، یا عوام یوں جانتے ہیں کہ اگر زکوٰۃ اور فطرہ ان کو نہ دیا تو ادا نہیں ہوگا، حالانکہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے، تو کیا زکوٰۃ ادا ہوگی؟ شریعت کی رو سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: گلزار احمد سہارنپوری امام مسجد جھاڑی، ضلع: سیکر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زکوٰۃ دہندہ کو یہ معلوم ہے کہ مذکورہ لوگ مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں، تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ وفي الشامية: أما لو تحرى فدفع لمن ظنه غير مصرف أو شک ولم يتحر لم يجز حتى يظهر أنه مصرف الخ. (در مختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب فی حوائج الاصلیۃ زکریا۳/ ۳۰۲، شامی/ ۳۰۳، کراچی ۲/ ۳۵۲)

وأما إذاشک ولم يتحر أو تحرى فدفع وفي أكبر رأيه أنه ليس بمصرف لايجزيه الخ. (ھدایہ، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، اشرفی دیوبند۲/ ۲۰۷، فتح القدیر، دارالفکر بیروت ۲/ ۲۷۶، کوئٹہ پاکستان

۲/ ۲۱۵، زکریا دیوبند ۲/ ۲۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ

حولان حول سے قبل زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے اس سال کی زکوٰۃ ادا کردی ہے اب ہمارے پاس ایک ضرورت مند مسلمان حاضر ہوتا ہے، اوراس کو پیسوں کی بہت سخت ضرورت ہے، ہم اپنے پاس سے بھی اسکونہیں دے سکتے ہم چاہتے ہیں، کہ اس کو ایک یا دوسال آئندہ آنے والے سال کی زکوٰۃ دیدیں تو دے سکتے ہیں یانہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: بشیر احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ صاحب نصاب ہیں اوراتنی مالیت کے مالک ہیں، کہ سال آئندہ بھی آپ پر زکوٰۃ لازم ہوتو ایسی صورت میں زکوٰۃ دینا درست ہے، اورزکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی۔

عن عليؓ أن العباس سأل رسول الله ﷺ في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك. (سنن الترمذی، الزکاۃ، باب ماجاء فی تعجیل الزکاۃ، النسخۃالھندیۃ ۱/ ۱۴۶، دارالسلام رقم: ۶۷۸)

ولو عجل ذو نصاب زكاته لسنين صح لوجود السبب (درمختار) أى سبب الوجوب وهوملك النصاب النامي فيجوز التعجيل لسنة وأكثر.

(شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، مطلب استحلاك المعصية القطعية كفر

زکریا۳/ ۲۲۰، کراچی ۲/ ۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۴۱)

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیشگی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: فیض محمد، فوجی رحمت نگر کرولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پیشگی زکوٰۃ یعنی اگلے سال کی زکوٰۃ اسی سال ادا کردینا بلا کراہت درست ہے، لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے، کہ زکوٰۃ کس شخص کو دے رہے ہیں، اس کا خاص خیال رکھیں اور سودی قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ ہرگز نہیں دینی چاہئے ورنہ ایک قسم کی لعنت میں خود زکوٰۃ دہندگان بھی شامل ہوجائیں گے۔

عن عليؓ أن العباس سأل رسول الله ﷺ فی تعجیل صدقته قبل أن تحل، فرخص له فی ذلک. (سنن الترمذی، الزکاۃ، باب ماجاء فی تعجیل الزکاۃ، النسخۃالھندیۃ ۱/ ۱۴۶، دارالسلام رقم: ۶۷۳)

ویجوز تعجیل الزکوٰۃ قبل الحول إذ املک نصاباً عندنا. (تاتار خانیه، کتاب الزکاۃ، الفصل السادس فی تعجیل الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/ ۱۸۴، رقم: ۴۰۶۴، حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۱۵، ھندیه، کتاب الزکاۃ، البا ب الاول فی تفسیرھا وصفتھا وشرائطھا زکریا ۱/ ۱۷۶، درمختار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الغنم، مطلب استحلال المعصیۃ القطعیۃ کفر زکریا۳/ ۲۲۰، کراچی

۲/۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۳/۱۴۲۱ھ

سوال: [۴۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آنے والے ۱۹۹۸ء کی رمضان میں دی جانے والی زکوٰۃ کسی ضرورتمند کو پیشگی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر دے دی گئی تو ادا ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: روشن جہاں، محلہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سن ۱۹۹۸ء کی زکوٰۃ رمضان آنے سے پہلے ادا کرنا جائز ہے۔

عن عليؓ أن العباس سأل رسول الله ﷺ فی تعجیل صدقته قبل أن تحل، فرخص له فی ذلک. (سنن الترمذی، الزکاۃ، باب ماجاء فی تعجیل الزکاۃ، النسخۃالهندیة ۱/۱۴۶، دارالسلام رقم: ۶۷۳، سنن أبي داؤد، الزکاۃ، باب فی تعجیل الزکاۃ، النسخة الهندیة ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۶۲۴، سنن ابن ماجه، الزکاۃ، باب تعجیل الزکاۃ، قبل محلها، النسخة الهندیة/۱۲۸، دارالسلام رقم: ۱۷۹۵، مسند احمد بن حنبل ۱/۱۰۴، رقم: ۸۲۲، مسند الدارمی، الزکاۃ، باب تعجیل الزکوٰۃ ۲/۱۰۱۷، رقم: ۱۶۷۶)

ویجوز تعجیل الزکاۃ بعد ملک النصاب الخ. (هندیه، کتاب الزکاۃ، الباب الاول فی تفسیرهاوصفتها و شرائطها زکریا ۱/۱۷۶، جدید ۱/۲۳۷)

ولو عجل ذو نصاب زکوته لسنین أو لنُصب صح لو جود السبب. (در مختار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الغنم، مطلب استحلال المعصیة القطعیة کفر زکریا ۳/۲۲۰، کراچی ۲/۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۶/ ۱۴۱۸ھ

سوال: [۴۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اس نے پوری زکوٰۃ نکالدی زکوٰۃ نکالدینے کے بعد کسی غریب رشتہ کے یہاں سے خط آیا، کہ میری لڑکی کی شادی ہونے والی ہے، لہٰذا آپ مدد کریں، وہ شخص آئندہ سال جو زکوٰۃ اسپر واجب ہوگی وہ زکوٰۃ کا مال اس غریب رشتہ دار کو دے سکتا ہے، یا نہیں؟

المستفتي: مختار احمد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں آئندہ سال کیلئے پیشگی زکوٰۃ ادا کر دینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/ ۲۶)

عن علي رضي الله عنه أن العباس سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك. (سنن الترمذی، الزکاۃ، باب ماجاء فی تعجیل الزکاۃ، النسخۃالهندیة ۱/ ۱٤٦، دارالسلام رقم: ٦٧٣)

ویجوز تعجیل الزکوٰۃ قبل الحول إذ ملک نصاباً عندنا. (تاتار خانیه، کتاب الزکاۃ، الفصل السادس فی تعجیل الزکاۃ، زکریادیوبند۳/ ١٨٤، رقم: ٤٠٦٤)

ولو عجل ذو نصاب لسنین صح. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکوٰۃ، دار الکتاب دیوبند/ ٧١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۴۴)

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد فقیر ہوگیا

سوال: [۴۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صاحب نصاب ہے ہر سال اپنی ملکیت کی ۲۷ر رمضان المبارک کو زکوٰۃ ادا کرتا ہے، بلکہ تقریباً ایک ہزار روپئے پیشگی زکوٰۃ ادا کردیتا ہے، امسال رمضان سے پہلے شعبان میں زید نے رہائش کیلئے ایک پلاٹ خریدا جس کی وجہ سے وہ تقریباً بیس ہزار روپئے کا مقروض ہوگیا اب دریافت یہ کرنا ہے، زید کے اوپر اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ زید پیشگی رقم زکوٰۃ ادا کرے تو ہزار ورپئے جو پیشگی ادا کی ہے اتنی رقم کم ادا کرے یا جتنی زکوٰۃ بنتی ہے اتنی ادا کرے کیونکہ ایک ہزار وہ پیشگی ادا کرچکا ہے، آئندہ اگر زید صاحب نصاب ہو تو کیا وجوب زکوٰۃ کی تاریخ ۲۷ر رمضان رہے گی؟ یا جس مہینے کی جس تاریخ میں وہ صاحب نصاب ہوگا وہ تاریخ رہے گی؟

المستفتي: محمد شفیق چودھری، محلّہ حکیمان خانپور، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جبکہ زید خود ہی مقروض ہوگیا ہے اور اب اس کے پاس اتنا مال بھی نہیں ہے، جو نصاب کے بقدر اور ضرورت سے زائد ہو تو ایسی صورت میں اب اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور زید نے جو رقم زکوٰۃ کے طور پر پیشگی ادا کردی ہے، اور اب دوسرے سال میں اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہیں ہے تو وہ گذشتہ سال ادا کی گئی پیشگی رقم نفلی صدقہ شمار کی جائیگی، اسلئے کہ پیشگی ادا کردہ رقم کو زکوٰۃ میں شمار کرنے کیلئے دوسرے سال میں بھی نصاب کا ہونا ضروری ہے اور حسب تحریر وسوال زید دوسرے سال میں صاحب نصاب نہیں ہے، اسلئے پیشگی ادا کی گئی رقم بھی زکوٰۃ نہیں مانی جائیگی، اور آئندہ کبھی صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زید از سر نو تاریخ کی تعیین کرکے اسی کے مطابق زکوٰۃ ادا کیا کریگا۔

صح لمالک النصاب أو أکثر أن یؤدی زکاة سنین قبل أن تجیئی تلک السنین حتی إذا ملک فی کل منها نصاباً أجزأه ما أدیٰ من قبل لأن السبب المال النامی وقد وجد . (مجمع الانهر، کتاب الزکاة، قبیل باب العاشر جدید بیروت ۱/۳۰۸، قدیم ۱/۲۰۸)

أو کان النصاب کاملاً وقت التعجیل ثم هلک جمیع المال صار ما عجل به تطوعاً . (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/۱۷۶، جدید مطول ۱/۲۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۸/۲/۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۸۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۲۷ھ

انگریزی تاریخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنے والا قمری تاریخ کا تعین کس طرح کرے؟

سوال: [۴۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شروع ہی سے میں انگریزی تاریخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، اب میں قمری تاریخ کا تعین کس طرح کروں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آئندہ کیلئے تو آپ کسی قمری تاریخ کا تعین کرلیں اور اب تک آپ جو شمسی تاریخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرتے چلے آئے ہیں، تو اس میں ہر سال جو تقریباً چند دنوں کا فرق چلا گیا ہے، اس کی تلافی کیلئے آپ شمسی سال کیلئے 260 کا حساب کریں اور جو فرق نکلتا ہو اسکی مزید زکوٰۃ ادا کریں؟

(مولانا ومفتی) محمد تقی عثمانی (مدظلہ العالی)

وضاحت: مذکورہ مسئلہ میں شمسی سال کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو دوروپیہ پچاس پیسہ کے بجائے دوروپیہ ساٹھ پیسہ سیکڑہ کے حساب سے ادا کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حساب سے ادا کرنے کی صورت میں اڑتیس سال میں ایک سال قمری سال کی زکوٰۃ خود بخود ادا ہوجائیگی کیونکہ شریعت میں زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے ادا کرنے کا حکم ہے۔

وحولها أی الزكاة قمري لاشمسي. (درمختار، کتاب الزکاة، قبیل باب زکاة، المال کراچی ۲/ ۲۹٤، زکریا۳/ ۲۲۳)

العبرة فی الزكاة للحول القمری كذا فی القنية . (هنديه، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها، زکریا ۱/ ۱۷۵، جدید مطول ۱/ ۲۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۶۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۱۱ھ

گذشتہ سال کی زکوٰۃ کس قیمت سے نکالی جائے؟

سوال: [۴۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے پر زکوٰۃ ادا کرنے میں سال پورا ہوگیا تھا، لیکن زکوٰۃ نہیں نکال سکا دوسرا سال لگ گیا اب وہ چاہتا ہے، کہ زکوٰۃ کی قضا نکالے وہ زکوٰۃ کی قضا گذشتہ سال کے مارکیٹ ریٹ پر نکالے گا یا پھر حال کے ریٹ پر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گذشتہ سال کی زکوٰۃ امسال کی قیمت کے اعتبار سے ادا کرنا ہوگی، یہی راجح اور مفتی بہ قول ہے۔

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء الخ. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم کراچی ۲/ ۲۸٦، زکریامع الدر ۳/ ۲۱۱)

فیعتبر قیمتها یوم الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا لأن المذهب عندهم أنه إذا هلک النصاب بعد الحول تسقط الزکوٰة سواء کان من السوائم أومن أموال التجارة الخ. (بدائع، کتاب الزکاة، فصل فی صفة الواجب فی اموال التجارة قدیم۲/ ۲۲، جدید زکریا ۲/ ۱۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

کپڑے کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کس دن کی قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال: [۴۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کپڑے کا تاجر ہوں زکاۃ میں کپڑا ادا کرنا چاہتا ہوں تو کپڑے کی کونسی قیمت کے اعتبار سے زکاۃ ادا کروں جس قیمت میں خرید تا ہوں وہ یا جس میں بیچتا ہوں وہ قیمت؟

المستفتي: محمد ادریس احمد، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اداءِ زکوٰۃ کے وقت کپڑوں کی فروختگی کی حتمی اور یقینی قیمت لگا کر جتنی بھی قیمت بنے اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

وفي عرض تجارة قیمته نصاب مقوما بأحدهما. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/ ۲۹۸، زکریا ۳/ ۲۲۸)

وجاز دفع القیمة فی زکوٰة وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا: یوم الأداء وفی الشامی یعتبر یوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم کراچی ۲/ ۲۸۶، زکریا ۳/ ۲۱۱)

فیعتبر یوم الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا لأن المذهب عندهم أنه إذا هلک النصاب بعد الحول تسقط الزکوٰة سواء کان من السوائم أومن أموال التجارةالخ. (بدائع ، کتاب الزکاة، فصل فی صفة الواجب فی أموال التجارة قدیم۲/ ۲۲، جدید زکریا ۲/ ۱۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۷۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

ادائیگیٔ زکوٰۃ کے وقت کی قیمت معتبر ہے

سوال: [۴۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کمپنی نے کوئی جگہ خریدی ہو جس کو توڑ کر دوبارہ تعمیر کرا کر فروخت کرنا ہو تو بعد تعمیر کے فروخت کرنے پر یا خرید کے وقت کے نرخ پر یا فروخت کے وقت بازار کے بھاؤ کے مطابق رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا صرف ہوئے منافع پر اخراجات وغیرہ مجرا کرنے کے بعد بچی رقم پر؟ جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس وقت زکوٰۃ ادا کی جائے اسی وقت کے بھاؤ اور قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے، زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے، چنانچہ اگر فروختگی کے فوراً بعد ادا کی جائے، تو اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اسی طرح قبل تعمیر ادا کرے یا بعد تعمیر جس وقت ادا کرے اسی وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے ادا کرنی ہوگی، نفع ونقصان کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ موجودہ حالت کی قیمت معتبر ہوگی۔

تعتبر القیمة الخ (درمختار) ویعتبر یوم الأداء بالإجماع وهو الأصح

الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم کراچی ۲/۲۸۶، زکریا۳/۲۱۱)

فیعتبر قیمتها یو م الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا لأن المذهب عندهم أنه إذا هلک النصاب بعد الحول تسقط الزکوٰۃ سواء کان من السوائم أومن أموال التجارةالخ. (بدائع، کتاب الزکاۃ، فصل فی صفة الواجب فی الاموال التجارۃ قدیم۲/۲۲، جدید زکریا ۲/۱۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

زکوٰۃ میں یوم الأداء کی قیمت کا اعتبار ہے

سوال: [۴۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسی جائیداد پر جوکہ ادھوری بنی ہوئی خریدی ہو اس کو سال دوسال میں تعمیر مکمل کرکے فروخت کرنیکا ارادہ ہو صرف حاصل ہوئے منافع پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوگی یا خرید کے وقت کی قیمت پر یا موجودہ مالیت پر؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ مالیت کی قیمت لگاکر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا یوم الأداء وفی الشامیة تعتبر یوم الأداء بالإجماع وهو الأصح الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم کراچی ۲/۲۸۶، زکریا۳/۲۱۱)

فیعتبر قیمتهایو م الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا.

(بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، فصل فی صفة الواجب فی الاموال التجارۃ قدیم ۲/۲۲،

جدید زکریا دیو بند۲ / ۱۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

بہن کے کھاتے یا موبائیل وغیرہ میں زکوٰۃ کی رقم ڈالنا

سوال: [۴۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بہن غریب مستحق زکوٰۃ ہے زکوٰۃ کے پیسے اگر زید بغیر اپنی بہن کو بتائے اس کے موبائل میں ڈال دے ریچارج کرادے، تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائیگی ،کبھی اپنی بہن کے بینک اور مسلم فنڈ کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے، تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یہ تملیک فقراء ہے، مفصل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی ،سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ میں اگر پیسے ادا کئے جائیں تو فقراء کو ایسے طریقہ پر مالک بنادینا ضروری ہے کہ وہ اس پیسہ سے اپنی جو بھی ضرورت پوری کرنا چاہیں کرسکیں لہٰذا بینک اور مسلم فنڈ کے کھاتہ میں ڈالنے کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی ، اس لئے کہ وہ اس پیسے کا اپنے اختیار سے جس ضرورت میں چاہے استعمال کرسکتی ہے، اور موبائل میں ڈالنے سے اس وقت زکوٰۃ ادا ہوگی جب اس سے اس بارے میں اجازت لے لی جائے ،اور بغیر اجازت ڈالنے کی صورت میں تبرع مانا جائیگا اس لئے کہ وہ پیسہ اس کے اختیار میں اس طرح نہیں پہونچا ہے کہ جس ضرورت میں چاہے وہ خرچ کرسکے۔

ولا يشترط علم الفقير أنها زكوٰة على الأصح حتى لو أعطاه شيئاً وسماهٗ هبة أو قرضاً ونویٰ به الزكاة صحت . (مراقی الفلاح ، کتاب الزکاۃ،

جدید دارالکتاب دیوبند/۵ ۷۱، قدیم /۳۹۰ ، هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها و شرائطها زکریا ۱/۱۷۱، جدید مطول ۱/۲۳۳، البحرالرائق ، کتاب الزکاة، زکریا ۲/ ۳۷۰، کوئٹه ۲/۲۱۲)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة (قال فی الشامیة) فلا یکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک ولو أطعمهٔ عنده ناویا الزکاة لاتکفی . (شامی مع الدر ، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۳رجمادی الاولیٰ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/۱۱۱۰۰)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۳ھ

زکوٰۃ میں گھٹیا چیز دینے سے متعلق ایک مفصل فتویٰ

سوال: [۴۲۵۳]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ راقم الحروف کی معرفت آپ حضرات کی خدمت میں تین سوالات پرمشتمل ایک استفتاء پیش گیا گیاتھا، جواس عریضہ کیساتھ ارسال خدمت ہے۔

راقم الحروف کی نظرمیں سوال نمبر(۱)اورسوال نمبر(۳) کے جوابات پرنظرثانی کی ضرورت ہے،اس سلسلہ میں اپنی معروضات پیش کررہاہوں امید ہے کہ تسلی بخش جواب سےنوازیں گے؟

معروضات متعلقہ جواب سوال نمبر(۱):

فتویٰ میں لکھا گیاہے، بہت گھٹیاچیز زکوٰۃ میں دینادرست نہیں ہے، بلکہ درمیانی اوراوسط درجہ کی چیز دینی چاہئے ،اس لئے مسئولہ صورت میں جوکپڑادوتین بار پہنا جاچکاہے، اسکوزکوٰۃ میں دیناصحیح نہیں ہے، کیونکہ جوچیز بھی ایک مرتبہ استعمال کرلی جاتی ہے، وہ گھٹیاہی شمارہوتی ہے۔

ان الساعی لیس له أن یأخذ خیار الأموال بل یأخذ الوسط بین

الخیار والردی. (عمدۃ القاری ۲۳۸/۸)

اس جواب پر راقم الحروف کو چند شبہات ہیں۔

شبہ نمبر (۱): عمدۃ القاری کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے اسمیں لفظ ردی کا استعمال خیار اور وسط کے مقابلہ میں ہوا ہے، لہٰذا اس سے درجۂ سوم کے سوائم مراد ہیں، اور یہ ادنیٰ کا مرادف ہے، اور ادنیٰ چیز کو زکوٰۃ میں دینا بلا کراہت جائز ہے، جیسا کہ درمختار کی درج ذیل عبارت سے واضح ہے۔

وإن لم يجد أی المصدق، وكذا إن وجد فالقيد اتفاقی ماوجب من ذات سن دفع المالک الأدنیٰ مع الفضل جبراً علی الساعي لأنه دفع بالقيمة . (درمختار زکریا ۲۱۳/۳)

شبہ نمبر (۲): فقہاء کرامؒ کے نزدیک خلاف جنس سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں چیز کی قیمت کا اعتبار کیا گیا ہے، نہ کہ اس کی حیثیت کا، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارات سے واضح ہے؟

(۱) أما إذا أدی من خلاف جنسه فالقيمة معتبرة اتفاقاً.

(۲) فإذا أدی خمسة أقفزة رديئة عن خمسة جيدة لم يجز عنده حتی يؤدی تمام قيمة الواجب وجاز عندهما. (رد المختار زکریا ۲۱۱/۳)

(۳) وإن كان من خلاف جنسه يراعی فيه قيمة الواجب ، حتی لو أدیٰ أنقص منه لايجوز إلا بقدره . (بدائع الصنائع زکریا ۱۲۷/۲)

ان تصریحات کے باوجود ردی چیز کو زکوٰۃ میں دینے کو غلط کیسے کہا جا سکتا ہے، جبکہ فقہاء کرامؒ اسے مکروہ یا خلاف اولیٰ بھی نہیں کہہ رہے ہیں۔

المستفتي: خورشید انور قاسمی، خادم تدریس:
جامعہ قاسمیہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سائل نے عمدۃ القاری کی عبارت پر شبہ ظاہر

کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ ’’عمدۃ القاری کی عبارت میں ردی کا استعمال خیار اور وسط کے مقابلہ میں ہوا ہے، لہٰذا ردی سے درجۂ سوم کے سوائم مراد ہیں، اور یہ ادنیٰ کا مرادف ہے، اور ادنیٰ چیز کو زکوٰۃ میں دینا بلا کراہت جائز ہے‘‘، اس کے بعد سائل نے درمختار کی عبارت ’’ **وان لم یجد المصدق** ‘‘ سے ’’ **لانہ دفع بالقیمۃ** ‘‘ تک کی عبارت نقل کی ہے، اس پوری عبارت پر بار بار غور کر کے دیکھا گیا ہے، اس میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ صرف ادنیٰ چیز کو زکوٰۃ میں دینا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ ساتھ میں ایک قید لگی ہوئی ہے، ’’ **الا دنیٰ مع الفضل** ‘‘ تنہا ادنیٰ شئی کو زکوٰۃ میں بلا کراہت دینے سے متعلق ہم کو کہیں عبارت نہیں ملی اور سائل نے جو عبارت نقل کی ہے، وہ تنویر الابصار کی ایک مستقل عبارت کے اخیر میں ایک قید اتفاقی ہے، اس قید اتفاقی پر صاحب درمختار نے تبصرہ فرمایا ہے، مستقل عبارت یہ ہے، ’’ **والمصدق لا یأخذ إلا الوسط** ‘‘ ، صدقہ وصول کرنے والا درمیانی درجہ کی چیز زکوٰۃ میں لیگا، نہ ادنیٰ لینے کی اجازت ہے نہ ہی اعلیٰ، پھر صاحب تنویر الابصار نے یہ قید لگا کر مسئلہ اٹھایا ہے کہ اگر اوسط درجہ کی شے دستیاب نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ اس قید کو صاحب درمختار نے اتفاقی قرار دیا ہے، پھر آگے تنویر الابصار کی عبارت ہے کہ درمیانی درجہ کی شئی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ادنیٰ کو فضل کے ساتھ ملا کر دیا جائے، اور اس میں قیمت کا اعتبار کیا جائے، اس لئے سائل کی پہلی عبارت سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے، کہ محض ادنیٰ شی کو زکوٰۃ میں دینا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ اعلی اور بہتر شئ کی طرف سے ادنیٰ شئ زکوٰۃ میں دینا کم از کم مکروہ ہے، اس لئے صاحب تنویر الابصار نے حصر کیساتھ ’’ **المصدق لا یاخذ الا الوسط** ‘‘ کی عبارت نقل کی ہے، اور یہی اصل مسئلہ شرعی ہے، ہاں البتہ اعلی اور عمدہ چیز کی جانب سے ادنیٰ چیز زکوٰۃ میں ادا کرے تو اس کی قیمت لگانا واجب ہے، اور ادائے زکوٰۃ میں امام محمدؒ کے قول کے مطابق انفع للفقراء کا اعتبار کیا گیا ہے، اور انفع للفقراء کو پیش نظر رکھ کر زکوٰۃ ادا کرنا زیادہ افضل اور بہتر ہے، لہذا جب ادنیٰ شی کے ذریعہ سے

زکوٰۃ ادا کرنے کا ارادہ ہوتو بہتر شکل یہ ہے کہ اس شی کو فروخت کر کے اس کی قیمت فقراء کو دے دی جائے، اسلئے کہ استعمالی کپڑے کے مقابلہ میں روپیہ پیسہ انفع للفقراء ہے، اس لئے پچھلے فتویٰ میں لکھا گیا تھا، کہ درمیانی اور اوسط درجہ کی چیز دینی چاہئے، جیسا کہ درمختار اور تنویر الابصار کی اس مستقل عبارت سے واضح ہے، جہاں سے سائل نے اپنی عبارت نقل کی ہے، اور استعمالی کپڑے دینے کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا تھا کہ ''اسکو زکوٰۃ میں دینا صحیح نہیں ہے''، ہوسکتا ہے، لفظ ''صحیح نہیں ہے'' سے سائل نے یہ سمجھا ہو کہ زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوگی بلکہ روپئے پیسے کے عوض میں دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی فتویٰ میں صحیح نہیں کا لفظ کراہت کی وجہ سے بولا گیا ہے عدم جواز کی وجہ سے نہیں، اور اس کے لکھنے میں یہ مصلحت بھی پیش نظر رہی ہے کہ آج کل کے زمانہ میں ادنیٰ درجہ کے سرمایہ دار کا حال بھی ایسا ہے، کہ ایک آدھ مرتبہ پہننے کے بعد اس کپڑے سے اکتا جاتے ہیں، پھر نیا کپڑا بنانے لگتے ہیں خاص طور پر عورتوں کا حال تو یہ ہے کہ ہر شادی ہر تقریب ہر خوشی کے موقع پر نیا جوڑا بنواتی ہیں، دو تین دفعہ پہننے کے بعد اسے رکھ دیتی ہیں، اس طریقہ سے سال پورا ہوتے ہوتے کافی تعداد میں کپڑے جمع ہو جاتے ہیں، اور انھیں وہ کپڑے بہر حال فقراء اور غریب رشتہ داروں کو دینے ہیں، اور ادھر زکوٰۃ بھی واجب ہورہی ہے، تو ایسے کپڑوں کو روپیہ پیسہ اور عمدہ سرمایہ کی زکوٰۃ کے عوض میں نکالنا چاہتے ہیں، اور ساتھ میں یہ سمجھتے ہیں کہ جن پیسوں کی زکوٰۃ نکالنا ضروری تھا، استعمالی کپڑوں کے سہارے سے اس کے ذمہ سے سبکدوش ہوجائیں گے، لہذا ان سے اگر یہ کہہ دیا جائے، کہ استعمالی کپڑے سرمایہ کی زکوٰۃ میں دیئے جاسکتے ہیں تو وہ ہزار ہا روپیہ جو زکوٰۃ میں دینا لازم ہوتا ہے، وہ بچالیں گے اور یہ کپڑے ان پیسوں کے عوض میں دے دیں گے حالانکہ یہ کپڑے انھیں بہر حال آج نہ ہوتو کل فقیر اور غریب رشتہ داروں کو دینا ہے، نیز ایسے کپڑے کی قیمت اپنے طور پر لگائیں گے، مثلاً اگر سو روپئے کا جوڑا ہے تو اس کی قیمت کم از کم پچاس روپیہ لگا کر زکوٰۃ میں دیں گے حالانکہ صورت

حال یہ ہے کہ اگر سو روپئے کا استعمالی جوڑا اور پچیس روپیہ فقیر کے پاس رکھ کر اختیار دیا جائے گا تو فقیر وہ استعمالی جوڑا نہیں لیگا اور پچیس روپیہ لے لیگا، اس لئے ’’صحیح نہیں‘‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور علماء کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ زمانہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے، اور حالات زمانہ کے اعتبار سے استعمالی کپڑے زکوٰۃ میں دینے کا مسئلہ بتلانا کسی طرح مناسب نہیں، ہم نے اپنے یہاں کے بہت سے طلبا سے اس سلسلے میں معلومات کی ہے کہ اگر سو روپیہ کا جوڑا جو ایک دو مرتبہ استعمال کیا ہوا ہو اور بیس روپئے رکھے جائیں اور اختیار دیا جائے تو کس کو اختیار کروگے، تو سب نے کہا بیس روپیہ لیں گے، اور اس کی ایک مثال یوں بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ مدارس کے لوگ کسی سرمایہ دار کے پاس چندہ لینے جائیں، اور وہ یہ کہے کہ میری طرف سے پانچ ہزار روپئے کی رسید کاٹ دیجئے اور وہ استعمالی کپڑے لاکر ڈال دے اور یہ کہے کہ ان کپڑوں کی تیاری میں بارہ ہزار روپیہ خرچ ہوا ہے میں نے اس کی قیمت پانچ ہزار لگائی ہے، پھر مدرسہ کے دفتر میں آکر کے پانچ ہزار روپئے کی رسید کا حساب لگائیں تو اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ کتنی چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، یہ چہ میگوئیاں بھی درجۂ کراہت سے خالی نہیں، ان مصلحتوں کی بناء پر لفظ ’’صحیح نہیں‘‘ استعمال کیا گیا ہے، اور دوستوں کو یہی مشورہ دینا چاہئے، کہ استعمالی کپڑا زکوٰۃ میں نہ دیا جائے، نیز فقہا نے خلاف جنس کی صورت میں قیمت لگانے کی قید ضرور لگائی ہے، اس لئے ہونا یہی چاہئے کہ استعمالی کپڑوں کو فروخت کرکے جو اس کا پیسہ حاصل ہو وہی فقیروں کو دیدے، ایسی صورت میں استعمالی کپڑوں کی صحیح قیمت بھی کھل کر سامنے آجائیگی، اور فقہاء اور محدثین نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ میں عیب دار چیز دینا جائز نہیں ہے، اور جو کپڑا استعمال کیا جاچکا ہے، وہ دوسروں کے حق میں عیب دار ہوجاتا ہے، اس لئے اس کی قیمت آدھی سے زیادہ گھٹ جاتی ہے، اور سائل نے یہ جو فرمایا ہے کہ استعمالی کپڑے ادنیٰ کے درجہ میں ہیں، قابل غور بات ہے بلکہ استعمالی کپڑے ایک قسم کے عیب دار بن

جاتے ہیں ،اورعیب دار کے بارے میں حدیث میں آیا ہے۔

عن سالم عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب كتاب الصدقة فلم يخرجه إلىٰ عماله -إلىٰ- لا يؤخذ في الصدقة هرمة ولا ذات عيب. (ترمذی شریف ، كتاب الزكاة ، باب ماجاء في زكوٰة الإبل والغنم ، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۶ ، دارالسلام رقم: ۶۲۱)

نیز اگر استعمالی کپڑے کو ادنیٰ کے مرادف مانا جائے تب بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اسلئے کہ خلاف جنس اشیاء کی طرف سے ادا کرنے کی صورت میں ایک تو اس کی قیمت صحیح نہیں لگ پاتی دوسرے انفع للفقراء بھی نہیں ہے ہماری عبارت ''صحیح نہیں'' کا محمل یہی ہے اور سائل نے آخر میں جو عبارات نقل فرمائی ہیں ان کا محمل بھی یہی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۸/ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۸/ ۱۴۲۴ھ

مستحق زکوٰۃ کو تحفہ یا ہدیہ کہہ کر زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۵۴] : کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مستحق زکوٰۃ ہے لیکن وہ زکوٰۃ لینا نہیں چاہتا ہے، اگر کوئی زکوٰۃ کہہ کر دیتا ہے، تو وہ منع کر دیتا ہے، اگر اس مستحق زکوٰۃ کو رقم ہدیہ کہہکر دیدے تو زکوٰۃ دینے والا گنہگار تو نہیں ہوگا؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد،
چوہان بانگر، سیلم پور، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے، اس کو زکوٰۃ کی نیت سے تحفہ یا ہدیہ کہہکر زکوٰۃ دینا جائز ہے، زکوٰۃ دینے والا گنہگار نہیں ہوگا۔

أشار إلىٰ أنه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو قرضا تجزيه

فی الأصح. (شامی، کتا ب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء زکریا ۱۸۷/۳، کراچی ۲۶۸/۲)

ولا یشترط علم الفقیر أنها زکاۃ علی الأصح حتی لو أعطاہ شیئا، وسماہ هبة أوقرضا ونوی به الزکاۃ صحت. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/۷۱۵)

وکذا لو وهب مسکینا درهما ونواہ من زکاته أجزأہ، لأن العبرۃ بالنیة فلا یتغیر بلفظ الهبة. (تبیین الحقائق، کتا ب الزکاۃ، قبیل باب صدقة السوائم زکریا دیوبند۲/۳۳)

ولایشترط علم الفقیر بأنها زکاۃ علی الأصح لما فی البحر عن القنیة، والمجتبیٰ الأصح إن من أعطیٰ مسکینا دراهم، وسماها هبة أو قرضا، ونویٰ الزکاۃ فإنها تجزیه لأن العبرۃ لنیة الدافع لالعلم المدفوع إلیه. (مجمع الانهر، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب العلمیة بیروت۱/ ۲۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۶۵)

بالغ اولاد کی طرف سے والدین کا زکوٰۃ وفطرہ ادا کرنا

سوال: [۴۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بالغ اولاد کی طرف سے اگر باپ زکوٰۃ وفطرہ دے تو ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد فرقان، بھٹی محلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ادا ہو جائے گا۔

کما فی الهندیة، لایؤدی عن زوجته ولا عن أولادہ الکبار،

وإن كانوا في عياله ، ولو أدى عنهم أو عن زوجته بغير أمرهم أجزأ هم استحساناً الخ. (هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الثامن في صدقة الفطر زكريا ۱/۱۹۳، جديد ۱/۲۵۵)

لا عن زوجته وولده الكبير العاقل ، ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأ استحسانا للإذن عادة: أى لو في عياله وإلا فلا . (درمختار ، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر زكريا ۳/۳۱۷، كراچی ۲/۳۲۳)

ولا يؤدى عن زوجته .... ولا عن أولاده الكبار وإن كانوا في عياله لانعدام الولاية، ولو أدى عنهم أوعن زوجته بغير أمر هم أجزأهم استحساناً لثبوت الإذن عادة . (هدايه ، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر ، اشرفی ديو بند ۱/۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

قرض بتا کر دینے سے ادائیگیٔ زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۶۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے سونے کے زیورات گروی رکھکر سودی قرضہ لے رکھا ہے، زید میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ قرضہ ادا کر کے زیور چھڑا لے، عنقریب وہ زیور اصل رقم اور سود وغیرہ میں ختم ہو جائیگا زید کا ایک ہمدرد عمرو یہ چاہتا ہے، کہ زید کی طرف سے قرضہ کی رقم مطلوبہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کر کے وہ زیورات چھڑا لے عمرو یہ رقم زید کو نہ دیکر براہ راست بنئے سے زیور چھڑانا چاہتا ہے، اور دی گئی رقم کو زکوٰۃ نہ بتا کر قرض کے طور پر بتانا چاہتا ہے، کیونکہ زید غیرت مند شخص ہے زکوٰۃ لینے میں تأمل کریگا، چنانچہ پھر وہ زیور زید کے

حوالے کر دیگا اب زید رقم مطلوبہ دیدے فبہا ورنہ زکوٰۃ کی نیت کر لی ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمرو کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرمائیں سمجھ میں آ جائے، مہربانی ہوگی

المستفتي: سراج الاسلام، کھوکران، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر عمرو زید کے قرضہ کی رقم زید سے اجازت لیکر اس کے قرضخواہ کو براہ راست دیدے بغیر زید کے قبضہ کرائے اور یہ بھی ظاہر نہ کرے کہ میں نے یہ رقم زکوٰۃ سے ادا کی ہے، تو عمرو کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی البتہ بعد میں اگر زید وہ رقم عمرو کو واپس کرے تو عمرو کو لینا جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ کہدے کہ میں نے وہ رقم معاف کی یا ہبہ کی۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۰، ایضاح المسائل/ ۱۱۳)

أما دين الحي الفقير فيجوز لو بأمره. (در مختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا ۳/ ۲۹۱، فتح القدير، كتا ب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه من لايجوز كوئٹه ۲/ ۲۰۸، زكريا ۲/ ۲۷۲، مصری بيروت ۲/ ۲٦۸)

ولو قضى دين الفقير بزكاة ماله إن كان بأمره يجوز. (عالمگيری، كتاب الزكاة، الباب السابع مايوضع في المصارف، قبيل فصل مايوضع فی بيت المال، زكريا ۱/ ۱۹۰، جديد ۱/ ۲۵۲)

ومن أعطىٰ مسكيناً دراهم وسماها هبة أو قرضاً ونوىٰ الزكوٰة فإنها تجزيه وهو الأصح. (عالمگيری، كتا ب الزكاة، الباب الاول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/ ۱۷۱، جديد مطول ۱/ ۲۳۳، البحر الرائق، كتاب الزكاة، زكريا ۲/ ۳۷۰، كوئٹه ۲/ ۲۱۲، شامی، كتاب الزكاة، مطلب فی زكاة ثمن المبيع وفاء زكريا ۳/ ۱۸۷، كراچی ۲/ ۲٦۸، خانيه علی الهنديه، كتاب الزكاة، قبيل فصل فی تعجيل الزكاة زكريا ۱/ ۲٦٤، جديد مطول ۱/ ۱٦۲) **فقط واللّٰه سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍۴؍۱۴۱۷ھ

مقروض کو مالک بنائے بغیر صرف زبان سے کہہ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی

سوال: [۴۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مقروض ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، دوسرا آدمی زکوٰۃ کی رقم ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ شخص زکوٰۃ کی رقم سیدھے طور پر مقروض کے قرض خواہ کو یہ کہکر دے سکتا ہے، کہ فلاں آدمی پر جو آپ کا قرضہ ہے یہ رقم اس میں منہا کرلو یا وہ رقم لیکر مقروض کو دینی پڑے گی اور وہ اپنا قبضہ کر کے قرض خواہ کو دے پہلی صورت اس لئے اختیار کرنی ہے کہ بعض دفعہ جب مقروض کے پاس رقم آجاتی ہے، تو وہ قرضہ ادا نہیں کرتا، بلکہ دوسری ضرورت میں لگا دیتا ہے، تو پہلی صورت میں جب زکوٰۃ کی رقم قرض خواہ کو دے گا تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ جواب دیں

المستفتي: مستری عبدالرب، قصبہ کچھرایوں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر صورت یہی ہے کہ اولاً مقروض کے ہاتھ میں دیدی جائے، پھر اسی وقت قرض خواہ مقروض کے ہاتھ سے حاصل کرلے، نیز یہ صورت بھی جائز ہے کہ مقروض قرض خواہ کو حکم کرے کہ زکوٰۃ دہندہ سے اولاً مقروض کی طرف سے وکیل بنکر بطور زکوٰۃ وصول کرلے پھر مقروض سے دوبارہ اجازت لیکر اپنے قرض کے نام سے رکھ لے۔

أما دين الحي الفقير فيجوز لو بأمره وتحته في الشامي أى يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه ثم يصير قابضاً لنفسه الخ. (الدرالمختار مع الشامی، کراچی باب المصرف ۲/ ۳۴۴، زکریا ۳/ ۲۹۱، ۲۹۲)

ومحمل هذا أن يكون بغير إذن الحي، أما إذا كان بإذنه وهو فقير

فیجوز عن الزکاة علیٰ أنه تملیک منه والدائن یقبضه بحکم النیابة عنه ثم یصیر قابضاً لنفسه . (فتح القدیر ، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز کوئٹه ۲/ ۲۰۸ ،زکریا۲/ ۲۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ / ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۶)

فقیر کو نصاب سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل جو زکوٰۃ کی رقم کسی کو دیکر تملیک کراتے ہیں، کیا یکمشت اتنی رقم ایک غریب کو دینا درست ہے اور پھر جب وہ اسی رقم کو دوبارہ مدرسہ میں دیگا تو کیا اس کی بھی رسید کاٹی جائیگی ، اور پھر مدرسہ کے حساب میں کتنی رقم لکھی جائیگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک فقیر کو یکمشت نصاب سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور حیلۂ تملیک میں بھی نصاب سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔

وکره إعطاء فقیر نصابا أوأکثر . (درمختار ، کتاب الزکاة، باب المصرف ،مطلب فی حوائج الأصلیة ،کراچی ۲/ ۳۵۳، زکریا دیوبند ۳/ ۳۰۳)

ویکره لمن علیه الزکاة أن یعطی فقیراً مائتی درهم أو أکثر ولو أعطی جاز، وسقط عنه الزکاة. (بدائع الصنائع ،کتاب الزکاة، فصل في مصارف الزکاة، زکریا دیوبند ۲/ ۱۶۰)

اور جب فقیر مدرسہ کو بطور عطیہ دیدیگا تو مد عطیہ میں اس کو درج کرنا اور اس کی رسید بھی دیدینی چاہیئے ، تاکہ مد عطیہ کا حساب صحیح رہے، اور جب فقیر کو دیدے تو اس وقت اخراجات

میں اس کو درج کرلینا چاہئے، تاکہ دونوں قسم کے حسابات صحیح رہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۱۶ھ

بقدر نصاب زکوٰۃ کی رقم کسی کو دینا

سوال: [۴۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بڑی سے بڑی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو یعنی ایک شخص کو ایک لاکھ روپیہ زکوٰۃ کی نیت سے دیں تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی صرف ادائیگی معلوم کرنی ہے؟

المستفتي: عبد الکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں کراہت کے ساتھ ادا ہوجائیگی۔

وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر . (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف ،مطلب في حوائج الأصلية كراچی ۲/ ۳۵۳، زكريا۳/ ۳۰۳)

ويكره لمن عليه الزكوٰة أن يعطى فقيراً مائتى درهم أو أكثر ولو أعطى جاز، و سقط عنه الزكاة. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة ، فصل في مصارف الزكوٰة زكريا ديو بند۲/ ۱۶۰)

لیکن ایک مدرسہ کیلئے دینے میں کراہت لازم نہیں آتی اسلئے کہ مدرسہ میں مستحقین کی تعداد کافی ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۲)

اداءِ زکوٰۃ میں ضم نصاب کا حکم

سوال: [۴۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چاندی اور سونے کے نصاب میں سے کون سا نصاب اصلی تسلیم کیا جائے، آج کے دور میں جبکہ سونے اور چاندی کے نرخ میں زمین وآسمان کا فرق ہے، نصاب حرمت زکوٰۃ (غنا یعنی کسی شخص کو غنی قرار دیکر اس کیلئے زکوٰۃ لینا ممنوع قرار دیا جائے) اور اسی طرح نصاب موجب زکوٰۃ کی کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے گی یا سونے کے نصاب سے؟ بینو توجروا جزاک اللہ۔

المستفتي: (مفتی وقاضی) مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وجوب زکوٰۃ کیلئے شریعت اسلامی نے مال نامی ہونے اور حوائج اصلیہ سے فارغ ہونے کے ساتھ ساتھ نصاب مال کے مالک ہونے کی شرط بھی لگائی ہے، تاکہ لاضرر ولاضرار کے قانون کے تحت کسی کو کوئی نقصان نہ ہو اور اسلامی شریعت نے سونا اور چاندی کو الگ الگ معیار قرار دیا ہے، اسی وجہ سے دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل اصلیت کا حکم رکھتے ہیں، اسلئے بلاوجہ کسی ایک کو ہی اصل ٹھہرانا بے اصل اور بے دلیل بات ہوگی، اسلئے جب دونوں الگ الگ اپنے نصاب کو پہونچ جائے تو الگ الگ زکوٰۃ نکالنا بھی واجب ہوتا ہے، اور جب تفاوت ہوجائے اور ایک کا نصاب مکمل ہوجائے، اور دوسرے کا مکمل نہ ہو یا کسی کا نصاب کامل نہ ہو تو شریعت نے انفع للفقراء کو پیش نظر رکھ کر ایک کو دوسرے کیساتھ ملا کر دونوں کو ایک کے حکم میں قرار دیکر نصاب مکمل کر کے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس طرح ضم نصاب کی صورت میں انفع للفقراء کو ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے، اور انفع للفقراء اسی میں ہے کہ سونے کو چاندی کیساتھ ملا کر پورے کو چاندی کا نصاب بنادیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ

محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۹، جدید ڈابھیل ۹/ ۳۷۵، کفایت المفتی جدید ۴/ ۲۷۰، قدیم ۴/ ۲۵۴، جدید زکریا مطول ۶/ ۱۷۲، امداد الفتاویٰ ۲/ ۳۹، فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۱۵۰)

وجوب الضم إذا لم يكن كل واحدمنهما نصاباً بأن كان أقل من النصاب فأما إذا كان كل واحد منهما نصاباً تاماً ولم يكن زائداً عليه لايجب الضم بل ينبغي أن يؤدى من كل واحد منهما زكوٰته ولو ضم أحدهما إلىٰ الآخر حتى يؤدى كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء. (بدائع الصنائع جديد زكريا ديوبند ۲/ ۱۰۸)

ترجمہ: سونے چاندی میں سے ایک کو دوسرے کیساتھ ضم کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے، کہ جب دونوں کا نصاب مکمل نہ ہو اور نصاب سے کم ہو اور اگر دونوں کا نصاب مکمل ہو تو انضمام لازم وواجب نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ ادا کیجائے، اور اگر ملا کر ادا کی جائے تو بھی حنفیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے، لیکن واجب یہی ہے کہ اس کے ساتھ قیمت لگالی جائے، جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ اور نفع ہو۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ /ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۱)

مستحق کے نام سے زکوٰۃ لیکر اپنے اوپر خرچ کرنا

سوال: [۴۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے ماموں سے کہا کہ ایک بزرگ صاحب وہ غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں آپ مجھے اپنی زکوٰۃ کی رقم دے دیجئے انھوں نے زید کو زکوٰۃ کی رقم دیدی کہ وہ میں ان کو دیدوں، پھر وہ زید نے

اپنے اوپر صرف کرلی اور کچھ رقم والدہ صاحبہ کو یہ کہہ کر دیدی کہ یہ فلاں بزرگ نے مجھے ہدیہ کے طور پر دی ہے، والدہ صاحبہ نے اس کو خرچ کرلیا اور کچھ سامان وغیرہ خرید لیا، اب زید کی والدہ کا پوچھنا یہ ہے کہ اس رقم سے خریدا گیا سامان استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ زید کے والد صاحبِ نصاب ہیں، اور زید ابھی تعلیم حاصل کررہا ہے؟

المستفتي: زید کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے مذکورہ زکوٰۃ کی رقم طے شدہ مستحق تک نہ پہونچا کر اپنی ذات پر خرچ کرلی تو زید خائن بھی ہوا اور اس رقم کا ضامن بھی بن گیا، لہٰذا اب زید کے اوپر دو کام لازم ہیں۔

(۱) خیانت کے گناہ کی توبہ کرنا۔

(۲) زکوٰۃ کی رقم کا پورا تاوان ادا کرنا اور جب تک زید تاوان کی ادائیگی اور توبہ نہیں کرتا اس وقت تک سخت ترین گناہ گار ہوگا، نیز مذکورہ زکوٰۃ کی رقم سے جو سامان خریدا گیا ہے، یہ اس وقت تک استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، جب تک اس کا تاوان طے شدہ مستحق کو مکمل طور پر نہ پہونچادے۔

ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء فلو ضاعت لاتسقط عنه الزکوٰة . (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/ ۲۷۰، زکریا ۳/ ۱۸۹، البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۲/ ۳۶۹، کوئٹہ ۲/ ۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۴۶/۳۵)

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائےگی کا طریقہ اوراس کے استعمال کا حکم

سوال: [۴۲۶۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) دس سال سے حساب کر کے مال کی زکوٰۃ ادانہیں کی تو اسکی دائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

(۲) زکوٰۃ کی رقم کا استعمال کہاں اور کس پر ہوسکتا ہے؟

(۳) پچھلی رقم جس کی زکوٰۃ حساب کر کے نہیں نکالی وہ رقم آج ہم استعمال کریں تو کس طرح سے؟

(۴) بغیر زکوٰۃ دئے ہوئے رقم سے پلاٹ خریدا اور اب اس رقم کی زکوٰۃ نکالنا چاہتے ہیں، تو اس کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتي: محمداختر خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اولاً پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہے، پھر ادائیگی کے بعد جو رقم بچے اور وہ نصاب تک پہونچے تو دوسرے سال کی زکوٰۃ نکالی جائے اسی طرح منہا کرنے کے بعد اگر بقایا رقم نصاب تک پہونچے تو تیسرے سال کی ادا کی جائے، وعلی ہذا القیاس۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۴۳، احسن الفتاویٰ ۴/۲۷۵)

إذا كان لرجل مائتا درهم أو عشرون مثقال ذهب فلم يؤد زكوته سنتين يزكي السنة الأولىٰ وليس عليه للسنة الثانية شيء عند أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالىٰ وعند زفرؒ يؤدي زكوٰة سنتين. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، دين الزكاة زكريا ۲/۸٦)

(۲) ہر وہ شخص جو صاحب نصاب وسید نہ ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اپنے فقیر عزیز مقدم ہیں لا وارث بچے نادار طالب علم اور بیواؤں پر بھی زکوٰۃ کو خرچ کرنا چاہئے۔ (مستفاد: محمودیہ ۱۷/۱۳۵، ۴/۹۴)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من لهٗ أدنی شيئ وفی الشامی: والأظهر أن يقول من لايملك نصاباً . (شامی ، كتاب الزكاة ، باب الصرف كراچی ۲/۳۳۹، زكريا ۳/۲۸۳)

(۳) چونکہ ہر صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے اسلئے جمع شدہ رقم پر اولاً گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نکالی جائے اور جو رقم بچ جائے اس کو استعمال کرلیا جائے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۳۴)

(۴) ہر وہ شخص جس کے پاس حاجت اصلیہ ضروریہ سے زائد اتنا مال خواہ زیور ومکان یا زمین ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور اس پر سال گذر جائے، تو اس پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہے اسلئے پلاٹ خریدنے سے قبل جو کچھ بھی آپ کے پاس رقم تھی جس پر سال گذر گیا ہو تو اس کا حساب لگا کر اب زکوٰۃ نکال دی جائے۔

نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم وفی الشامی: فمادون ذلك لازكاة فيه . (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة المال كراچی ۲/۲۹۵، زكريا ۳/۲۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۲ھ

مال تجارت کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا طریقہ

سوال: [۴۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے چند آدمیوں کیساتھ شریک ہوکر ایک پلاٹ خریدا پلاٹ پندرہ لاکھ روپئے میں خریدا ہے، خریداروں نے تین لاکھ روپئے ادا کئے ہیں، بارہ لاکھ باقی ہیں، اسی پلاٹ کو شریک حضرات نے ۱۷/ لاکھ میں فروخت کردیا، ۱۷/ لاکھ کی جو فروخت ہوئی ہے وہ مکمل ایک سال

کے بعد ہوئی شرکاء صرف تین تھے، جنھوں نے بارہ لاکھ کی ادھاری پر پلاٹ خرید اتھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ تین لاکھ کی رقم پر واجب ہے، جس پر حولان حول ہوا ہے، یا پورے مال پر؟ جو دو لاکھ روپئے نفع کیساتھ ۵/ لاکھ روپئے کی شکل میں آرہا ہے کیونکہ ۱۲/ لاکھ قرض ہے؟

المستفتي: محمد رضوان قاسمی، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مال تجارت کی نیت سے خریدی گئی جائیداد پر زکاۃ فروختگی کے دن کی قیمت کے اعتبار سے واجب ہوتی ہے، نہ کہ خرید کے دن کے اعتبار سے اور چونکہ اس پلاٹ کو خریدے ہوئے مکمل ایک سال گذر چکا ہے، لہٰذا فروختگی میں ملنے والے سترہ لاکھ روپیہ میں سے پانچ لاکھ پر زکاۃ واجب ہوگی، اور بارہ لاکھ قرض ہونیکی وجہ سے اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی۔

أما إذا اختلفا قوم بالأنفع . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال کراچی ۲/۲۹۹، زکریا ۳/۲۲۹)

واعتبار الأنفع مذهب أبی حنیفةؒ ومعناه یقوم بما یبلغ نصاباً إن کان یبلغ بأحدهما ولا یبلغ بالآخر احتیاطاً . (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال زکریا قدیم ۱/۲۷۹، ۲/۷۸، مجمع الانهر، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الذهب والفضة والعروض، المکتبة دارالکتب العلمیة ۱/۳۰۶)

کل دین لهٗ مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکاة سواء کان الدین للعباد کالقرض وثمن البیع . (هندیه، کتاب الزکاۃ، کوئٹه وزکریا ۱/۱۷۲، جدید مطول ۱/۲۳۴، الباب الأول في تفسیر ها ـ الخ ومنها الفراغ عن الدین، ومثله فی تبیین ۲/۲٤، شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة کراچی ۲/۲٦۰، زکریا ۳/۱۷٤، بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، فصل واما شرائط الفرضیة الخ زکریا

قدیم ۲/ ۶، ۲/ ۸۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۰۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۱ھ

مستحق زکوٰۃ ملازم کو دی ہوئی چیز واپس لیکر دوسرے کو دینا

سوال: [۴۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مالک نے اپنے ملازم کو اس کے نجی کام کیلئے زکوٰۃ کی مد سے کوئی چیز دلوائی اور اس کے بعد وہ ملازم اپنی ملازمت چھوڑ کر چلا جاتا ہے، تو کیا مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اسکی وہ چیز کسی اور ملازم کو دیدے، جواب تحریر فرمادیں، تاکہ مذہب اسلام کی رو سے فیصلہ کیا جاسکے؟

المستفتي: جسنین اختر شمسی، منظور ایکسپورٹس، قانون گویان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں زکوٰۃ ادا ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو بالکل مالک بنادے اور اس میں پھر زکوٰۃ دہندہ کی کوئی غرض لاحق نہ ہو، لہٰذا اب جب مذکورہ سوال میں مالک اس کا اقرار کررہا ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ ملازم کو مستحق زکوٰۃ ہونیکی وجہ سے دیدیا ہے تو ملازم اس رقم کا مالک بن چکا ہے، اب اس میں زکوٰۃ دینے والے کو کوئی اختیار نہیں ہے، لہٰذا اس ملازم سے واپس لینا غصب ظلم اور حرام ہوگا، اور ملازمت چھوڑ کر چلا جانا ایک الگ مسئلہ ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة الخ . (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴٤)

الزکاۃ یجب فیها تملیک المال، لأن الإیتاء فی قوله تعالیٰ "وآتو

الزكاة" . (البقرة: ٤٣) **يقتضي التمليك ، ولاتتأدى بالإباحة .** (تبيين الحقائق ، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ٢ /١٨) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۴ھ

چھوٹے بھانجے کو اسکول خرچ میں زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا میں اپنی زکاۃ اپنے سگے نابالغ بھانجے کو دے سکتا ہوں، یعنی اس کے اسکول وغیرہ کی فیس وغیرہ میں خرچ کر سکتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کا بھانجہ مستحق زکوٰۃ ہے تو آپ اس کو اپنی زکوٰۃ دے سکتے ہیں، کہ وہ اس کو اپنے خرچ مثلاً فیس وغیرہ میں لے آئے، لیکن آپ براہ راست زکوٰۃ سے فیس اور دیگر اخراجات پورے نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک فقراء شرط ہے، بصورت دیگر آپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ولا إلى من بينهما ولاد (درمختار) وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولىٰ لأنه صلة وصدقة.

(شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ٢/ ٣٤٦، زکریا ٣/ ٢٩٣)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا . (درمختار علی شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ٢/ ٣٤٤،زکریا ٣/ ٢٩١)

الزكاة يجب فيها تمليك المال، لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ " وآتو الزكاة" . (البقرة: ٤٣)

يقتضي التمليك ، ولاتتأدى بالإباحة . (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، زكريا

دیوبند ۲/۱۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۵ ۶۹)

نئے سلے ہوئے کپڑے زکوٰۃ میں دینا

سوال: [۴۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ کپڑے سلے ہوئے ایسے بھی ہیں جو پہنے نہیں ہیں بالکل نئے ہیں، کیا انکو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نیا کپڑا جو استعمال نہ کیا گیا ہو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، مگر بازار میں جس قیمت میں فروخت کیا جائیگا، وہی قیمت لگانا ضروری ہے۔

تمليک خرج الإباحة فلو أطعم يتيما ناويا الزكوٰة لايجز يه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لوكساه ،أى كما يجزئه لوكساه. (شامی مع الدر المختار ، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/ ۲۷۵،زکریا۳/ ۱۷۱)

الزكاة يجب فيها تمليک المال، لأن الإيتاء فى قوله تعالىٰ " وآتو الزكاة ".(البقره: ۴۳) يقتضى التمليک ، ولاتتأدى بالإباحة. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۲/ ۱۸)

فلو أطعم يتيما ناويا به الزكاة لاتجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لوكساه. (حاشية الطحطاوى على المراقى ، كتاب الزكاة ، دارالكتاب ديوبند/ ۷۱٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ۲/ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۲/ ۱۴۲۴ھ

استعمال شدہ کپڑا زکوٰۃ میں دینا

سوال: [۴۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میرے پاس کچھ کپڑے سلے ہوئے ایسے ہیں جو میں نے ایک یا دو بار پہنے ہیں، ایک دو بار دھل بھی چکے ہیں، کیا ان کی قیمت گھٹا کر زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں؟

(۲) کچھ کپڑے سلے ہوئے ایسے بھی ہیں، جو پہنے ہوئے نہیں ہیں بالکل نئے ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں؟

المستفتي: مشتاق احمد، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) بہت گھٹیا چیز زکوٰۃ میں دینا درست نہیں ہے، بلکہ درمیانی اور اوسط درجہ کی چیز دینی چاہئے، اسلئے مسئولہ صورت میں جو کپڑا دو تین بار پہنا جا چکا ہے، اس کو زکوٰۃ میں دینا صحیح نہیں، کیونکہ جو چیز بھی ایک مرتبہ استعمال کر لی جاتی ہے، وہ گھٹیا ہی شمار ہوتی ہے۔

عن عبد الله بن معاوية، قال: قال النبي ﷺ: ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الإيمان -إلىٰ- وأعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام ولايعطى الهرمة ولا الدرنة ولا المريضة ولا الشرط اللئيمة ولكن من وسط أموالكم فإن الله لم يسألكم خيره ولا يأمركم بشره. (سنن ابي داؤد، كتاب الزكاة، باب فی زکاة السائمة، النسخة الهندية ۱/۲۲۳، دارالسلام رقم: ۱۵۸۲)

إن الساعی لیس له أن یأخذ خیار الأموال بل یأخذ الوسط بین الخیار والردی. (عمدة القاری، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة، زکریا ۶/ ۳۲۸، دارإحیاء التراث العربي بیروت ۸/۲۳۸)

(۲) نیا کپڑا جو استعمال نہ کیا گیا ہو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، مگر بازار میں جس قیمت

میں فروخت کیا جائیگا وہی قیمت لگانا ضروری ہے۔

هي تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيما ناويا الزكوٰة لايجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كمالو كساه أي كما يجزئه لو كساه الخ. (شامی مع الدر المختار ، کتاب الزکاة، کراچی ۲/۲۵۷، زکریا۳/۱۷۱)

فلو أطعم يتيما ناويا به الزكاة لاتجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه . (حاشية الطحطاوی علی المراقی ،کتاب الزکاة ، دارالکتاب دیو بند/٤ ٧١)

فالكسوة لاشك أنه يجوز لو جود الركن وهو التمليك فيها وفي الملتقط: وعليه الفتوىٰ. (التفاویٰ التاتار خانية ،کتاب الزکاة، الفصل الثامن فی من توضع فيه الزكاة، زكريا٣/ ٢١٤ ،رقم: ٤١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۲/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۲/۱۴۲۴ھ

مستعمل کپڑے زکوٰۃ میں دینا

سوال: [۴۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مستعمل کپڑے جو دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے ہوں کپڑوں کی شکل بھی اچھی ہو نئے کپڑوں کی قیمت سے کم کر کے زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: اہلیہ محمد ناصر، بھٹی محلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی استعمالی چیزیں شرعاً دنیٰ اور گھٹیا مال میں شمار ہوتی ہیں، ایسی چیزوں کو زکوٰۃ میں دینے سے شریعت نے منع کیا ہے۔

عن عبد الله بن معاوية ، قال: قال النبي ﷺ : ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الإيمان –إلىٰ– وأعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام ولايعطى الهرمة ولا الدرنة ولا المريضة ولا الشرط اللئيمة ولكن من

وسط أموالكم فإن الله لم يسألكم خيره ولا يأمركم بشره . (سنن ابي داؤد ، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة ، النسخةالهندية ۱/۲۲۳، دارالسلام رقم: ۱۵۸۲)

ويحرم على رب المال إخراج شرالمال الخ. (نووى ۱/۳۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۱/۲۳ھ

زکوٰۃ میں بری کا استعمالی کپڑا دینا

سوال: [۴۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نئی شادی شدہ لڑکی ہے اسکو جو جوڑا دیا گیا تھا، اس نے اس کو ایک دو دفعہ استعمال کیا اور رکھدیا پھر نہیں پہنا، اب محلّہ میں غریب لڑکی کی شادی ہورہی ہے، اس کی شادی میں اپنا استعمالی جوڑا بطور زکاۃ دینا چاہتی ہے تو کیا وہ جوڑا زکاۃ میں دیا جاسکتا ہے؟ اگر دیا جاسکتا ہے تو اسکی کیا قیمت لگے گی؟ مفصل بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بری کے جوڑے کو استعمال کرنے کے بعد زکاۃ میں دینا درست ہے، اور استعمال کرنیکی وجہ سے اسکی جو قیمت کم ہوگئی ہے، کپڑے کی قیمت میں سے اتنی مقدار مجرا کر کے زکوٰۃ میں کم کرنا لازم ہے، مثلاً جوڑا ایک ہزار کا ہے، اور استعمال کی وجہ سے اس کی قیمت پانچ سو روپیہ رہ گئی ہے، تو زکوٰۃ کے طور پر دینے سے پانچ سو روپئے کا شمار ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۲/ ۱۲، آپ کے مسائل اور انکا حل ۵/ ۱۳۱)

لو عال يتيما فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليك . (البحرالرائق ، كتاب الزكاة، كوئٹه ۲/ ۲۰۱، زكريا ۲/ ۳۵۳)

المال الذی تجب فیه الزکاة أدی زکاته من خلاف جنسه أدی قدر قیمة الواجب . (هندیه ، کتاب الزکاة، الباب الثالث فی زکاة الذهب ...... الفصل الثانی فی العروض زکریا ۱/ ۱۸۰، جدید مطول ۱/ ۲٤۲)

وأجمعوا أنه لو أدّی من خلاف جنسه اعتبرت القیمة. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/ ۲۹۷، زکریا ۳/ ۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۹)

استعمال شدہ کپڑے اور برتن زکوٰۃ میں دینا

سوال: [۴۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو کپڑے سلے ہوئے استعمال میں آچکے ہوں ان کو وقت کے لحاظ سے کم قیمت لگا کر زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، اور جو برتن ٹوٹے ہوئے نہ ہوں مستعمل ہوں تو ان کو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، برائے مہربانی تفصیل سے ان مسئلوں کا جواب لکھ دیجئے؟

المستفتي: محمد ناصر، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: استعمالی کپڑے اور استعمالی ٹوٹے ہوئے برتن وغیرہ انسان کے بالکل ادنیٰ اور گھٹیا مال ہیں اور حدیث شریف میں زکوٰۃ میں خراب اور گھٹیا مال دینے سے سخت ممانعت آئی ہے، بلکہ اوسط درجہ کا مال دینے کا حکم وارد ہوا ہے، اسلئے ایسا مال زکوٰۃ میں دینے سے زکوٰۃ دہندہ گناہ گار ہوگا، ہاں البتہ ان کو فروخت کر کے قیمت زکوٰۃ میں دی جائے تو جائز اور درست ہے۔

عن عبد اللہ بن معاویة ، قال: قال النبی صلی اللہ علیه وسلم :

ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الإيمان -إلیٰ- وأعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام ولايعطي الهرمة ولا الدرنة ولا المريضةولا الشرط اللئيمة ولكن من وسط أموالكم فإن الله لم يسألكم خيره ولا يأمركم بشره . (سنن ابي داؤد ، كتاب الزكاة، باب فی زكاة السائمة ، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۳، دارالسلام رقم: ۱۵۸۲)

ويحرم على رب المال إخراج شرالمال الخ. (نووی ۱/ ۳۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۲۳ھ

زکوٰۃ میں رقم کے بجائے کپڑا، برتن وغیرہ دینا

سوال: [۴۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ میں رقم کے بجائے برتن کپڑا دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: روشن جہاں، ابومنصور کمپنی، محلّہ بھٹی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کپڑا اور برتن کی قیمت بازاری بھاؤ کے اعتبار سے کم نہیں ہے، تو دیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۲، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۲)

وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة المال كراچی ۲/ ۲۹۷، زکریا ۳/ ۲۲۷)

المال الذى تجب فيه الزكاة، إن أدى زكاته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب . (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الثالث فی زكاة الذهب والفضة ،

الفصل الثانی فی العروض زکریا۱/ ۱۸۰، جدید مطول ۱/۲۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۷۸)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب بچوں کو کپڑے اور کتابیں دینا

سوال: [۴۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ڈیڑھ سال سے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا ہے، ماشاء اللہ بچے ایک سو سے زائد ہیں مگر فی الحال بیرونی بچوں کا داخلہ مصلحتاً نہیں لیا گیا ہے، مقامی بچوں میں بھی بہت سے بچے غریب ہوتے ہیں، تو ایسے کمزور بچوں کو کپڑے اور کتابیں مال زکوٰۃ وصدقات واجبہ و چرم قربانی کی رقم سے خرید کر دے سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد یونس، مہتمم: مدرسہ طارق ابن زیاد، احمد گڑھ، سنگرور، صوبہ: پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ صدقات واجبہ اور چرم قربانی کی رقم سے غریب نادار طلبہ کو کپڑے اور کتابیں خرید کر مالک بنا دینا جائز ہے۔

والأوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخصاً لجواز سؤاله من الزكاة وغيرها وإن كان قادراً على الكسب. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۸٦، کراچی ۲/ ۳٤۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۳۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۸۴)

بعد التملیک زکوٰۃ کی رقم سے تبلیغی حضرات کیلئے لحاف سلوانا

سوال: [۴۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں الحمد للہ تبلیغی جماعتوں کا سلسلہ ہے باہر سے آنے والی جماعتیں بعض علاقوں میں موسم گرم ہوتا ہے، اور اس وقت یہاں ٹھنڈی ہوتی ہے، تو ان کیلئے بمد زکوٰۃ تملیک کرا کر لحاف گدے بنائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمایا جائے؟ نوازش وکرم ہوگا؟

المستفتي: فرزند علی، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلۂ تملیک ہر دینی کام کیلئے جائز نہیں ہے بلکہ اس کیلئے شرط یہ ہے، کہ ایسا دینی کام ہو جس کے بغیر اسلامی معاشرہ خطرہ میں پڑ سکتا ہے اور زکوٰۃ کا پیسہ اس میں خرچ کئے بغیر چلنا ممکن نہ ہو تب حیلۂ تملیک کر کے اس میں رقم صرف کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اور مذکورہ صورت میں تبلیغ کی تحریک پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا وہ بدستور جاری رہے گی، اسلئے مذکورہ صورت میں حیلۂ تملیک جائز نہ ہوگا۔

لیس من أخلاق المؤمنین الفرار من أحکام اللّٰہ بالحیل الموصلۃ إلیٰ إبطال الحق الخ. (عمدۃ القاری، داراحیاء التراث العربي بیروت ۲۴/ ۱۰۹، جدید زکریا دیوبند ۱۶/ ۲۳۹)

نیز اس بارے میں مرکز سے منسلک ذمہ دار علماء حضرات سے مشورہ کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۱۲ھ

زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے اسلحے خریدنا

سوال: [۴۲۷۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے دین کی حفاظت ومسلمانوں پر ہونے والے مظالم سے بچنے کیلئے اسلحہ وغیرہ خرید سکتے ہیں، یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد قاسم، محلّہ لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ اورصدقات واجبہ کےذریعہ سے اسلحہ خریدنا جائزنہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی اسلئے کہ اداء زکوٰۃ کیلئے تملیک فقراء شرط ہے، اوریہاں یہ مفقود ہے، لہذا ابناء مسجد اور حج وجہاد وغیرہ میں زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائزنہیں ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لاإباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامي كبناء القناطير والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه . (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا۳/۱ ۲۹)

وعلى هذا يخرج صرف الزكاة إلىٰ وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات ، وإصلاح القناطر ، وتكفين الموتىٰ ودفنهم أنه لايجوز ، لأنه لم يوجد التمليك أصلاً. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل في اركان الزكاة زكريا ديوبند ۲/ ۱٤۲)

الزكاة يجب فيها تمليك المال ، لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ وآتوا الزكاة. (البقرة : ٤۳)

یقتضی التملیک ، ولا تتأدی بالإباحة . (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، زکریادیوبند ۲/۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۷/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۲۳۶)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب شخص کوسامان خرید کر دینا

سوال: [۴۲۷۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جھگڑے کے دوران اگر ہم زکوٰۃ کے پیسے سے کسی مسلمان کی کسی طرح کی امداد کرنا چاہیں، تو وہ جائز ہے یانہیں؟ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی سامان خرید کرکسی غریب کودینا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: حاجی محمدحنیف صاحب محلّہ کچاباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگروہ مسلمان غریب نادار مستحق زکوٰۃ ہےتو زکوٰۃ کے پیسے سےامداد جائز ہےاوراگر مستحق زکوٰۃ نہیں ہےتو جائز نہیں ہوگا، اورنہ ہی زکوٰۃ اداہوگی۔

عن ابن عمر ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لاتحل الصدقة لغني الحدیث: (سنن الترمذی، کتاب الزکاة، با ماجاء من لاتحل له الصدقة ، النسخةالهندیة ۱/۱۴۱، دارالسلام رقم: ۶۴۷)

لایجوز صرف الزکاة إلی الغني لعموم قوله تعالیٰ : إنماالصدقات للفقراء . (التوبة : ۶۰)

وقول النبی صلی اللہ علیه وسلم : لاتحل الصدقة لغني. (بدائع الصنائع ،کتاب الزکاة، فصل فی مصارف الزکاة زکریا دیوبند۲/۱۵۷)

ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أي مال

الخ. (الدر المختار ، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۵، کراچی ۲/۳۴۷)

اگر غریب مسلمان کو زکوٰۃ کے پیسہ سے سامان خرید کر دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس میں سامان کی قیمت کا اعتبار کرنا ہوگا۔

اما إذا أدى من خلاف جنسه فالقيمة معتبرة الخ. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم زکریا۳/۲۱۱، کراچی ۲/۲۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۲۳)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب کو حج کرانا

سوال: [۴۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا میں کسی غریب کو زکوٰۃ کی رقم دیکر حج کی ترغیب دلاسکتا ہوں کہ تم چاہو تو اس رقم سے حج کر سکتے ہو تم اسکے مالک ہو؟

المستفتي: عبدالکریم، الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں اور خیر کی ترغیب دینے میں الگ سے ثواب بھی ملے گا۔

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله ﷺ : الدال على الخير كفاعله . (المعجم الکبیر للطبرانی ، داراحیاء التراث العربی ۶/۱۸۶، رقم: ۵۹۴۵، ۱۷/۲۲۷، رقم: ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۱)

لیکن مقدار نصاب سے زائد دینے کی کراہت بھی لازم آئے گی۔

ويكره لمن عليه الزكاة أن يعطى فقيراً مائتى درهم أو أكثر ولو

أعطیٰ جاز ، وسقط عنه الزكاة . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل فی مصارف الزكاة ، زكريا ۲/ ۱۶۰)

وكره إعطاء فقيرنصابا أو أكثر. (الدرالمختار ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، مطلب فی الحوائج الاصلية كراچی ۲/ ۳۵۳، زكريا۳/ ۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۲)

زکوٰۃ کی رقم سے قرآن کریم اور دینی کتابیں خرید کر تقسیم کرنا

سوال: [۴۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب ثروت ہے حولان حول کے بعد ماوجب رقم بنیت زکوٰۃ علیٰحدہ کردی ہے، پھر یہ خیال آیا کہ اسی رقم سے (جو بنیت زکوٰۃ علیٰحدہ کردی ہے) کلام پاک وغیرہ خرید کردیدوں تو اس میں زیادہ بہتر ہے تو اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مزکی کی بنیت زکوٰۃ علیٰحدہ کردہ رقم کو ازیں قبل کہ کسی فقراء ومساکین کو مالک بنائے تصرف کا حق ہے کہ نہیں؟ مثلاً کلام پاک یا دینی کتابیں یا کپڑا خرید کر فقراء ومساکین ہی کو دیدیا جائے، تو درست ہے کہ نہیں؟

المستفتي: عارف حسین، بابوگنج، پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں مد زکوٰۃ کی رقم سے قرآن کریم یا دینی کتابیں خرید کر مستحق کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۳)

وفی سبيل الله وهو منقطع الغزاة ، وقيل: الحاج، وقيل: طلبة العلم.

(درمختار ، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ۳/ ۲۸۹، كراچی ۲/ ۳۴۳، مراقی الفلاح

مع حاشية الطحطاوى ، كتاب الزكاة، باب المصرف دارالكتاب ديوبند/ ۰ ۷۲، الفتاویٰ التاتارخانية ،كتاب الزكاة ، الفصل الثامن فی من توضع فيه الزكاة زكريا ۳/ ٤ ۳۰ ، رقم: ۳٥ ٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۴۹)

زکوٰۃ کی رقم سے فیس ادا کرنا

سوال: [۴۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بہار کے سیلاب زدہ علاقہ میں ایک گاؤں کا رہنے والا ہے، گاؤں میں ہی زید کے پاس ڈھائی بیگہ زمین ہے، کھیتی کسانی ہر سال سیلاب سے متاثر ہوتی ہے، گاؤں میں رہنے سہنے کیلئے زید کے پاس کچا مکان بھی ہے، زید نے اپنے گاؤں کی ڈھائی بیگہ زمین بٹائی پر دیدی ہے اور زید مرادآباد میں آکر پرائیویٹ نوکری کرتا ہے، جس میں زید کو سات ہزار روپیہ مہینہ کی تنخواہ ملتی ہے کبھی اگر زید چھٹی لیکر اپنے وطن کو جاتا ہے، تو اس کی تنخواہ نہیں ملتی ہے، سیلاب کی زد سے بچنے کے بعد بٹائی دار جو بھی اناج آدھا حصہ میں بانٹ کر دیتا ہے، اس اناج سے اور تنخواہ کے روپئے سے زید اپنے گھر کے اخراجات مع بیوی بچوں کے نبھاتے ہوئے چل رہا ہے، اسی سے بچوں کی پڑھائی لکھائی بھی چل رہی ہے، زید کی ایک ۱۲/ سال کی بیٹی ہے جو مرادآباد کے ایک دینی مدرسہ کے ہوسٹل میں رہ کر دینی تعلیم حاصل کر رہی ہے، ہوسٹل کا خرچہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوسٹل کا خرچہ پورا نہیں ہو پا رہا ہے، زید کی بیٹی ایک پردیسی بچی ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ کے پیسے سے زید کی بیٹی کے ہوسٹل کا خرچہ ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ کا پیسہ جو بھی دیا جائے گا، وہ زید کی بیٹی کے ہی ہاتھ سے مدرسہ میں دیا جائیگا، زید کو اس پیسے سے کوئی مطلب نہیں رہے گا، کیا ایسی صورت میں ایک پردیسی بچی ہونے کے ناطہ زید کی بیٹی زکوٰۃ کے پیسے

سے دینی تعلیم پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عمر مقام گھواں، ڈگروا، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مذکورہ لڑکی بالغ ہو چکی ہے اور وہ نصاب زکوٰۃ کی مالک نہیں ہے تو براہ راست زکوٰۃ کا پیسہ اس کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے، اور وہ مدرسہ میں کھانے وغیرہ کی فیس میں وہ پیسہ جمع کر سکتی ہے، اور اگر نابالغ ہے تو بالغ آدمی اس کی طرف سے وکیل بن کر اس کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ لیکر اس کے کھانے اور خرچہ وغیرہ کی تعلیمی فیس مدرسہ میں دیدے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ۹/ ۵۳۵)

إذا دفع الزكاة إلىٰ الفقير لايتم الدفع مالم يقبضها، أويقبضها للفقير من لهٗ ولاية عليه نحو الأب والوصى يقبضان للصبى والمجنون ...... ولوقبض الصغير وهو مراهق جاز وكذا لوكان يعقل القبض بأن كان لايرمى ولايخدع عنه . (هنديه قديم ، كتاب الزكاة ، الباب السابع فى المصارف ، قبيل فصل ما يوضع في بيت المال أربعة انواع ۱/ ۱۹۰ ، جديد ۱/ ۲۵۲)

فان لم يكن عاقلا فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو ملتقطه صح. (شامى، كتاب الزكاة، زكريا ۳/ ۱۷۱ ، كراچى ۲/ ۲۵۷ ، تاتارخانية كتاب الزكاة ، الفصل الثامن فى من توضع فيه الزكاة زكريا ۳/ ۲۱۲ ، رقم: ۴۱۵۳ ، قديم ۲/ ۲۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ۱۰/ ۱۴۳۰ھ

زکوٰۃ کے روپئے سے ہنر سیکھنے کیلئے ماسٹر رکھنا

سوال: [۴۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طالب علم جس کے لئے صدقہ وزکوٰۃ کا استعمال کرنا درست ہے اگر اسی پیسے سے کسی ہنر سکھانے

کیلئے ماسٹر رکھا جائے اور طالب علم خارج وقت میں اس ہنر کو سیکھے تو کیسا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: احقر نجیب الرحمٰن، بھاگلپوری، مدرس: مدرسہ فیض الاسلام، بروالاان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ وصدقہ کے پیسے سے ہنر سکھانے کیلئے ماسٹر رکھنا جائز نہیں ہے، اور اس سے زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسلئے کہ اس میں تملیک فقراء نہیں ہے، اور اداءِ زکوٰۃ کیلئے تملیک فقراء شرط ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

الزکاۃ فیها یجب تملیک المال، لأن الإیتاء فی قوله تعالیٰ وآتو الزکاۃ. (سورۃ البقرۃ:۴۳) یقتضی التملیک ولاتتأدی بالإباحة. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۲/ ۱۸)

فهی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للّٰہ تعالیٰ هذا فی الشرع. (هندیه، کتاب الزکاۃ، الباب الاول زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۲۳۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۴۶)

مدزکوٰۃ سے سید کا قرض ادا کرنا

سوال: [۴۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی سید ہاشمی اگر کسی شخص سے قرضہ لیکر مدرسہ میں اور مسجد وغیرہ میں یا کسی فقیر کو دے اور سید خود صاحبِ

نصاب نہ ہوتو سید کے کہنے سے سید کا قرضہ مدز کوٰۃ سے قرضدار کودیں تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یانہیں؟ نکتہ یہ سمجھنا ہے کہ سید کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں عین زکوٰۃ کا مال سید کو ملتا ہے بلکہ اس کا قرضہ قرضدار کو پہونچتا ہے، اسکی گنجائش ہے یانہیں؟

المستفتي: عبداللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سید ہاشمی کا قرض مدز کوٰۃ سے ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ اس میں سید کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا لازم آتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۲۴۲)

ہاں البتہ اس کیلئے ایک شکل یہ نکل سکتی ہے کہ کوئی فقیر شخص کسی سے قرض لیکر سید کا قرض ادا کرے پھر زکوٰۃ کی رقم وہی فقیر وصول کر کے اپنا لیا ہوا قرض ادا کردے۔

عن عائشة رضـ –إلى– فقلت هذا ما تصدق به على بريرة، فقال: هو لها صدقة، ولنا هدية. (صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ١/٢٠٢، رقم: ١٤٧١، ف: ١٤٩٣)

عن عطاء بن يسار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: .... أو لرجل كان له جار مسكين، فتصدق على المسكين فأهداها المسكين للغني. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب من يجوز له الصدقة وهو الغنى، النسخة الهندية ١/٢٣١، دارالسلام رقم: ١٦٣٥، مسند أحمد بن حنبل ٣/٥٦، رقم: ١١٥٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ / جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۵/۴ھ

شادی کیلئے زکوٰۃ کی رقم لینا

سوال: [۴۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک غریب بے سہارا اور یتیم لڑکی ہوں میرے والد صاحب لمبی بیماری کے بعد ۲۰۰۵ء میں انتقال کر گئے، ایک بھائی کی اسکول میں نوکری ہے میں خود ایک صاحب اختیار لوگوں

میں ملازمت کرتی ہوں (یعنی کمپیوٹر آپریٹری کی) مجھے خدمت انجام دیتے ہوئے ۱۲؍سال کا عرصہ ہوگیا لیکن حضرت میری تنخواہ بہت ہی کم ہے گذارہ بھی مشکل سے ہوتا ہے، جہاں میں نوکری کرتی ہوں ان صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کی شادی کا پورا خرچ ہم کریں گے، اور یہ وعدہ مالک صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں اور فرم کے ملازم کے سامنے کیا تھا، اور مجھے اپنی بیٹی کہا تھا، اور جب تک حیات رہے بیٹی ہی سمجھا ہے، لیکن جناب عالی اب آپ سے عرض مدعا یہ ہے کہ میرے مالک صاحب کا ۲۰۰۷ء میں انتقال ہوگیا، اور میری شادی مارچ کے مہینے میں طے ہوگئی ہے جو کچھ پیسہ جمع تھا، وہ رشتہ کے سلسلہ میں اور شادی کی تاریخ میں خرچ کر چکا ہے، اور اللہ پاک کو حاضر جان کر کے عرض کررہی ہوں، کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے، کہ میں اس سے شادی کرسکوں میں نے ان کے بیٹے سے مدد کی اپیل کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ کیا تمہارے اوپر زکاۃ واجب ہے، (یعنی زکاۃ خرچ کی جاسکتی ہے) اور وہ میرے حالات جانتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو آپ کی اجازت چاہئے، اللہ نے انہیں بہت باحیثیت بنایا ہے، اور اللہ سے دعا ہے کہ ان کے رزق وروزی میں برکت فرمائے، آپ سے مؤدبانہ عرض ہے، کہ برائے کرم اپنی رائے سے مطلع کردیں؟ (ایک بیٹی)

المستفتي: آصف حسین، مغلپورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس لڑکی کی شادی ہونی ہے، اگر وہ واقعتاً مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کے جہیز کے سامان اور زیورات وغیرہ کیلئے یک مشت زکاۃ کا پیسہ دے کر اسے مالک بنانا جائز ہے، لیکن اگر کسی ایک شخص نے اس طرح پیسہ دیدیا ہے تو وہ مالک نصاب ہوچکی ہے، اسلئے اب کسی دوسرے سے زکوٰۃ کے پیسے نہیں لے سکتی، لہٰذا اس بات کی رعایت کرتے ہوئے زکوٰۃ کا پیسہ دیا جاسکتا ہے، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر زکوٰۃ کے پیسے لے کر شادی میں کھانا کھلایا جائے، تو اسمیں خود زکاۃ دینے والا بھی اپنی زکوٰۃ کا کھانا

کھائیگا، اگرچہ فتویٰ کی رو سے جائز ہے، لیکن تقویٰ کیخلاف ہے، اسلئے اس کی بھی احتیاط کرنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۲۴۶)

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة آيت: ٦٠)

مصرف الزكاة الخ هو فقير وهو من لهٗ أدنیٰ شيئی أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق فی الحاجة ومسكين من لاشيئی لهٗ . (شامی، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند٣/٢٨٣، ٢٨٤، كراچی ٢/٣٣٩)

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً وكان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لايخص كلا أولا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكره . (شامی ، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الأصلية زكريا ديوبند٣/٣٠٣، كراچی ٢/٣٥٣، المحيط البرهاني ، كتاب الزكاة، الفصل الثامن يوضع فيه الزكاة ، المجلس العلمي ٣/٢١٩، رقم: ٢٨٠٦،هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف ، زكريا ديوبند ١/١٨٨، جديد ١/ ٢٥٠)

عن سالم ، أن عبد الله بن عمرؓ كان يحدث: أن عمر بن الخطابؓ تصدق بفرس فی سبيل الله ، فوجده يباع، فأراد أن يشتريه، ثم أتى النبی ﷺ ، فاستأمره فقال: ” لاتعد فی صدقتک“ فبذلک كان ابن عمرؓ لايترک أن يبتاع شيئاً تصدق به إلا جعله صدقة. (بخاری، باب هل يشتری الرجل صدقته ، النسخة الهندية ١/٢٠١، ٢٠٢، حديث: ١٤٦٧، ف: ١٤٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ /صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۶ھ

زکوۃ کی رقم غریب کی شادی میں دینا

سوال: [۴۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں امام صاحب تقریباً چوبیس سال سے ہیں آمدنی بھی مختصر ہے، عیال دار ہیں اب امام صاحب اپنی لڑکی کی شادی کررہے ہیں، عیال دار ہونے کی وجہ سے قرضدار بھی ہیں، حضرت سے معلوم کرنا یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی شادی کے موقع پر زکوٰۃ کی رقم سے ہم ان کی مدد کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام صاحب مستحق زکاۃ فقیر ہیں، تو ان کو زکاۃ کا پیسہ دینا اور ان کیلئے لینا جائز اور درست ہے، اور زکاۃ کا پیسہ حاصل ہونے کے بعد وہ اپنی ضروریات میں کہیں بھی خرچ کرسکتے ہیں، چاہے اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں یا بچی کی شادی میں خرچ کریں۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة آيت: ٦٠)

فی الدر: ومصرف الزكاة هو فقير وهو من لهٗ أدنىٰ شيئى أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق فی الحاجة ومسكين من لا شيئى لهٗ.

(درمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ باب المصرف کراچی ۲/ ۳۳۹، زکریا۳/ ۲۸۳، ۲۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۷۰)

زکوٰۃ کے پیسہ سے شادی کرانا

سوال: [۴۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غریب آدمی ہے جس کی دولڑکیاں ہیں، اور اسکے پاس اتنا ذریعہ و پیسہ نہیں ہے جس سے کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کی شادی کرسکے، اس شخص کے پاس نہ ہی کپڑا اور نہ ہی زیور و برتن ہے جسکی وجہ سے ان دونوں لڑکیوں کی شادی میں تاخیر ہورہی ہے، لہذا اگر میں زکوٰۃ کا پیسہ ان دونوں

لڑکیوں کی شادی کی مد میں صرف کردوں تو میری زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ اس شخص کے پاس تھوڑا سا کپڑا ہے جو کہ اس مد کے لئے نا کافی ہے، مثلاً سات آٹھ جوڑے ایک لڑکی کے حق میں ہیں، جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: عبدالمجید قریشی، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ غریب غیر صاحب نصاب ہے تو اس کو نصاب سے کم زکوٰۃ کا مالک بنا سکتے ہیں اسی طرح غریب کی بالغہ لڑکیوں کو بھی نصاب سے کم کی مالک بنا سکتے ہیں، جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کریں گی، البتہ مذکورہ صورت میں شادی کے لئے ایک لڑکی کے حق میں سات آٹھ جوڑے کافی ہیں، اسلئے شادی کی رسوم پوری کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ان غریب لڑکیوں کو نقدی مالک بنا دینا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۳)

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ لمعاذ بن جبل حين بعثه إلىٰ اليمن: إنک ستأتی قوماً أهل الكتاب فإذا جئتهم فادعهم إلىٰ أن يشهدوا أن لا إله إلا اللّٰه وأن محمدا رسول اللّٰه -إلىٰ- فإن هم اطاعوا لک بذلک فأخبرهم أن اللّٰه قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم وترد علىٰ فقرائهم، الحديث: (صحيح البخاری، كتاب الزكاة، باب اخذ الصدقة من الأغنياء الخ۔ (النسخة الهندية ۱/۲۰۲، رقم: ۱۴۷۴، ف: ۱۴۹۶)

خذها من أغنيائهم وردها فی فقرائهم الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳۴۲، كوئٹه ۲/۶۶، زكريا ۳/۲۸۸)

وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة باب المصرف، مطلب فی الحوائج الاصلية كراچی ۲/۳۵۳، كوئٹه ۲/۷۴، زكريا ۳/۳۰۳)

يكره لمن عليه الزكاة أن يعطي فقيراً مائتی درهم أو أكثر ولو أعطى

جاز وسقط عنه الزكوٰة. (بدائع الصنائع، كتاب الكاة، فصل فی مصارف الزكاة زكريا۲/ ۱۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۲/۲۴)

غریب بچی کی شادی میں بقدر نصاب زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینب ۸؍سالہ بیوہ ہے اس کے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں، لڑکا بڑا ہے شادی شدہ ہے سات ماہ سے اپنی سسرال میں رہ رہا ہے، بڑی لڑکی کی شادی ہوگئی ہے وہ بھی اپنی سسرال میں رہ رہی ہے، اب بیوہ کے پاس دو جوان لڑکیاں ہیں، بڑی جوان لڑکی کی شادی ہونے والی ہے، چونکہ مسماۃ کے پاس کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، وہ سلائی اور مزدوری کر کے اپنی اور بچیوں کی زندگی بسر کر رہی ہے، کیا بڑی لڑکی کی شادی کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، کیونکہ ۵؍ ہزار کی رقم پر صاحب نصاب ہو نہ جائے رقم دس ہزار سے زائد کوئی صاحب دینا چاہتے ہیں؟

المستفتی: امیر النساء، لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس کے پاس اب تک ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر روپیہ وغیرہ نہیں ہے اور نہ ہی غلہ وغیرہ ہے، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت اس زمانہ میں تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہے، تو اسکی شادی کیلئے اکٹھے چار ساڑھے چار ہزار روپیہ دینا بلا کراہت جائز ہے، اور پانچ ہزار سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر الخ. (در مختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الاصلية، زكريا ديو بند۳/ ۳۰۳، كراچی ۲/ ۳۵۳)

ویکره أن یدفع إلی رجل مائتی درهم فصاعداً ، وإن دفعه جاز .

(هندیه ، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۸، جدید ۱/ ۲۵۰، هدایه ، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لا یجوز، اشرفیه دیوبند ۱/ ۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۳۴)

بذریعہ چیک زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک متمول شخص ہے مدارس کا بھی تعاون کرتا ہے، وہ ایک مذہبی مدرسہ میں ماہانہ کچھ رقم زکوٰۃ کی دیتا ہے، اور ایک ہی مرتبہ پورے سال کی امداد کا چیک کاٹ دیتا ہے، ہر ماہ اتنی رقم جس کا مدرسہ والوں سے وعدہ ہے فلاں بینک سے لے لی جائے، اس میں زکوٰۃ کی رقم پر تملیک کی صورت پائی جارہی ہے، یا نہیں؟ یہ رقم مدرسہ ماہ بماہ کیش کراتا رہتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہورہی ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شعبان، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت درست ہوگی جب مستحق زکوٰۃ کو وہ رقم ادا کردی جائے، اور مستحق یا اس کا وکیل اس پر قبضہ کرلے اور چیک کاٹنے کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم پر ذمہ داران مدرسہ کا قبضہ نہیں ہوتا ہے، لہٰذا محض چیک کاٹنے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک ذمہ داران مدرسہ بینک سے رقم نکال کر اپنے قبضہ اور تحویل میں نہ لے لیں، نیز بینک میں بیلنس ختم ہوجانے یا کسی اور وجہ سے مدرسہ والوں کو وہ رقم نہ مل سکے تو زید پر دوبارہ زکوٰۃ کی ادائیگی لازم اور ضروری ہوگی اور بینک سے رقم نکال کر اس پر قبضہ کرنے کے بعد ادائے زکوٰۃ کی بات اس صورت میں ہے جب ذمہ

داران مدرسہ کو منجانب مدرسہ طلبہ کا وکیل تسلیم کرلیا جائے ،اورسوالنامہ میں جس شکل کا ذکر ہے اس سے تملیک نہیں ہوتی۔

ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء (وفی الشامیة) فلو ضاعت لاتسقط عنه الزکاة . (درمختار مع الشامی ،کتاب الزکاة، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/ ۲۷۰، زکریا۳/۱۸۹)

إذا دفع الزکاة إلیٰ الفقیر لایتم الدفع مالم یقبضها أو یقبضها للفقیر من لهٗ ولایة علیه . (هندیه ، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا ۱/ ۱۹۰، جدید۱/ ۲۵۲، البحرالرائق ، کتاب الزکاة، زکریا ۲/ ۳۶۹، کراچی ۲/ ۲۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/ ۸۸۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/ ۱۴۲۶ھ

چیک کے ذریعہ دی گئی رقم زکوٰۃ کی ادائیگی کی تفصیل

سوال: [۴۲۸۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کو آنحضرت کی کتاب ایضاح النوادر حصہ دوم کے ایک مسئلہ میں طالب علمانہ شبہ ہے،جس کی بنیاد یقیناً عدم واقفیت وقلت علم ہے،مسئلہ یہ ہے کہ چیک کے ذریعہ دی گئی رقم زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کا حکم لگایا گیا ہے،جبکہ طالب علم نے چیک کوفیس میں جمع کرادیا ہو۔

شبہ یہ ہے کہ مہتمم نے جب طالب علم کو چیک دیا اور طالب علم نے اس پر قبضہ کیا تو کیا یہ قبض علی الدین کہلائے گا ،جبکہ طالب علم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ از خود جاکر چیک دے کر دین وصول کرسکے کیونکہ اس پر تو مہتمم کے دستخط ہوتے ہیں، نیز جب وہ قبض دین سے عاجز ہے اور چیک کوفیس میں جمع کراکے گویا وہ مہتمم کو پہلے اپنی طرف سے قبضہ کا وکیل بنارہا ہے ،اور پھر مہتمم اپنی طرف سے اس پر قبضہ کریگا ،تو کیا یہ قبض دین کی توکیل صحیح ہے، جبکہ طالب علم خود قبض دین سے عاجز ہے ،عرض یہ کہ قبض سے عجز کے وقت بھی قبضہ متحقق

ہوجاتا ہے، نیز ایسے قبضہ کے بعد قبض کی توکیل صحیح ہے حضرت والا سے درخواست ہے کہ مکمل ومدلل، مفصل اور باحوالہ طریقہ سے اس طالب علمانہ شبہ کو رفع فرمائیں، جزاکم اللہ۔

المستفتي: محمد حذیفہ گجراتی، متعلم مظاہر العلوم، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چیک کی دو قسمیں ہیں۔(۱) ادارہ کے اندر اس کا اعتبار ہے حکومت اور عوام میں اسکا اعتبار نہیں ہے، تو یہ صحیح معنیٰ میں مال کا بدل نہیں، اگر آپ نے ایسا ہی چیک مراد لیا ہے تو ایضاح النوادر کی عبارت سے مطلب نکالنے میں مغالطہ ہے۔(۲) سرکاری چیک جو بینک ہی سے حاصل ہوسکتا ہے بڑے ادارہ اور فرم اور کمپنی کی رقم جب بینک میں جمع ہوجائے تو ادارہ بینک سے سرکاری چیکوں کی پوری پوری کاپی اور بک حاصل کرسکتا ہے، ایک ایک بھی کافی تعداد میں چیک ہوتا ہے، اگر مہتمم اور ذمہ دار اس پر طالب علم کا نام لکھ کر دستخط کردے اور ہر طالب علم اپنے دستخط کرکے دفتر میں جمع کردے تو طالب علم کی طرف سے ارباب دفتر بینک سے رقم نکال سکتے ہیں، نیز طلبہ بھی نکال سکتے ہیں، تو ایضاح النوادر میں اسی سرکاری چیک کا ذکر ہے اس سے صحیح طور پر تملیک ہوجاتی ہے، اور ایسی صورت میں قبضہ دین سے عاجز نہیں ہوتا اور طالب علم کی طرف سے ذمہ دار وکیل ہوتا ہے، اس لئے یہ شکل جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ار جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۳۷)

زکوٰۃ کی رقم مریض کی دوا یا تعمیر میں لگانا

سوال: [۴۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا زکوٰۃ کے پیسہ مریض کی دوا یا مکان کی تعمیر میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

مہربانی فرما کر شریعت کے لحاظ سے اس کے بارے میں فتویٰ سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: حافظ سمیع الاسلام، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مریض اگر مستحق زکوٰۃ ہے اس کے علاج میں زکوٰۃ کا پیسہ بطور تملیک لگایا جاسکتا ہے، لیکن تعمیر مکان میں لگانا جائز نہیں ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كمامر لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳٤٤، زكريا ۳/۲۹۱)

الزكاة يجب فيها تمليك المال، لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ وآتوا الزكاة. (البقره: ٤۳)

يقتضى التمليك ولا تتأدى بالإباحة. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۲/۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱؍ جمادی الاولی ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۶۵)	۱۴۱۲/۵/۱۱ھ

زکوٰۃ کی رقم سے اسپتال میں غرباء کا علاج کرانا

سوال: [۴۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ

کی رقم سے ایک اسپتال میں غرباء کا علاج کرنا مقصود ہے اسپتال کے ذمہ داران ایک وکالت نامہ کا فارم چھپوانا چاہتے ہیں، جس میں یہ جملہ تحریر ہو، ''میں فقیر ومسکین ہوں اسپتال کی طرف سے مقررہ فیس ادا نہیں کرسکتا، اسلئے میں ذمہ دار اسپتال کو اپنی طرف سے اتنی رقم وصول کرنے اور میرے لئے علاج کا نظم کرنے کا وکیل بناتا ہوں''، اس فارم پر مریض کے دستخط لے لئے جائیں گے اور اسپتال کے ذمہ داران زکوٰۃ وصول کر کے اس کے ذریعہ سے مریضوں کے علاج کے اخراجات پورے کریں کیا شرعاً یہ طریقہ درست ہے اور اس طریقہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائیگی یا نہیں؟ کیا اس میں اس بات کی گنجائش ہے کہ رمضان میں زکوٰۃ وصول کرلی جائے، اور پھر سال بھر مریضوں کا علاج کیا جاتا رہے، اور یہی طریقہ اسکول کی تعلیم کے اخراجات کے سلسلہ میں اختیار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: عبداللہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے مستحق زکوٰۃ مسلمان فقیر کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا کر دینا ضروری ہے، اور مسئولہ صورت میں مستحق اور غیر مستحق کی تعیین ممکن نہیں ہے، اسی طرح مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی تمیز نہیں ہے، لہٰذا اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر زکوٰۃ کی رقم براہ راست مستحق زکوٰۃ فقیر کو دیدی جائے، جس کو وہ اپنے علاج ومعالجہ میں بااختیار طور پر خرچ کرلے تو یہ جائز ہوگا، اسی طرح اسکولی بچوں کے مستحق زکوٰۃ سرپرستوں کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے، جس سے وہ بچوں کی تعلیمی ضروریات یا اپنی ذاتی ضروریات میں آزادانہ طور پر صرف کریں، تو یہ جائز ہے اس پر زکوٰۃ دہندگان کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہونی چاہئے، لہٰذا سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں زکوٰۃ کے پیسہ کو رمضان یا غیر رمضان میں جمع کرنا بے موقع اور بے محل ہے اس سے احتیاط ضروری ہے خود زکوٰۃ دہندگان کو ایسے مواقع میں زکوٰۃ دینے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبۃ: ٦٠)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني ، الحديث: (سنن الترمذی ، الزکاة، باب ماجاء من لاتحل له الصدقة ، النسخة الهندیه ۱/ ۱۴۱، دارالسلام رقم: ۶۴۷)

لایجوز صرف الزکاة إلی الغني ..... لعموم قوله تعالیٰ إنما الصدقات للفقراء وقول النبی ﷺ : لاتحل الصدقة لغني. (بدائع الصنائع ، کتاب الزکاة،فصل فی مصارف الزکاة زکریادیوبند-/۱۵۷)

الزکاة هی تملیک جزء مال عینه الشارع وهو ربع عشر نصاب حولي من مسلم فقیر . (تنویر الأبصار مع الدرالمختار ، کتا ب الزکاة، زکریا ۳/ ۱۷۰تا ۱۷۲، کراچی ۲/ ۲۵۶تا ۲۵۸)

ومنها أ ن یکون مسلما ، فلا یجوز صرف الزکاة إلی الکافر بلا خلاف لحدیث معاذ'' خذها من أغنیائهم ورد ها فی فقر ائهم '' أمر بوضع الزکاة فی فقراء من یؤ خذ من أغنیائهم وهم المسلمون فلا یجوز وضعها فی غیرهم . (بدائع الصنائع ، کتاب الزکاة ، فصل فی مصارف الزکاة زکریا ۲/ ۱۶۱، صحیح البخاری ، کتاب الزکاة ، باب أخذ الصدقة من الأغنیاء الخ ، النسخةالهندیة ۱/ ۲۰۲، رقم: ۱۴۷۴، ف: ۱۴۹۶)

ولا تدفع إلی ذمي ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب . (شامی، کتاب الزکاة ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۴۷،۳۵۱، زکریادیوبند۳/ ۲۹۵،۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ / ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۵۳)	۱۴۳۲/۴/۹ھ

زکوٰۃ کی رقم سے پتھری کی دوا منگا کر تقسیم کرنا

سوال: [۴۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد اپنی

زکوٰۃ کی رقم کما حقہ ادا کرتا ہے، رمضان المبارک میں وغیر رمضان المبارک میں بھی لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت کچھ رقم اس میں سے بچا لیتا ہے، اور اس رقم سے غیر ملک مثلاً جرمنی دبئ وغیرہ سے پتھری کی دوا منگوا کر لوگوں میں تقسیم کرتا ہے، جو دوا خالد لوگوں میں تقسیم کرتا ہے، اس میں ہندو مسلم کسی کی تمیز نہیں جو لوگ آتے ہیں، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان حسب ضرورت دوا لے جاتے ہیں، اور انھیں فائدہ بھی ہو جاتا ہے، تو کیا زکوٰۃ کی رقم بچا کر دوا منگوانا اور تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ خالد کا یہ عمل کئی سالوں سے ہے؟

المستفتي: محمد شاہد، پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے مسلمان مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر رقم ادا کرنا لازم ہے، اور مذکورہ صورت میں غیر مسلم ہندو، مسلمان مستحق اور غیر مستحق سب کے درمیان بلا امتیاز دوا تقسیم ہو جاتی ہے، لهذا خالد کا یہ عمل شرعی طور پر درست نہیں ہے، کیونکہ غیر مسلموں اور غیر مستحق زکوٰۃ مسلمان کو زکوٰۃ ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، حالانکہ مسئولہ صورت میں زید خود بھی جانتا ہے کہ وہ غیر مسلم اور مسلمان مستحق غیر مستحق سب کو بلا امتیاز دے رہا ہے، اس لئے مذکورہ طریقہ پر زکوٰۃ کے پیسے سے دوا تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ومنها: أن يكون مسلما فلا يجوز صرف الزكاة إلى الكافر بلا خلاف لحديث معاذ " خذها من أغنيائهم و ردها في فقرائهم " أمر بوضع الزكاة في فقراء من يؤخذ من أغنيائهم وهم المسلمون فلا يجوز وضعها في غير هم. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في مصارف الزكاة، زكريا ديوبند ٢/١٦١، صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء الخ، النسخة الهندية ١/٢٠٢، رقم: ١٤٧٤، ف: ١٤٩٦)

الزكاة هي تمليك جزء عينه الشارع من مسلم فقير. (شامي، كتاب

الزكاة، كراچی ۲/ ۲۵۷، زكريا ۳/ ۱۷۲، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/ ۱۷۰)

ولا تدفع إلىٰ ذمي . (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الأصلية كراچی ۲/ ۳۵۱، زكريا ۳/ ۳۰۱)

لو دفع بلا تحر بأن لم يخطر بباله أنه مصرف أولا لم يجز إن أخطأ أی تبين له أنه غير مصرف . (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف مطلب فی الحوائج الأصلية كراچی ۲/ ۳۵۳، زكريا ۳/ ۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۱/ ۱۴۳۱ھ

غریب کا قرض اپنی زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرنا

سوال: [۴۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ایک رشتہ کا بھائی ہے وہ کافی غریب ہے انھوں نے لڑکی کی شادی کی تھی، جس میں ان کو بطور قرض کے کچھ رقم دی تھی لیکن وہ رقم ادا نہ کر سکے وہ رقم میں نے معاف کردی اور بھی لوگوں کا ان پر قرض ہے، وہ اس قابل نہیں کہ وہ ادا کر سکیں تو کیا میں اپنی زکوٰۃ کے پیسہ سے ان کا قرض ادا کرسکتی ہوں، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

المستفتي: اہلیہ حاجی سراج احمد
مرچنٹ محلہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں ان سے اجازت لیکر ان کی طرف سے وکیل بن کر آپ اپنی زکوٰۃ کی رقم سے ان کا قرض ادا کرسکتی ہیں، اس سے قرض بھی ادا ہوجائیگا، اور

آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۳/۱۱۳، احسن الفتاویٰ/۴/۲۵۰)

أما إذا كان بإذنه وهو فقير فيجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه ، والدائن يقبضه بحكم النيابة عنه ، ثم يصير قابضاً لنفسه . (فتح القدير ، الزكاة ، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز زكريا۲/ ۲۷۲، كوئٹه ۲/ ۲۰۸، دارالفكر ۲/ ۲٦۸، حاشية چلپی علی تبيين الحقائق ، مكتبه امداديه ملتان ۱/ ۳۰۰، زكريا ۲/ ۱۲۰، شامی زكريا ديوبند۳/ ۲۹۲، كراچی ۲/ ۳٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۲۲/۲۸)

قرضدار سے زکوٰۃ کی رقم لیکر قرضہ کی ادائے گی

سوال: [۴۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بکر کا مقروض ہے اور زید کے پاس بکر کے قرض کی ادائیگی کے لئے کوئی شکل وصورت نہیں ہے، بحالت مجبوری کیا زید بکر سے ماہ رمضان شریف کی زکوٰۃ حاصل کرنے کے بعد بکر کا قرض ادا کرسکتا ہے؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد لقمان، دریبہ پان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: جی ہاں زید کا بکر کی زکوٰۃ پر قبضہ ہو جانے کے بعد زید اس مال سے بکر کا قرض ادا کرسکتا ہے۔

وأداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكوته ثم يأخذها عن دينه الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الزكاة كوئٹه ۲/ ۱۳، كراچی ۲/ ۲۷۱، زكرياديوبند۳/ ۱۹۰، ۱۹۱، الموسوعة الفقهيه

الکویتیة ٣٦/٢٤٥، الفتاوىٰ العالمگیریة ، کتاب الحیل ، الفصل الثالث في مسائل الزکاة، زکریا دیوبند ٦/١ ٣٠، جدید٦/٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۶/۲۴)

مقروض کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال: [۴۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے چاروں مکان ۱۴؍ لاکھ میں فروخت ہوں گے، مجھ پر دو لاکھ قرضہ بھی ہے، اور مجھے اپنے ذاتی مکان کی تعمیر کیلئے تقریباً ٦ ؍لاکھ روپیہ چاہئے، اور کم از کم ایک لاکھ روپیہ میرے لڑکے کی شادی کا خرچ ہے تو میں زکوٰۃ کس طرح ادا کروں مکمل ۱۴ ؍ لاکھ کی یا ۷؍ لاکھ ضرورت اصلیہ اور ۲ ؍ لاکھ قرضہ کی رقم منہا کر کے ۵؍ لاکھ کی زکاۃ ادا کروں؟

المستفتي: مولوی محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس وقت آپ چودہ لاکھ روپئے میں مکانات فروخت کریں گے تو اس وقت دو لاکھ قرضہ کی رقم منہا کر کے بقیہ بارہ لاکھ روپئے کی زکاۃ ادا کریں گے، اور ذاتی مکان کی تعمیر اور لڑکے کی شادی میں خرچ کرنے کیلئے جس رقم کی آپ کو ضرورت ہے اس کو منہا کرنا درست نہیں ہے، اسلئے کہ لڑکے کی شادی اور مکان کی تعمیر کا جو خرچہ ہے وہ خرچ ہو جانے سے پہلے پہلے خرچہ میں شمار نہیں ہے، اسلئے اس کی زکوٰۃ لازم ہے۔

ومدیون للعبد بقدر دینه فیزکی الزائد إن بلغ نصاباً. (شامی، کتاب الزکاة، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء کراچی ٢/٢٦٣، زکریا٣/ ١٨٠)

إذا أمسکه لینفق منه کل مایحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه

نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي ، وإن كان قصدهٗ الإنفاق منه أيضاً في المستقبل . (شامی، کتاب الزکاۃ ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/ ۲۶۲، زکریا۳/ ۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ۱۱/ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۱۱/ ۱۴۲۷ھ

زکوٰۃ کی رقم سے مقروض کے قرض کی ادائیگی اور زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری شادی کے کچھ مہینے بعد ہمارے میکہ میں پریشانی کے حالات ہوگئے ہم پانچ بہنیں ہیں، تین کی شادی ہوگئی ہے، دو بہنیں شادی سے باقی ہیں، ہماری شادی کے بعد ہماری امی حالات سے پریشان ہوکر مجھ سے کچھ سونے کی چیزیں لے گئیں کہ ان کو رکھ کر کچھ دن گذر ہوجائے گا، حالات ٹھیک ہوتے ہی نکال کر دیدوں گی، میں نے اس بھروسے پر دیدیں کہ اگر امی نہیں نکال پائی تو میں ہی کچھ نہ کچھ کر کے نکلوا لوں گی، میرے شوہر کو اس بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں تھا، مگر نہ تو میں ہی ان چیزوں کو نکلوا پائی اور نہ ہی میری امی، حالت یہ ہوگئی کہ وہ چیزیں بیاج جمع نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئیں، ہمارے والد کا بھی انتقال ہوگیا، اب ہمارے میکہ میں کمائی کا بھی کوئی سہارا نہیں ہے، اللہ کے حکم سے لے دے کر گذر رہوتا ہے، میرے شوہر کو بھی اب اس بات کا پتہ ہوگیا، اور سسرال میں کسی اور کو اس بات کا پتہ نہیں ہے، لہٰذا اب ہماری امی نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ جو ہم رمضان میں روپئے نکالتے ہیں، اس میں سے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنا زیور پورا کرلو، تم ہمیں بھی تو دیتی ہو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے ان چیزوں کی بھرپائی کردی، کیونکہ میری نظر تمہاری شوہر سے نہیں ملتی، بڑی شرم آتی ہے، ہم کھا پی بھی وہی رہے ہیں، اپنے شوہر سے جب میں نے یہ کہا تو انھوں نے پہلے منع کردیا، پھر میرے سمجھانے پر انھوں نے کہا کہ آپ سے معلومات

کرنے کے بعد ہی میں کچھ کہوں گا، لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ اس بارے میں کچھ مشورہ دیں بڑی مہربانی ہوگی؟

المستفتي: نظام الدین، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہئے، کہ آپ اپنے ذاتی مال یا زیور کی زکوٰۃ اپنی والدہ کو نہیں دے سکتیں، اس سے آپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر آپ کے شوہر اپنے مال کی زکوٰۃ آپ کی والدہ کو دیں جو ان کی خوشدامن ہیں، تو شوہر کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، اور اس زکوٰۃ کی رقم کو خود ہی اپنے پاس یہ سمجھ کر روک لینا کہ آپ کا جو زیور والدہ نے لیکر استعمال کرلیا ہے، زکوٰۃ سے اس کی بھرپائی کردی جائے، یہ درست نہیں ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ آپ کے شوہر زکوٰۃ کی رقم اولاً اپنی خوش دامن صاحبہ کے ہاتھ میں دیدیں اور پھر وہ رقم آپ کے قرض کی ادائیگی میں آپ کے حوالے کردیں، تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، اور قرض کی بھرپائی بھی ہو جائیگی۔

لایجوز الدفع إلیٰ أصوله وهم الأبوان الخ. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا۲/۱۲۲)

ولا یدفع إلی أصله وإن علا . (عالمگیری، کتاب الزکاۃ الباب السابع فی المصارف زکریا ۱/۱۸۸، جدید ۱/۲۵۰)

لایجوز دفع الزکاۃ ...... إلیٰ والدیه ...... وإن علو .(خانیه علی الهندیه، کتاب الزکاۃ، فصل فیمن توضع فیه الزکاۃ، زکریا۱/۲۶۷، جدید ۱/۱٦٤)

ولایصرف إلیٰ من بینهما ولا د(درمختار) وتحته فی الشامیة: وقید بالولاد لجوازه لبقیة الأقارب الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۳/۲۹٤، کراچی ۲/۳٤٦)

ویجوز (دفع الزکاۃ) إلیٰ سائر قرابته . (خانیه علی الهندیه، کتاب الزکاۃ،

فصل فی تعجیل الزکوٰۃ زکریا ۱/ ۲٦٧، جدید ۱/ ۱٦٤)

ولو وهب دينه من فقير ونوىٰ زكوٰة دين آخر له علىٰ رجل آخر أونوىٰ زكوٰة عين له لم يجز الخ. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/ ۱۷۱، جديد ۱/ ۲۳۳)

وأداء الدين عن العين وعن دين يقبض لايجوز . (هنديه ۱/ ۱۷۱، جديد ۱/ ۲۳۳)

وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكوٰته ثم يأخذها عن دينه . (درمختار ۳/ ۱۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴٦۸)

اپنے مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اس سے قرضہ وصول کرنا

سوال: [۴۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا روپیہ جس کا میں وکیل بنادیا گیا ہوں، اسکو اگر کسی ایسے غریب کو دوں جس کے ذمہ خود میرا روپیہ قرض ہے، تاکہ وہ میرا روپیہ ادا کردے، تو اسکا مجھ کو اختیار ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: محمد ابوبکر، پریتم پور، ڈھول پور، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کو اسکا اختیار رہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، جبکہ آپ کا مدیون قبضہ کے بعد آپ کو دیدے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۸)

كما استفاد من الهندية والحيلة في ذلك أن يتصدق صاحب المال على الغريم بمثل ماله عليه من المال العين ناويا عن زكوٰة ماله ويدفعه إليه فإذا قبضه الغريم دفعه إلى صاحب المال قضاءً بماعليه

من الدين يجوز الخ. (هنديه ، كتاب الحيل ، الفصل الثالث فى مسائل الزكاة، زكريا ۳۹۱/۶، جديد ۳۹۵/۱ ، البحر الرائق، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۳۷۰/۲ ، كوئٹه ۲۱۱/۲ ، الدر المختار ،كتاب الزكاة مطلب فى زكاة ثمن المبيع وفاء كراچى ۲۷۱/۲ ، زكريا۱۹۰/۳)

وللوكيل بدفع الزكوٰة أن يدفعها إلى ولد نفسه كبيراً كان أو صغيراً وإلى امرأته إذا كانوا محاويج ،ولا يجوز أن يمسك لنفسه شيئاً إلا إذا قال: ضعها حيث شئت الخ. (البحرالرائق، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۳۶۹/۲، كوئٹه ۲۱۱/۲ ،الدر المختار ، كتاب الزكاة، مطلب فى زكوٰة ثمن المبيع وفاءً زكريا ۱۸۸/۳ ، كراچى ۲۶۹/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۸)

زکوٰۃ کی رقم مدیون کے قبضہ میں دیکر واپس لینے سے زکوٰۃ وقرض کی ادائیگی

سوال: [۴۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص زید نے بکر سے قرضہ پر روپیہ لیا اب زید کے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے، کہ قرضہ ادا کرے تو کیا بکر ان روپیوں کو اپنی زکوٰۃ میں مجرا کرسکتا ہے؟ یا زید کے ہاتھ میں دینا ضروری ہے؟ کیا اس طرح قرضہ ادا ہو جائیگا؟

المستفتي: دستگیر عالم، کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض مجریٰ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ اول مدیون کے قبضہ میں دیکر مالک بنادیا جائے ، پھر مدیون کے ہاتھ سے اپنے قرض کے نام سے وصول کرلیا جائے ،تب جائز ہوسکتا ہے،ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

وأداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز أن

یعطي مدیو نه الفقیر زکوته ثم یأخذها عن دینه الخ. (الدر المختار ، کتاب الزکاة ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۰، ۱۹۱، کراچی ۲/ ۲۷۱، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۶/ ۲٤٥، هندیه ، کتاب الحیل زکریا دیوبند ٦/ ۳۹۱، جدید ۱/ ٤ ۳۹) **فقط وللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۷/ ۱۴۱۲ھ

ادائیگیٔ زکوٰۃ کیلئے قرض دار کا مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۲۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بسا اوقات مقروض قرض ادا نہیں کر پاتے اپنی مجبوری کی بنا پر قرض ادا نہ کر کے بری ہونا چاہتے ہیں، کیا ایسی صورت میں قرض خواہ ان کو معاف کر کے ایسی رقوم کو اپنی قابل اداز کوٰۃ میں مجرا کر سکتے ہیں، خلاصہ احکام شرعی سے آگاہ کریں؟

المستفتی: عبد الحق، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی نہیں بلکہ مقروض کو قبضہ دینا شرط ہے۔

عن الشعبی أن شریحاً ومسروقاً کانا لایجیزان الصدقة، حتی تقبض. (مصنف عبد الرزاق، باب لاتجوز الصدقة إلا بالقبض، المجلس المعلمي ۹/ ۱۲۲، رقم: ۱٦٥۹۱)

وأداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لایجوز وحیلة الجواز أن یعطی مدیونه الفقیر زکوته ثم یأخذها عن دینه الخ. (الدر المختار ، کتاب الزکاة ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۰، ۱۹۱، کراچی ۲/ ۲۷۱، هندیه ، کتاب الحیل ، فصل الثالث فی مسائل الزکوٰۃ ، زکریا دیو بند٦/ ۳۹۱، جدید٦/ ۳۹٥، الموسوعة الفقهیة

الکویتیة ٣٦/٢٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۰۱)

مقروض فقیر شخص کا زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنانا

سوال: [۴۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب نصاب تو نہیں ہے، لیکن چھوٹا موٹا کام کر کے روزانہ کچھ نہ کچھ بقدر کفاف کما لیتا ہے، اور سال کا اکثر حصہ مقروض رہتا ہے، اس کا مکان گرنے کے قریب ہے، تو کیا زکاۃ کی رقم سے ایسے شخص کے مکان کی تعمیر کروائی جا سکتی ہے؟ یا مرمت کروائی جا سکتی ہے؟ مرمت میں تقریباً ۳۵/ ہزار اور تعمیر میں تقریباً ۲/ لاکھ خرچ ہونگے؟

المستفتي: محمد زبیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مستحق زکوٰۃ آدمی ہے تو زکوٰۃ کا پیسہ اسے دیا جا سکتا ہے، وہ ان پیسوں سے گرنے والے مکان کی تعمیر کرائے یا مرمت کرائے اور ایسا کرنا بھی درست ہے، کہ تعمیر ومرمت کا سامان خرید کر کے زکوٰۃ کی نیت سے اس کے حوالہ کر دیا جائے، اور مزدوری دینے کے بقدر پیسہ اس کے ہاتھ میں دیدیا جائے، اور اگر آپ براہ راست تعمیر یا مرمت کی نگرانی کریں اور پیسہ مزدوروں کو دے کر سامان خرید کر مکان میں لگا دیں تو یہ بہتر شکل نہیں، بلکہ بہتر شکل وہی ہے، جو اوپر لکھی ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۵، ۱۱۶)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحةً. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ٢/٣٤٤، زکریا ٣/٢٩١)

وجاز دفع القمیة فی زکوٰۃ وعشر وفطرة. (الدر مع الرد، کتاب الزکاۃ،

باب زکاة الغنم، کراچی ۲/ ۲۸۵، ۲۸۶، زکریا۳/ ۲۱۰، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، باب المصرف، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲٤، زکریا ۳/ ۲۱۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۳ھ

فقیر کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان خرید کر دینا

سوال: [۴۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص کرایہ کے مکان میں رہتا ہو مگر صاحب نصاب نہ ہو تو اس شخص کو مد زکوٰۃ سے مکان خرید کر دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ وہ اس وقت جس مکان میں رہتا ہے، وہ بھی اسکی اصلی ضرورت شمار ہوگی یا ذاتی مکان ہونا ضروری ہے؟

المستفتي: عبداللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر زکوٰۃ کی رقم سے مکان خرید کر مستحق زکوٰۃ کو مکان کا مالک بنادیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۰، ایضاح المسائل/ ۱۱۵)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا الخ. (درمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

الزکاة یجب فیها تملیک المال، لأن الإیتاء فی قوله تعالیٰ: "وآتوا الزکاة (البقرة: ٤۳) **یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحة.** (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند ۲/ ۱۸)

فهی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للّٰه تعالیٰ هذا فی الشرع. (هندیه

کتاب الزکاۃ، الباب الأول زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۲۳۲)

اور ضرورت اصلیہ میں ذاتی مکان شمار ہوگا، کرایہ کا مکان اسکی ملکیت نہیں ہے۔

وهى مسكنه وأثاث مسكنه الخ. (عالمگیری، کتاب الزکاۃ، باب المصارف زکریا ۱/ ۱۸۹، جدید ۱/ ۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۴/۵/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

زکوٰۃ کی رقم سے کمرے بنوانا

سوال: [۴۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسا مسلم ادارہ جس میں عصری ودنیوی تعلیم وتربیت کا بندوبست ہے سارے اساتذہ اور طلباء مسلم ہیں، غیر مستطیع طلباء کی فیس بھی معاف ہے دینی تعلیم سب بچوں کیلئے لازمی ہے، (قرآن شریف، ناظرہ، ضروری مسائل یا اسلامی تاریخ وغیرہ) کیا ایسے ادارے میں زکوٰۃ کے فنڈ سے تعمیری کام کرایا جاسکتا ہے، چونکہ بلڈنگ بچوں کے بیٹھنے کیلئے ناکافی ہے، لہٰذا منتظمین کی خواہش ہے کہ زکوٰۃ کی مد سے کچھ کمرے بنوادیئے جائیں، کچھ لوگوں کی رائے اس کے برعکس ہے؟

المستفتي: انور حسین، پاکبڑہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی مد سے کمرے بنوانا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كمامر ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وتحته فى الشامية، كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ باب المصرف

زکریا۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

ولا یجوز أن یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد، وکل مالا تملیک فیه. (هندیه، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا۱/ ۱۸۸، جدید ۱/ ۲۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شوال ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۰/۱۴ھ

مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر دینا

سوال: [۴۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے، وہ یہ کہ ہم نے ایک مکان خریدا ہے، نیچے کے حصہ میں مالک مکان رہتا ہے، اس نے خالی کر کے ہمیں چابی دیدی اوراوپر ایک دوسرے آدمی کا قبضہ ہے، اس کی ایک بیوی اور چھ لڑکیاں اور ایک پندرہ سالہ لڑکا ہے یہ لوگ رہتے ہیں، اس آدمی کا انتقال ہوگیا ہے، اب اس وقت اس کی بیوہ اور یتیم بچے اس مکان پر رہتے ہیں، اب اس وقت ہمیں مکان کی ضرورت ہے، ہم ان سے خالی کرانا چاہتے ہیں، مگر مفتی صاحب! اگر ہم ان یتیم بچوں کو مکان سے نکالتے ہیں تو یہ انسانیت کے خلاف ہے، اگر ہم زکوٰۃ کے روپئے جو ہماری نکلی ہے دو یا تین سال کی اس رقم کو اکھٹا کر کے اس رقم کا مکان خرید کر اس بیوہ کو دیدیں تو کیا ہماری یہ زکوٰۃ کا روپیہ ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تفصیل کیساتھ فتویٰ دیجئے گا؟ آپ کا شکر گزار ہوں گا؟

المستفتي: جمال احمد، پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرحوم کی بیوی وبچے مستحق زکوٰۃ ہیں، تو زکوٰۃ کی رقم

سے مکان خرید کر کے ان کو مالک بنا دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤)

الزکاۃ یجب فیها تملیک المال، لأن الإیتاء فی قوله تعالیٰ: ”وآتوا الزکاۃ (البقرۃ: ٤٣) **یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحة .** (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، زکریا دیو بند۲/۱۸)

لیکن نصاب زکوٰۃ سے زیادہ کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔

وکره إعطاء فقیر نصابا أو أکثر . (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الأصلیة کراچی ۲/۳٥۳، زکریا۳/۳۰۳)

ویکره لمن علیه الزکاۃ، أن یعطی فقیراً مائتی درهم أواکثر ولو أعطی جاز و سقط عنه الزکاۃ . (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، فصل فی مصارف الزکاۃ، زکریا ۲/١٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/شوال ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۵۸/۲۵)

زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر مستحق کو دینا

سوال: [۴۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک فلاحی ورفاہی ادارہ جو کہ اپنے ممبران اور مسلمانان بنگلہ دیش کے رفاہی اور ریلیف کے کاموں میں مدد کے علاوہ اپنے ممبران سے مد زکوٰۃ کے ٹکہ بھی جمع کرتا ہے، اور اس کو غرباء اور ضرورتمندوں کے علاج معالجہ، ادائیگی قرض، شادی دختران اور وقتی امداد کے طور پر خرچ کرتا ہے۔

رہائش کے کرایہ میں مستقل نا قابل برداشت اضافے اور مسلسل مکان بدلتے رہنے کی

مجبوری، پریشانی اوراذیت مزید سفید پوشی کے بھرم کی نزاکتوں کی اہمیت کومحسوس کرتے ہوئے اور روز مرہ کی بڑھتی ہوئی گرانی کے عذاب اورخاص طور پر کرایہ کے بوجھ تلے دبی سسکتی انسانیت کی تسکین کی خاطر اب ادارہ کاارادہ رہائشی فلیٹ، مکانات تعمیر کرنے کا ہے جوزکوۃ کی رقم کو بذریعہ حیلہ (تملیک) کے بعد ہی ممکن العمل ہے ادارہ منصوبے کی تشکیل کے ابتدائی مراحل سے تعمیر کے بعد کے جملہ مسائل سے نبرد آزما ہنے کیلئے حفظ ماتقدم کے طور پراسے اپنی زیرنگرانی اورزیراہتمام رکھنا چاہتا ہے، تاکہ اس کاانفرادی طور پرغلط اور بےجا استعمال ممکن نہ ہو سکے، مثلاً اسکی فروخت اور حکومت کے بقایاجات وغیرہ ادارہ تعمیر شدہ فلیٹ، رہائش بیوگان، یتیم بوڑھے لوگ جواب معاش کے قابل نہیں، اورایسے لوگ جومعاشی اعتبار سے کمزوراور پریشان ہیں کوبحثیت کرایہ دارادارہ کے دستوری طور پر بہت ہی قلیل اور معمولی کرایہ لیکرآہستہ آہستہ بسانے کاارادہ رکھتاہے، واضح ہوکہ حاصل شدہ معمولی کرایہ بھی اس کام میں استعمال ہوگا، لہٰذا کیادین اسلام میں شرع محمدی کے روسے اس طریقہ کار پر بذریعہ حیلہ تملیک عمل درآمد کیاجاسکتاہے، واضح ہوکہ ادارہ کی معلومات کے مطابق مدرسوں کی تعمیراور دوسرے کاموں کیلئے زکوۃ کی رقم حاصل کرکے اس طریقۂ کار کے ذریعہ عمل درآمداورتعمیرات وغیرہ کے کام بھی کئے جاتے ہیں، جبکہ زیادہ ترمدارس میں مطلوبہ رقم حاصل کرنے کیلئے ایک اچھی خاصی رقم حاصل شدہ رقم ہی سے بطورکمیشن دیگراخراجات وغیرہ کے نذرہوجاتی ہے، غیرممالک سے بھی وفود آتے اورجاتے ہیں، جس میں کافی خرچ مثلاً کرایہ رہنا سہنا کھاناپینا سواری خرچ وغیرہ ہوتاہے، وہ بھی کٹ جاتا ہے، جبکہ ہمارے ادارے میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے، اور رقم کی وصولیابی میں کسی قسم کاکوئی خرچ نہیں ہوتاہے، برائے کرم وضاحت سے جواب مرحمت فرمائیں؟ تاکہ کوئی بات تشنہ نہ رہنے پائے، اوربات بھی اچھی طرح واضح ہوجائے؟

المستفتي: انیس احمد شمسی، ویلفیر سوسائٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ جائز ہوسکتاہے، کہ زکوۃ کے پیسوں سے

مکانات بنا کر پورے پورے مکانات متعین طور پر مستحق زکوٰۃ فقیر کو قبضہ دیکر مالک بنا دیا جائے، اور پھر اس سے کسی قسم کا کرایہ وغیرہ وصول نہ کیا جائے ،مگر مکانات بنا کر کرایہ پر دینے کے لئے حیلہ تملیک کرانا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ حیلہ تملیک ہر جگہ جائز نہیں ہے، بلکہ صرف ناگزیر انداز سے دینی ضرورت کے لئے جائز ہوسکتا ہے، اورسوال نامہ میں ذکرکردہ رفاہی ادارہ وغیرہ عام طور پر اپنی ترقی اور فروغ کے لئے اس طرح کی اسکیمیں چلاتے ہیں، اس لئے جائز نہ ہوگا ، مدارس پر ان اداروں کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ انھیں مدارس کے ذریعہ سے اسلام زندہ ہے۔

أما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النسفي، في الكافي عن محمد بن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری ، داراحیاء الترث العربی بیروت ۲۴/ ۱۰۹، زکریا دیوبند ۱۶/ ۲۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ :شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر :۳۳/ ۵۴۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۱۱/ ۱۴۱۸ھ

مال زکوٰۃ سے مکان تعمیر کر کے فقیر کو مالک بنانا

سوال: [۴۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) بعد تعمیرات مکمل طریقہ پر بیع نامہ کروا دیا جائے گا ، مالکانہ حیثیت قائم کردی جائے گی ، میرا کوئی تعلق نہ ہوگا ؟

(۲) میری سرپرستی کا اب کوئی تعلق نہیں ہوگا ،جبکہ میں بیع نامہ تحریر کردوں گا ؟

(۳) کسی قسم کا مفاد وابستہ نہیں کرنا ہے، چونکہ مکان ایک امانت ہے اس کا صرف استعمال کرنا ہے؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: احقر عاقل کامل، اسماعیل، محلّہ: ٹھیٹرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زکوٰۃ کی رقم سے مکانات تعمیر کرا کے فقیر نادار مستحق زکوٰۃ کو مستقل طور پر بیعنامہ کرا کے خودمختارانہ مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، اوراس میں تعمیر کرانے والے کا کوئی تصرف باقی نہ رہے، اور نہ آئندہ کوئی سرپرستی یا احسان جتانے کی کوئی بات پیش آئے، تو مالک زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، نیز ایک فقیر کو ایک نصاب سے زائد دینے کی وجہ سے مکروہ نہ ہوگا۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا اباحةً . (الدر المختار، كتاب الزكاة باب المصرف زكريا۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤)

وكره إعطاء فقير نصابا أو اكثر إلا إذا كان مديوناً الخ. (الدر المختار مع الشامی ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، مطلب فی حوائج الأصلية زكريا۳/ ۳۰۳، كراچی ۲/ ۳۵۳، البحرالرائق، زكريا۲/ ٤۳۵، كوئٹه ۲/ ۲٤۹)

اور مکروہ نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ مکان پر قبضہ ہونیکی وجہ سے فقیر صاحب نصاب نہیں ہوگا، بلکہ بمنزلہ نصاب سے زائد قرضدار کو نصاب سے زائد دینے کے حکم میں ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۰)

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذاكان المدفوع إليه مديوناً الخ.

(الدر المختار مع الشامی، كتا ب الزكاة، باب المصرف ، مطلب فی حوائج الأصلية زكريا۳/ ۳۰۳، كراچی ۲/ ۳۵۳، فتاویٰ بزازيه علی الهندية زكريا ٤/ ۸۵، جديد۱/ ۵۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۴۰)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب کو کرایہ پر مکان دلوانا

سوال: [۴۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک مکان ہے جس کو مسجد کیلئے خریدا ہے، اسمیں پہلے سے کرایہ پر غریب لوگ رہتے ہیں، جو دوسری جگہ مروجہ پگڑی دیکر کرایہ کا مکان نہیں لے سکتے، ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے کرایہ کا مکان دلواسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور مسجد کی رقم دیکر اس کرایہ دار کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حاجی محمد یسین، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو غریب فقیر مستحق زکوٰۃ ہیں، ان کو زکوٰۃ کی رقم حوالہ کرکے مالک بنادیا جائے، اس کے بعد وہ جو چاہیں کریں، اس روپیہ سے کرایہ کا مکان بھی لے سکتے ہیں، مروجہ پگڑی شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحةً. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۱، ایضا ح النوادر /۹ ۱۰)

فهی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للّٰہ تعالیٰ هذا فی الشرع. (هندیه، کتاب الزکاة، الباب الأول زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۲۳۲)

الزکاة یجب فیها تملیک المال، لأن الإیتاء فی قوله تعالیٰ: "وآتوا الزکاة. (البقرة: ٤۳)

یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحة. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند ۲/ ۱۸)

(۲) مسجد کی رقم سے کسی فقیر کی مدد جائز نہیں ہے، جو متولی مسجد کی رقم کو مسجد کی ضروریات کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا چاہتا ہے، وہ تولیت کے لائق نہیں ہے، اس کو الگ کرکے دوسرے دیانتدار متولی کا تقرر لازم ہے۔

مراعاة غرض الواقفین واجبة. (الشامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة

غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/٥٦٦، كراچی ٤/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۷۰)

پگڑی میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

سوال: [۴۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم سال کی زکوٰۃ کے روپیہ اکٹھا کر کے جتنی رقم یہ کرایہ دار مانگ رہا ہے، اس کو تین سال کے بعد ساری زکوٰۃ کی رقم جو قریب پندرہ ہزار روپیہ ہوتی ہے کسی جگہ جمع کرلیں جب یہ رقم اکٹھی ہوجائے، تو اس رقم کو کرایہ دار کو دیکر مکان کا حصہ خالی کرانا کیسا ہے؟ اس کا فتویٰ آپ تفصیل سے مع حوالہ کے تحریر فرمایئے گا، جزاک اللہ۔

المستفتي: محمد جمال، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پگڑی میں زکوٰۃ کی رقم سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ مستحق زکوٰۃ کو ادا کرنا واجب ہوگا۔

الزكوٰة تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، قديم ملتان ١/٢٥١، جديد زكريا ديوبند ٢/١٧، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ١/١٧٠، جديد ١/٢٣٢)

لايدفع إلى غني بسبب ملك نصاب الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف جديد زكريا ٢/١٢٣، قديم ١/٣٠٢، الجوهرة، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز جديد، دارالكتاب ديوبند ١/١٥٥، قديم ١/١٥٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۰۵)

کیا پگڑی پر فقیر کو مکان لے کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟

سوال: [۴۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر پگڑی پر فقیر کو مکان لیکر دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ کیونکہ پگڑی دینے کے بعد بھی کرایہ دار کو کرایہ دینا پڑتا ہے، اگر فقیر کو پگڑی کی قیمت نقد دیں گے تو نصاب کا مالک بن جائے گا؟ ایسی صورت میں کیا کریں؟

المستفتي: عبد اللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مد زکوٰۃ سے فقیر کو پگڑی پر مکان لیکر دیا جاتا ہے، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسلئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے شرط یہ ہیکہ زکوٰۃ کی رقم کا فقیر کو بلاشرط عوض مالک بنا دیا جائے، اور وہ شرط یہاں مفقود ہے اور جو مکان ہے اس کا بھی فقیر مالک نہیں ہے، بلکہ اسکو مکان میں صرف حق سکونت حاصل ہے اور اسکا بھی کرایہ ادا کرنا پڑیگا۔

ولو دفع إليه داراً ليسكنها عن الزكاة لايجوز. (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا ۱/ ۱۹۰، جدید ۱/ ۲۵۲)

ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ رقم پر فقیر کو مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، اور پھر وہ خود پگڑی ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحةً. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴، تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند ۲/ ۱۸، هندیه، کتاب الزکاة، الباب الأول زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۲۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ

سودی قرض لیکر زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۳۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی کے پاس بقدر نصاب سامان ہے اس پر زکوٰۃ اور قربانی واجب ہے، لیکن زکوٰۃ یا قربانی کیلئے پیسہ نہیں ہے، صرف دوسرے مال ہیں، اور وہ مال بیچنا بھی نہیں چاہتا اور جائز قرض بھی نہیں ملتا تو زکوٰۃ اور قربانی ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ کیا سودی قرض لے سکتے ہیں، اداء زکوٰۃ اور قربانی کیلئے؟

المستفتي: عمران بہاری، انکلیشور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سودی قرض لے کر زکوٰۃ یا قربانی ادا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جو مال موجود ہے سودی قرض کے بغیر اسی کو بیچ کر زکوٰۃ یا قربانی ادا کرنا لازم ہے، اور شریعت میں اسکو بیچنے کی طبیعت نہ چاہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۱۴/۱۲۴)

الزكوٰة واجبة في عروض التجارة الخ، وكان إلحاق هذه الأموال بالذهب والفضة أولىٰ وإذا وجب اعتبار المقدار بهما يعتبر بأيهما. (تاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث، زكاة عروض التجارة زكريا ۳/۱٦٤، رقم: ۳۹۹۹)

في عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق ..... ففي كل أربعين درهما درهم. (درمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال كراچی ۲/۲۹۸، ۲۹۹، زكريا ۳/۲۲۸، ۲۲۹)

وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب أي يجب ربع العشر في عروض التجارة، إذا بلغت نصاباً من أحدهما. (البحر الرائق، كتاب الزكاة،

باب زکاۃ المال زکریا۲/ ۳۹۸، کوئٹہ ۲/ ۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵٦۴/۳۹)

سودی قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بہت زیادہ مقروض ہے اور کوئی صورت قرض کی ادائیگی کی نظر نہیں آتی کیا زید بہت زیادہ مالدار بکر سے وہ رقم جو زکوٰۃ کی مد میں بکر نے نکالی ہے لیکر اسے سودی قرضہ کی ادائیگی میں دیدے اور پھر سہولت سے وہ قرض اسے واپس کردے اور بکر اس کے بعد زکوٰۃ نکال دے اگر یہ گنجائش ہو تو تحریر فرمادیں؟

المستفتي: آل حسن، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مد زکوٰۃ کے پیسے کو بطور قرض کی ادائیگی میں دینا درست نہیں ہے، اگر بطور قرض دینا ہے، تو زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے پیسے دیدیں نیز سودی قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ کا پیسہ دینا ممنوع ہے، اسلئے کہ اس میں من وجہ سودی معاملہ میں تعاون ہے، آجکل کے زمانہ میں لاکھوں کی تعداد میں سودی قرض لیکر لوگ اپنے آپ کو سرمایہ داروں کے سامنے فقیر ثابت کرتے ہیں، پھر سرمایہ دار سے زکوٰۃ کا پیسہ لیکر سودی قرض ادا کرکے پھر اپنا کاروبار اور تجارت کو فروغ دیتے ہیں، یہ سخت خرابی کی بات ہے، زکوٰۃ کا پیسہ فقیروں کا حق ہے کاروبار اور تجارت کو فروغ دینے کیلئے سودی قرض لینے والوں کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ٦/ ۲۲۹)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورہ المائدۃ، آیت: ۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۸ھ

زکوٰۃ کا پیسہ سودی قرض میں دینا

سوال: [۴۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک کاروبار شروع کیا تھا، جس میں کچھ پیسہ میں نے اپنی زمین بیچ کر لگایا تھا، اور کچھ پیسہ میں نے قرض کی شکل میں بینک سے لیا تھا، جس میں ضمانت کے طور پر میں نے اپنے گھر اور جائداد کے کاغذات رکھے تھے، میرے پاس موجودہ جائیداد کی شکل میں رہنے کا مکان ہے جس میں میں اپنے بھائی اور بہنوں کیساتھ رہتا ہوں، جو کہ مشترکہ ملکیت ہے ایک کاروبار کی جگہ ہے جس میں موجودہ طور پر کوئی کاروبار نہیں ہوتا ہے، جو کہ تقریباً ساڑھے تین سو گز میں ہے، گاؤں میں لگ بھگ تین ایکڑ کاشتکاری کی زمین ہے ایک کریشر جو کہ گاؤں میں ہے چار بیگہ زمین میں ہے، اور ایک فصلی کام ہے، یہ کاروبار بھی تین سال سے نقصان میں چل رہا ہے، جس کے اوپر تقریباً ۱۵؍لاکھ کی دینداری ہو چکی ہے، فی الحال میرے پاس کسی ذریعہ سے معاش نہیں ہے، صرف کھیتی کی زمین سے کچھ اناج آتا ہے، ایک پلاٹ جو کہ شہر میں ہے، ۸۰؍گز کا ہے، اور ۳۰۰؍گز کا پلاٹ جس میں مقدمہ بازی چل رہی ہے، مقدمہ ہائی کورٹ اور رامپور کورٹ میں چل رہا ہے، میں نے جو نیا کاروبار کیا تھا، اس میں بھی تقریباً پانچ لاکھ ۶۰؍ہزار کی دینداری ہے جس کے تقاضہ میرے اوپر لگاتار ہو رہے ہیں، اوپر لکھی جائداد میں ٦؍بہنیں اور ٦؍بھائی حصہ دار ہیں، ایسی صورت میں مجھے بتائیں کہ میں اپنا قرضہ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم کا استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں؟

موجودہ جائداد میں اور کاروبار میں سائل اپنا حصہ ختم کر چکا ہو تو وہ چونکہ مالدار اور صاحب نصاب نہیں رہ گیا، لہٰذا وہ قرض ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے لے سکتا ہے، صاحب نصاب ہونے اور نہ ہونیکی ذمہ داری سائل پر ہے؟

جو شخص صاحب نصاب نہ ہو وہ اپنا قرضہ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم حاصل کرسکتا ہے؟

المستفتي: محمد الیاس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے پاس کھیتی کی زمین ہے اور تین سو گز کی زمین جس پر مقدمہ چل رہا ہے، اس کے علاوہ اسی گز کا پلاٹ بھی ہے، تو کھیتی کی زمین یا پلاٹ فروخت کرکے قرض ادا کرنا چاہئے، زکوٰۃ کا پیسہ فقیروں اور مسکینوں کا حق ہے، نیز زکوٰۃ کا پیسہ سودی قرض میں دینا جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا پیسہ سودی قرضہ میں دے گا، تو سود کی لعنت زکوٰۃ کا پیسہ دینے والے کی گردن پر بھی پڑے گی۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الْمَسَاكِيْنَ. (سورة التوبة: ٦٠)

وعن جابر قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهده، الحديث: (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية ٢/٢٧، بيت الافكار رقم: ١٥٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۱۶)

زکوٰۃ کی رقم سے سودی قرض ادا کرنے یا منہا کرنے کا حکم

سوال: [۴۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ عمر نے خالد سے روپئے قرض کے طور پر مانگے خالد نے اسے زیور گروی رکھکر تقریباً پچاس ہزار روپئے دیئے اب بہت دن ہوگئے سود پر سود بڑھتا گیا عمر کو اتنی استطاعت نہیں ہے، کہ وہ زیور چھڑا کر خالد کے حوالے کردے، ادھر جب سود کا خوب اضافہ ہوگیا تو خالد نے زکوٰۃ کے پیسہ سے سود ادا کردیا اور آدھا عمر نے اور آدھا خالد نے اصل پیسہ دیکر

زیور چھڑالیا اب عمر کو اتنی استطاعت نہیں ہے، کہ وہ بقیہ پیسہ دیدے کیا خالدان بقیہ پیسوں کو زکوٰۃ کے مال سے منہا کر سکتا ہے؟

المستفتي: محمد شاکر عالم، تخت والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال کے اندر دو معاملے بالکل الگ الگ ہیں۔ (۱) معاملہ: عمر کا خالد سے قرضہ لینا۔ (۲) خالد کا تیسرے شخص سے زیور گروی رکھ کر پچاس ہزار روپیہ سودی معاملہ میں لینا، یہ دونوں معاملہ شرعاً الگ الگ ہیں، پہلا معاملہ جو عمر اور خالد کے درمیان ہے اس میں خالد نے عمر کو پچاس ہزار روپیہ قرض دیا ہے، اور قرض دیکر سود لینا قطعاً حرام ہے، لہٰذا خالد عمر سے صرف پچاس ہزار روپیہ جو بطور قرض دیا تھا وہی لے سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور پیسہ کا دیندار نہیں ہے، اور دوسرا معاملہ خالد اور تیسرے آدمی کا ہے اس میں خالد نے تیسرے آدمی کے پاس زیور گروی رکھ کر پیسہ لیا ہے، اب اگر تیسرا آدمی مسلمان ہے تو اس کیلئے خالد کو دیئے ہوئے قرضہ کے اوپر مزید سود لینا جائز نہیں ہے، اور اگر تیسرا آدمی مسلمان نہیں ہے، تو خالد اس سے سود کی دینداری میں شرعاً کسی طرح کا ذمہ دار نہیں ہے، اسلئے کہ اس معاملہ کا تعلق خالد اور تیسرے آدمی سے ہے، عمر اور تیسرے آدمی سے نہیں ہے، نیز خالد کیلئے بھی یہ قطعاً جائز نہیں تھا، کہ زیورات کو گروی رکھکر سود پر قرض لے اس کی وجہ سے خالد سخت گنہگار ہوگا اور لعنت کا مستحق ہوگا اور دیندار بھی خالد ہی ہوگا۔

عن ابن مسعودؓ قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا ومؤكله وشاهديه وكاتبيه. (ترمذی شریف، ابواب البیوع، باب ما جاء فی أكل الربوا، النسخة الهندية ۱/۲۲۹، دار السلام رقم: ۱۲۰۶، مسلم شریف، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية ۲/۲۷، بیت الأفكار رقم/۱۵۹۷)

لہٰذا اب تک خالد نے عمر سے جو کچھ پیسہ لیا ہے چاہے سود ادا کرنے کے نام پر لیا ہو یا اصل رقم وصول کرنے کے نام پر ہو یا تیسرے آدمی کو دینے کے نام پر لیا ہو وہ تمام رقم اسی میں

مجریٰ ہوگی جوقرضہ خالد نے عمر کو دیا تھا، اسکے بعد پھر بھی جو قرضہ عمر کے ذمہ باقی ہے اور وہ مستحق زکوٰۃ بھی ہے تو خالد کیلئے جائز ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ عمر کے قبضہ میں دیدے اس کے بعد عمر سے یہ کہے کہ اب تمہارے پاس پیسہ آ گیا ہے، میرا قرضہ ادا کرواور اسی محفل میں وہ پیسہ قرض کے نام سے لے سکتا ہے، ایسی صورت میں عمر کا قرضہ بھی ادا ہوجائے گا، اور خالد کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اور صرف ارجسٹ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

اعلم أن أداء الدين عن المال الذى عنده لايصح والحيلة أن يعطى زكوته ثم يأخذ عن دينه الخ. (طحطاوی علی المراقی الفلاح/۷۱۵، دارالکتاب دیوبند، درمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء زکریا۳/ ۱۹۰، کراچی ۲/ ۲۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶ ۳/ ۷۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۲ھ

٦ / باب المصرف

صاحب نصاب کون ہے؟

سوال: [۴۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں صاحب نصاب کیلئے کتنی رقوم یا کتنے سامان کا ہونا شرط ہے؟

المستفتي: محمد شکیل، سکسینا، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کی رقوم یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا تجارتی سامان ہوتو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہے، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا روپیہ کتنا بنتا ہے، صرافے سے معلوم کر لیجئے! (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۴)

اعتبرت القيمة إجماعاً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال زکریا۳/۲۲۷، کراچی ۲/۲۹۸، جواهر الفقه ۱/۳۸۵)

تجب الزكاة في الذهب والفضة إذا بلغ النصاب ونصاب الذهب عشرون مثقالا وهو الدينار، ونصاب الفضة مائتا درهم. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعه كتاب الزكاة، زكاة الذهب والفضة ۱/۶۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۸۸)

صدقۂ واجبہ اور زکوٰۃ کے مستحق کون؟

سوال: [۴۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقے

کے مستحق کون کون آدمی ہیں؟

المستفتي: شرف الحق، ضلع بیربھوم، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن کریم میں صدقہ وزکوٰۃ کے جو مصارف مذکور ہیں، ان میں سے بعض منسوخ ہیں، اسلئے اس زمانہ میں درحقیقت صرف فقراء ہی مستحق ہیں، اور فقراء کے مختلف انواع ہیں۔

(۱) طالبان علوم نبوت۔

(۲) غرباء۔

(۳) مساکین۔

(۴) قرضدار۔

(۵) وہ مسافر جس کا توشہ ختم ہوچکا ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۹، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۲۹، معارف القرآن ۸/ ۴۰۸)

إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكوة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى مالا بد منه الخ.

(طحطاوی علی المراقی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۰، قدیم /۳۹۲، شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۲۸۵، کراچی ۲/ ۳٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۵)

فقیر ومسکین کسے کہتے ہیں؟

سوال: [۴۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقیراور

مسکین کسے کہتے ہیں؟ ایک ہی ہیں یا کوئی فرق ہے؟

المستفتي: شرف الحق، بیر بھوم، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقیر جس کے پاس نصاب سے کم ہو، مسکین جسکے پاس کچھ نہ ہو، لیکن استحقاق زکوٰۃ میں کچھ اختلاف نہیں۔ (مستفاد: بیان القرآن ۴/۱۲۰، معارف القرآن اشرفی ۴/۱۶۶)

فقیر وهو من له أدنیٰ شیيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غیر تام مستغرق في الحاجة، ومسکین من لا شیيء له. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/۲۸۳، ۲۸٤، کراچی ۲/۳۳۹، فتاویٰ عالمگیری زکریا ۱/۱۸۷، جدید ۱/۲٤۹، بزازیه علی هامش الهندیه زکریا٤/۸۵، جدید ۱/۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۵۵)

فی سبیل اللہ کا مصداق

سوال: [۴۳۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا آپکے نزدیک کیا مصداق ہے فی سبیل اللہ کے دائرے میں کون کون داخل ہیں، اس میں وسعت دیکر عمومیت پیدا کر سکتے ہیں؟ اگر فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی اور حاجی کو قرار دیا جائے اور بقول بعض طالبان علم کو قرار دیا جائے، تو ان کیلئے فقر کی شرط ہے یا نہیں؟ نیز مصارف زکوٰۃ کو قیاس شرعی کا محل قرار دیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ یا نص پر موقوف رہے گا، اوراس زمانہ میں مختلف دینی اور دعوتی کاموں کیلئے بے پناہ سرمایہ کی ضرورت ہے تو کیا مدارس، مساجد، اور اکیڈمیاں

و دیگر رفاہ عام میں جو شخص حکمی کے دائرے میں ہیں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ امور فی سبیل اللہ کے مصداق بن سکتے ہیں؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ، اکیڈمی، پھلواری شریف، پٹنہ، (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فی سبیل اللہ کے لفظی معنیٰ بہت عام ہیں، جو کام اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کیلئے کئے جائیں وہ سب فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم کے دائرے میں آجاتے ہیں، اور جو لوگ فی سبیل اللہ کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے تفسیری اقوال وبیان وائمہ مفسرین اور فقہاء مجتہدین کے ارشادات سے گریز اور قطع نظر کرتے ہوئے محض لفظی ترجمہ کے عموم کے ذریعہ سے قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرنے میں زبردست دھوکہ اور مغالطہ لگا ہے، اور انھوں نے لفظ کے عمومی مفہوم کو دیکھ کر ان تمام نیک کاموں کو فی سبیل اللہ کے دائرے میں داخل کر دیا ہے، جو کسی نہ کسی حیثیت سے عبادات میں داخل ہیں، چنانچہ تعمیر مساجد، مدارس، شفا خانہ، مسافر خانہ وغیرہ اور کنویں، نل، سڑکیں وغیرہ بنانا اور تمام رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ ان سب کو فی سبیل اللہ کے دائرے میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، جو سراسر غلط اور قول رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام، اور اجماع امت کی تفسیر کے خلاف ہے، جیسا کہ امام رازی نے امام قفال کی تفسیر کی نشاندہی کرتے ہوئے، اسی طرح کی بات نقل فرمائی ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن، اشرفی دیوبند ۴/ ۴۰۷، تفسیر کبیر ۱۶/ ۱۱۳)

نیز لفظ فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم سے تفسیر کرنیوالوں کے کلام میں خود تعارض بھی واقع ہوا ہے، جیسا کہ حضرت نواب صدیق حسن خانصاحب نے اپنی تصنیف الروضۃ الندیہ میں لفظ فی سبیل اللہ کے عموم کو پیش نظر رکھ کر تمام علماء اور علمی خدمات انجام دینے والوں کو فی سبیل اللہ کے دائرے میں داخل کر دیا ہے، چاہے وہ علماء فقیر ہوں یا مالدار۔ (الروضۃ الندیہ ۱/ ۲۰۷)

پھر نواب صاحب ہی نے اپنی تفسیر فتح البیان میں عمومیت کی تردید کرتے ہوئے فی سبیل اللہ کے مفہوم کو غازیین میں منحصر کر دیا ہے۔ (فتح البیان ۴/۱۴۱)

اس سے واضح ہوتا ہے، کہ عمومیت کے قائلین خود اپنے قول میں متردد اور مضطرب ہیں، نیز ماضی قریب میں علامہ رشید رضا مصری اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ نے بھی لفظ فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ سے استدلال کرتے ہوئے ، فی سبیل اللہ کے مصداق کو ہر دینی کام میں عام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (مستفاد: فقہی اسلامی ۱/ ۴۶۱)

جو اجماع امت اور قول رسول اللہ ﷺ کے خلاف اور مغالطہ پر محمول ہے اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے فی سبیل اللہ کے مصداق میں۔ (حدیث ابو داؤد، کتاب المناسک، باب العمرة، الفتاویٰ الھندیۃ ۱/۲/۲۷، دار السلام رقم: ۱۹۸۸)

اور حدیث بخاری کی صراحت کی وجہ سے اس حاجی کو داخل فرمایا ہے جس کے اسباب سفر ختم ہو چکے ہوں اور حضرت امام محمدؒ کا حجاج کو شامل کرنا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ میں رہ کر ہے اور اسمیں قیاس اور توسع سے امام محمدؒ نے کام نہیں لیا ہے، نیز جس حاجی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مد زکوٰۃ سے سواری کا جانور دلوایا ہے وہ فقیر اور نادار تھا، جو الفاظ حدیث سے واضح ہوتا ہے، اسلئے امام محمدؒ نے حاجی کیلئے منقطع الحاج کی قید اور شرط بھی لگائی ہے، لہذا ایسے حجاج فقراء کے دائرہ میں داخل ہونیکی وجہ سے بہرحال مستحق زکوٰۃ ہیں۔

وفي سبيل الله منقطع الغزاة عند أبي يوسف رحمة الله عليه لأنه المتفاهم عند الاطلاق، وعند محمدؒ منقطع الحاج ؛ لما روى أنّ رجلا جعل بعيراً له في سبيل الله فأمره رسول الله صلى

ترجمہ: اور فی سبیل اللہ کے مفہوم میں غازی ہی مراد ہے جس کے پاس اسباب جنگ نہ ہونے کی وجہ سے سے مجبوراً جنگ میں جانے سے رکنا پڑ رہا ہے یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اس لئے کہ جب مطلقاً فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے، تو اس سے

الله عليه وسلم أن يحمل عليه الحاج ولا يصرف إلى أغنياء الغزاة عندنا لأن المصرف هو الفقراء . (هدايه، كتاب الزكاة، باب من لايجوز، اشرفيه ديوبند ۱/ ۲۰۵، قديم ۱/ ۱۸۵)

یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وہ مراد ہے، جو اسباب سفر ختم ہونے کی وجہ سے حج کرنے سے قاصر ہو چکا ہو، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ دیدیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی کو سواری کیلئے دینے کا حکم فرمایا اور زکوٰۃ مالدار غازی کو نہ دیا جائے، ہمارے نزدیک اسلئے کہ مصرف زکوٰۃ فقراء ہی ہیں۔

اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن ابراہیم کے نزدیک بس غازی کے ساتھ ساتھ ضرورت مند حاجی بھی اسمیں داخل ہے۔

وعن أحمد وإسحق الحج من سبيل الله . (فتح البارى، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالىٰ وفى الرقاب والغارمين ۳/ ۳۳۲، اشرفيه ديو بند۳/ ۴۲۳، تحت رقم الحديث: ۱۴۶۸)

ترجمہ: یعنی امام احمد اور اسحاق کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

اب معلوم ہوا کہ علاوہ عاملین کے باقی مصارف زکوٰۃ میں فقراء کی شرط ملحوظ ہے اور صاحب درمختار وغیرہ نے جو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں طالب علم کو داخل فرمایا ہے اس کا مطلب بھی علامہ ابن عابدین شامی وغیرہ نے واضح کردیا ہے، کہ فقراء صحابہ جو اصحاب صفہ سے موسوم تھے وہ درحقیقت دربار نبوت میں تشنگی علوم نبوت کی وجہ سے ہی رہا کرتے تھے، اسلئے فقہاء نے جہاں طالب علم کو مستحق زکوٰۃ قرار دیا ہے، وہاں فقیر ہونے کی بھی قید لگائی ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے، اسلئے صاحب درمختار وغیرہ کی عبارات سے کوئی اشکال واقع نہ ہونا چاہئے۔

وقيل طلبة العلم وتحته في الشامي وهل يبلغ طالب

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ طالب علم بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور شامی میں ہے

رتبة من لازم صحبة النبی صلی الله علیه وسلم لتلقی الأحکام عنه کأصحاب الصفة فالتفسیر بطالب العلم وجیه خصوصاً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۲۸۹/۳، کراچی ۳۴۳/۲)

کہ کیا کوئی طالب علم اس شخص کے مرتبہ کو پہونچ سکتا ہے، جس نے پیغمبر علیہ السلام کی صحبت اختیار کی ہے، حضور علیہ وسلم سے احکام دین حاصل کرنے کیلئے جیسا کہ اصحاب صفہ، لہذا خاص طور پر فقراء طلبہ کے ساتھ فی سبیل اللہ کی تفسیر کرنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوگا۔

ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء ومحدثین اور مفسرین کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق صرف منقطع الغزاۃ ہے، مجاہد فی سبیل اللہ کے علاوہ باقی اور کوئی اس کے دائرے میں داخل نہیں ہے اسلئے کہ اس زمانہ میں عام محاورہ میں فی سبیل اللہ سے جہاد مراد ہوا کرتا تھا، بس صرف اتنا فرق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ کا فقیر ہونا شرط ہے، اور دیگر ائمہ ثلثہ کے نزدیک فقیر ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ غازی غنی بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں داخل ہے یہی تفصیل قدر فرق کیساتھ فتح الباری، مغنی ابن قدامہ، ہدایۃ المجتہد، اوجز المسالک، بدائع، کتاب الفقہ، تاتارخانیہ، درمختار، سیر کبیر، مجمع الانھر، البحر الرائق، وغیرہ چاروں مذاہب کی کتابوں میں موجود ہے۔ (بدایه المجتهد، الزکاۃ، الفصل الثانی فی الصفة التی تقتضی صرفها إلیهم، دارالفکر بیروت ۲۷۷/۱، اوجز المسالك، الزکاۃ، أخذ الصدقة ومن یجوز له أخذها قدیم ۲۲۳/۳، جدید ۷۸/۶، مجمع الأنهر، کتاب الزکاۃ، باب فی بیان أحکام المصارف قدیم ۲۲۱/۱، دارالکتب العلمیة بیروت جدید ۳۲۵/۱، بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، فصل فی المصارف کراچی ۴۵/۲، زکریا دیوبند ۱۵۴/۲، السیر الکبیر ۲۴۵/۴،

البحرالرائق ، کتاب الزکاۃ ، باب الوحدت ۲/ ۲٤۲ ، تاتارخانیہ ۲/ ۲۷۰، درمختار، زکریا ۳/ ۲۸۹، کراچی ۲/ ۳٤۳، ھدایہ ، مکتبہ اشرفی بکڈپو دیوبند ۱/ ۲۰۵، کتاب الفقہ ۱/ ۶۲۱، احسن الفتاویٰ ٤/ ۲۵۳)

اورحافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

وأما سبيل الله فالأكثر على أنه يختص بالغازي غنياً كان أو فقيراً إلا أن أبا حنيفةؒ قال يختص بالغازي المحتاج. (فتح الباری ، کتاب الزکاۃ، باب قول الله وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله بيروت ۳/ ۳۳۲، اشرفیہ، دیوبند۳/ ٤۲۳، رقم: ۱٦٤۸)

ترجمہ: بہرحال فی سبیل اللہ کے بارے میں اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ مجاہد فی سبیل اللہ کیساتھ خاص ہے مجاہد چاہے فقیر ہو یا مالدار، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے محتاج اور فقیر مجاہد کیساتھ خاص کردیا ہے۔

اورعلامہ موفق الدین بن قدامہ نے ائمۂ اربعہ کا مسلک ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

أنهم الغزاة فى سبيل الله لأن سبيل الله عند الإطلاق هو الغزو (إلىٰ قوله) فإذا تقرر هذا فإنهم يعطون ، وإن كانوا أغنياء وبهذا قال مالك والشافعي وإسحق وأبو ثور وأبو عبيد وابن المنذر وقال ابو حنيفةؒ وصاحباه لا تدفع إلا إلى فقير الخ. (المغنی ٦/ ۳۳۲)

ترجمہ: حضرات فقہاء کہتے ہیں، کہ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی ہے، اسلئے کہ جب مطلقاً فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے، تو اس سے عرف عام میں جہاد ہی مراد ہوتا ہے، اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجاہد ہی مراد ہے، تو ان کو زکوٰۃ کا مال دیا جائے، اگرچہ وہ مالدار کیوں نہ ہو اور اسی کو امام مالک امام شافعی اسحٰق ابوثور ابوعبیدہ بن المنذر وغیرہ نے اختیار کیا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کہتے ہیں، کہ صرف فقیر ہی کو دیا جاسکتا ہے۔

اور اس مضمون کی عبارتیں ائمۂ اربعہ کے مذاہب کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں، لھذا حاصل یہ نکلے گا، کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم کو عام کر کے اس کے تحت مساجد، مدارس، مسافر خانہ، شفاخانہ، وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، یہ جو سوال پیش کیا جاتا ہے، کہ موجودہ دور میں مدزکوٰۃ کے بغیر اس قسم کے کار خیر کا انجام پذیر ہونا بہت دشوار گذار ہے یہ سوال سلف کے زمانہ میں پایا جاتا ہے، جب سلف نے اسکی اجازت نہیں دی ہے، اور کام چلتا رہا ہے، تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کیلئے خدا کی ذات سے امید ہے کہ یہ چلتا رہے گا، اور کچھ نہ کچھ پریشانیاں ہر زمانہ میں رہی ہیں، اور آئندہ بھی اس قسم کی دشواریوں سے چھٹکارہ نہیں ہوسکتا مگر سلف اور اجماع امت سے ہٹنا کسی بھی طرح جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۶)

بدائع کی عبارت سے غلط فہمی

سوال: [۴۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بدائع الصنائع کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہر نیک کام اس میں داخل ہوسکتا ہے، تو اگر فی سبیل اللہ میں عمومیت جائز نہیں ہے تو عبارت بدائع کا کیا مطلب ہوگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اکیڈمی، پھلواری، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام علاء الدین کاسانیؒ کی بدائع الصنائع کی عبارت سے بعض لوگوں کو زبرست دھوکہ اور مغالطہ ہوا ہے، اور ان کی عبارت کے شروع حصہ سے فی سبیل اللہ کی عمومیت ضرور ثابت ہوتی ہے، لیکن انھوں نے عبارت کے آخر میں

جواحتیاج اور فقر کی قید لگائی ہے اسکی وجہ سے شروع کی عمومیت خود بخود ختم ہو جاتی ہے، اور امام کاسانیؒ کی پوری عبارت ہم یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

وأما قوله تعالیٰ وفی سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فی طاعة الله وسبيل الخيرات ، إذا كان محتاجاً وقال أبو يوسفؒ المراد منه فقراء الغزاة لأن سبيل الله إذا أطلق فی عرف الشرع يراد به ذلک وقال محمدؒ المراد منه الحاج المنقطع الخ. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة ، فصل المؤلفة قلوبهم كراچی ۲/ ٤٥، زکریا ۲/ ١٥٤)

بہر حال اللہ تعالیٰ کا قول وفی سبیل اللہ سے تمام نیک کام مراد ہیں، لہذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہوگا، جو اللہ کی اطاعت اور خیر کے راستہ میں محنت کرتا ہے، بشرطیکہ وہ محتاج اور فقیر ہو اور ابو یوسفؒ نے صرف فقیر غازی مراد لیا ہے، اسلئے کہ عرف شرع میں جب فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے، تو اس سے صرف جہاد مراد ہوا کرتا ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ حاجی ہے جس کا زادراہ اور اسباب سفر ختم ہو چکے ہوں۔

اب بدائع کی مذکورہ عبارت میں دوبارہ غور کیا جائے، اس میں صرف اتنی عمومیت تو ضروری ہے کہ فی سبیل اللہ کے دائرہ میں ہر نیک کام کرنے والے داخل ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ وہ نیک کام کرنے والامحتاج فقیر ہو اور ائمۂ اربعہ جمہور فقہاء بھی ہر فقیر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیتے ہیں، بس اتنا فرق ہے، کہ صاحب بدائع نے ہر نیک عمل کرنے والے فقیر کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کر کے مصرف قرار دیا ہے، اور جمہور نے ہر فقیر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، لیکن فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل نہیں کیا ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ جیسے فقیہ اور مفسر وقت کو بھی بدائع کی عبارت نقل کرنے میں

مسامحت ہوگئی ہے، کہ انھوں نے بھی '' إذا كان محتاجاً '' کی شرط کو نقل نہیں کیا ہے۔
(روح المعانی، سورۂ توبہ تحت الآیۃ ۵۹،۶۰، جدید زکریا ۱۰/ ۱۷۹، قدیم ۱۰/۱۲۳)

بہر حال جن لوگوں نے بدائع کی عبارت سے عمومیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان کو ''إذا كان محتاجاً '' کی شرط پر توجہ نہ کرنے کی بنا پر مغالطہ ہوا ہے۔
(فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۷)

کیا فی سبیل اللہ کے مصداق، مدارس، مساجد اور اکیڈمیاں ہوسکتی ہیں؟

سوال: [۴۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا فی سبیل اللہ کے دائرہ میں شخص حکمی جو محتاج ہے، وہ داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ محتاج شخص حقیقی کے دائرہ میں داخل ہونے کا سوال نہیں ہے، بلکہ محتاج شخص حکمی یعنی مدارس، مساجد، اکیڈمیاں وغیرہ داخل ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی،
پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے صرف فقیر غازی کو داخل کیا ہے، اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے غازی فقیر اور غازی غنی دونوں کو داخل فرمایا ہے، لیکن غزاۃ کی شرط کیساتھ مقید کیا ہے، اور امام احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راہویہؒ اور امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک غازی کیساتھ ساتھ محتاج حاجی بھی بنص حدیث داخل ہے، اور صاحب درمختار نے محتاج غازی و حاجی اور طالب علم کو بھی شامل فرمایا ہے، لیکن جہاں جہاں عمومیت کی

بات ہے وہاں فقر واحتیاج کی بھی قید ہے، لھذا اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو عام کیا جائے، تو شخص حقیقی کے فقر اور احتیاج کی قید کیساتھ کیا جا سکتا ہے اس کے بغیر عمومیت کی اجازت نہیں ہوسکتی ہے، اور شخص حکمی کو احتیاج کی وجہ سے فی سبیل اللہ کے دائرہ میں موجودہ دور میں بھی داخل نہیں کیا جا سکتا ہے، اسلئے کہ جن ضرورتوں کی بناپر شخص حکمی (تعمیر مساجد، تعمیر مدارس، تعمیر مکاتب، اور اکیڈمیوں اور رفاہی اداروں کی ضرورتوں) کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کرنے سے جو سوال پیدا ہورہا ہے، وہی سوال اور ضرورتیں زمانہ رسالت اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی پائی جاتی تھیں، اس کے باوجود کہیں یہ ثابت نہیں ہیکہ اس طرح کی ضرورت کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کیا گیا ہے، ہاں البتہ دیگر صدقات نافلہ کی ترغیب دی گئی ہے ہم کو بھی اس طرح صدقات نافلہ کی ترغیب دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، اسلئے یہ ضرورتیں توسع کا باعث نہیں بن سکتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ر ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۸)

زکوٰۃ وصدقہ فطر کا بہترین مصرف

سوال: [۴۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ صدقہ فطر اور زکوٰۃ کا بہترین مصرف مدارس ہیں، کیا ان کا کہنا درست ہے؟ اور زکوٰۃ مدارس ہی میں دینا چاہئے؟

المستفتي: محمد فاروق، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ مفتی صاحب کا کہنا صحیح اور درست ہے اسلئے کہ مدارس میں غریب طلبہ پر خرچ ہوتا ہے، لہٰذا زکوٰۃ وصدقات واجبہ صرف ان مدارس میں

دیئے جائیں جن میں بیرونی طلباء اور مطبخ ہو کیونکہ ان پر خرچ کرنے پر زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی ہے، اور دین کی خدمت بھی ہوتی ہے، اور نیک لوگوں پر خرچ ہو جاتا ہے۔

التصدق على العالم الفقير أفضل الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۵٤، زکریا دیوبند۳/ ۳۰٤، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/۲ ۷۲، ھندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۷، جدید۱/ ۲٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۶ھ

زکوٰۃ کس کو دیں طلبہ کو یا غریب لوگوں کو؟

سوال: [۴۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے پڑوس اور رشتہ داروں میں ایسے یتیم و مسکین ہیں جو بے نمازی شریر ہیں، ان کے لئے کوئی کمانے والا بھی نہیں اور ایک طرف اجنبی اور دوسرے خاندان و گاؤں میں اچھے لوگ نماز روزہ کی پابندی کرنے والے یتیم و مسکین ہیں، ان میں بھی کوئی کمانے والا نہیں اور ایک طرف مدرسہ کے طلباء موجود ہیں ان کے ماں باپ بھی موجود ہیں، اور مدرسہ بھی چندہ وغیرہ سے بھرا ہے، مال کے اعتبار سے کسی قسم کی کمی نہیں ہے، تو اس صورت میں کس کو زکوٰۃ و صدقہ دینا اچھا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں آیا ہے، کہ قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی کا بھی ثواب ملتا ہے، اسی طرح اہل علم اور علماء کو دینے سے علم دین کا بھی ثواب ملتا ہے، لیکن اگر قریبی رشتہ دار شرارتوں اور برائیوں میں مبتلا ہوں

اورزکوٰۃ کے پیسہ کا برائیوں میں خرچ کرنے کا اندیشہ ہوتوان کوزکوٰۃ دینے سے ڈبل ثواب نہیں ملے گا، لہٰذا ان کے مقابلہ میں اہل علم علماء اور دینی طلبہ اور دوسرے نیک صالح غریب لوگوں کوزکوٰۃ دینا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

التصدق علىٰ العالم الفقير أفضل . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۵٤، زکریا دیوبند ۳/ ۳۰٤، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲، هندیه ، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۷، جدید ۱/ ۲٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۳ھ

غیر مالک نصاب غریب کوزکوٰۃ لینا

سوال: [۴۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں چار پانچ سال سے بہت زیادہ پریشان ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تیاری کا کام تھا اس میں مجھ کو نقصان ہوگیا، اور پیسہ کسی پارٹی نے دیا بھی نہیں جس کی وجہ سے کافی قرضدار ہوگیا، قرض کی ادائیگی میں اپنا زیور اور مال تھا وہ بھی اور چھوٹے بھائیوں نے اپنا زیور فروخت کر کے قرض ادا کر دیا لیکن آج تک مکمل قرض ادا نہیں ہوا ۲۵/ پرسینٹ باقی رہ گیا ہے، کیونکہ میرا کوئی کاروبار اس طرح کا نہیں ہے، کہ میں قرض ادا کرسکوں، مزدوری کر کے اپنے آٹھ بچوں کا خرچ چلاتا ہوں وہ بھی بہت پریشانی سے ہوتا ہے، ایک مکان والد مرحوم کا ہے، وہ بھی بینک میں رکھا ہوا ہے، کچھ لوگوں کا قرض ایسا باقی ہے جو لوگ بہت زیادہ برا بھلا کہتے اور گالی دیتے ہیں، ایسی حالت میں زکوٰۃ کا پیسہ لینا اور قرض کی ادائیگی کرنا یا کوئی کاروبار کرنا کیسا ہے؟ اب کوئی سرمایہ نہیں ہے جس سے قرض کی

ادائیگی ہو سکے؟ جواب سے نوازیں

المستفتي: محمد یامین، مقبرہ دوئم، کیت والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے پاس سونا، چاندی یا نقدی وغیرہ بقدر نصاب قرض چکانے کے بعد نہیں بچتا ہے، تو آپ کیلئے زکوٰۃ کے روپیہ سے اپنا قرض ادا کرنا جائز ہوگا، کیونکہ آپ شرعاً زکوٰۃ کے مصرف ہیں۔

ومدیون لایملک نصاباً فاضلاً عن دینه، وفی الظهیریة: الدفع للمدیون أولیٰ منه للفقیر الخ. (الدر مع الرد، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند ۲۸۹/۳، کراچی ۳۴۳/۲، کوئٹہ ۶۷/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۱۶)

غریب شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے

سوال: [۴۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی حالت یہ ہے کہ اس کی کمائی اتنی ہے کہ روزی روٹی چلتی ہے، اور قرضہ بہت ہے، اتنی کمائی نہیں ہو پاتی ہے کہ جس سے قرضہ ادا کر سکے، اب آپ سے سوال یہ ہے کہ قرضہ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ وفطرہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ حضرت مفصل جواب سے نوازیں گے؟

المستفتي: محبّ اللہ، خادم: مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں لے سکتا ہے۔

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه ، وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير الخ. (الدر المختار ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، زكريا ديوبند ۳/۲۸۹، کراچی ۲/۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۴/۱۴۱۰ھ

سخت مجبوری میں زکوۃ کا روپیہ لینا

سوال: [۴۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۶/سال سے بہت زیادہ پریشانی میں چل رہا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا کام تیاری کا تھا، جو کہ مال باہر جاتا ہے، اس میں مجھ کو کافی نقصان ہوگیا، کئی پارٹیوں نے پیسہ نہیں دیا اور اپنا کام ختم کردیا اس میں میرے اوپر قرض زیادہ ہوگیا قرض کی ادائیگی میں اپنا جو کچھ زیور تھا فروخت کرکے قرض میں دیدیا اور چھوٹے بھائیوں نے بھی کافی سہارا دیا جس قابل تھے، اس کے باوجود قرض ایک حصہ ابھی باقی ہے، جو کہ لگ بھگ ۲۵/ پرسینٹ ہے، اس میں سیل ٹیکس کا بھی ہے جو کہ بغیر رشوت کے کام نہیں ہوسکتا، اس وقت میرا اور کوئی سہارا نہیں ہے، کہ قرض سے نجات پاسکوں ایک مکان ہے جو بینک میں رکھا ہے اس پر پیسہ محمد اکرام مرحوم میرے بھائی تھے انھوں نے لیا تھا، اس میں گیارہ حصہ دار ہیں، اور مکان بینک سے ابھی تک واپس نہیں ملا ہے، عدالت میں کیس چل رہا ہے، میری آمدنی اتنی نہیں ہے کہ گھر کا خرچہ بھی صحیح طریقہ سے پورا کرسکوں میرے ۸/بچے اور ۲/ہم خود ۱۰/آدمیوں کا خرچہ اس حالت میں نہ تو قرض ادا ہورہا ہے اور نہ ہی سیل ٹیکس سے پیچھا چھوٹ رہا ہے، کئی ایسے لوگ ہیں جن سے منھ چھپانا پڑتا ہے، کیونکہ وہ لوگ راستہ میں طرح طرح کی گالیاں بھی دیدیتے ہیں، اور برا بھلا بھی کہتے ہیں،

اور سیل ٹیکس والے بھی بہت پریشان کررہے ہیں، ایسے حالات میں زکوٰۃ یا بینک میں جو لوگ پیسہ رکھتے ہیں اس کا سود ملتا ہے اس سے قرض یا سیل ٹیکس میں دیکر اپنی جان چھڑا سکوں؟ جو بھی شریعت کی رو سے بہتر ہو جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد یامین ولد مشتاق حسین مرحوم،
مقبرہ دوئم، کیت والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی مجبوری کے تحت مقروض آدمی کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ قبول کر کے اپنا قرض ادا کرنا شرعاً جائز ہے، نیز اس ناداری کی حالت میں سودی رقم سے قرض ادا کرنا بھی جائز ہوگا اس لئے کہ بینک کے سودی رقم کا مستحق نادار فقیر ہی ہوا کرتا ہے۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذاكان المدفوع إليه مديونا أوكان صاحب عيال الخ. (الدر المختار، کراچی ۲/۳۵۳، زکریا ۳/۳۰۳)

أما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس لهٗ حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء الخ. (بذل مصری ۱/۱۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۹۷)

کیا رکشا چلانے والا صاحب نصاب ہے؟

سوال: [۴۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بہت غریب ہے، کرائے کا رکشا چلا کر گذر بسر کرتا ہے، جسکی وجہ سے اس کی محنت کے چھ سات روپئے بلکہ اور بھی آٹھ دس روپیہ کرائے کی شکل میں رکشا مالک کو چلے جاتے ہیں،

کیا انجمن زکوٰۃ کے پیسے سے رکشا خرید کر اسے اس رکشا کا مالک بنا سکتی ہے؟ تاکہ وہ خود کفیل ہو جائے، امید ہے کہ برائے کرم تشفی بخش جواب دے کر پہلی فرصت میں جلد از جلد ارسال فرمائیں گے؟ ممنون ہوگا؟

المستفتي: سکریٹری، امدادی کمیٹی، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر رکشا چلانے والا نصاب زکوٰۃ کا مالک نہیں ہے، تو اس کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہے، زکوٰۃ کے روپئے سے رکشا یا دوسری چیز خرید کر دینا بھی جائز ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۸۰۰)

جس شخص پر صدقۃ الفطر واجب ہو اسکو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب نصاب ہے، مگر زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہے، صدقۂ فطر واجب ہے، مثلاً نقد روپئے دو ہزار ہیں، اور تقریباً تین ہزار روپئے کے برتن ہیں جو ضرورت سے زائد ہیں، اور مال تجارت بھی نہیں ہے تو ایسے شخص کو جو صاحب نصاب ہو اور اس پر فطرہ واجب ہو اور زکوٰۃ واجب نہ ہو تو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہو اسکو زکوۃ دینا

جائز نہیں؛ لہٰذا اگر کسی نے اس کے صاحب نصاب کا علم ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

عن عبد الله بن عمرو، عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني ولالذی مرة سوي. (سنن الترمذی، الزکاة، باب ماجاء من لاتحل له الصدقة ، النسخة الهندیه ۱/ ۱۴۱ ، دارالسلام رقم :۶۵۲)

ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب . (در مختار علی شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۴۷، زکریا ۳/ ۲۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۸۸)

صدقۂ فطر کے نصاب کا مالک مستحق زکوٰۃ نہیں

سوال: [۴۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) سونا، چاندی، روپیہ، پیسہ یا تجارتی سامان نصاب کے برابر پہنچ جائے تو اس کے اوپر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں؟ لیکن سوال یہ ہیکہ صدقۂ فطر کا نصاب بننے کیلئے تجارتی سامان، روپیہ، پیسہ اور سونا چاندی کا ہونا لازم نہیں ہے، بلکہ حاجت اصلیہ سے زائد کوئی بھی سامان ہو، یا رہائشی مکان سے الگ کوئی مکان ہو یا گھر میں سال بھر کا غلہ رکھا ہو یا ضرورت سے زائد برتن ہوں، ان چیزوں کو ملانے کے بعد نصاب کو پہنچ جاتا ہے، تو اس کو صدقۂ فطر ادا کرنا پڑتا ہے، یہ بات کہاں تک درست ہے مفتی صاحب واضح فرمادیں؟

(۲) اسی میں دوسرا سوال یہ ہے کہ آدمی صدقۂ فطر کے نصاب کا مالک ہے صدقۂ فطر ادا کرنا اس پر لازم ہے مگر نصاب زکوٰۃ کا مالک نہیں ہے، تو صدقۂ فطر کے

نصاب کا جو مالک ہے اس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس کو مع دلیل تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد یعقوب، ناہل، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جی ہاں یہ بات صحیح ہے کہ صدقۂ فطر کے واجب ہونے کیلئے تجارتی سامان اور مال نمو کا ہونا لازم نہیں ہے، بلکہ حاجت اصلیہ سے زائد کوئی بھی چیز ہو اور وہ نصاب کے بقدر ہو جائے، اس کے اوپر صدقۂ فطر کا ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے، مثلاً ضرورت سے زائد کوئی مکان ہے چاہے اسے کرایہ پر دیا ہو یا ایسے ہی خالی پڑا ہو اسی طرح ضرورت سے زائد سردی یا گرمی کے کپڑے ہیں یا اتنا بڑا مکان ہے جس کے چند کمروں میں رہائشی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اور کچھ کمرے رہائشی ضرورت سے بھی زائد ہیں، جنکی قیمت نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے، تو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) جس آدمی کے پاس صدقۂ فطر کے نصاب کے بقدر ضرورت سے زائد سامان ہے مثلاً سردی و گرمی کے کپڑے جو ہر وقت کے استعمال سے زائد ہیں، یا دیہاتی آدمی کے لئے سال بھر کا غلہ ہے اور شہر کے کاروباری آدمی کے پاس ایک مہینہ سے زائد کھانے کا غلہ ہے مثلاً اتنا غلہ موجود ہے، جو دو مہینے تک کھایا جا سکتا ہے، تو ایک مہینہ کا غلہ حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور ایک مہینہ سے زائد غلہ حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہے، اور اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے اسی طرح کوئی پلاٹ پڑا ہوا ہے، چاہے اس پر اپنا مکان بنانے کا ارادہ کیوں نہ ہو، اور اس کی قیمت نصاب سے زائد ہے تو وہ مستحق زکوٰۃ نہیں، اسکو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور نہ ہی اسکے لئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز ہے۔

إذا كان له دار لا يسكنها ويؤاجرها أو لا يؤاجرها يعتبر قيمتها في الغنى، وكذا إذا سكنها وفضل عن سكناه شيئ يعتبر فيه قيمة الفاضل في النصاب. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل فى صدقة الفطر

۱/ ۲۲۷، جدید۱ / ۱٤۱)

هى واجبة على الحر المسلم المالک لنصاب فاضل عن حوائجه الأصلية ، وإن لم يكن نامياً وبه تحرم الصدقة وتجب الأضحية (وتحته فى مجمع الأنهر) وإن لم يكن النصاب نامياً كدارلا تكون للسكنى، ولو كان له دار واحدة يسكنها وفضلت عن سكناه يعتبر الفاضل ، إن كانت قيمته نصاباً وكذا مافضل عن الثلاثة من الثياب للشتاء والصيف ، وعن فرسين للغازي وفرس وحمار للغير . (ملتقیٰ الأبحر مع مجمع الأنهر ، كتاب الصوم ، صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ۱ / ۳۳۵، الفتاویٰ التاتار خانية ،كتاب الصوم ، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر زكريا ديوبند۳/ ٤٥۳ ، رقم: ٤٨٣١، ٤٨٣٢)

ولايجوز دفع الزكاة إلىٰ من يملك نصاباً أي مال كان، دنانير أو دراهم أوسوائم أو عروضاً للتجارة أولغير التجارة فاضلاً عن حاجته فى جميع السنة ، والشرط أن يكون فاضلاً عن حاجته الأصلية وهى مسكنه وأثاث مسكنه ، وثيابه وخادمه ، ومركبه ، وسلاحه ، ولا يشترط النماء إذ هو شرط وجوب الزكاة . (هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب السابع فى المصارف ۱/ ۱۸۹ ، جديد ۱ /۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱۸۵۶/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۲۸ھ

کسی کو زبردستی زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ذات کا فقیر ہے، اس کے ماں باپ مانگتے ، اور قبر کھودتے تھے، اور مردے کو

غسل دینے کا کام کرتے تھے، اور خود بھی کچھ دنوں تک ایسا کیا، لوگ قبرستان میں اناج لے جاتے ہیں، اور زید کو اناج لینے پر مجبور کرتے ہیں، تو کیا زید کیلئے یہ لینا ضروری ہے جبکہ زید لینا نہیں چاہتا ہے؟

(۲) زید نے ایک مرتبہ سوچا کہ میں اگرچہ ذات کا فقیر ہوں لیکن میرے اندر اتنی طاقت ہے کہ میں مزدوری کرسکتا ہوں اور میرے اولاد بھی ہے، اور میں مقروض ہوں، تو کیا اگر مجھے لوگ زبردستی زکوٰۃ صدقات وخیرات وغیرہ دیں تو میرے لئے لینا ضروری ہے، جبکہ میں اسکو لینا نہیں چاہتا؟

المستفتي: محمد ظہور شاہ، سہس پور، علی نگر، ڈ ڈولی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) جب آپ لینا نہیں چاہتے تو لوگوں کو آپ پر زور وزبردستی کرنے کا کوئی حق نہیں، آپ اگر نہ لیں تو آپ پر ملامت کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔

عن عمر و بن يحي المازني عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لاضرر ولاضرار. (موطا للإمام مالك، النسخة الهندية / ٣١١)

(۲) آپ نہ لیں تو لوگوں کو زور دینے کا حق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۹/۴۶۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱/۳۰ھ

استحقاق زکوٰۃ سے متعلق سوالات وجوابات

سوال: [۴۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک خاتون پرائیویٹ اسکول میں ملازمت کرتی ہے، اسکی تنخواہ ۲۴۰۰ر روپئے ہے، اس نے

شوہر پیشہ سے وکالت کرتے ہیں، مگر آمدنی بہت قلیل ہے گھریلو اخراجات میں مختصر تعاون کرتے ہیں، خاتون خود ہی کسی طرح گھریلو اخراجات کو پورا کرتی ہیں، تنگی سے گذر بسر ہوتا ہے، کرایہ کے مکان میں رہتی ہے ۱۵۰۰/سو روپئے ماہانہ کرایہ ادا کرتی ہے، ایک لڑکا ہے جو بیمار رہتا ہے، جس کے علاج میں ۱۱۰۰، ۱۲۰۰/ ماہانہ خرچ ہوتا ہے، اور اسکی تعلیم بھی جاری ہے اس پر بھی رقم خرچ ہوتی ہے۔

اس کے پاس زیور یا از قسم نقد کچھ نہیں ہے، زیور اور تانبے کے برتن فروخت ہو چکے ہیں، اخراجات کی تنگی رہتی ہے اور اپنے ذاتی مکان کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔

مستحق زکوٰۃ ہونے کیوجہ سے دوسروں نے اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جس کو قسطوں سے ادا کر کے اس نے ایک زمین اپنے لڑکے کیلئے (جو کہ خود غریب ہے) مکان بنانے کیلئے خرید لی ہے؟ (ابھی رجسٹری نہیں ہوئی ہے)

قابل دریافت امر یہ ہے کہ کیا اس زمین کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے اس لڑکے پر صدقۂ فطر اور قربانی کا وجوب ہو جائے گا، (جبکہ یہ زمین مکان کیلئے ہے جو حاجت اصلیہ میں سے ہے، اور اس کے پاس کوئی دوسرا مکان نہیں ہے، اپنی والدہ کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے)

یا حاجت اصلیہ میں شمار ہو کر اس کی قیمت محسوب نہ ہوگی، اور اس زمین کیوجہ سے صدقۂ فطر اور قربانی کا وجوب نہ ہوگا، اور یہ زمین مانع اخذ زکوٰۃ بھی نہ ہوگی؟

(۲) زکوٰۃ کی رقم ایسی خاتون یا اسکے لڑکے کو لینا جائز ہے تو علاج اور تعلیم میں تو فوراً روپئے خرچ ہوتے ہیں، مگر مکان بنانے کیلئے روپیہ جمع کرنا پڑے گا، تو کس حد تک جمع ہو جائے، کہ اسکے بعد زکوٰۃ نہ لے؟

(۳) نیز اگر زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہے تو کیا بغیر سوال کئے کوئی دیدے تب ہی لے سکتا ہے، یا اظہار حال اور سوال کرنے کی اجازت ہے؟

المستفتي: نوید احمد، کریلی، الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :(۱) اگر مذکورہ فی السؤال خاتون اوران کے شوہر خاندان سادات سے نہیں تو صورت مسئولہ میں وہ مصارف زکوٰۃ میں سے ہیں، ان کو اگر کوئی زکوٰۃ دیدے تو اس کو قبول کرکے اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہے، بقدر ضرورت زمین برائے مکان کی قیمت محسوب کرنے سے زکوٰۃ وقربانی کا وجوب نہیں کیونکہ یہ زمین حاجت اصلیہ میں شمار ہے۔

ھکذا فی رد المحتار تحت (قوله وفارغ عن حاجته الأصلية الخ.) كالنفقة ودور السكنىٰ. (الدر مع الرد، زکریا دیوبند۳/۱۷۸، کراچی ۲/۲۶۲)

(۲) برائے مکان اس مقدار میں زکوٰۃ لے کہ نصاب کی مقدار سے کم رہے، جب وہ مکان میں صرف ہوجائے تو پھر اتنی مقدار لے کہ نصاب کو نہ پہونچے اسی طرح مکان بنالے۔

(۳) بغیر مانگے کوئی دیدے تو اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہے یا کمانے پر قادر ہے، ایسے شخص کو سوال کرنا جائز نہیں، فضائل صدقات میں اس کی تفصیلات کو ملاحظہ کرلیا جائے، اس کے بعد کچھ معلوم کرنیکی ضرورت ہو تو سوال کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: محمود حسن غفرلہ بلندشہری
۱۴۲۸/۵/۵ھ
(فتویٰ: ۵۶۱ھ)

دارالإفتاء مدرسہ اسلامیہ عربیہ وصیۃ العلوم الہ آباد کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

حامداً ومصلیاً ومسلماً : صورت مسئولہ میں دارالعلوم دیوبند سے جو فتویٰ دیا گیا ہے، اس میں تسامح ہے، کیونکہ مذکورہ زمین سے مستفتی کا تعلق نہ تو سکونت کے اعتبار

سے ہے، کہ اس کو دار سکنی کا مصداق قرار دے کر حاجت اصلیہ میں شمار کیا جائے، اور نہ ہی اس زمین سے مستفتی کا تعلق نفقہ کے اعتبار سے ہے، (مثلاً اس کو کرائے پر دے رکھا ہو اور اس کی آمدنی اپنی ضروریات میں صرف کر رہا ہو) کہ اس کو نفقہ کا مصداق قرار دے کر حاجت اصلیہ میں شمار کیا جائے، بلکہ حقیقی صورت یہ ہے کہ مستفتی مستقبل میں اس زمین پر مکان بنا کر سکونت اختیار کرنے کا عزم و ارادہ رکھتا ہے، اور مستقبل کی ضروریات حاجت اصلیہ میں شرعاً شامل نہیں۔ (مثلاً اگر کسی کے پاس رہنے کے لئے مکان نہ ہو اور کرائے کے مکان میں رہتے ہوئے اپنی آمدنی سے تھوڑا تھوڑا پس انداز کر کے مکان بنانے کے لئے بقدر نصاب رقم جمع کر لے تو اس پر شرعاً صدقۂ فطر و قربانی واجب ہو جاتی ہے، اور سال گذرنے پر زکوٰۃ بھی واجب ہو جاتی ہے، اور یہ شخص مصرف زکوٰۃ بھی نہیں رہتا حالانکہ اس کی رقم مستقبل میں مکان بنانے کی ضرورت سے ہے اس لئے بندہ کے نزدیک صورت مسئولہ کا صحیح جواب یہ ہے کہ مستفتی پر صدقہ و قربانی واجب ہوگی اور زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا، جس کی تائید مندرجہ ذیل فقہی عبارات اور فتاوے سے ہوتی ہے۔

فقهی عبارات: (۱) أما الغنا الذی يحرم به أخذ الصدقة وقبولها فهو الذي تجب به صدقة الفطر والأضحية وهو أن يملك من الأموال التی لاتجب فيها الزكوٰة ما يفضل عن حاجته وتبلغ قيمة الفاضل مائتي درهم من الثياب والفرس والدور والحوانيت والدواب والخدم زيادة على مايحتاج إليه كل ذلک للابتذال والاستعمال لا للتجارة والإسامة، فإذا فضل من ذلک مايبلغ قيمته مائتي درهم وجب عليه صدقة الفطر والأضحية وحرم عليه أخذ الصدقة. (بدائع الصنائع، ۲/۱۵۸، جدید زکریا دیوبند)

(۲) الحاجة الأصلية هی مايدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنىٰ وآلات الحرث والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد أو تقديرا كالدين فإن المديون محتاج إلىٰ قضاءه بما فی يده من النصاب دفعاً عن نفسه الحبس الذی هو كالهلاک. (قواعد الفقه/۲۵۷)

(۳) فالأولىٰ التوفيق بحمل مافی البدائع وغيرها على ماإذا أمسكه

لینفق منه کل مایحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه یزکي ذلک الباقی، وإن کان قصده الإنفاق منه أیضافی المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلیٰ حوائجه الأصلیة وقت حولان الحول الخ. (شامی، مطبوعه مکتبه زکریا دیوبند ۳/۱۷۹، کراچی ۲/۲۶۳)

(۴) ولو له عقار یستغله فقیل تلزم لو قیمته نصابا وقیل لو یدخل منه قوت سنة تلزم وقیل قوت شهر فمتیٰ فضل نصاب تلزمه. (شامی، ۹/۴۵۲)

فتاوے: (۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امدادالفتاویٰ ۲/۳۰ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں، روایات مذکورہ سوال سے توزیادہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔۔۔۔مگراس میں قدرے تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اگراس عقار سے یہ شخص استغلال نہیں کرتا تب تو خوداس کی قیمت کا اعتبار ہے پس اگروہ فاضل عن حاجتہ الاصلیہ قیمت بقدرنصاب ہے،تو مانع اخذ زکوٰۃ اورموجب فطرواضحیہ ہے الخ۔

(۲) نیز امدادالفتاویٰ ۲/ ۲۹ پر ہے،**سوال** :ایک شخص کے پاس دوسوروپئے نقد ہیں، جن پرسال گزرگیاہے،مگراس خیال سے جمع کررکھے ہیں کہ اپنے رہنے کے واسطے مکان خریدے یعنی اس کے پاس رہنے کے واسطے مکان نہیں ہے، بلکہ اپنی ہمشیرہ کے مکان میں قیام پذیر ہے، نیزاس پرقرض بھی نہیں ہے،لہٰذااس صورت میں زکوٰۃ دینی ہوگی یانہیں؟

الجواب: اس میں اختلاف ہے،مگرراجح وجوب زکوٰۃ ہے۔

(۳) فتاویٰ رحیمیہ ۲/۸۸ پرجناب مفتی عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔اپنا گھر چاہے کرایہ پردیاہو یامفت یاخالی پڑاہوا اورخوددوسرے مکان میں کرایہ پررہتاہو یامفت ہرایک صورت میں قربانی اورفطرہ کے متعلق مالداری میں اس مکان کی قیمت کا اعتبارہوگا،کیونکہ یہ مکان فی الحال حاجت اصلیہ سے زائد ہے۔فقط ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: (المفتی) محمدضیاءالدین القاسمی عفی عنہ
دارالافتاء: مدرسہ اسلامیہ عربیہ وصیۃ العلوم
۲۳/۳۵ بخشی بازار، روشن باغ، الہ آباد

دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال اوراس کا جواب جو دارالعلوم کی طرف سے دیا گیا ہے، اورآنجناب کی طرف سے دیا گیا ہے، سب چیزوں پرنظر ڈالی گئی حاصل یہ ہے کہ سوال نامہ میں مکان تعمیر کیلئے بمشکل وہ زمین خرید کرڈال دی گئی ہے جس پر مکان بنانے ہی کا ارادہ ہے وہ زمین افتادہ زمین کے درجہ میں ہےاور افتادہ زمین کی وجہ سے زکاۃ ،صدقۂ فطر، اوراضحیہ لازم نہیں اور مال کے اعتبار سے وہ زمین رہائشی مکان بنانے کیلئے ہے جوحاجت اصلیہ کے دائرے میں داخل ہے، اور افتادہ زمین کے بارے میں امدادالاحکام (۳/ ۴۵) میں وضاحت سے لکھا گیا ہے، کہ اگر ہزار بیگھہ بھی ہوتب بھی اس پرزکاۃ واجب نہیں ہے، اورزکاۃ لے کر اپنی ضرورت پوری کرنے کی اجازت ہے، اورآنجناب نے جو امدادالفتاویٰ کا حوالہ پیش کیا ہےاس میں غورکرنے کی ضرورت ہے، اگرزمین ایسی ہے کہ جس سے آمدنی ہوتی ہے جواپنے اوراہل وعیال کے خرچ سے بچتی نہیں ہے، تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کے لئے زکاۃ سے ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے ، حضرت تھانویؒ نے یہ جو لکھا ہے، کہ اگراس عقار سے وہ شخص استغلال نہیں کرتا تو خود اسکی قیمت کا اعتبار ہےاس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی جگہ کہ جس سے آمدنی حاصل کی جاسکتی ہے،مگر پھر بھی اس سے آمدنی حاصل نہیں کی جارہی ہے، ایسے ہی فالتو میں ڈال رکھا ہے، نہ یہ کہ مکان بنانے کیلئے جوزمین خرید کرڈال دیا ہے اس کی قیمت کا اعتبار ہے، اسلئے کہ وہ زمین قابلِ استغلال اورقابلِ آمدنی ہی نہیں ہے، اس لئے سوال مذکورمیں مکان بنانے کیلئے جس زمین کا ذکر ہے وہ زمین یاتو افتادہ زمین کے حکم میں ہوگی یا ایسے دارسکنیٰ کے حکم میں ہوگی جس کا کل حصہ استعمال میں نہیں آرہا ہے، بلکہ بعض حصہ فالتو پڑا ہوا ہے، تو ایسے مکان اور ایسی زمین کے بارے میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے،

کہ اس پر زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے، اور اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے بقدر ضرورت زکاۃ لینا بھی جائز ہے، اسی قول پر فتویٰ ہے اسلئے آنجناب کا لکھا ہوا جواب اور دار العلوم کا لکھا ہوا جواب دونوں میں سے دار العلوم کا فتویٰ صحیح ہے اب آنجناب کی تشفی کے لئے حکم مذکور کے مطابق چند جزئیات پیش خدمت ہیں، ممکن ہے کہ ان جزئیات سے آپ کا اشکال دور ہو جائے۔

وفيها عن الصغرىٰ له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لايسكن الكل يحل له أخذ الصدقة في الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف و لاتكفي لنفقته و نفقة عياله سنة يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفاً وعليه الفتوىٰ. (شامی ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية كراچی ٢/٣٤٨، زكريا ٣/٢٩٦)

وإذا كانت له دار يسكنها تحل له الصدقة، وإن لم تكن الدار جميعا مستحقة بحاجته بأن كان لايسكن الكل وهو الصحيح . (التاتارخانية كتاب الزكاة ، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند ٣/ ٢١٥، رقم: ٤١٦٢ ، كوئٹه ٢ /٢٧٦)

سئل محمد بن الحسن عمن له أراضي يزرعها أو حانوت يستغلها وفي الخانية أو دار غلتها تساوي ثلاثة آلاف قال إن كان غلتها تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة لايحل له أخذ الزكاة ، وإن كانت غلتها لاتكفي لنفقته ونفقة عياله سنة ، قال محمد يحل له أخذ الزكاة ، وإن كان قيمتها يبلغ ألوفاً وفي الفتاوى العتابية وعليه الفتوىٰ . (تاتارخانية ، كتاب الزكاة ، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة زكريا ديوبند ٣/٢١٦، رقم: ٤١٦٧ ، كوئٹه ٢/٢٧٧)

لوكان له حوانيت أو دار غلة تساوي ثلاثة آلاف درهم وغلتها لاتكفي لقوته وقوت عياله يجوز صرف الزكاة إليه في قول محمد رحمه

اللہ تعالیٰ. (خانیه علی هامش عالمگیری، کتاب الزکاة، فصل فیمن توضع فیه الزکاة، زکریا دیوبند ۱/ ۲۶۶، جدید ۱/ ۱۶۳، عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۹، جدید ۱/ ۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۵۲)

صدقات واجبہ کے مصارف

سوال: [۴۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) صدقات واجبہ، فطرہ، زکوٰۃ، صدقہ (چرم قربانی یا اس کی قیمت) وغیرہ کا مصرف کون ہیں؟ کیا تملیک ادائیگی کیلئے ضروری ہے؟

(۲) اگر کچھ لوگوں نے مل کر کوئی تنظیم ایسی قائم کر رکھی ہے، کہ وہ مجموعی طور پر اس طرح کی رقوم جمع کر کے اس کو صحیح مصرف پر خرچ کرتے ہیں، مثلاً غریب لڑکیوں کی شادی، بیوہ یا بے سہارا مستحق افراد، غریب ونادار طلبا وغیرہ، کیا اس تنظیم کے سربراہ ذمہ دار کو وہ رقم فوراً خرچ کرنا ضروری ہے یا اگر کچھ وقت مناسب موقع محل کے انتظار میں گذرے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے؟

(۳) کیا جمع شدہ رقم کو کسی غریب مستحق کو دیتے وقت یہ ضروری ہے کہ اس کو بتایا جائے کہ زکوٰۃ یا صدقہ سے ہم امداد کر رہے ہیں، اگر قرض کے نام سے دیا اور حقیقت میں وہ زکوٰۃ کی رقم ہے اب اگر وہ قرض جان کر رقم کو واپس کرتا ہے، تو کیا وہ رقم کسی دوسرے مستحق کو اسی طرح دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ قرض کے نام پر دی گئی رقم کو اس نے نہیں لوٹایا تو زکوٰۃ یا صدقات ادا ہونگے یا نہیں؟

(۴) کیا جمع شدہ رقم کو تنظیم اپنے کسی استعمال میں لاسکتی ہے جبکہ رقم کی واپسی شرط ہو؟

المستفتی: محمد احمد، فیل خانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقات واجبہ،فطرہ،زکوٰۃ کے مصارف قرآن کے بیان کردہ اصول کے مطابق آٹھ ہیں،فقیر،مسکین ،حکومت اسلام کی شرط کیساتھ عامل ، جوغلام بدل کتابت ادا کرکے آزاد ہونا چاہے اس کے بدل کتابت کی ادائیگی کیلئے جواس وقت دنیامیں موجودنہیں ، مقروض ، اللہ کے راستہ میں نکلنے والا جیسے مجاہد فی سبیل اللہ ، ابن السبیل یعنی مسافرکہ جو حالت سفر میں صاحب نصاب نہ ہو ، مؤلفۃ القلوب ،تالیف قلب کیلئے جن کےاسلام کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں لیکن اب تالیف قلب کیلئے زکوٰۃ دینے کاحکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنَ السَّبِيْلِ . (سورة توبه: ۶۰)

فهذه ثمانية أصناف وقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لأن الله أعز الإسلام وأغنىٰ عنهم وعلىٰ ذلك انعقد الإجماع . (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز ، اشرفيه ديوبند ۱/۲۰۴)

عن ابن سيرين عن عبيدة قال : جاء عيينة بن حصن والأقرع بن حابس إلى أبي بكر رضى الله عنه ،فقالا : يا خليفة رسول الله ﷺ! إن عندنا أرضاً سبخة ليس فيها كلأ ولامنفعة ، فإن رأيت أن تقطعناها لعلنا نزرعها ونحرثها، فذكر الحديث فى الإقطاع و إشهاد عمرؓ عليه ومحوه إياهُ ، قال: فقال عمر رضى الله عنه : إن رسول الله ﷺ كان يتألفكما ، والإسلام يومئذ ذليل ، وإن الله قد أعز الإسلام ، فاذهبافاجهدا جهدكما ، لا أرعى الله عليكما إن رعيتما ، ويذكر عن الشعبى أنه قال: لم يبق من المؤلفة قلوبهم أحد، إنما كانوا على عهد رسول اللهؐ ، فلما استخلف أبو بكر رضى الله عنه انقطعت الرشا، وعن الحسن قال: أما المؤلفة قلوبهم فليس اليوم . (السنن

الکبریٰ للبیهقی، کتاب قسم الصدقات باب سقوط سهم ، المؤلفة قلوبهم ..... دارالفکر ۱۰/ ۱۱۳، رقم:۱۳٤٦٤، ١٣٤٥٦، ١٣٤٦٦)

عن عامر ، قال: إنما كانت المؤلفة قلوبهم على عهد رسول الله ﷺ، فلما ولي أبوبكر انقطعت . (المصنف لابن أبي شيبة ، الزكاة ، فی المؤلفة قلوبهم يوجدون اليوم أو ذهبوا ، مؤسسه علوم القرآن ۶۹/۷، رقم: ۱۰۸٦٤)

صدقہ نافلہ مذکورہ مصارف کے علاوہ مالدار کو بھی دے سکتا ہے، کیونکہ یہ اس کیلئے ہبہ کے درجے میں ہوگا۔

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني لأنها تجرى مجرى الهبة . (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ ، باب مصارف الزکاۃ زکریا دیوبند ۱۵۷/۲)

چرم قربانی فروخت کرنے سے پہلے خود بھی استعمال کرسکتا ہے، اور اغنیاء کو ہدیۃً بھی دے سکتا ہے، اور فقراء ومساکین پر صدقہ کرسکتا ہے، لیکن اگر روپیہ پیسوں کے عوض فروخت کردیا تو خواہ کسی نیت سے فروخت کیا ہو اس کا صدقہ کردینا واجب ہے، اور اس کا مصرف صرف فقراء ومساکین ہیں۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۴۵۷)

يتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب . (هندیه جدید ۳٤٧/٥، کتاب الأضحية الباب السادس في بيان ما يستحب فی الأضحية ، والانتفاع بها زکریا دیوبند قدیم ۳۰۱/۵، تبيين الحقائق ، کتاب الأضحية مکتبه امدادیه ملتان٨/٦)

اور مستحق کو ملکیت دینے کا نام تملیک ہے اور یہی سب میں شرط ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا وفى الشامية : فلا يكفى فيها الإطعام إلا بطريق التمليك . (درمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۳٤٤/۲، زکریا۳/ ۲۹۱)

(۲) تنظیم کی شکل ہندوستان جیسے ممالک میں کامیاب نہیں ہے ، اگر اہل تنظیم ان پیسوں میں خورد برد کردیں تو ان پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا ہے، اور ایسی تنظیم قائم کرنے

والے عام طور پر خداترس اور متبع شریعت متقی لوگ نہیں ہوتے ہیں، اور ایسے متبع شریعت لوگ اس قسم کی ذمہ داری اس ملک میں لینے کیلئے تیار نہیں ہیں، اس لئے ایسی تنظیم قائم کرنا ہندوستان جیسے ممالک میں زکوٰۃ کی رقم کو خطرہ میں ڈالنا ہے، اس لئے مدارس دینیہ کے علاوہ اگر دیگر مستحق فقراء کو زکوٰۃ کی رقم دینا ہے، تو اہل خیر حضرات براہ راست فقراء کو مالک بنادیں، درمیان میں واسطہ نہ بنائیں، ہاں البتہ مدارس دینیہ میں سفراء وغیرہ کے واسطے سے مدارس میں زکوٰۃ کی رقم پہونچانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں کوئی خرد برد نہیں ہوسکتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے اور ہندوستان کے مدارس اسی طرح چل رہے ہیں۔

(۳) زکوٰۃ کا پیسہ غریب مستحق کو دیتے وقت یہ بتلانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ یا صدقہ کی رقم ہے، البتہ بتلانا اولیٰ اور بہتر ہے۔

إذا أراد الرجل أداء الزكاة الواجبة قالوا: الأفضل الإعلان والإظهار. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/۱۷۱، جديد ۱/۲۳۳، خانيه على هامش الهنديه، كتاب الزكاة، فصل في أداء الزكاة زكريا ۱/۲۶۰، جديد ۱/۱۶۰)

قرض کے نام سے جو رقم دی ہے، اور زکوٰۃ کی نیت سے دی ہے، اگر وہ واپس کرتا ہے، تو اس کا واپس لینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ کہدے کہ میں نے معاف کردیا ہے۔ (مستفاد ایضاح المسائل/۱۱۳)

قرض کے نام پر جو رقم دی گئی ہے، وہ زکوٰۃ دیتے وقت ادا ہوگئی۔

ومن أعطىٰ مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوىٰ الزكاة فإنها تجزيه وهو الأصح. (عالمگيرى، كتاب الزكاة، الباب الأول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/۱۷۱، جديد ۱/۲۳۳)

(۴) اسی وجہ سے مدزکوٰۃ کیلئے تنظیم قائم کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ تنظیم فقراء کو چھوڑ کر اپنے اغراض ومقاصد میں خرچ کرنا شروع کردے گی، اس لئے ہندوستان جیسے

ممالک میں مدز کوٰۃ کیلئے تنظیم کی اجازت نہیں ہے، اور متعدد تنظیموں کے بارے میں معلومات حاصل ہوچکی ہیں، کہ مدز کوٰۃ کی رقم جمع کرنے کے بعد وہ رقم دوسرے اغراض میں ذمہ داران اپنے مفاد میں معمولی معمولی بہانہ سے خرچ کردیتے ہیں، یا غبن کرکے بیٹھ جاتے ہیں، اس لئے ایسی تنظیم قائم کرنیکی اجازت ہی نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۷۷ ۶۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲ھ

رشتہ داروں اور طلباء مدارس کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہت دقت محسوس ہونے لگی ہے، چاہتا ہوں کی پڑوسیوں میں، رشتہ داروں میں جو غریب ہیں ان کو دوں مدارس اسلامیہ میں نہ دوں نہ معلوم مدرسہ والے کیسے کرتے ہوں گے، تملیک کرتے ہیں، اور نہ معلوم کیا کیا کرتے ہیں تو آپ سے شریعت مطہرہ کی روشنی میں مشورہ طلب ہے میں کیا کروں؟

المستفتي: عبدالکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کو اختیار ہے چاہے مدارس کو دیں یا غریب پڑوسیوں کو دیں، نیز طالبان دین اور غریب رشتہ داروں کو دینے میں ڈبل ثواب ملتا ہے مدارس کے طلبہ کیلئے دینے میں ایک ثواب اداء زکوٰۃ کا اور ایک ثواب خدمت دین کا ملتا ہے، اور غریب رشتہ دار کو دینے میں ایک ثواب اداء زکوٰۃ کا اور ایک ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲)

عن سلمان بن عامر الضبي، قال: قال رسول اللہ ﷺ: الصدقة على المسكين صدقة، وعلى ذى القرابة اثنتان، صدقة وصلة. (سنن ابن ماجه، الزكاة، باب فضل الصدقة، النسخة الهندية ١/ ١٣٢، دارالسلام رقم: ١٨٤٤، صحيح ابن

خزیمه ، المکتب الإسلامي ۲/۹۹۴، رقم: ۲۰۶۸، ۲/۱۱۴۸، رقم: ۲۳۸٤، المعجم الکبیر للطبرانی ، دار احیاء التراث العربي ۵/۱۰۱، رقم: ٤۷۲۳)

التصدق علی الفقیر العالم أفضل من التصدق علی الجاهل . (هندیه ، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف ۱/۱۸۷، جدید ۱/۲٤۹، شامی، کتاب الزکاة ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۳۰٤، کراچی ۲/۳۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۴۲)

صاحب نصاب اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اعزاء واقرباء میں پڑوسیوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے پاس تھوڑا بہت سونا چاندی ہوتا ہے، یعنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو کیا ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبدالکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اعزاء واقرباء میں سے جو لوگ صاحب نصاب ہیں، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو، عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني ولالذی مرة . (مسند احمد بن حنبل، ۲/۱٦٤، رقم: ٦۵۳۰، ۲/۱۹۲، رقم: ٦۷۹۸)

ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أی مال کان الخ. (درمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف ، قبیل مطلب في جهاز المرأة هل تصیر به غنیة ، زکریا دیوبند۳/۲۹۵، کراچی ۲/۳٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۴۲)

کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

سوال: [۴۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنی خالہ اپنے چچا کے بچوں اور ماموں کے بچوں اپنی بہنوں کے بچوں اپنی لڑکی کے بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا ناجائز؟

نوٹ: میرے لڑکے کی زکوٰۃ اس کی پھوپھی کے بچوں پر یا میرے چچا کے بچوں کے اوپر جو کہ لڑکے کے بڑے دادا ہوتے ہیں، اور میری خالہ کے اوپر جو کہ میرے لڑکے کی دادی ہوتی ہیں کے بچوں پر زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: غلام صابر، محلّہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے اصول وفروع کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دو ثواب ملیں گے۔(۱) زکوٰۃ کا ثواب۔(۲) صلہ رحمی کا ثواب۔

لہٰذا اپنی خالہ، چچا، ماموں، اور بہنوں کے بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، نیز پھوپھی کے بچے یا آپ کے چچا کے بچے کو آپ کے لڑکے کی زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ ان میں کوئی اصل یا فرع نہ ہو، اپنی لڑکی کے بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

عن سلمان بن عامرؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن الصدقة على المسكين صدقة و على ذی الرحم اثنتان صدقة وصلة. (سنن النسائی، كتاب الزكاة، باب الصدقة على الأقارب، النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دارالسلام رقم: ۲۵۷۸، سنن ابن ماجه، الزكاة، باب فضل الصدقة، النسخة الهنديه ۱/۱۳۲، دارالسلام رقم: ۱۸۴۴)

ولا يدفع المزكی زكوٰة ماله إلى أبيه وجده وإن علاء ولا إلى ولده وولد ولده وإن سفل الخ. (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن

لايجوز ، اشرفيه ديوبند ١/ ٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۷۸)

زکوٰۃ کا طریقہ اور رشتہ داروں یا کنبہ کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے؟

(۲) کیا زکوٰۃ کا پیسہ اپنے رشتہ داروں یا کنبہ کے لوگوں میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں؟

المستفتي: نور الاسلام، سیدھی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) زکوٰۃ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ نصاب پر سال گذرنے کے بعد چالیسواں حصہ نکال کر غریب فقیر مسکین کو ثواب اور فرض کی ادائیگی کی نیت سے دیدیا جائے۔

(۲) زکوٰۃ اپنے اصول وفروع کو نہیں دے سکتے ہیں، ان کے علاوہ بھائی بہن اور چچا پھوپھی اور ماموں خالہ اور ان کی اولاد کو دینے سے دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (۱) صلہ رحمی کا۔ (۲) زکوٰۃ کی ادائیگی کا۔

عن سلمان بن عامر ، عن النبي ﷺ قال: إن الصدقة على المسكين صدقة ، وعلى ذي الرحم اثنتان : صدقة وصلة . (سنن النسائي، الزكاة ، الصدقة على الأقارب ، النسخة الهندية ١/ ٢٧٨، دار السلام رقم: ٢٥٨٣، سنن الترمذي ، الزكاة، باب فضل الصدقة على الأقارب ، النسخة الهندية ١/ ١٤٢، دار السلام رقم: ٦٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱۱/ ۱۴۱۷ھ

زکوٰۃ کی رقم سے بیٹے کا قرض ادا کرنا

سوال: [۴۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بیوہ عورت نے اپنے لڑکے کے واسطے کاروبار کئی مرتبہ کروایا جبکہ بیوہ کا ذریعۂ معاش صرف مکان کا کرایہ ہے اس بیوہ کا مکان کافی بڑا ہے، کرایہ بھی اچھا آتا ہے، اور اس کا بینک بیلنس بھی کافی ہے، اس کا لڑکا صوم وصلوٰۃ کا اس وقت پابند ہے وہ بیوہ چاہتی ہے کہ اپنے فرزند کا قرضہ اپنے روپئے سے اتاردے اس بیوہ پر زکوٰۃ کا روپیہ واجب ہے، جو کہ ابھی تک کسی وجہ سے ادا نہیں ہوسکا تھا، اور اس کے لڑکے پر قریب ۱۴/ ہزار روپیہ کا قرضہ ہے جس کی وجہ سے لڑکا کافی پریشان ہے، جناب عالی سے مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے، کہ کیا وہ بیوہ عورت اپنے فرزند کا قرضہ اپنے اس زکوٰۃ کے روپیہ سے ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتی ہے تو کس طریقہ سے؟ یہ نہایت ہی ضروری بات ہے، چونکہ اب اس بیوہ عورت کا فرزند مکمل طریقہ سے اللہ کے حکم پر اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر گامزن ہے۔ لہٰذا مفصل جواب سے نوازیں آپ کا کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد شان الٰہی، فیل خانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین کا اپنے اصول وفروع کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، لہٰذا بیوہ ماں کا اپنے لڑکے کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، لہٰذا مذکورہ صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے بیٹے کا قرضہ ادا کرنا ہرگز جائز نہیں۔

ولا يدفع المزكي زكاة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا، ولا إلىٰ ولده

وولد ولده وإن سفل الخ . (هدايه ، كتاب الزكاة ، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز ، اشرفيه ديوبند ١/٢٠٦)

ولايدفع إلىٰ والده وإن علا ، ولا إلىٰ ولده وإن سفل ، لأنه ينتفع بملكه فكان الدفع إليه دفعاً إلىٰ نفسه من وجه فلا يقع تمليكامطلقاً . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل فى ركن الزكاة، زكريا ديوبند ٢/ ١٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۳۸/۳۴)

اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا باپ اپنی لڑکی یا لڑکے کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

المستفتي: عبداللہ، تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی لڑکی یا لڑکے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

عن ابن عباسؓ قال: لابأس أن تجعل زكاتك في ذوي قرابتك ، مالم يكونوا في عيالك . (المصنف لابن أبي شيبة ، الزكاة، ماقالوا فى الرجل يدفع زكاته إلى قرابته، مؤسسه علوم القرآن ٦/٥٤٣، رقم: ١٠٦٣٣ ، مصنف عبد الرزاق ، الزكاة، باب لمن الزكاة ، المجلس العلمي ٤/١١٢، رقم: ٧١٦٣)

ولايدفع المزكي زكاة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا، ولا إلىٰ ولده

وولد ولده وإن سفل الخ . (هدایه ، کتاب الزکاة ، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، اشرفیه دیوبند ١/ ٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/۴/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۴/۱۴۱۵ھ

بیٹی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیٹی شادی شدہ ہے لیکن غریب ہے مستحق زکوٰۃ ہے زید تو اپنی زکوٰۃ بیٹی کو نہیں دے سکتا ہے، داماد شرابی اور جواری ہے اس لئے داماد کو نہیں دے سکتا ہے، زید کا ایک لڑکا شادی شدہ ہے، زید نے اپنی زکوٰۃ اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر دے دیئے کہ ان پیسوں کو کسی مستحق زکوٰۃ کو دے دینا، اس لڑکے نے وہ پیسے اپنی بہن یعنی زید کی لڑکی کو دے دیئے کیا زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟ شریعت کی روشنی میں جواب چاہئے؟

المستفتي: سعید احمد، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے بیٹے کو اداءِ زکوٰۃ کا وکیل بنایا اور بیٹے نے زکوٰۃ کی رقم اپنی بہن کو دیدی تو اس سے باپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کی رقم بیٹی کو ملی ہے اور ایسا بالقصد ہوا ہے، اور بیٹی کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

ولا یعطی للولد. (هندیه ، زکریا دیو بند١/ ١٨٨، جدید١/ ٢٥٠، کتاب الزکاة الباب السابع فی المصارف)

ولا إلیٰ من بینهما ولاد. (شامی، کراچی ٢/ ٣٤٦، زکریا٣/ ٢٩٤)

إن کل ماجاز للإنسان أن یتصرف بنفسه جاز له أن یؤکل غیره .

(الفقه علی المذاهب الأربعة ، دارالفکر ۳/ ۱۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ر شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

بیٹے کا باپ کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر دونوں نے ایک بزنس کی جس میں کچھ رقم اپنے پاس سے اور کچھ رقم قرض لیکر لگائی، بزنس چل رہی ہے، اور فائدہ بھی ہورہا ہے، مگر یہ لوگ قرض ادانہیں کرسکتے کیونکہ قرض ادا کرنے کی صورت میں بزنس بند ہوسکتی ہے، لیکن یہ دونوں اپنا قرض فائدے سے مجریٰ کرکے باقی فائدے کی سالانہ زکوٰۃ نکالتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کہ زید کا باپ کافی قرض دار ہے، یہاں تک کہ اس پر کچھ قرض تو بیاج کا ہے جس کے ادا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، اور قرض بڑھتا ہی چلا جارہا ہے، اور زید بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے، کہ باپ کا قرض ادا کرسکے، لہٰذا زید اور بکر اپنی بزنس کے فائدے میں سے جو زکوٰۃ نکالتے ہیں اس سے زید کے باپ کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر قرض دیا جائے تو اس صورت میں زید اور بکر کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: مہندی حسن، نئی بستی، جسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں زید کیلئے اپنے باپ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، البتہ زید کے شریک کیلئے اپنے حصۂ زکوٰۃ کو الگ کرکے اس سے زید کے باپ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، جبکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو۔

ولا إلیٰ من بینهما ولاد أی بینه وبین المدفوع إلیه لأن منافع الأملاک بینهم متصلة فلا یتحقق التملیک علی الکمال الخ. (شامی،

کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٦، زکریا ۳/۲۹۳)

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه . (درمختار مع الشامی ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤۳، زکریا۳/۲۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رشعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۸۱)

فقیر خسر کو داماد زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا سسر باحیات ہے لیکن سسر بہت غریب ہے اسلئے کہ جو کام کرتے تھے، وہ کام وغیرہ بھی بہت دنوں سے نہیں چل رہا ہے، جس کی بنیاد پر وہ مفلسی میں مبتلا ہے اسلئے ان کا داماد ان کو اپنی زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتا ہے تو اس کی کیا مقدار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید کا خسر مفلس اور مستحق زکوٰۃ ہے تو زید کیلئے ان کو اپنی زکوٰۃ دینا جائز اور درست ہے اسلئے کہ زید کا خسر اصول یا فروع میں داخل نہیں ہے، بشرطیکہ زید کا خسر سید نہ ہو لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مقدار نصاب یا اس سے زائد زکوٰۃ نہ دی جائے، ورنہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورۃ توبہ : ٦٠)

عن سلمان بن عامر الضبي، قال : قال رسول الله ﷺ : الصدقة على المسكين صدقة ، وعلى ذى الرحم اثنتان ، صدقة وصلة . (مسند الدارمي، دار المغني ۲/۱۰٤٦، رقم: ۱۷۲۲، سنن الترمذی ، الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة ، النسخة الهندية ١/١٤٢، دارالسلام رقم: ٦٥٨)

مصرف الزكوٰة والعشر هو فقير وهو من له أدنىٰ شيئى أى دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق فى الحاجة . (درمختار مع الشامى ، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچى ٢/٣٣٩، زكريا٣/٢٨٤)

ولا يدفع المزكى زكوٰة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا، ولا إلىٰ ولده وولد ولده وإن سفل . (هدايه ، كتاب الزكاة ، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز ، اشرفيه ديوبند ١/٢٠٦)

ولاتدفع إلىٰ بنى هاشم لقوله عليه السلام ، يابنى هاشم إن الله حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم . (هدايه ، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز ، اشرفيه ديوبند١/٢٠٦)

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر . (درمختار مع الشامى ، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند٣/٣٠٣، كراچى ٢/٣٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١/ جمادی الثانیہ ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٨٨٦٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٦/٦/٢٣ھ

مالدار والد کی غریب اولاد کو زکوٰۃ دینا

سوال: [٤٣٣٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر ایک دولت والا ہے، بکر کے بچے بھی ہیں، عاقل بالغ ہیں، بچے غریب ہیں، باپ مالدار ہے، کیا بکر کے ان بچوں کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، کھتولی، مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: صاحب دولت کی بالغ غریب اولاد کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز اور درست ہے۔

فإن كان الابن كبيراً جاز الخ. (خانيه على هامش الهنديه، كتاب الزكاة،

فصل فيمن توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند١/٢٦٦، جديد١/١٦٣)

بخلاف ماإذا كان كبيراً فقيراً ، لأنه لا يعد غنياً بيسار أبيه وإن كانت نفقته عليه. (هداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، اشرفيه ديوبند١/٢٠٦، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه امداديه ملتان ٣٠٣/١، زكريا ديوبند٢/١٢٥، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف دارالكتاب ديوبند/٧٢٠)

بخلاف الكبير فإنه لا يعد غنياً بغنى أبيه الخ. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند٣/٢٩٩، كراچى ٢/٣٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۶۹/۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۶/۲۰ھ

دولت مند شخص کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک دولت مند شخص ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، لیکن زید غلط راستے پر گامزن ہے، اس کے نتیجے میں وہ اپنے بچوں اور بیوی کی طرف بالکل آنکھ بند کیے ہوئے ہے، ایسے حالات میں جبکہ یہ چھوٹے چھوٹے بچے اور ان کی والدہ اپنے ذاتی نفقات میں پریشان ہیں، کیا زکوٰۃ کا پیسہ ان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، کھتولی، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صاحب دولت کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر بیوی فقیر اور نادار ہے تو بیوی کو دینا جائز اور درست ہوسکتا ہے۔

وإنما منع من الدفع لطفل الغنى لأنه يعد غنياً بغناء أبيه الخ.

(البحرالرائق، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف زکریا۲/۴۲۹)

ولا يجوز إلیٰ صغير والده غنی الخ. (قاضيخان علی هامش الهنديه، كتاب الزكاة ، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند ۱/۲۶٦، جديد ۱/۱٦۳)

ويجوز دفع الزكوٰة إلیٰ فقيرة زوجها موسر فی قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ فرض لها النفقة أولم تفرض الخ . (قاضيخان علی هامش الهندية ، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة ، زكريا ديوبند۱/۲٦٦، جديد ۱/۱٦۳، طحطاوی علی المراقی ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، دارالكتاب ديوبند /۷۲۰، قديم /۳۹۳)

لايعد غنياً إلى قوله ولا الزوجة بغنی زوجها الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۳/۲۹۹، كراچی ۲/۳۵۰)

ولا إلیٰ ولد غني إذا كان صغيراً لأنه يعد غنياً بمال أبيه .... بخلاف امرأة الغني لأنها و إن كانت فقيرة ، لا تعد غنية بيسار زوجها وبقدر النفقة لاتصير موسرةً . (هداية ، كتاب الزكاة ، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز ، اشرفيه ديوبند۱/۲۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/۲۲٦۹)

نافرمان وشرابی اولاد کو زکوٰۃ، امداد دینے یا وراثت سے محروم کردینے کا حکم

سوال: [۴۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک شخص بے نمازی ہے، روزہ بھی کبھی نہیں رکھتا دین کے احکامات کا مذاق بناتا ہے، مردے کو دفن کے بجائے جلانے کو بہتر کہتا ہے، شراب بھی پیتا ہے، کمال درجہ کا جھوٹا ہے، حرام خور ہے کوئی کام نہیں کرتا نکما ناکارہ کبھی کچھ کام کرآئے تو شراب وکباب میں پٹ کردیا، ماں باپ کا نافرمان اس درجہ کہ گالی گلوچ مار پیٹ سے بھی ان کا استقبال کرنے سے گریز نہیں کرتا کچھ بھی سمجھائے اپنی روش سے باز نہیں آتا، گھر کا سامان چرا کر بیچتا رہتا ہے،

نہایت بدزبان اور کچھ بھائی اور کبھی باپ ان کو پیسے دیتے رہتے ہیں، لیکن ان کے طرز زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیا ان کو بھائیوں کی طرف سے زکاۃ دی جاسکتی ہے؟

(۲) ماں باپ کی طرف سے امداد کرنا ضروری ہے؟

(۳) والدین کی میراث سے محروم کردینا جائز ہوگا؟

(۴) والدین کے ورثاء سے محروم کردینا ضروری ہوگا؟

(۵) والدین کے ورثاء سے محروم کردینا قابل مواخذہ ہوگا؟ سائلوں کو جھڑکنا بھی اس کا محبوب عمل ہے، خدا کا بھی انکار کردیتا ہے، اور یہ شخص بغیر شادی شدہ ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہے، اس کی عمر تقریباً ۵۸ر سال کی ہے؟

المستفتي: تلخیص احمد، قاضی ٹولہ، مراد باد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ شخص جب والد اور بھائیوں کی فیملی میں ایک ساتھ رہتا ہے، تو اسے زکاۃ کا پیسہ الگ سے دینے کا کوئی مطلب نہیں، نیز اس کا شرابی کبابی ہونا خود سوالنامہ میں مذکور ہے ایسے شخص کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا ایک شرابی کی حوصلہ افزائی اور مدد کرنا ہے، اسلئے اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورہ المائدہ، الآیۃ ۲)

ولایجوز صرفها إلیٰ أهل البدع. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳۵٤، زکریا دیوبند ۳/۳۰٤، سکب الأنهر، کتاب الزکاۃ، باب فی بیان أحکام المصرف، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۳۲)

(۲) ماں باپ پر ایسے لڑکے کی امداد کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ ماں باپ اور بھائیوں پر لازم ہے کہ اس کے ہاتھ پر اتنا پیسہ نہ دیں جس سے وہ شراب پی سکے یا جواسٹے میں لگائے۔

ولا یجب علی الأب نفقة الذکور الکبار. (هندیه، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الرابع فی نفقة الاولاد زکریا دیوبند ۱/۵٦۳، جدید ۱/٦۰۹)

وإن كان في ولده فاسق لا ينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معينا له على المعصية . (هنديه ، كتاب الهبة ، الباب السادس في الهبة للصغير زكريا ديوبند ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦)

(۳،۴،۵) اگر والدین اپنی حیات میں جائیداد دیگر لڑکوں کو ہبہ کرکے اس فاسق لڑکے کو محروم کردیں تو یہ جائز اور درست ہے اور والدین کے ذمہ اس لڑکے کو محروم کرنا نہ تو لازم ہے، اور نہ ہی ان سے اس محروم کرنے پر عند اللہ مواخذہ ہوگا،لیکن والدین کے لئے اس لڑکے کو عاق کرنیکی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح والدین کی وفات کے بعد دوسرے وارثین اس لڑکے کو والدین کے ورثاء سے محروم نہیں کرسکتے۔

ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلىٰ وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه . (هنديه ، كتا ب الهبة ، الباب السادس في الهبة للصغير زكرياديوبند ٤/ ٣٩١، جديد٤/ ٤١٦، البحر الرائق ، كتاب الهبة ،كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ديوبند٧/ ٤٩٠)

الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط . (تكمله رد المختار ، كتاب الدعوىٰ باب التحالف، زكريا ديوبند ١١/ ٦٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۷؍۱۴۳۱ھ

کیا بھائی بھائی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

سوال: [۴۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ایک حقیقی بھائی ہے، جو نہایت غریب ہے زید اس کو اپنی زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد خلیل، محلہ کاشی پور، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غریب حقیقی بھائی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، نیز دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۲، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/۳۳۲)

عن سلمان بن عامر الضبي، قال: قال رسول الله ﷺ: الصدقة على المسكين صدقة، وعلى ذى القرابة اثنتان، صدقة وصلة. (سنن ابن ماجه، الزكاة، باب فضل الصدقة، النسخة الهندية ۱/۱۳۲، دارالسلام رقم: ۱۸۴٤، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۲/۹۹٤، رقم: ۲۰٦۸، ۲/۱۱٤۸، رقم: ۲۳۸٤، المعجم الكبير للطبرانى، دار احياء الثراث العربي ٥/۱۰۱، رقم: ٤۷۲۳)

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام، والأخوال الفقراء بل هم أولىٰ؛ لأنه صلة وصدقة. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/۲۹۳، كراچى ۲/۳٤٦)

الأفضل صرف الصدقة إلىٰ أخواته ذكوراً أو إناثاً. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب فى بيان أحكام المصارف، قبيل باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت جديد ۱/۳۳۳، قديم ۱/۲۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۵۲)

تجارت کو فروغ دینے کیلئے بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا سگا چھوٹا بھائی ذاکر کاروبار سے پریشان ہے، لیکن اسکی شادی نہیں ہوئی ہے، میرے پاس زکوٰۃ کے پیسے ہیں، جو مجھے دینے ہیں، کیا میں اسکو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتا ہوں؟ اور کاروبار کیلئے بیس ہزار روپئے دے سکتا ہوں؟

المستفتي: عظیم اللہ، مانپور، سڑک والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کا بھائی آپ کی فیملی میں شامل نہیں ہے، کھانا پینا رہن سہن سب الگ الگ ہے اور وہ تقریباً پانچ ہزار روپیہ کی مالیت کا مالک نہیں ہے، تو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، مگر زکوٰۃ فقراء کے پیٹ بھرنے اور ان کی ضرورت پوری کرنے کیلئے ہے تجارت کو فروغ دینے کیلئے نہیں ہے، نیز پانچ ہزار میں آدمی صاحب نصاب بن جاتا ہے، اور مقدار نصاب سے زیادہ ایک فقیر کو دینا مکروہ ہے۔

وکرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الأصلیۃ، کراچی ۲/۳۵۳، زکریا دیوبند۳/۳۰۳، بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، فصل في مصارف الزکاۃ، زکریا دیوبند۲/۱۶۰، الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الزکاۃ، الفصل الثامن فیمن توضع فیہ الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/۲۲۱، رقم: ۴۱۸۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۰ھ

بھائی کا اپنی بہن یا بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بھائی اپنی بہن یا بھائی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

المستفتي: عبداللہ، تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے بھائی بہن کو زکوٰۃ دینے سے دوہرا ثواب ملتا ہے۔

عن سلمان بن عامر، عن النبی ﷺ قال: إن الصدقۃ علی المسکین صدقۃ، وعلی ذی الرحم اثنتان: صدقۃ وصلۃ. (سنن النسائی،

الزكاة، الصدقة على الأقارب، النسخة الهندية ١/ ٢٧٨، دارالسلام رقم :٢٥٧٨)

لأنه صلة و صدقة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۳۹۳، کراچی ۲/۳٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۴/۱۴۱۵ھ

کیا بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

سوال: [۴۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے عرصہ ۵؍سال سے اپنے کاروبار کا مکمل طریقہ سے اپنے لڑکے کو مالک بنادیا ہے، اور کاروباری معاملات سے اپنا دخل ختم کردیا، مگر میرا اور میری بیوی بچوں کا تمام خرچ میرے لڑکے کے ذمہ ہے اور ہم اسی کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں، کیا میرا لڑکا اپنی حقیقی بہن جو کہ شادی شدہ ہے اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: ریاست حسین، طویلہ اسٹریٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی آپنے اپنے سارے کاروبار کا مکمل طریقہ سے اپنے مذکورہ لڑکے کو ہبہ کرکے مالک بنادیا ہے اور اب اسمیں آپکا کوئی دخل نہیں ہے اور آپ کے مرنے کے بعد اس میں بطور میراث آپکا کوئی ترکہ بھی نہیں رہے گا نوعیت اسی طرح کی ہے تو آپ کا وہ لڑکا اپنے کاروبار اور آمدنی کی زکوٰۃ اپنی حقیقی بہن کو جو مستحق ہے دے سکتا ہے۔

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولیٰ لأنه صلة وصدقة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف

زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۳، کراچی ۲/ ۳٤٦، مجمع الانهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۳۳، قدیم ۱/ ۲۲٦، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ رمضان ۱۴۱۴ھ

حقیقی بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے دولڑکے مجھ سے علیحدہ رہتے ہیں، جو کہ مجھ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے وہ اپنی حقیقی شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: ریاست حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے جو لڑکے آپ سے بالکل الگ رہتے ہیں، وہ اپنی حقیقی بہن کو ہر حال میں زکوٰۃ دے سکتے ہیں، چاہے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۰)

الأفضل صرف الصدقة إلیٰ أخواته ذکوراً أو إناثاً. (مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب فی بیان أحکام المصارف، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۳۳، قدیم ۱/ ۲۲٦، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲، شامی، کراچی ۲/ ۳٤٦، زکریا ۳/ ۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم/ رمضان ۱۴۱۴ھ

بالغ غیر شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ماں باپ غریب ہیں، خود زید مالدار ہے، اور ماں باپ کی شرکت سے الگ ہے، لیکن زید کی ایک بہن ہے جو بالغ ہے اور وہ بہن زید کی شرکت میں ہے، کبھی کبھی ماں باپ کی شرکت میں رہتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کیا زید اپنی اس بالغ غیر شادی شدہ بہن کو جو ماں باپ کی شرکت میں ہے، زکوٰۃ دے سکتا ہے، جبکہ وہ بہن کبھی کبھی خود زید کے پاس بھی رہتی ہے، کیا اس شکل میں بھی اپنی اس بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

المستفتي: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے واضح ہوا کہ مذکورہ بالغ لڑکی زید مالدار کی حقیقی بہن ہے، جو کبھی غریب ماں باپ کے پاس اور کبھی زید سرمایہ دار کے پاس رہتی ہے، اس کا نان نفقہ نکاح ہوجانے تک زید ہی پر لازم ہے، اور جن کا خرچہ واجب ہوتا ہے، ان کو خرچہ کی جگہ پر زکوٰۃ دینا جائز نہیں اس لئے اپنی بالغ غیر شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ کے بجائے واجبی خرچہ جیب خاص سے دیا کرے، اور غریب ماں باپ کا نفقہ بھی بیٹے پر لازم ہوتا ہے۔

وتجب نفقة الاناث الكبار من ذوى الأرحام وإن كن صحيحات البدن ، إذاكان بهن حاجة إلىٰ النفقة . (هنديه، زكريا ١/ ٥٦٦، الفصل الخامس فى نفقة ذوى الأرحام ، كتاب الطلاق ، جديد ١/ ٦١٢)

ويجبر الولد الموسر على نفقة الأبوين المعسرين . (هنديه، زكريا ١/ ٥٦٤، كتاب الطلاق الفصل الخامس فى نفقة ذوى الأرحام ، جديد ١/ ٦١٠)

ولو دفع زكوته إلىٰ من نفقته واجبة عليه من الأقارب جاز ، إذا لم يحسبها من النفقة الخ. (شامى، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ٣/ ٢٩٣، كراچى ٢/ ٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۸۸/۳۹)

بہن کا بھائی کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک بہن اپنے بھائی کے گھر پانی کی سہولت کے لئے نل لگوانے کے واسطے زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ بھائی کی مالی حالت بہت خستہ ہے قرضدار بھی ہے؟

(۲) گھر میں والدہ بھی ہیں، جن کا خرچ اخراجات بھائی کے ذمے ہے جبکہ زکوٰۃ ماں پر واجب نہیں ہے؟

(۳) بہن جو زکوٰۃ کا روپیہ لگانا چاہتی ہے، باہر رہتی ہے، مگر کبھی کبھی بھائی کے گھر آنا جانا ہوتا ہے، تو پانی کا استعمال بھی ہوگا؟

(۴) بہن کے پاس زکوٰۃ کے علاوہ دوسرا ذریعہ نہیں ہے، براہ کرم مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر مسئلہ بتانے کی زحمت کریں؟

المستفتي: ذوالفقار احمد قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲-۳-۴) اپنے بھائی کو زکوٰۃ دینا دوہرا ثواب ہے، جبکہ بھائی غریب صاحب نصاب نہ ہو، بہن بھائی کو زکوٰۃ کے پیسے کا مالک بنادے، پھر بھائی اپنے طور پر نل یا دوسری ضروریات میں خرچ کردے، نیز بھائی زکوٰۃ کے پیسے سے جو نل وغیرہ لگوائے گا، اس سے بہن کو پانی پینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عن سلمان بن عامرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الصدقة علی المسکین صدقة، وإنها علی ذی الرحم اثنتان، إنها صدقة وصلة. (مسند

أحمد بن حنبل ٤/ ١٨، رقم : ١٦٣٤٢، ٤/ ١٧، ١٨، رقم: ١٦٣٣٠، ١٦٣٣١، ١٦٣٣٨، ١٦٣٤١، ٤/ ٢١٤، رقم: ١٨٠٢٨، ١٨٠٢٩، ١٨٠٣٠)

الأفضل صرف الصدقة إلیٰ أخواته ذكوراً أو إناثاً . (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصارف، قبيل باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٣٣، قديم ١/ ٢٢٦، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف، دارالكتاب ديوبند/ ٢/ ٧٢٢)

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولیٰ لأنه صلة وصدقة . (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند٣/ ٢٩٣، كراچی ٢/ ٣٤٦، مصری ٢/ ٨٦، كوئٹه ٢/ ٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ رمضان المبارک ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/ ٨٨١)

بہن کا بھائی کو بطور قرض زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [٤٣٤٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر زکوٰۃ کا روپیہ بطور قرض دیدیا جائے، اور اس روپئے سے نل لگالیا جائے، بھائی یہ روپیہ تھوڑا تھوڑا کرکے ادا کردے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتي: ذوالفقار احمد قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا روپیہ بطور قرض میں دینا جائز نہیں ہے، بلکہ مستحق کو مالک بنادینا واجب ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب

المصرف ، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤، کوئٹه ۲/ ٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۸۱)

بہن بھائی بہنوئی سالے وغیرہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: [۴۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بھائی غریب ہے تو بہن اس کو زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟ یا بہن غریب ہے تو بھائی دے سکتا ہے یا نہیں؟ بہنوئی کو سالہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ساس بہو کو دے سکتی ہے یا نہیں؟ نیز ساس داماد کو دے سکتی ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: رضیع الدین، محلّہ گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غریب بھائی اور بہن کو زکوٰۃ دینے سے دو ثواب ملتے ہیں، (۱) زکوٰۃ ادا کرنے کا (۲) صلہ رحمی کا، نیز بہنوئی کو سالہ اور ساس بہو کو اور داماد کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

عن سلمان بن عامر الضبي رضی اللہ عنہ ذکر: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن الصدقة علی المسکین صدقة، وإنها علی ذی الرحم اثنتان، صدقة وصلة. (سنن الدارمی، دارالمغني ۲/ ۱۰٤٦، سنن الترمذی، الزکاة، باب ماجاء في الصدقة علی ذی القرابة، النسخة الهندية ۱/ ۱٤۲، رقم: ٦٥۸، مشکوٰة شریف ۱/ ۱۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۰۹)

بھائی بھتیجہ، بہن بھانجی، پھوپھی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خاص رشتہ داروں میں زکوٰۃ کن کن کو دے سکتے ہیں، مثلاً بھائی، بھتیجہ، بہن، بھانجی، یا پھوپھی وغیرہ کو دے سکتے ہیں؟ نیز اگر بہن کا شوہر انتقال کر جائے تو اس کے بال بچوں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ جواب دیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: رفاقت حسین، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بھائی، بھتیجہ، بہن، بھانجی یا پھوپھی ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ دوہرا ثواب ہے۔

عن سلمان بن عامر الضبي رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: الصدقة علی غير ذی الرحم صدقة، وعلی ذی الرحم اثنتان، صدقة وصلة. (المصنف لابن أبي شيبة، الزكاة، ماقالوا فی الرجل يدفع زكاته إلیٰ قرابته، مؤسسه علوم القرآن ٦/٥٤٤، ٥٤٥، رقم: ١٠٦٤٣)

كما فی الشامی، وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولیٰ لأنه صلة وصدقة الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/٢٩٣، كراچی ٢/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۷/۲۳)

الجواب صحیح:
حفظ الرحمٰن غفرلہٗ
۱۲/۹/۱۴۰۷ھ

ساتھ میں رہنے والی بھابھی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم تین بھائی ہیں، دو بھائی دہلی میں کام کرتے ہیں اور جو کچھ کماتے ہیں، بڑے بھائی کے حوالے

کر دیتے ہیں، بڑے بھائی گھر کی دیکھ بھال بلکہ گھر کی ساری ذمہ داریاں نبھاتے ہیں، ہم تینوں بھائی اور والدین ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، کھانا پینا بھی ساتھ ہی ہوتا ہے، یعنی ایک ہی جگہ کھانا پکتا ہے، آپس میں محبت بہت زیادہ ہے، تینوں بھائی والدین کی بھی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے، کہ گھر کی کل جائداد مثلاً کھیتی زمین اس کی پیداوار اور مکان کے مالک تو والد محترم ہیں، لیکن روپئے پیسے اور سونے چاندی کے زیورات کے مالک ہمارے بڑے بھائی ہیں، اور ہر سال اسکی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں، بڑے بھائی کی اہلیہ ہماری بھابھی کے پاس بھی کچھ زیورات ہیں، جنکی وہی مالک ہیں، لیکن نصاب کی مقدار سے کم ہیں، تقریباً دوڈھائی ہزار روپیہ کے زیورات کی مالک ہیں، اب میں (سائل) الحمد للہ صاحب نصاب ہوں، جبکہ پیسے بڑے بھائی کو بھی دیتا ہوں لیکن پھر بھی میری ملکیت میں اتنے پیسے ہیں، جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یعنی کم وبیش اس وقت میرے پاس دس ہزار روپئے ہیں، اب اگر میں اپنی بھابھی کو زکوٰۃ کی رقم دیدوں یا کپڑے وغیرہ دیکر ان کو مالک بنادوں تو کیا میری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

(۲) نیز میری بھابھی بہت غیر تمند ہیں، اگر ان کو پتہ چل گیا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے یا زکوٰۃ کی رقم کے زیورات ہیں، تو وہ ہرگز نہیں لیں گی، تو اس صورت میں ان کو کس طرح مالک بناؤں؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد
چوھان بانگر، محلّہ: سلیم پور، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) مسئولہ صورت میں جبکہ کھانا پینا ایک ساتھ ہے، تو بھابھی کو زکوٰۃ دینا اپنے کو زکوٰۃ دینا ہے، نیز آپکی بھابھی زکوٰۃ کی مستحق بھی نہیں ہیں، جیسا کہ سوال کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے، اور زکوٰۃ کا مستحق محتاج فقیر ہی ہوا کرتا ہے، اسلئے آپکا اپنی بھابھی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اور دینے پر زکوٰۃ ادا بھی نہ ہوگی۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ. (التوبة: ٦٠)

عن عبد الله بن عمرو ، قال : قال رسول الله ﷺ : لاتحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي . (مصنف عبد الرزاق ، الزكاة، باب كم الكنز ولمن الزكاة، المجلس العلمي ٤/ ١١٠، رقم: ٧١٥٥)

مصرف الزكوٰة والعشر هو الفقير. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۶۵)

نابالغ کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا نابالغ کو زکاۃ دی جاسکتی ہے؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : نابالغ جو عاقل ہوشیار وسمجھدار ہو نیز مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

دفع الزكوٰة إلىٰ صبيان أقاربه برسم عيد أو إلىٰ مبشر أو مهدي الباكورة جاز . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۵۶، زکریا ۳/ ۳۰۷)

لیکن اگر نابالغ مالدار کا بچہ ہے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

ولا إلىٰ طفله —— أی طفل الغني . (شامی، کراچی ۲/ ۳۴۹، زکریا ۳/ ۲۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۵)

سید کوزکوٰۃ

سوال: [۴۳۵۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کا داخلہ مکمل ہو چکا ہے، لہٰذا کھانا جاری کر دیا جائے، بہت زیادہ ممنون ومشکور ہوں گا؟

المستفتي: سید عادل، رامپوری

چونکہ سال اول کا امدادی کوٹہ پورا ہوگیا ہے، یہ طالب علم سادات میں سے ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی بنا پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی سے درخواست ہے، کہ اس طالب علم کا خصوصی طور پر کھانا جاری فرمادیا جائے۔

محمد عمر، نائب مہتمم مدرسہ شاہی، یکم ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ

سادات کیلئے یہ کھانا جائز ہوگا؟

رشید الدین حمیدی، مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد ۔۲۲/۵/۱۴۰۹ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سادات کیلئے زکوٰۃ وصدقہ واجبہ کا کھانا کھانا جائز نہیں ہے، اسکے علاوہ تملیک شدہ صدقہ یا امداد کا کھانا کھانا جائز ہے۔

لا نعلم خلافا فی أن بنی هاشم لا تحل لهم الصدقة المفروضة وقد قال النبی ﷺ إن الصدقة لا تنبغی لآل محمد هی أوساخ الناس الخ. (كتاب المغنی، ۲/۲۷۴، عالمگیری، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف زكريا ۱/۱۸۹، جديد ۱/۲۵۱، الدر المختار مع الشامی، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الأصلية زكريا ۳/۲۹۹، كراچی ۲/۳۵۰، البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۲/۴۲۹، ۲/۲۷۶، مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب فی بيان أحكام المصرف، مكتبه دار الكتب العلميه ۱/۳۲۵)

عن عبد اللّٰه بن الحارث بن نوفل الهاشمی..... وقال فی الحديث: ثم

قال لنا إن هذه الصدقات إنما هی أو ساخ الناس، وإنها لاتحل لمحمد، ولا لآل لمحمد، الحديث : . (صحیح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ الصدقة، النسخة الهندية ١/ ٣٤٤، بيت الأفكار رقم: ١٠٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۷۵)

سید اور بنی ہاشم کو زکوۃ دینا

سوال: [۴۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر پرنام بٹ کے ایک صاحب آپ کی کتاب ایضاح المسائل لائے تھے، مطالعہ کا موقعہ ہوا الحمد للہ سارے ضروری اور جدید مسائل کو یکجا کر کے آپنے امت مسلمہ کی دینی ضرورت کو پورا کر دیا ہے، "**فجزاكم الله خير الجزاء**" اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ سید اور بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے اس سلسلہ میں یہ عرض ہے، کہ کتب فقہ کے عام متون میں بس یہی مسئلہ تحریر ہے، لیکن حالات زمانہ کا جائزہ لیتے ہوئے متاخرین فقہاء اور مفتیان عظام نے اس میں وسعت دیدی ہے، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ (امداد المفتیین ۱-۲/ ۲۸ مطبوعہ امدادیہ دیوبند) میں تحریر فرماتے ہیں علامہ شامیؒ نے بعض اقوال ایسے نقل کئے جن سے جواز ثابت ہوتا ہے، اور ضرورت زمانہ اور حاجات سادات اسی کو مقتضی ہے کہ جواز کا فتویٰ حسب روایات شامی دیا جائے، چنانچہ احقر اور بعض اکابر واساتذۂ احقر بھی جواز کا فتویٰ دیتے رہے ہیں، عبارت شامی کی یہ ہے بعد نقل کرنے اقوال ممانعت لکھتے ہیں:

وروى أبوعصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بنی هاشم فی زمانه لأن عوضها هو خمس الخمس لن يصل إليهم لإهمال الناس الخ.

اور حضرت موصوف کے فرزند عالی مقام حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ درس ترمذی

میں اس پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں جو۔

باب ماجاء فی کراهیة الصدقة للنبی صلی اللہ علیه وسلم وأهل بیته وموالیه .

کے تحت موجود ہے اور ابوعصمہ نے تو امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اس کی نقل کی ہے، کہ بیت المال کا خمس ختم ہونے کے بعد بنو ہاشم کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے، امام طحاویؒ نے بھی عن محمد عن ابی یوسف کے طریق سے ایک روایت یہی نقل کی ہے، بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے (آگے مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں) ہمارے زمانہ کے فقہاء کو اس پر غور کرنا چاہئے، کہ کیا اس دور میں بنوہاشم میں فقر کی کثرت کو دیکھتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ کی مذکورہ بالا روایت پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (درس ترمذی،۲/ ۴۷۶)

ملفوظات علامہ انورشاہ کشمیری جمع کردہ مولانا سید احمد رضا بجنوری، ناشر بیت الحکمۃ دیوبند۔

فرمایا میرے نزدیک سید کو زکوٰۃ کا مال لینا سوال کرنے سے بہتر ہے، امام رازی وطحاوی بروایت امام ابوحنیفہؒ قائل جواز ہوئے ہیں، اور امام رازی کو فقہ فی النفس حاصل ہے، اسلئے میں جواز کا فتویٰ دیتا ہوں/ ۲۶۶، مذکورہ بالا تحقیق کو دیکھتے ہوئے ان حضرات کو زکوٰۃ دیدینے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا ہے، رسالہ بحث ونظر /۳، اپریل مئی جون ۱۹۹۰ء میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے کئی دلائل پیش کرکے پر زور طریقہ سے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

المستفتي: محمد ایوب غفرلہٗ مدرسہ عربیہ دارالعلوم،
پرنام بٹ، ضلع: شمالی آرکاٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) آنجناب کی مرسلہ تحریر بغور پڑھی گئی، آنجناب کی تحریر میں سید وبنی ہاشم کیلئے زکوٰۃ کے جواز میں امداد المفتیین کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی طرف سے جواز کی جو نسبت کی گئی ہے وہ متردد فیہ ہے، اسکی دو وجہ ہے۔

(۱) امداد المفتیین ۴/ ۲۸ میں جو جواب ہے اس کے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم ہی کے ہونے میں تردد ہے، اس میں کئی حضرات کے فتاویٰ ہوا کرتے تھے، اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے لکھے ہوئے فتاویٰ پر عام طور پر مرحوم کے دستخط بھی ہوا کرتے ہیں۔

(۲) خود حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کا لکھا ہوا فتویٰ ان کے دستخط کیساتھ اسی امداد المفتیین کے صفحہ ۴/ ۳۵ میں موجود ہیں، کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے صاف عبارت میں لکھا ہے کہ نہ سید کو زکوۃ دینا جائز ہے اور نہ ان کیلئے لینا جائز ہے ، اور اگر کسی نے دیدی تو زکوۃ ادا نہ ہوگی ، نیز آگے چل کر اسی فتویٰ میں یہ لکھا ہے کہ اگر حیلہ تملیک کر کے فقیر کی طرف سے بنی ہاشم کو بطور ہدیہ دیجائے ،تو مضائقہ نہیں پھر ۴/ ۲۸ ، میں حضرت مفتی صاحب مرحوم کا یہ لکھنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ کہ احقر اور بعض اکابر اور اساتذۂ احقر بھی فتویٰ جواز کا دیتے رہے ہیں ،جس میں موصوف کے دستخط بھی نہیں ہیں، نیز شاید اسی وجہ سے اس فتویٰ کو کراچی سے شائع شدہ امداد المفتیین میں درج نہیں کیا ہے، صرف عدم جواز والا فتویٰ نقل کیا گیا ہے، لہٰذا اس فتویٰ کو کس طرح بنیاد بنایا جاسکتا ہے، اور اسی وجہ سے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بحث کر کے چھوڑ دیا ہے، اپنی کوئی رائے پیش نہیں کی ہے، اور حضرت امام رازی شافعی المسلک تھے، لیکن علامہ کشمیری ان سے متاثر تھے ، اسلئے امام رازی کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور وہ اکابر اور علماء عظام کا دور تھا، ان میں سے کسی نے حضرت علامہ کشمیری کے فتویٰ کا اعتبار نہیں کیا ہے، نیز طحاویؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے عدم جواز کا قول بہت مضبوط انداز سے نقل فرمایا ہے، اور جواز کے قول کو بہت کمزور انداز سے نقل فرمایا ہے، اسی وجہ سے اکابر اہل فتاویٰ میں سے اس قول کو کسی نے اختیار نہیں کیا ہے ، اسلئے سوالنامہ میں پیش کردہ دلائل احقر کے نزدیک ایسے نہیں ہیں، کہ جن کی وجہ سے ظاہر الروایہ کو ترک کیا جاسکے ،اب احقر مختصر الفاظ میں اپنا جواب تحریر کرتا ہے، سیدا ور بنی ہاشم کے لئے زکوۃ کے عدم جواز کی اصل علت اوساخ الناس

ہی ہے، نیز اگر خمس بیت المال کے حصوں کو بھی علت قرار دیا جائے، تو وہ اتنی بڑی اہم علت نہیں ہے، جتنی اہمیت اوساخ الناس کی علت ہونے میں ہے، حدیث شریف کا ذخیرہ بھرا پڑا ہے، جس میں علت حرمت بار بار اوساخ الناس ہی کو قرار دیا ہے، تو اگر حصول خمس بیت المال کی علت ختم ہوگئی ہے تو پھر اوساخ الناس کی علت سے وجود کا انکار کس طرح کیا جاسکتا ہے، اسلئے احقر کے نزدیک اکابر مفتیان کرام کی طرح سید و بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

عن عبد الله بن الحارث بن نوفل الهاشمي..... وقال في الحديث : ثم قال لنا: إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس، وإنها لاتحل لمحمد، ولا لآل لمحمد، الحديث : . (صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ الصدقة، النسخة الهندية ١/٣٤٤، بيت الأفكار رقم: ١٠٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲/رجب ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۵۲/۲۹)

سیدہ بیوہ عورت کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک سیدہ عورت ہے جو بیوہ ہے اس کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے ایسی صورت میں اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سیدہ عورت کو زکوٰۃ دینا درست نہیں اگر اسکو جان بوجھ کر زکوٰۃ دی جائیگی تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسے دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، لہٰذا اسکا صدقات نافلہ ہی کے ذریعہ سے تعاون کرنا چاہئے۔

عن عبد الله بن الحارث بن نوفل الهاشمي..... وقال في الحديث : ثم

قال لنا: إن هذه الصدقات إنما هي أو ساخ الناس، وإنها لاتحل لمحمد ، ولا لآل لمحمد ، الحديث : . (صحيح مسلم ، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ الصدقة ، النسخة الهندية ۱/ ۳٤٤، بيت الأفكار رقم: ۱۰۷۲)

ولا إلىٰ بني هاشم .... ثم ظاهر المذهب إطلاق المنع (تحته في الشامية) يعني سواء في ذلك كل الأزمان ، وسواء في ذلك دفع بعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم . (شامي، كتاب الصدقات باب المصرف ، مطلب في الحوائج الأصلية ، كراچی ۲/ ۳۵۰، زكريا۳/۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

کیا آل ہاشم کو بھی صدقات واجبہ دینا جائز نہیں؟

سوال: [۴۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن سادات کو صدقات واجبہ دینا جائز نہیں وہ آل ہاشم ہیں، یا صرف حضرت علیؓ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہؓ سے ہیں، اور جن سادات کو صدقۂ واجبہ کا استعمال ناجائز ہے، کیا ان کی بالغ اولاد کو مدارس عربیہ میں سے برائے حصول علم دین امداد لینے کا جواز ہے؟

المستفتي: نور العابدین، محلّہ بارو دگراں،
پوسٹ: نولگڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، ان میں حضرت علیؓ کی اولاد کے ساتھ ساتھ تمام بنو ہاشم داخل ہیں، اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد کی بھی کوئی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ حضرت علیؓ کی دوسری بیوی کی اولاد بھی داخل ہیں۔

ولا إلى بني هاشم الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف ، زكريا

دیوبند۳/۲۹۹، کراچی ۲/۳۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ذی الحجہ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/۲۹۱۳)

صاحب نصاب لڑکی کی شادی کیلئے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صاحب نصاب ہو جانے کے بعد اپنی لڑکی کی شادی کیلئے دوسرے تیسرے چوتھے شخص سے مالِ زکوٰۃ لینا کیسا ہے؟ بینوو توجروا۔

المستفتي: ابوقمر، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لینے والے کیلئے حرام ہے نیز اگر معلوم ہو جائے تو دینے والے کیلئے بھی حرام ہے، نیز انکی زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔

وإذا حرم السؤال عليه إذا ملك قوة يومه فهل يحرم الإعطاء له إذا علم حاله (إلیٰ قوله) يأثم بذلك لأنه إعانه على الحرام الخ. (البحرالرائق، زکریا۲/۴۳۷، کراچی ۲/۲۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذی الحجہ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/۱۰۳۷)

زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھال کس کو دی جائے؟

سوال: [۴۳۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ، فطرہ وقربانی کی کھالوں کو کس کو دینا چاہیے، بزرگوں سے سنا ہے کہ مستحق بہن بھائی چچا پھوپھی خالہ ماموں اس کے بعد قرابت داروں کو پڑوسیوں کو دینا چاہیے، اس کے خلاف مدرسے

والے رمضان شریف میں مدرسوں کی ضرورت دکھا کر زکوٰۃ فطرہ کا پیسہ وصول کر کے لیجاتے ہیں، اس پیسے کا کون زیادہ مستحق ہے؟

المستفتي: عبدالقدیر، اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو قسم کے لوگوں کو دینے سے ڈبل ثواب ملتا ہے، (۱) قریبی رشتہ دار، مثلاً بھائی، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ۔ (۲) طالب علم اور علماء، رشتہ داروں کو دینے سے ڈبل ثواب اسلئے ہے کہ اس میں اداء زکوٰۃ اور صلہ رحمی دونوں موجود ہیں، علماء اور طلبہ کو دینے سے ڈبل ثواب اسلئے ہے، کہ اداء زکوٰۃ اور خدمت دین دونوں موجود ہیں، لہٰذا دونوں قسم کے لوگوں کو دینے میں زیادہ ثواب ہوگا، ہاں البتہ اس کا بھی لحاظ رکھنا بہتر ہوتا ہے کہ جو زیادہ محتاج ہو اس کو مقدم رکھا جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۱۰)

عن سلمان بن عامر أن رسول الله ﷺ قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، وإنها على ذى رحم اثنتان، إنها صدقة وصلة. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۱۱۴۸/۲، رقم: ۲۳۸۴، المستدرك، كتاب الزكاة، قديم ۴۰۷/۱، مكتبه نزار مصطفى الباز ۵۷۳/۲، رقم: ۱۴۷۶، صحيح ابن حبان، دارالفكر ۱۰۳/۴، ۱۰۴، رقم: ۳۳۴۱)

التصدق على العالم الفقير أفضل. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف، دارالكتاب ديوبند/۷۲۲، هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف زكريا ديوبند ۱۸۷/۱، جديد ۲۴۹/۱، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف مكتبه امداديه ملتان ۳۰۲/۱، زكريا ديو بند ۱۲۴/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۵۲/۳۳)

ایک فقیر کو بیک وقت مکمل نصاب کا مالک بنانا

سوال: [۴۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلۂ تملیک جو آجکل مدارس دینیہ میں رائج ہے اگر کسی فقیر کو زکوٰۃ کی اتنی رقم دی جائے جس سے وہ خود صاحب نصاب ہو جائے، آیا جائز ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں، نیز زکوٰۃ محتاجوں کو دی جاتی ہے، اور آجکل مدارس کے اندر کثیر رقم ہونے کے باوجود وہ زکوٰۃ حاصل کرتے ہیں، جبکہ فنڈ میں ان مدارس کا کافی روپیہ رہتا ہے مگر پھر بھی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے؟ اور ان کا زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے، اگر ایسی صورت میں کوئی زکوٰۃ ادا کرتا ہے، تو زکوٰۃ کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اختر حسین قاسمی، مدرسہ مصباح الظفر،
ڈھکہ حسن پور، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی ایک فقیر کو زکوٰۃ میں سے اتنی رقم دینا جس سے صاحب نصاب بن جائے مکروہ ہے، زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ تو ادا ہوگی مگر ساتھ ساتھ کراہت بھی لازم آتی ہے۔

کره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر الخ. (در مختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب في حوائج الأصلية كراچی ۲/۳۵۳، زكريا ديوبند۳/۳۰۳، الفتاویٰ التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، زكريا ديو بند۳/۲۲۱، رقم: ٤١٨٥، هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، اشرفيه ديو بند ۱/۲۰۷)

نیز مدرسہ شخص حقیقی نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں بہت سارے مستحق طلبہ ہوتے ہیں، اسلئے مدارس میں زیادہ تعداد میں زکوٰۃ دینا جائز ہے، اور بینک میں حفاظت کیلئے تو رکھنا جائز ہے، لیکن سودی کھاتہ اور فکسڈ ڈپازٹ کھاتہ میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۲۲)

غریب کو مال زکوٰۃ دیکر صاحب نصاب بنانا

سوال: [۴۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے کسی عزیز غریب کو نادار مفلوک الحال خیال کرکے اس کی جوان لڑکی کی شادی کیلئے بمد زکوٰۃ ۴ر ہزار روپیہ دئے جس سے وہ مفلوک الحال اب صاحب نصاب ہوگیا، دوسرے شخص نے ۲ر ہزار روپئے دیئے، تیسرے شخص نے ۵ر ہزار روپئے دیئے اور یہ سب رقم بمد زکوٰۃ دی گئی کیا دوسرے اور تیسرے شخص کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی کہ نہیں؟

المستفتي: ابوقمر، مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اول شخص کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی لیکن ایکدم صاحب نصاب بنادینے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔

کرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر الخ. (در مختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب في حوائج الأصلیة کراچی ۲/۳۵۳، زکریا دیوبند ۳/۳۰۳، البحرالرائق، زکریا دیوبند ۲/۴۳۵، کوئٹہ ۲/۲۴۹)

اسکے بعد دوسرے اور تیسرے شخص نے اول شخص کے واقعہ کے علم ہوتے ہوئے یا مدفوع إلیہ سے اس سلسلہ میں بلا تحقیق یا شک وتردد ہوتے ہوئے دیا ہے، تو ان دونوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اور اگر ان دونوں نے مصرف زکوٰۃ ہونے کے یقین کے ساتھ دیا ہے، تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، ورنہ نہیں۔

لو دفع بلا تحر لم یجز إن أخطأ وفی الشامیة أما تحری فدفع لمن ظنہ غیر مصرف أو شک ولم یتحر لم یجز حتی یظھر أنہ مصرف الخ.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب فی حوائج الأصلیة

زکریا۳/۳۰۲۳، کراچی ۲/۳۵۲)

وأما إذا شك ولم يتحر أو يتحر فدفع وفى أكبر رأيه أنه ليس بمصرف لايجز يه إلا إذا علم أنه فقير هو الصحيح الخ. (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، اشرفی دیوبند۱/۲۰۴، هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف، زکریا۱/۱۹۰، جدید۱/۲۵۱، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زکریا۲/۱۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۷)

زکوٰۃ کی رقم سے جنگی ہتھیار خریدنا یا تنخواہ میں دینا

سوال: [۴۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک گاؤں جہاں مسلم آبادی زیادہ مقدار میں ہے لیکن اس گاؤں کے ارد گرد غیر مسلموں کا علاقہ ہے گاہ بگاہ غیر مسلم اس گاؤں پر حملہ کرتے رہتے ہیں، وہاں کے مسلمان حالات کے پیش نظر دشمنوں سے مقابلہ کیلئے اسی گاؤں کے مدرسہ کے روپئے سے جن گی اور دفاعی ہتھیار خریدنا چاہتے ہیں، یا اس مدرسہ کے روپئے کو دیگر مسلم مفاد میں صرف کرنا چاہتے ہیں، تو کیا شریعت میں اسکی اجازت ہے؟

(۲) مدرسہ میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی رقم سے بغیر لڑکوں سے تملیک کے استادوں کو تنخواہ دینا عمارت بنوانا لڑکوں کے کھیل کود کیلئے بال وغیرہ خریدنا مدرسہ کے اندر پھول وغیرہ لگانا کہاں تک درست ہے؟

المستفتي: محمد مظفر الحق، گڈاوی، مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) زکوٰۃ فقراء ومسکین کا حق ہے، اسکو ہتھیار

وغیرہ کی خریداری نیز مروجہ تملیک اور بلاتملیک کے مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کرنا اسی طرح تعمیرات اور سوالنامہ میں مذکور امور میں صرف کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اسطرح کی ضروریات باہمی تعاون سے پوری کی جائیں زکوٰۃ مستحقین پر ہی صرف کرنا لازم ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (سورة التوبة: ٦٠)

مصرف الزكوٰة ...وهو الفقير . (درمختار ، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳۳۹) زکریا ۳/۲۸۳)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة . (الدر المختار مع رد المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱)

وأما تفسير ها فهى تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمى ولامولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ هذا فى الشرع. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الاول زكريا۱/ ۱۷۰، جديد۱/ ۲۳۲)

الزكاة يجب فيها تمليك المال، لأن الإيتاء فى قوله تعالىٰ وآتوالزكاة. (البقرة: ٤٣) **يقتضى التمليك ولا تتأدى بالإباحة .**(تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند۲/ ۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۳ھ

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم مؤکل کی بیوہ اولاد کو دینا

سوال: [۴۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور زید کی بالغ اولاد ایک ساتھ محنت کرتے ہیں، اور کمائی والد صاحب کے پاس جمع ہوتی ہے، اب جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگئی، زید نے زکوٰۃ کی رقم بالغ اولاد کو دیدی کہ جس کو چاہو ادا کردو جو تمہاری نگاہ میں مستحق ہو ایسی صورت میں کیا یہ بالغ اولاد اپنی بہن جو بیوہ ہے اور

ازحد پریشان ہے اس کوزکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہے؟

المستفتي: محمد ارمان، جامع مسجد، کاسگنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بالغ اولاد اس مال زکوٰۃ کی مالک نہیں ہے، بلکہ مستحقین کو دینے کیلئے وکیل ہے، اسلئے بالغ اولاد کیلئے باپ کی زکوٰۃ باپ کی بیٹی کو دینا جائز نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لایدفع المزکی زکوٰۃ ماله إلی أبیه وجده وإن علا ولاإلیٰ ولده وولد ولده وإن سفل الخ. (هدایه ، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز ، دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز ،اشرفی دیوبند ۱/ ۲۰۶)

ولا یدفع إلیٰ والده وإن علا ولاإلیٰ ولده وإن سفل ، لأنه ینتفع بملکه ،فکان الدفع إلیه دفعاً إلیٰ نفسه من وجه ، فلا یقع تملیکا مطلقاً.

(بدائع ، کتاب الزکاۃ، فصل فی رکن الزکاۃ، زکریا دیوبند۲/ ۱۴۳)

ولا یعطی من الزکاۃ والداً ، وإن علا، ولاولداً ، وإن سفل، وفی الخانیة من قبل الذکور والإناث. (الفتاویٰ التاتار خانیة ، کتاب الزکاۃ، الفصل الثامن فی من توضع فیه الزکاۃ، زکریا۳/ ۲۰۶، رقم: ۴۱۳۷)

ولایجوز دفع الزکاۃ، إلیٰ أولاده وأولاد أولاده من قبل الذکور والإناث وإن سفلوا . (خانیة علی الهندیة ، کتاب الزکاۃ ، فصل فی من توضع فیه الزکاۃ، زکریا دیوبند۱/ ۲۶۷، جدید۱/ ۱۶۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ۹/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۹/ ۱۴۱۹ھ

تنخواہ نہ کافی ہونے والے ملازم کا زکوٰۃ لینا

سوال: [۶۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ لینے کے حقدار کون لوگ ہیں، ایک شخص پرائیویٹ ملازم ہے اس کی ماہانہ تنخواہ ایک ہزار روپئے ہے اس کے پاس ذاتی مکان ہے ساڑی بننے کیلئے ایک لوم بھی ہے، اس کی آمدنی گھر کے اخراجات کیلئے خاطر خواہ کافی نہیں ہوتی ہے، وہ شخص کثیر الأ ولاد بھی ہے، جس کی وجہ سے پریشانی وتنگ دستی کا شکار ہے، کیا ایسے شخص کی زکوٰۃ سے مدد کی جاسکتی ہے؟

المستفتي: شمشاد احمد الاعظمی، چندن پورہ، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پرائیویٹ ملازم ایک ہزار روپیہ تنخواہ سے اپنی اور بال بچوں کی ضروریات پوری نہیں کرپاتا ہے اور محتاج رہتا ہے تو وہ مستحق زکوٰۃ ہے، بقدر ضرورت زکوٰۃ کے پیسے سے بال بچوں کی ضرورت پوری کرسکتا ہے۔

وإن كان غلتها لا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة قال محمدؒ يحل له أخذ الزكوٰة، وإن كان قيمتها يبلغ ألوفاً وفي العتابية وعليه الفتوىٰ.

(تاتارخانيه، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند ۳/۲۱۶، رقم: ۴۱۶۷، كوئٹه ۲/۲۷۷، وهكذا في المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/۲۱۶، رقم: ۲۷۹۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۲۹ھ

تجارت اور اچھی مزدوری کرنے والے کا زکوٰۃ لینا

سوال: [۴۳۶۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص تجارت کرتا ہے، اوراچھی اجرت کی مزدوری کرلیتا ہے،تو یہ شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے یانہیں؟جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: مظہرالاسلام،فرف بابوٹھٹیرہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جوشخص محنت مزدوری کی طاقت رکھتا ہے، یا تجارت کرتا ہے، صحیح اورتندرست بھی ہے اچھی اجرت پر کام کرتا ہے،تو حدیث شریف میں ایسے شخص کوزکوٰۃ لینے سے منع کیا گیا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو عن النبي ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، ولا لذي مرة سوي. (سنن الترمذی، کتاب الزکاۃ، باب من لاتحل له الصدقة ،النسخة الهندية ١/١٤١، دارالسلام رقم: ٦٥٢، مسند الدارمي، دار المغني ٢/١٠٢٠، رقم: ١٦٧٩، مسند أحمد بن حنبل ٢/١٦٤، رقم: ٦٥٣٠، ٢/١٩٢، رقم: ٦٧٩٨)

البتہ اگرمقروض ہوتو اس کوقرض کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۷؍جمادی الثانیہ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۹۰۴)

۲۵،۳۰؍بیگہ زمین کے مالک کاادائے قرض کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا

سوال: [۴۳۶۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مستحق زکوٰۃ نے اہل نصاب کو یہ خط لکھا کہ آپ اپنی زکوٰۃ سے میرا قرضہ ادا کردیں کیا مستحق زکوٰۃ مقروض کا یہ سوال جائز ہے یانہیں؟ مستحق مقروض کے پاس ۲۴؍بیگہ زمین بھی ہے یہ زمین گاؤں کے پاس ہے جس میں فصل کا بہت زیادہ اجاڑ ہے،جس کی وجہ سے کوئی خریدنے

کیلئے تیار نہیں ہے، صاحب نصاب اور مستحق زکوٰۃ کے لڑکے کا دوستانہ ہے، جب مستحق زکوٰۃ کا لڑکا صاحب نصاب سے ملنے گیا تو صاحب نصاب نے اس لڑکے سے یہ کہا کہ تمہارے والد صاحب کا یہ خط آیا ہے، یہ لڑکا سرکاری ملازم بھی ہے، جو ۱۵۰۰۰ / ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتا ہے، اور مالدار بھی ہے، اور والد صاحب کا قرضہ ادا کرنے میں والد صاحب کا کوئی تعاون نہیں کرتا بلکہ اس خط کی فوٹو کاپی کرا کے عام لوگوں کو سنایا جس کی وجہ سے بوڑھا باپ رسوا ہوا لڑکے کے لئے باپ کے حق میں ایسا کرنا کیسا ہے؟ اہل نصاب کا کسی کو مستحق زکوٰۃ کا خط پڑھوانا یا سنانا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: حاجی عبدالرحمٰن، ردرپور، ضلع رام پور،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو آدمی ۲۵، ۳۰/ بیگہ زمین کا مالک ہے اور بیٹا دس پندرہ ہزار روپیہ تنخواہ پر ملازم ہے اس کا قرضہ ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ پہلے اپنے سارے سرمایہ سے قرضہ ادا کرے گا، اور یہ کہنا درست نہیں کہ زمین کے خریدار نہیں ہیں، زمین کے خریدار اس لئے نہیں مل رہے ہوں گے، کہ زمین جس معیار کی ہوگی اس سے زیادہ پیسہ مانگا جا رہا ہوگا، نیز زمین کے ذریعہ قرضہ ادا کیا جا سکتا ہے، نیز جن لوگوں کا قرضہ ہے زمین کے معیار کے مطابق قیمت لگا کر ان کے نام فروخت کردی جائے۔

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، ولا لذي مرة سوي. (سنن أبی داؤد، کتاب الزکاة، باب من یعطی من الصدقة، وحد الغني، النسخة الهندية ١/ ٢٣١، دارالسلام رقم: ١٦٣٤، سنن ابن ماجه، الزكاة، باب من سأل عن ظهر غنى، النسخة الهندية ١/ ١٣٢، دارالسلام رقم: ١٨٣٩)

وإن كان أحدهما عيناً والآخر موصوفاً فی الذمة فإن جعل العين منهما مبيعاً والدين ثمنا جاز. (عالمگیری، کتاب البیوع، الفصل الثالث، فی معرفة المبیع والثمن والتصرف فیهما قبل القبض زکریا دیوبند ٣/ ١٣، جدید ٣/ ١٥)

ولاإلیٰ غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أي مال کان . (درمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، قبیل مطلب فی جهاز المرأة هل تصیر به غنیة زکریا دیوبند ۲۹۵/۳، ۲۹۶، کراچی ۳٤۷/۲)

نیز جس سے زکوٰۃ کا پیسہ مانگا گیا ہے ایسے صاحب نصاب جائداد شخص کے بارے میں اس نے اگر تحقیقات کی ہیں، تو یہ کوئی بری بات نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۹۲/۳۸)

غیر صاحب نصاب جائیداد کے مالک کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ ایسے لوگوں کو دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ جو صاحب جائداد ہوں مگر وہ اتنا روپیہ نہیں رکھتے جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے؟

المستفتي: روشن جہاں، ابو منصور کمپنی، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ کوئی زیور وغیرہ بھی اتنا نہ ہو جس سے صاحب نصاب بن جائے، لیکن ایسے صاحب جائداد شخص کی شایان شان نہیں ہے، کہ وہ دوسروں کے اموال کا میل (زکوٰۃ) کھائے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ. (سورة التوبة: ٦٠)

عن سعید بن جبیر قال: یعطی من الزکاة من له الدار والخادم والفرس وأخرج أیضا ، عن شبیب بن عبد الملک قال: سألت مقاتل بن حیان عن رجل فی الدیوان له عطاء وفرس، وهو محتاج ، أعطیه من الزکاة،

قال: نعم . (المصنف لإبن أبی شیبة ، الزکاة، من له دار و خادم یعطی من الزکاة، مؤسسه علوم القرآن ٦/٥١٧، رقم: ١٠٥١٦، ١٠٥١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۷۸)

مالداروں کے گھر رہنے والی غریب لڑکی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جو غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، وہ ہمارے ساتھ رہتی ہے، اسکی ساری ضرورتیں تعلیم کھانے پینے اور دیگر خرچ کی ذمہ داری ہماری ہے کیا اس کی ضرورتوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

المستفتي: محمد ناصر، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ لڑکی مستحق زکوٰۃ ہے، تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے، لیکن یہ شرط ہے کہ اگر وہ لڑکی آپ کے یہاں کام کرتی ہے، تو زکوٰۃ کے پیسے سے اس کو اجرت دینا درست نہیں ہے، ہاں البتہ اس کی اجرت کے علاوہ الگ سے اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے، اور ایسا کرنا درست نہیں ہے کہ آپ اس سے گھر کی نوکرانی بنا کر کام لیتے رہیں، اور اس کی ضروریات کی تمام چیزیں مد زکوٰۃ سے ادا کرتے رہیں، اور اسی کی بنا پر وہ آپ کے یہاں نوکرانی بن کر رہ رہی ہے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کے پیسے اجرت میں شمار ہو جائیں گے۔

لشخص مخصوص هو أن یکون فقیراً و نحوه من بقیة المصارف غیر هاشمی و لا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للّٰه تعالیٰ . (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الزکاة دارالکتاب دیوبند / ٧١٤،

قدیم / ۳۸۹، البنایه ، الزکاۃ، اشرفیه دیوبند ۳/ ۲۸۸، ہندیه ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۲۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۲۲ھ

حج کیلئے زکوٰۃ کا سوال کرنا

سوال: [۴۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی حافظ یا مولوی قاری ہو کر حج کے لئے زکوٰۃ کا سوال کرے تو کیا ان کو زکوٰۃ حج کیلئے دینا جائز ہے یا نہیں اور اس کا سوال کرنا ٹھیک ہے یا غلط؟

المستفتي: محمد عثمان فینسی کارنر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی بھی غیر مصرف اور غیر مستحق کیلئے زکوٰۃ کا سوال کرنا جائز نہیں ہے، زکوٰۃ صرف فقراء کا حق ہے، حج کو جانے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ مانگنا مشروع نہیں ہے۔

ذهب جمهور العلماء إلىٰ أنه لايجوز الصرف فى الحج من الزكاة لأن سبيل الله فى آية مصارف الزكاة مطلق وهو عند الإطلاق ينصرف إلىٰ الجهاد فى سبيل الله . (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/ ۳۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۱۵ھ

نابینا حاجی کی مدد کیلئے بینا کو زکوٰۃ کی رقم سے بھیجنا

سوال: [٤٣٦٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نابینا شخص حج کو جانا چاہتا ہے، اس کی مدد کیلئے ایک صاحب زکوٰۃ کے پیسہ سے ایک بینا شخص کو بھیجنا چاہتے ہیں، تو کیا اس آدمی کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟

المستفتي: محمد حنیف، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے کسی کو حج کرانا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ منشاء زکوٰۃ کے خلاف ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کو فقیر کی ملکیت میں پورے طور پر منتقل کر دیا جائے، اور اس کے بعد اس زکوٰۃ دینے والے کا اس میں کوئی دخل نہ ہو، اور وہ فقیر جہاں چاہے اسے اپنی مرضی سے خرچ کرے خواہ اپنے بال بچوں پر خرچ کرے یا اس سے حج کرے لیکن اس رقم سے حج کرانے کا مطلب یہ ہے کہ اس زکوٰۃ میں فقیر کو آزادانہ تصرف کا حق نہیں دیا گیا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں زکوٰۃ کے ادا ہونے میں بھی تردد ہوتا ہے، اسلئے زکوٰۃ کے پیسے سے کسی کو حج نہ کرایا جائے، بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ اپنی جیب خاص اور مد تعاون سے حج کرائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧ر ربیع الثانی ١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/٦١٠٢)

تبلیغ والوں کو مد زکوٰۃ سے کھانا کھلانا

سوال: [٤٣٦٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) یہ کہ مرادآباد میں تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں، ہر ہفتہ بروز جمعرات قریب نماز مغرب ساری جماعتیں مسجد سرائے پختہ مرکز تبلیغ مرادآباد میں آجاتی ہیں بعد نماز عشاء سب کو فری کھانا دیا جاتا ہے، جماعتیں ٤٨ر میل سے کم کی بھی ہوتی ہیں، اور ٤٨/ میل سے زیادہ کی

بھی ہوتی ہیں، کبھی کبھی غیر ملکی جماعتیں بھی ہوتی ہیں، سوال یہ ہے جس طرح طلباء مدارس اسلامیہ کیلئے مطبخ کا خرچہ مدز کوٰۃ سے کیا جاتا ہے کیا ان جماعتوں کے کھانے کا خرچہ مد زکوٰۃ سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ اس میں مخیّر صاحبان کی زکوٰۃ بلاشبہ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

(۳) یہ کہ اس کھانے میں مقامی انتظامیہ صاحبان کا شریک ہوکر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، سابق بزاز حال، ظروف مرچنٹ بازار، شاہی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سائل کا مقصد سوالنامہ میں ذکر کردہ لوگوں کا ابن السبیل کے دائرہ میں داخل ہونا ہے، قرآن کریم میں جو ابن سبیل کا لفظ آیا ہے، اس کا مصداق ہر قسم کا مسافر نہیں ہے، بلکہ صرف وہ مسافر مراد ہے، کہ جس کے پاس حالت سفر میں اپنی ضروریات کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، اور جس مسافر کے پاس بقدر ضرورت روپیہ وغیرہ ہو وہ ابن السبیل کے دائرہ میں نہیں آتا ہے، اس لئے تبلیغ والوں کو ابن السبیل یا فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل سمجھ کر ان کو مد زکوٰۃ سے کھانا کھلانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۴/ ۴۰۹)

عن الضحاک فی رجل سافر وهو غني فنفد ما معه فی سفره واحتاج، قال: يعطى من الصدقة فی سفره، لأنه ابن سبيل. (مصنف ابن أبي شيبه ،الزكاة، ماقالوا فيما رخص فيه من المسالة لصاحبها ۷/ ۳۷، رقم: ۱۰۷۸۹)

وفی کتاب علی بن صالح الجوزجانی أن ابن السبيل هو الذی لايقدر على ماله وهو غني، ولو يقدر علىٰ أن يستقرض ، فالقرض خير له من قبول الصدقة ، وإن قبل الصدقة أجزیٰ أن يعطيه . (الفتاویٰ التاتار خانية ،

كتاب الزكاة، الفصل الثامن فى من توضع فيه الزكاة، زكريا۳/ ۲۰٤، رقم: ٤١١٣٥)

(۲) ایسی صورت میں مخیرّ حضرات کی زکوٰۃ ادا ہونے میں واقعی شبہ اور تردد باقی رہ جاتا ہے۔

(۳) مقامی صاحب نصاب حضرات کا شریک ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ. (سورة التوبة: ٦٠)

عن ابن عمر ، عن النبي ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، الحديث :

(سنن الترمذي، الزكاة، باب ماجاء من لا تحل له الصدقة النسخة الهندية ١/ ١٤١، دارالسلام رقم: ٦٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۶۵)

ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے زکوٰۃ وصدقہ دینا

سوال: [۴۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا دہلی کے میڈیکل کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کررہا تھا، وہ قوم کا سید نہیں تھا، اسکے والد کا انتقال ہوچکا ہے، رہنے کیلئے ذاتی مکان ہے، اسکے علاوہ کچھ زمین اور جائداد بھی ہے، جس کی تقسیم ابھی ورثاء میں نہیں ہوئی ہے، اسکے پاس تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہے، اس لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد احمد، فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: اگر مذکورہ لڑکے کا حصہ اور اسکے حصہ کی جائداد کی آمدنی نصاب کی مقدار کو پہونچ جاتی ہے، تو اس کو زکوٰۃ وصدقہ فطر وغیرہ دینا شرعاً جائز

نہیں ہے، اور اگر نصاب کی مقدار کو نہیں پہونچتی ہے تو جائز ہے اور جائیداد کا تقسیم نہ ہونا کوئی عذر نہیں ہے، منافع لازمی تقسیم ہو سکتے ہیں۔

سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقه عياله سنة يحل له أخذ الزكوٰة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفًا وعليه الفتوىٰ، وعندهما لايحل الخ. (شامی، کتاب الزکاة ، باب المصرف ، قبيل مطلب فى جهاز المرأة هل تصير به غنية زكريا دیوبند۳/۲۹۶، کراچی ۲/۳٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۹۶)

صاحب نصاب کو علاج کے لئے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ نقد ہیں، اور وہ بیمار ہے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، علاج کیلئے ڈاکٹر اس کو علاج کیلئے دس ہزار روپیہ بتاتا ہے، جو کہ اس کے پاس نہیں ہیں، صرف پانچ ہزار روپئے ہیں تو کیا اس شخص کے پاس پانچ ہزار نقد موجود ہونے کے باوجود اس کو مد زکوٰۃ سے پانچ ہزار روپیہ دیئے تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

المستفتي: عبد اللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کے پاس بقدر نصاب روپئے موجود ہیں، تو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسکی صورت یہ ہوگی کہ وہ اپنا علاج کرائے اور جب کل روپئے یا اتنے روپئے خرچ ہوجائیں کہ وہ بقدر نصاب مالک ہی نہ

رہے، تو اسکو مدزکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اوراس کے لئے لینا بھی جائز ہوجائیگا، یایوں کرے اولاً پانچ ہزارروپیہ قرض لے کرعلاج کرے اورعلاج کے بعدقرض ادا کرنے کیلئے مدزکوٰۃ سے اسکو پانچ ہزارروپیہ دیدے۔

مصرف الزكوٰة (إلىٰ قوله) هو فقير وهو من له أدنى شيئى ومسكين من لاشيئى له . (درمختار مع الشامی ، كتاب الزكاة ، باب المصرف، زكريا ديوبند ۲۸۳/۳، ۲۸٤، كراچی ۳۳۹/۳، عالمگيری ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی الصارف ۱۸۷/۱، جدید ۲٤۹/۱)

ويجوز دفعها إلىٰ من يملك أقل من النصاب ، وإن كان صحيحاً مكتسباً. (عالمگيری ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف زكريا ۱۸۹/۱، جديد ۲۵۱/۱)

مديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه . (درمختار مع الشامی، كتاب الزكاة، باب المصارف زكريا ديوبند ۲۸۹/۳، كراچی ۳٤۳/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۵۴/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ

غریب مریض کے علاج ومعالجہ کے لئے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۷۱]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مدزکوٰۃ سے غریب نادار کینسر کے بیماروں کی دوا علاج کے لئے دے دینا جائز ہے یانہیں ؟ ایک ہسپتال بمبئی میں وکرناٹک میں اس خدمت کوانجام دے رہاہے۔

المستفتي: عبدالحق محلہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: غریب نادارمریضوں کو مالکانہ قبضہ دینے سے زکوٰۃ اداہوجائیگی اس کے بغیرہسپتال وغیرہ میں دینے سے زکوٰۃ ادانہ ہوگی ، نیز وہاں بدعنوانیاں بھی ظاہرہیں۔

عن الشعبی ، أن شریحاً و مسروقاً کانا لایجیز ان الصدقة حتی تقبض. (مصنف عبد الرزاق ، باب لا تجوز الصدقة إلا بالقبض ، المجلس العلمی۹/ ۱۲۱، رقم: ۱٦٥٩١)

یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة و لا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدرالمختار ، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیو بند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤، مصري ۲/ ۸٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۱)

صدقات وزکوٰۃ ہسپتال میں صرف کرنا

سوال: [۴۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مراد آباد میں ایک ہسپتال ہندو حضرات کے زیر اہتمام ان کے چندہ اور گورنمنٹ کی امداد سے بن رہا ہے، مریضوں کو بغیر کسی فیس کے دیکھا جاتا ہے، اور علاج بھی ہو رہا ہے، اس ہسپتال کی تکمیل کے بعد مریضوں کو دہلی آنے جانے کی ضرورت نہیں رہے گی، معلوم یہ کرنا ہے، کہ ایسے ادارہ میں جو رفاہ عام کے طور پر ہو کسی مسلمان کو بغرض خدمت خلق اور بہ نیت ثواب اس کی خدمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے فوراً براہ کرم مطلع فرما کر رہبری فرمادیں۔ آپ کا ممنون ہوں گا؟

المستفتي: احقر ظفر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ ادارے میں بغرض خدمت خلق زکوٰۃ وصدقہ فطر کے ذریعہ خدمت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اس میں دینے سے زکوٰۃ وصدقہ فطر ادا نہیں ہوگا۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر ولا یصرف إلیٰ

بناء نحو مسجد ولا إلیٰ كفن ميت وتحته في الشامية : كبناء القناطر والسقايات ، وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل مالا تمليك فيه الخ. (الدر مختار مع الشامی ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤)

ہاں البتہ بغرض خدمت خلق بنیت ثواب نفلی امداد کی گنجائش ہے! لیکن وہ ثواب حاصل نہیں ہوسکتا جو مسلم ادارے میں دینے سے حاصل ہوسکتا ہے! (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم۶/ ۲۷۷، معارف القرآن ۸/ ۴۰۶، مطبوعہ ربانی بکڈپو، مالا بدمنہ/۱۱۳، مطبوعہ نامی لکھنؤ) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۹۹)

زکوٰۃ کی رقم غریبوں کیلئے تیارشدہ ہوسپٹل میں لگانا

سوال: [۴۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ہوسپٹل کی عمارت میں غریبوں کی دوائیاں اور دیگر ضروریات مثلاً دوائی بغیر پیسے ہے، اور کمرے کی رہائش وغیرہ کا کوئی کرایہ غریب مریض سے نہیں لیا جاتا ہے، مزید بات یہ ہے کہ ان تمام اخراجات سے ہوسپٹل گیارہ لاکھ کا مقروض ہو چکا ہے، تو کیا اس ہوسپٹل میں زکوٰۃ کا پیسہ لگایا جاسکتا ہے، کہ نہیں اور اگر کسی نے لگا دیا تو کیا زکوٰۃ ادا ہوجائیگی کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ ہسپتال میں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، چاہے ہسپتال مقروض ہوگیا ہو، اگر اس میں زکوٰۃ کا پیسہ لگایا جائے، تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور جس نے ہسپتال میں زکوٰۃ کا پیسہ دیا ہے اسپر دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، حتی کے مسجد میں لگانے سے بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔

عن الثوري قال: الرجل لايعطي زكاة ماله .... في كفن ميت ولا دين ميت، ولا بناء مسجد ، ولا شراء مصحف ، الحديث: (مصنف عبد

الرزاق ، كتاب الزكاة، باب لمن الزكاة، المجلس العلمي بيروت ٤/١١٣، رقم: ٧١٧٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وفي الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف ، كراچی ٢/٣٤٤، زكريا٣/٢٩١)

وعلى هذا يخرج صرف الزكاة، إلىٰ وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات وإصلاح القناطر وتكفين الموتىٰ ودفنهم أنه لايجوز، لأنه لم يوجد التمليك أصلاً. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل في اركان الزكاة، زكريا ٢/١٤٢)

ولاتصرف في بناء مسجد وقنطرة .... ورباط .... ولا يبنى بها قبر ، ولا يقضى بها دين ميت، ولايعتق عبد ولا يكفن ميتا. (الفتاویٰ التاتار خانية ، كتاب الزكاة، الفصل الثامن ، في من توضع فيه الزكاة، زكريا٣/٢٠٨، رقم: ٤١٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۵۸)

صاحب نصاب فقیر برادری کے افراد کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں پرانی رسم چل رہی ہے، کہ لوگ صدقہ فطرہ اپنے یہاں کے فقیروں کو دیتے ہیں، جو ایک ذات یا برادری کے نام سے جانی جاتی ہے، جو میاں خاندان کے نام سے مشہور ہے ہوسکتا ہے، کہ کسی زمانہ میں واقعتہً یہ لوگ اس لائق ہوں کہ جن کی زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کے ذریعہ سے مدد کی جا سکے لیکن اس وقت ان کی حیثیت مالی اعتبار سے زیادہ

اچھی نہ صحیح مگر پھر بھی متوسط درجہ کی حیثیت رکھتے ہیں، کیا ایسے لوگوں کوزکوٰۃ یاصدقہ فطر یا کسی قسم کے صدقات دینا درست ہے؟ اور کیا دینے والوں کوثواب ملیگا، اور کیا ایسی ہی حالت رشتہ دار کی ہوتو اسے دینا درست ہے؟

المستفتي: ابوالکلام، سدھارتھ نگری۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقہ فطر کامصرف فقراء اور مساکین ہیں، اگر آپ کے رشتہ دار اور سوالنامہ میں ذکرکردہ افراد صاحب نصاب ہیں، جیسا کہ سوالنامہ سے پتہ چلتا ہے، اوران کے صاحب نصاب ہونے کا علم پہلے سے ہے، تو انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور نہ ہی انھیں دینے سے زکوٰۃ کا فریضہ ذمہ سے ساقط ہوگا، ایسے رشتہ داروں اور لوگوں کی صدقات نافلہ کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ٦/٢٠٢، ٦/٢١١)

عن عبد اللّٰہ بن عمرو، عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، ولا لذي مرة سوي. (سنن ابي داؤد، الزكاة، بابمن يعطى من الصدقة وحدالغني، النسخة الهندية ١/٢٣١، دارالسلام رقم: ١٦٣٤، مصنف عبد الرزاق، الزكاة، باب كم الكنز ولمن الزكاة، المجلس العلمي ٤/١١٠، رقم: ٧١٥٥، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٦/٢٣٨، رقم: ٢٢٧١، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٤/١٤، رقم: ٣٥٠٤، ١٣/٨، رقم: ٢٠)

ولا إلیٰ غنی يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب فى الجهاز هل تصيريه غنيه، زكريا ديوبند٣/٢٩٥، ٢٩٦، كراچى ٢/٣٤٧)

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني لأنها تجرى مجرىٰ الهبة. (بدائع الصنائع، كتبا الزكاة، باب مصارف الزكاة، زكريا ديوبند٢/١٥٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۷/ ۱۴۲۴ھ

سود یا زکوٰۃ کی رقم سے موٹر لگوانا

سوال: [۴۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت صاحب حیثیت رہی ہے، لیکن کافی عرصہ سے اس کے شوہر کا کام خراب ہوگیا ہے، اور قرضدار ہے جسکی وجہ سے وہ بہت تنگ حال ہے اسکی عورت کا زیور بھی گروی ہے، البتہ سات تولہ یا کچھ زیادہ زیورات بھی اس کے پاس ہیں، اس کو پانی کی بہت تکلیف ہے اوپری منزل ہے پانی نہیں پہونچتا اسکی بہن بینک کے سود سے اس کے یہاں موٹر لگانا چاہتی ہے، اس کیلئے کیا حکم ہے اور اگر زکوٰۃ اس پر خرچ کی جائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: فرحت جہاں، محلّہ قانون گویاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جتنا اس پر قرض ہے اس کو منہا کرنے کے بعد موجودہ زیور ونقدی ملا کر چاندی کے نصاب کو اگر پہونچ جاتا ہے، تو اس کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز نہیں ہے اور اگر نصاب کے بقدر باقی نہیں رہتا ہے، تو اس کو زکوٰۃ کے پیسہ سے امداد کرنا جائز ہے، اور اگر بالکل نہیں بچتا ہے، تو سود کا حرام اور خبیث پیسہ بھی اس کو دیا جاسکتا ہے، اور اس سے وہ پانی کا نل وغیرہ لگوا سکتی ہے۔

عن عطاء بن يسار، أن رسول الله ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، إلا لخمسة: لغاز في سبيل الله، أو العامل عليها، أو لغارم، الحديث: (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۱، دارالسلام رقم: ۱۶۳۵)

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا٣/٢٨٩، كراچی ٢/٣٤٣)

ومنها الغارم: وهومن لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلاعن دينه . (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف زكريا ١/١٨٨، جديد١/٢٥٠، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند٢/١١٥، مراقی الفلاح مع حاشية ، كتاب الزكاة، باب المصرف دارالكتاب ديوبند/٧١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١۵/رمضان المبارک ١۴١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٧/٢٣٨۴)

زکوٰۃ کی رقم تجہیز وتکفین میں خرچ کرنا

سوال: [۴٣٧٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا پیسہ کسی قریبی رشتہ دار مردے کے گوروکفن میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد جاوید اختر، محلّہ مقبرہ دوئم، حظیرے والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جائز نہیں ہے۔

عن الثورى قال: الرجل لايعطى زكاة ماله .... فى كفن ميت ولا دين ميت، ولا بناء مسجد ، ولا شراء مصحف ، الحديث : (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة، باب لمن الزكاة، المجلس العلمى بيروت ٤/١١٣، رقم: ٧١٧٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ولاإلىٰ كفن ميتٍ وقضاء دينه الخ. (الدر المختار مع الشامى،

كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا۳/۱ ۲۹، كراچی ۲/۳٤٤)

ولا يجوز أن يكفن بهاميت ولا يقضى بها دين الميت كذا في التبيين.

(هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف ، زكريا ديوبند ۱/۱۸۸، جديد ۱/ ۲۵۰)

ولا تصرف في بناء مسجد وقنطرة ، ولا يبنى بها قبر، ولا يقضى بها دين ميت، ولا يعتق عبد ، ولا يكفن ميتاً. (الفتاوى التاتارخانية ، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند۳/۲۰۸، رقم: ٤١٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۲۷)

ڈپوزٹ میں دینے کیلئے زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل مہنگائی ہمارے یہاں اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایک معمولی رہنے کا مکان کا خریدنا بھی ہر ایک کے بس میں نہیں اسلئے یہاں کے غریب مسلمان پگڑی سے خریدنے سے قاصر ہیں، اور مجبوراً ڈپوزٹ میں مکان رکھ لیتے ہیں، اور بعضوں کو تقریباً ۴۰ سے ۵۰؍ہزار تک ڈپوزٹ دینا پڑتا ہے، اور وہ بھی یہی زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے ڈپوزٹ سے مکان رکھتے ہیں، اور اپنی پوری پونجی اسی میں لگا دیتے ہیں، اور ہاتھ میں بالکل نقد رقم نہیں رہتی ہے، گو کہ ڈپوزٹ کی رقم بطور امانت جمع رہتی ہے، لیکن اگر یہ غریب شخص اپنی ڈپوزٹ کی رقم لے لیتا ہے، تو اس کا پورا کنبہ گھر سے باہر ہوجاتا ہے، اور اس کے گھرانہ کیلئے رہنے کی ضرورت جو اس کیلئے ازحد ضروری ہے، رہ جاتی ہے، اسلئے ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ ڈپوزٹ میں رکھی ہوئی رقم ضرورت رہائش کیلئے ہے، اور یہ رقم ضرورت سے زائد نہیں ہے؟

ہمارے ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تقریباً ۴۰؍ہزار تک ہوتی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مذکورہ میں مکان لینے والے کے پاس بقدر نصاب رقم موجود ہو یا بقدر نصاب رقم ڈپوزٹ میں دے چکا ہو جو واپس ملنے والی ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں، لیکن اگر نصاب کے بقدر مال اس کے پاس نہ ہو اور نہ ڈپوزٹ میں دی ہو تو وہ زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہے، پھر مکان مالک کو ڈپوزٹ میں دے سکتا ہے۔

(قوله والفقير له أدنى شيئى) وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غير تام وهو مستغرق فى الحاجة. (فتح القدير، کوئٹہ ۲/ ۲۰۲، زکریا دیوبند ۲/ ۲۶۰، البحر الرائق، زکریا دیوبند ۲/ ۴۱۹، کوئٹہ ۲/ ۲۴۰، الدر المختار مع الشامی، زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹، بدائع الصنائع، زکریا ۲/ ۱۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲؍ شعبان ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۵)	۱۴۱۹/۸/۲ھ

زکوٰۃ کی رقم کمیٹی کی رجسٹری وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: [۴۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سالانہ زکوٰۃ کی رقم نکالتا ہوں مدارس کیلئے نیز غرباء ومساکین کو ادائیگی کے لئے ایک شخص کو وکیل بنادیا تھا، تاکہ وہ اپنی تحقیق کی بنیاد پر غرباء پر زکوٰۃ کی رقم صرف کردے اب تک اس طرح ادائیگی ہوتی رہی لیکن اس سال میں نے ارادہ کیا ہے، کہ ایک کمیٹی اپنی نجی بنا کر رجسٹریشن کرا کر صرف اپنی ہی رقم اس رجسٹرڈ کمیٹی کی نگرانی میں غرباء پر صرف کریں تاکہ ایک باقاعدہ نظام کے تحت ادائیگی ہوجائے، رجسٹرڈ کمیٹی اس لئے کرانا چاہتا ہوں تاکہ کوئی اختلاف نہ ہو کام کرنے والوں میں چونکہ میں خود اپنی مشغولی میں رہتا ہوں، اسلئے پوچھنا یہ ہے کہ کمیٹی کے رجسٹرڈ کرانے وکرایہ بھاڑا کے جملہ اخراجات اسی مد زکوٰۃ سے کرسکتا ہوں یا الگ سے اخراجات پورے کریں نیز اگر ایک شخص کو مستقل اسی کام پر لگادیا جائے، تاکہ وہ

بمدزکوٰۃ مستحق کوپہونچادے اس کی تنخواہ الگ سے دیں یا اسی رقم سے؟ جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتي: محمد انیس، سانڈی، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ سوال میں زکاۃ کی رقم کو کمیٹی کے رجسٹرڈ کرانے اور کرایہ وغیرہ کے جملہ اخراجات پورا کرنے میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی رقم سے مذکورہ ملازم کو تنخواہ دینا بھی جائز نہیں ہے، اگر ایسا کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ، لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات ..... وكل مالاتمليك فيه .(درمختارمع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ،کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۱)

قوله لشخص مخصوص هو أن يكون فقيراً ونحوه من بقية المصارف غيرهاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ.

(طحطاوی علی المراقی ، دارالکتاب دیو بند/ ۷۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲ھ

صدقات واجبہ کی رقم سے بیت المال کی رسید چھپوانا

سوال: [۹۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ادارہ کے تحت بیت المال قائم ہے، اس کا مقصد علاقہ کے غرباء کے مریضوں کے علاج اور مسکین بچوں کی تعلیم کیلئے رقم فراہم کرنا ہے، اور یہ رقم زکوٰۃ صدقۃ الفطر اور چرم قربانی سے فراہم ہوتی ہے، آیا اس بیت المال کی اس رقم سے بیت المال کے لئے رسید چھپوانا قربانی کیلئے چھری تیز کروانے اور کھال وصول کرنے والوں کی اجرت وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تشریح کے ساتھ جواب دیں؟

المستفتي: ریاض احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم سے بیت المال کیلئے رسید چھپوانا چھری تیز کروانے اور کھال وصول کرنے والوں کو اجرت دینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم کے مستحق فقراء اور مساکین ہیں۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (درمختار مع الشامی ، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۸/۳/۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۱۲/۳۸)

زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ کی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرنا

سوال: [۴۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ، فطرہ صدقہ کی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعظیم، مسجد بساتیان، نولگڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ، فطرہ اور صدقہ واجبہ کی رقم مسافر خانہ کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

عن الثوری قال: الرجل لايعطى زكاة ماله .... فى كفن ميت ولا دين ميت، ولا بناء مسجد ، ولا شراء مصحف ، الحديث: (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة، باب لمن الزكاة، المجلس العلمی بيروت ٤/ ١١٣، رقم: ٧١٧٠)

ولايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته فى الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱)

وعلیٰ هذا يخرج صرف الزكاة إلىٰ وجوه البر من بناء المساجد والرباطات ، والسقايات وإصلاح القناطر وتكفين الموتى ودفنهم أنه لايجوز ، لأنه لم يوجد التمليک أصلاً . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل في ركن الزكاة، ۲/۱٤۲)

ولا تصرف في بناء مسجد وقنطرة ، ولايبنى بها قبر، ولا يقضى بها دين ميت، ولا يعتق عبد ، ولا يكفن ميتاً. (الفتاویٰ التاتار خانية ،كتاب الزكاة، الفصل الثامن في من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند ۳/۲۰۸ ، رقم: ٤١٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۲۰۲)

زکوٰۃ کی رقم سے تعمیری قرض کی ادائیگی

سوال: [۴۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ کے ذمہ داران نے ادارہ کی تعمیری ضرورت کیلئے ایک صاحب خیر سے قرض لیا اور ضرورت بھر کی تعمیر کر لی گئی اب کافی عرصہ ہو گیا مدرسہ کے پاس عطیہ اور تعمیر کی مد میں کوئی آمدنی نہیں ہو پا رہی ہے، مطبخ اور تنخواہوں کی ضروریات بھی بڑی مشکل سے پوری ہو رہی ہیں، تو کیا مد زکوٰۃ کی رقم سے تملیک کے بعد تعمیری قرض کی ادائیگی کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتي: ظہیر احمد قاسمی، ناظم:
مدرسہ بحر العلوم، سانڈہ، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعاً ایسا قرض لینا جائز نہیں ہے، جس کی

ادائیگی کے لئے پہلے سے کوئی اسباب موجود نہ ہوں، اگر اس طرح کی اجازت مل جائے کہ قرض لے کر تعمیر کرلی جائے، اور اسکے بعد زکوٰۃ کے پیسے سے تعمیری قرض ادا کیا جائے تو یہ ایک ایسا حیلہ ہے جس کے ذریعہ زکوٰۃ کے مستحقین کی حق تلفی لازم آتی ہے، پھر یہ سلسلہ مدارس سے تجاوز کر کے اسکولوں اور ہسپتالوں میں بھی جاری ہو جائیگا، اس لئے اس قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کی رقم کے بجائے امداد ہی کی رقم سے کرانی ضروری ہے اور اس مقصد کیلئے حیلہ تملیک کرنا درست نہیں ہے۔

وقال محمدؒ یکره لمافیه من القصد إلیٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه. (عمدة القاری، کتاب الحیل، باب فی الزکاة، داراحیاء التراث العربي بیروت ۲٤/۱۱۱، زکریا دیوبند ۱٦/۲۳۹)

وإن کانت لإبطال حق مسلم فلا بل هی إثم وعدوان . (فتح الباری، کتاب الحیل، دارالریان للتراث ۱۲/۳٤۲، ۱۲/۳۲٦)

ومااحتال به حتی یبطل حقاً أو یحق باطلاً أولیدخل به شبهة فی حق فهو مکروه . (فتح الباری، کتاب الحیل، باب فی الزکاة، دارالریان للتراث بیروت ۱۲/۳٤۷، اشرفیه دیوبند ۱۲/٤۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۳۰ھ

کیا مقروض مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال: [۴۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان بے روزگار ہو اور پہاڑ برابر قرض میں مبتلا ہو بے روزگاری اور تنگی کی بہت زیادہ کیفیت ہو اور قرض دینے والے اسے بہت زیادہ پریشان کر رہے ہوں، تو کیا اس حالت میں وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اور کیا زکوٰۃ کا پیسہ لیکر قرض ادا کیا جا سکتا ہے؟

المستفتي: افسر علی، بارہ دری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ پر غور کیا گیا اس کے بعد شرعی حکم واضح کیا جا رہا ہے، ہمارے مراد آباد میں قرض کے شکار دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

(۱) ایک وہ غریب اور محنت کش لوگ ہیں، جو اپنی محنت ومزدوری اور معمولی کاروبار سے گذارہ کررہے ہیں، اور بے روزگاری کی وجہ سے اپنے اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے دوسروں سے قرض لیکر بچوں کی روٹی روزی کا انتظام کرتے ہیں، اور پھر محنت ومزدوری کے پیسے قرضہ کی ادائیگی کیلئے نہیں ہو پاتے تو ایسے لوگوں کے قرض کی ادائیگی کیلئے زکاۃ دہندگان کا اپنی زکوٰۃ دینا اور ان کا زکوٰۃ لیکر اپنا قرض ادا کرنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

(۲) دوسرے قسم کے قرضدار وہ لوگ ہوتے ہیں، جو بڑے اور اونچے کاروبار کرتے ہیں، اور سرمایہ داری اور تجارت کو فروغ دینے کیلئے کبھی سرکار سے قرض لیتے ہیں، اور کبھی سرمایہ دار دوستوں سے قرض لیتے ہیں، ایسے قرض کی ادائیگی کیلئے زکاۃ کا پیسہ نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ فقراء اور غرباء کا حق ہے، اور بسا اوقات لوگ ایسا بھی کرتے ہیں، کہ کوئی چیز مہنگے ریٹ میں ادھار میں خریدتے ہیں، اور پھر نقد میں سستی بیچتے ہیں، مثلاً کوئی چیز ۲۲۰/ روپئے ادھار میں خرید کر ۲۰/ روپیہ کا نقصان اٹھا کر ۲۰۰/ روپیہ میں فروخت کر دیتے ہیں، تاکہ نقد پیسہ ہاتھ میں آ جائے، اور اس طرح کرتے ہوئے دسیوں لاکھ روپیہ اپنے اوپر قصداً قرض میں چڑھا لیتے ہیں، یہ ضرورت کا قرض نہیں ہے بلکہ بالقصد دوسروں کے پیسے کو ہڑپ کرنا ہے، پھر اس طرح کے قرض لینے کے بعد دوسرے سرمایہ داروں سے اس قرض کی ادائیگی کیلئے دسیوں لاکھ کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں، ایسے قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ دہندگان کا اپنی زکوٰۃ دینا ناجائز اور فقراء ومستحقین کی سخت ترین حق تلفی ہے، اس طرح قرض لینے والے اپنی جائیداد اپنا گھر سب کچھ بیچ کر اپنا قرض ادا کریں۔

عن عبد اللہؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من اقتطع مال امرئ مسلم بيمين كاذبة، لقي الله وهو عليه غضبان، قال عبدالله: ثم قرأ رسول الله ﷺ، مصداقه من كتاب الله تعالىٰ: إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمناً قليلاً ،أولئك لا خلاق لهم فى الآخرة ولا يكلمهم الله .

(الآية: بخاری شریف، ابواب التفسير، باب قول الله تعالىٰ: وجوه يومئذ ناضرة إلىٰ ربها ناظره ۲/ ۱۱۰۹،رقم: ۷۱۴۵، ف: ۷۴۴۵)

عن أبي أمامة أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع حق امرئٍ مسلم بيمينه، فقد أوجب الله له النار، وحرم عليه الجنة، فقال لهٗ رجل: وإن كان شيئا يسيراً يارسول الله ﷺ قال: وإن قضيباً من أراك . (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار، النسخة الهندية ۱/ ۸۰، بيت الأفكار رقم: ۱۳۷، نسائی شريف، القضاء في قليل الماء و كثيره، النسخة الهندية ۲/ ۲۶۳،دارالسلام رقم: ۵۴۱۹، سنن الدارمي دارالمغنی۳/ ۱۶۹۶، رقم: ۲۶۴۵، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۲۶۰، رقم: ۲۲۵۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۸/۱۹ھ

کیا مقروض مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال: [۴۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد الیاس کچھ عرصہ قبل کافی مقروض ہوگیا، اور کوئی کام بھی نہیں چل رہا ہے، ۸/ ماہ سے مکان کا کرایہ ادا نہیں کرسکا ہوں سخت ضرورتمند ہوں قرضہ ادا کرنے کی کوئی صورت بظاہر نہیں ہے، تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اہل خیر حضرات کی زکوٰۃ مجھے دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتي: محمد الیاس، محلّہ بابریان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: مستحق زکوٰۃ مقروض کے قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، مگر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیۓ، کہ اگر کچھ لوگوں کے دینے سے قرض ادا ہوجائے، اور نصاب کے برابر اضافہ بھی ہوجائے، تو اسکے بعد اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا۔

وکره إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر إلا إذا کان المدفوع إلیه مدیوناً الخ.

(درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۳۰۳، کراچی ۲/ ۳۵۳، بدائع زکریا۲/ ۱۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۱/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۰۹)

مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک عزیز اپنے کاروبار میں لاکھوں کے مقروض (قرضدار) ہوگئے ہیں، میں ان کے قرضہ کی ادائیگی کیلئے اپنے شہر کے چند صاحب حیثیت حضرات سے رجوع ہورہا ہوں رائے مطلوب یہ ہے کہ رقم دینے والے حضرات کیا قرضدار کو قرض حسن دے سکتے ہیں، اور وہ لوگ کیا قرض حسن رقم کو زکوٰۃ میں ڈال سکتے ہیں، تاکہ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے، اور لینے والے کیلئے وہ رقم قرض حسن ہوجائے، آپ مفتی حضرات کی اس مسئلہ میں کیا تجویز ہے؟

المستفتي: عبد القادر، واجد نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر وہ شخص قرضہ مجریٰ کرنے کے بعد ساڑھے

باون تولہ چاندی کی قیمت (تقریباً چار ہزار روپیہ) کی مالیت کا مالک رہ جائیگا تو مدزکوٰۃ میں سے اس کو دینا جائز نہ ہوگا، اور اگر قرضہ کو مجریٰ کرنے کے بعد چار ہزار روپیہ کا مالک نہیں رہتا ہے، تو اس کو قرض ادا کرنے کیلئے مدزکوٰۃ میں سے دینا جائز ہوگا، اگر ایک دو شخص کے دینے سے قرض ادا ہوکر چار ہزار کا مالک بھی ہوجاتا ہے، تو اس کے بعد کسی اور شخص سے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہ ہوگا، اور نہ ہی زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہوگی، اس کا لحاظ رکھتے ہوئے صاحب حیثیت حضرات سے ملاقات کرسکتے ہیں۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف مطلب في حوائج الأصلية كراچی ۳۵۳/۲، زكريا ۳۰۳/۲)

فإن كان مديوناً، فدفع إليه مقدار مالو قضىٰ به دينه ولا يبقى له شيئى أو يبقى دون المأتين لابأس به. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع، في المصارف زكريا ۱۸۸/۱، جديد ۲۵۰/۱)

فإن كان عليه دين يجوز أن يعطيه قدر مايقضي دينه، وزيادة دون مأتين. (مجمع الانهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العليمة بيروت ۳۳۳/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱۰/۳۰ھ

سوال: [۴۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک عزیز پر مبلغ پچھتر لاکھ روپیہ کا قرضہ ہوگیا ہے، اور لوگ برابر رقم وصول کرنے کا تقاضہ کررہے ہیں، ان کی بازار میں ۱۶۰۰۰۰۰؍روپیہ کی وصولیابی بھی ہے جو کہ تھوڑی تھوڑی کرکے وصول ہوگی اور ان کے پاس تقریباً ۲۴۰۰۰۰۰؍روپیہ مالیت کی جائیداد ہے جو کہ برائے فروخت ہے لیکن خریدار نہ ہونے کی وجہ سے ابھی فروخت نہیں ہوئی ہے، اگر

یہ دونوں رقومات وصول ہوجائیں تو بھی ٣٥٠٠٠٠٠ /پینتیس لاکھ روپیہ کم رہے گا، جو کہ ان کو ادا کرنا ہے ایسی حالت میں کیا یہ قرض حسن لے سکتے ہیں، اور دینے والے حضرات کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟

المستفتي: عبدالقادر، واجدنگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے واضح ہوتا ہے کہ شخص مذکور ٧٥٠٠٠٠٠ /پچھتر لاکھ روپیہ کا مقروض ہونے کے ساتھ ساتھ ٤٠٠٠٠٠٠ /کا مالک بھی ہے تو اولاً چالیس لاکھ کا قرض ادا کردے اس کے بعد ٣٥٠٠٠٠٠ /کا مقروض رہ جائیگا، تو یہ قرض صاحب حیثیت حضرات سے زکوٰۃ لیکر ادا کرسکتا ہے، جب قرض ادا کرنے کے بعد چار ہزار روپیہ کی مالیت کا مالک رہ جائیگا، تو پھر زکوٰۃ لینا جائز نہ ہوگا، اور نہ ہی زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔

وکرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر إلا إذا کان المدفوع إلیہ مدیوناً الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف مطلب فی الحوائج الأصلیة زکریا دیوبند ٣/٣٠٣، کراچی ٣/٣٥٣، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ٣/٢٢١، رقم: ٤١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢/ذیقعدہ ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٥٠١٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
٢/١١/١٤١٧ھ

مقروض شخص کی زکوٰۃ سے امداد کرنا

سوال: [٤٣٨٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص اپنے والد کے مکان میں رہتا ہے، اور یہ مکان اسی گز کا کرولہ پر ہے جس کے پانچ وارث ہیں، اور وہ مکان بک کر اس کے حصہ میں جو پیسہ آئے اس سے کچھ قرض اتار دے،

اور پھر دوبارہ کچھ قرض لیکر آزادنگر ایم ڈی اے میں قبضہ کے پیسے دیکر ایک مکان ۲۵ر میٹر کا فراہم کر لے اس مکان کی رجسٹری اس کے نام ہے، جس کو پیسہ دیئے ہیں، اس مکان کو اپنے نام کرانے کے واسطے اس کے پاس مکان کی قسط جمع کرنے کو پیسہ نہیں ہیں، اور رجسٹری کے خرچ کے لئے بھی پیسہ نہیں ہیں، یہ کام اس لئے کیا تھا، کہ مکان کے کرایہ کے دباؤ سے بچ جائے، اس وقت اس کی ملازمت بھی ختم ہوگئی ہے، اس کے پاس کوئی جائیداد یا کسی بھی طرح کا بینک کا یا اور کوئی بچت کھاتہ نہیں ہے، اور نہ اس کے پاس کوئی جمع رقم ہے اور زیور بھی نہیں ہے، اور قرضدار ہے اور کوئی کام کاروبار یا نوکری بھی نہیں ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں، یہ شخص جسامت اور قامت سے بھاری بھرکم ہے اور دیندار ہے، شریعت کا پابند ہے اور کسی سے کہنے میں شرم محسوس کرتا ہے؟

المستفتي: محمد شمس الدین، آزادنگر، ایم ڈی اے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ شخص مالی اعتبار سے اتنا کمزور ہے کہ جس کی وجہ سے وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور اس کے یہاں زیورات بھی نہیں ہیں، تو مدزکاۃ سے اس کی امداد کی گنجائش ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (سورة التوبة: ٦٠)

ويجوز دفعها إلىٰ من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً كذا في الزاهدي. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف زكريا ١/ ١٨٩، جديد ١/ ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۸/ ۱۴۳۲ھ

قرضدار کوزکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: [۴۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد صدیق والد تصدق حسین شاہ بلاقی صاحب کی زیارت مکرب پور کا رہنے والا ہوں، کافی وقت سے پریشان چل رہا ہوں، لگ بھگ ۱۲۵۰۰/ کا قرض ہے میری آمدنی ۷۰۰/روپئے مہینہ ہے جوکہ ۶۵۰/ پڑتی ہے ایک میرا لڑکا جسکو ہر روز ۱۰/روپئے ملتے ہیں، مہینہ میں ۱۶/دن اسکا کام ہوتا ہے، ۱۶۰/روپئے مہنیہ اس کی آمدنی ہے، ۸۱۰/روپیہ یہ میری مہینہ کی آمدنی ہے اور میرے آٹھ بچے ہیں، لوگوں کے قرض دینے کی کوشش کرتا ہوں لیکن آمدنی کم ہونے کی وجہ سے کسی کا قرض ادا نہیں کرسکتا، لیکن ایک روز مرنا ہے، اور اللہ کو منھ دکھانا ہے، صرف ادا کرنا چاہتا ہوں، اب آپ مجھے اس کا فتویٰ دیں اگر کوئی صاحب مجھے زکوٰۃ کی مد میں سے پیسے دینے چاہیں، تو وہ میرے لئے زکوٰۃ لیکر قرض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: محمد صدیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی صورت میں قرض ادا کرنیکی غرض سے آپ کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز ہے، اور اس سے زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع مديوناً أو كان صاحب عيال الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلية زكريا ديوبند۳/۳۰۳، كراچی ۲/۳۵۳، مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، قبيل باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۳، هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف زكريا ديوبند۱/۱۸۸، جديد۱/۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۵۵)

مقروض کو قرض سے زائد زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص ۲۰۰۰۰؍ کا مقروض ہے تو اس کو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے زائد کی رقم زکوٰۃ میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اس شخص کی اپنی کوئی قابل زکوٰۃ ملکیت نہیں ہے؟

المستفتي: ریاست حسین، طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیس ہزار روپیہ کے مقروض کے پاس اگر کوئی دوسری رقم یا دولت نہیں ہے، تو اسکو قرض ادا کرنے کیلئے پورے بیس ہزار روپیہ تک زکوٰۃ میں دینا جائز ہے اور اگر مثلاً دس ہزار موجود ہے تو اس کو پورا قرض ادا کرنے کیلئے مزید دس ہزار زکوٰۃ میں دینا جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۱)

ومدیون لایملک نصاباً فاضلاً عن دینه الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۲۸۹، کراچی ۲/ ۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم؍ رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍ ۹ رمضان ۱۴۱۴ھ

غریب مقروض کو مالدار قرضخواہ کا زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک رقم قرض لی، قرضدار بہت بدحال ہو گیا، اور قرضہ ادا نہ کر سکا، قرض دینے والا بہت دولت مند ہے اور کافی روپیہ زکوٰۃ کا ادا کرتا ہے، اگر یہ دولت مند

شخص جس طرح دوسروں کو زکوٰۃ تقسیم کرتا ہے، اس مقروض کو بھی کچھ رقم دیدے، اور وہ مقروض پوری طرح مالک (قبضہ کرلے) بننے کے بعد اس رقم میں سے اپنا قرض ادا کرے، تو کیا یہ فعل درست ہوگا؟ اور زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟

المستفتي: محمد حبیب، محلہ قانون گویان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقروض کی ملکیت میں جتنا مال ہے، اس سے زائد قرض ہے، یا قرض ادا کردینے سے نصاب کی مقدار دولت نہیں رہے گی، تو سوالنامہ میں درج شدہ صورت شرعاً جائز ہوگی۔

والحيلة في ذلك: أن يتصدق صاحب المال على الغريم بمثل ماله عليه من المال العين ناوياً عن زكاة ماله ويدفعه إليه، فإذا قبضه الغريم ودفعه إلىٰ صاحب المال قضاء بما عليه من الدين يجوز . (هنديه ، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكاة ، زكريا ديوبند٦/ ٣٩١، جديد٦/ ٣٩٤، وهكذا في الدر مع الرد، كتاب الزكاة ، زكريا ديوبند٣/ ١٩٠، ١٩١، كراچی ٢/ ٢٧١، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٦/ ٢٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۳۴)

زکوٰۃ کی رقم سے قرض کی ادائیگی

سوال: [۴۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سائل رفیق احمد ولد عبدالمجید، ساکن: گرام لاکڑی فاضل پور، پرگنہ ضلع مرادآباد غریب ومفلس نادار اور عیال دار ہوں میری دو لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک لڑکی کی شادی کرچکا ہوں، اور ایک لڑکی کنواری ہے چھ لڑکے ہیں جن میں صرف دو لڑکے برسر روزگار ہیں، جب کہ آمدنی

سے گھر کا خرچہ بھی صحیح طریقہ پر نہیں چل پاتا ہے، جس کی وجہ سے میں کافی قرضدار ہوگیا ہوں، اور کچھ زیور وغیرہ بھی رہن پڑا ہوا ہے، جسکا مسلسل سود بھی ہو رہا ہے، اس صورت میں از روئے شرع شریف میں زکوٰۃ کا روپیہ وغیرہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ از رائے مہربانی مطلع فرمائیں؟

المستفتي: رفیق احمد، لاکڑی فاضل پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ بالکل فقیر ہیں اور مقروض ہیں، تو زکوٰۃ کے پیسے سے قرض ادا کر سکتے ہیں، مگر اس کو کمائی کی شکل نہ بنائیں۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال الخ. (در مختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلية كراچی ٣٥٣/٢، زكريا٣٠٣/٢)

فإن كان مديوناً فدع إليه مقدار مالو قضى به دينه لايبقى له شيئ أو يبقى دون المأتين لا بأس به. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف زكريا ١٨٨/١، جديد١/ ٢٥٠)

فإن كان عليه دين يجوز أن يعطيه قدر مايقضي دينه، وزيادة دون مأتين. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ٣٣٣/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤ر شعبان ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٩٨٨)

مالدار مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال: [٤٣٩١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مالی پریشانی میں گرفتار ہے، اپنے لڑکوں کی ملازمت حاصل کرنے کی غرض سے سود پر روپیہ قرض لیکر ملازمت حاصل کرنے میں رشوت دی جس کی وجہ سے مزید مقروض ہو چکا ہے، اس کے

علاوہ گھریلو حالات مالی اعتبار سے بیحد کمزور ہیں، زید ان حالات میں امداد کا خواہشمند ہے، بکر کے پاس مدزکوٰۃ کی رقوم موجود ہیں، اور یہ زید کی زکوٰۃ سے مدد کرنا چاہتا ہے، کیا ایسی صورت میں مدزکوٰۃ سے امداد کر سکتے ہیں، اس طریقے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمایا جائے۔

المستفتي: فیض محمد، فوجی ریٹائر، رحمت نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اللہ کے فقراء ومساکین کا حق ہے، انہیں کو زکوٰۃ پہونچنی چاہئے، آجکل کے زمانے میں افسوس کی انتہا نہ رہی کہ مالدار لوگ بڑی بڑی تجارت کیلئے بھاری قرض لے لیتے ہیں، اور اس کے بعد نقصان ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو مستحق زکوٰۃ ثابت کرکے دوسرے مالداروں کی زکوٰۃ کی رقم اپنے قرض کی ادائیگی اور اپنی ضروریات میں صرف کرتے ہیں، نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے، کہ درحقیقت زکوٰۃ ایسے طریقہ پر ایک حیلہ کیساتھ بڑے بڑے تاجروں کو پہونچ رہی ہے، اور جولوگ بنیادی طور پر فقیر ومسکین ہیں، ان تک زکوٰۃ کا ایک فیصد اور سوا حصہ بھی نہیں پہونچ رہا ہے، زکوٰۃ دہندگان اس کا ضرور خیال رکھا کریں کہ ان کی زکوٰۃ اصل مستحق کو پہونچ رہی ہے، یا عارضی مستحق کو پہونچ رہی ہے، اور یہ تاجر جو اپنے کو مستحق زکوٰۃ ثابت کرتے ہیں، وہ عارضی اور وقتی طور پر ہیں، اگرچہ مسئلہ کی رو سے ایسے مقروض تاجر کے قرضہ کی ادائیگی میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے مذکورہ صورت میں بھی ایسا ہی ہے، کہ سائل عارضی اور وقتی طور پر مستحق ہے۔

قوله (ومديون) (تحت في الشامية) فإنما جاز الدفع إليه لأنه فقير يداً . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۳)

نیز رشوت اور سود پر قرض لینا خود باعث لعنت اور بربادی ہے، جس کا نتیجہ خود ظاہر ہے، اور ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینے کی صورت میں سودی لین دین میں تعاون کرنا ہے، جس میں کسی خیر کی امید نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ ربیع الاول ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٥٤٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٧/٣/١٤٢١ھ

مالدار کا اپنا قرض ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ لینا

سوال: [٤٣٩٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (١) زید ایک زراعت پیشہ آدمی ہے، انکی ملکیت میں آٹھ بیگہ زمین ہے اس آٹھ بیگہ زمین میں سے تین بیگہ زمین بیس ہزار روپئے قرض کے عوض دوسرے کے پاس رہن پر ہے، اس رہن پر رکھی ہوئی زمین کی پیداوار قرض خواہ خود لیتا ہے، زید کو اس سے کچھ نہیں ملتا ہے، اب زید کے پاس پانچ بیگہ زمین زراعت کیلئے ہے نیز زید نے زراعت کیلئے ایک ٹریکٹر بھی خرید لیا ہے، جس کی قیمت تقریباً ساٹھ ہزار ہے، اس ٹریکٹر سے زید اپنی کھیتی کرتا ہے، اور موقع ملنے پر دوسرے کے کھیت کی بھی جوتائی کرتا ہے، مذکورہ صورت حال کے باوجود زید کی مالی حالت بہت خراب ہے کھیت کی پیداوار اور ٹریکٹر کی آمدنی زید کی آٹھ اولاد مع زوجین کے گذر بسر کیلئے ناکافی ہے بہت مشکل سے سال گذرتا ہے قرض کی ادائیگی زمین یا ٹریکٹر فروخت کر کے ہو سکتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ زید کی مذکورہ حالت کے پیش نظر کیا زید کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، تاکہ زید اپنا قرض ادا کر سکے، زید کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ جبکہ ٹریکٹر اور زمین کی قیمت نصاب کو پہونچ جاتی ہے، مفصل ومدلل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں؟

(٢) بالغ اولاد جو غیر شادی شدہ ہیں، اور والدین کی کفالت میں ہیں، کیا والدین کے غنی ہونے سے اس بالغ غیر شادی شدہ اولاد پر بھی غنی ہونیکا حکم لگے گا، اگر یہ محتاج وغریب ہوں تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ غنی اور فقر میں یہ مستقل بنفسہ ہیں یا والدین کے تابع ہیں؟

المستفتي: محمد داؤد، محلّہ، کیتھا، بھاگل پور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زید کے پاس ساٹھ ہزارروپئے کا ٹریکٹر ہے اور زراعت کیلئے ۵ ر بیگہ زمین ہے اس کے علاوہ ۳ ر بیگہ زمین رہن پر رکھی ہوئی ہے، تو اس کیلئے بیس ہزار قرض ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں ہے، اس کو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ، جو ۳ ر بیگہ زمین رہن پر ہے، چاہے اس میں سے بیچ کر اپنا قرضہ ادا کرے یا ٹریکٹر بیچ کر قرضہ ادا کرے ، زید مستحق زکوٰۃ نہیں ہوا ہے، اور رہن پر رکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ اگر کسی وجہ سے قرض ادا نہ کرسکے تو رہن پر رکھی ہوئی چیز فروخت کر کے قرض ادا کر دیا جائے ، یہی رہن کا مقصد ہے، لہٰذا مقصد رہن کے مطابق رہن پر رکھی ہوئی زمین بیچ کر قرضہ ادا کر دے۔

فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة. (شامی، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف ، قبیل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية کراچی ۲/۳۴۷، زکریا ۳/۲۹۶، بدائع الصنائع ، مطبوعه كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة ، زکریا ۲/۱۵۸)

(۲) اگر بالغ اولاد ہے اور باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہیں اور ایک ہی فیملی میں رہتے ہیں، اور ایک ساتھ کھانا پکایا جاتا ہے اور بالغ اولاد اپنی ساری کمائی باپ کو دیتی ہیں، تو ایسی صورت میں ساری دولت کا مالک باپ ہوتا ہے بیٹے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مگر بیٹے کیلئے زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے، جبکہ وہ کمانے پر قادر ہے، اور کما کر باپ کو دیتا ہے، ہاں البتہ دور دراز سفر میں پہونچ جائے فی الجملہ وقتی طور پر باپ کی فیملی میں نہیں ہے، الگ رہتا ہے، جیسا کہ مدارس اسلامیہ کے بالغ طلبہ ہیں، اگر چہ ان کے ماں باپ غنی ہوں مگر یہ کماتے نہیں ہیں، اور دور دراز رہتے ہیں، اسلئے ان بالغ لڑکوں کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنا جائز ہے، اسی طرح وطن میں رہکر باپ کی فیملی سے الگ رہے کھانا پینا الگ رہے ان کی سالانہ آمدنی نصاب کو نہ پہونچے تو ان کے لئے بھی زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الإبن في عياله لكونه معيناله . (شامی، کتاب

التركة ، مطلب اجتمعافی دار واحدة ، واكتسابا ولا يعلم التفات فهو بينهما بالسوية كراچی ٤ /٣٢٥، زكريا ديوبند٦ /٥٠٢)

وابن السبيل (وتحته في فتح القدير) فيجوز له أن يأخذ وإن كان له مال في وطنه لايقدر عليه للحال . (هدايه ، مع الفتح ، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز زكريا ديوبند ٢/ ٢٦٩، كوئٹه ٢/ ٢٠٥ ، دارالفكر مصرى قديم ٢/ ٢٦٤)

الملك في المدفوع نفع لمولاه وهو غني فكان دفعا إلىٰ الغني. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة، زكريا ٢/ ١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

غیر مستحق کا زکوٰۃ لے کر تجارت کرنا

سوال: [۴۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص زکاۃ دینے کے قابل نہیں ہے، مگر وہ زکاۃ لے کر (تقریبا ۶۰ ؍ ہزار روپئے کی) تجارت کرنا چاہتا ہے، تو کیا وہ یہ زکاۃ ۶۰ ؍ ہزار روپیہ کی کثیر رقم لیکر تجارت کرسکتا ہے، اگر نہیں تو اس زکاۃ کی رقم کو بطور قرض استعمال کرسکتا ہے، اگر کرسکتا ہے، تو کس طرح کیونکہ تجارت میں نفع اور نقصان دونوں ہی ہوتے ہیں؟

نوٹ: رقم ۶۰ ؍ ہزار سے زیادہ لمبی ہوسکتی ہے؟

المستفتي: ڈاکٹر شمیم انور، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فقراء اور مساکین کی ضرورت پوری کرنے کے لئے فرض فرمایا ہے، اس لئے نہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے کسی کی

تجارت کوفروغ دیا جائے ،اور مستحقین کواس سے محروم کردیا جائے،اس لئے مذکورہ شخص کو تجارت کے لئےاتنی بڑی رقم کی زکوٰۃ دینا جائزنہ ہوگا،اور نہ ہی زکوٰۃ کی رقم کوبطورقرض دینا جائزہے،اللہ تعالیٰ نےقرآن کریم میں ارشادفرمایا کہ زکاۃ کے مستحق صرف فقیرومسکین ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ. (سورة التوبة: ٦٠)

نیز حدیث شریف میں ایسے شخص کو مال زکوٰۃ حاصل کرنے سے سختی سے منع کیا گیا جو صحیح وتندرست اور کمانے کی قدرت رکھتا ہو۔

لایحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوى. (ترمذی شریف، الزکاة، باب ماجاء فی فضل الصدقة ، النسخة الهندية ١/ ١٤٢، دارالسلام رقم: ٦٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۴۴۴)

کاروبارشروع کرنے کیلئے مدزکوٰۃ سے کتنی رقم دے سکتے ہیں؟

سوال: [۴۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ مد زکوٰۃ سے کسی کو کاروبار کے واسطے دینے کی کیا کوئی حدمقرر ہے، کیا اتنی ہی رقم دیجاسکتی ہے جتنی صاحب نصاب نہ بنائے یااس حد سے زیادہ بھی کاروباری ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئےرقم دی جاسکتی ہے؟

المستفتي: محمداختر شمسی، پیراماؤنٹ ٹریڈنگ کارپوریشن، طویلہ اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس کودیا جائے وہ اگرزکوٰۃ کامصرف ہےاور کاروبار اورتجارت ہی کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ دیاجارہاہے، تو صرف نصاب کے برابر دیاجاسکتاہے،اس سے زیادہ دیناناجائزاورمکروہ ہے، نیزاگراس کودیا جارہاہے، اس کے پاس پہلے سے کچھ رقم موجودہے،تونصاب پوراہونے میں اس رقم کابھی حساب رکھنا چاہئے۔

وکرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر وتحته فی الشامیة عن هشام قال سألت أبا یوسفؒ عن رجل لهٗ مائة وتسعة وتسعون درهما فتصدق علیه بدرهمین قال یأخذواحداً ویرد واحداً الخ. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الاصلیةزکریا ۳/ ۳۰۳، کراچی ۲/ ۳۵۳، مجمع الانهر، کتاب الزکاة، قبیل باب صدقة الفطر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۶۶)

تجارت کوفروغ دینے کیلئے زکوٰۃ حاصل کرنا

سوال: [۴۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کاروباری قرضدار ہے، اوراسکا کاروبار بند ہے، وہ اپنا مشکل سے گذارا کررہا ہے ب ت ث سے قرضہ لیا زکوٰۃ کے پیسہ سے الف کے پاس اب کچھ خدا کی طرف سے غیب سے مدد ہوئی ہے وہ اپنا کام چلانا چاہتا ہے لیکن کچھ مزید اور پیسوں کی ضرورت ہے اب وہ ب سے ضرورت طلب کرتا ہے جوکہ صاحب حیثیت ہے اوران کے پاس زکوٰۃ کا پیسہ دینے کیلئے ہے، الف، ب سے زکوٰۃ کے نام سے لیکر کام چلاسکتا ہے، یانہیں؟ جبکہ ب کو معلوم ہے یہ کاروبار کیلئے لے رہے ہیں، زکوٰۃ کا پیسہ دینے میں ب کو اس بات کا شک ہے میں الف کو کاروبار کی کمی پورا کرنے کیلئے یہ پیسہ دوں یانہ دوں، اگر الف نے یہ پیسہ واپس نہیں کیا تو کیا ب پر سے زکوٰۃ اداہوجائیگی اورالف کو یہ پیسہ لینا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: عنایت کریم، حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تجارت کوفروغ دینے کیلئے زکوٰۃ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ قرض کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ کی رقم حاصل کرنا جائز ہے، اوراگر قرض کی مقدار وافر انداز میں ہے، تواسی تناسب سے وافر مقدار کی زکوٰۃ حاصل کرنا بھی اداءِ قرض کیلئے جائز ہے۔

وکره إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر إلا إذاکان المدفوع إلیه مدیوناً الخ. (در مختار، کتاب الزکاة، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الأصلیة زکریا دیوبند ۳/۳۰۳، کراچی ۲/۳۵۳)

قال محمدؒ فی الأصل: إذا أعطی من زکاته مائتي درهم أو ألف درهم إلیٰ فقیر واحد، فإن کان علیه دین مقدار ما دفع علیه.... فإنه یجوز ولایکره. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثامن من توضع فیه الزکاة، زکریادیوبند ۳/۲۲۱، رقم: ۴۱۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۸۴/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۲۷ھ

کاروباری مقروض فقیر کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کافی مقدار میں مقروض ہو چکا ہوں معمولی کاروبار ہے اور کاروبار بھی کسی سے دس ہزار روپیہ قرض لیکر کیا ہے، اور اس میں صرف دو ہزار کا سامان ہی رہ گیا ہے، باقی سب گھر میں خرچ ہو چکا ہے، اور ان پیسوں کی جو آمد ہوتی ہے، وہ بھی گھر میں خرچ ہو جاتی ہے، ذہن بہت پریشان ہے کیا ایسی صورت میں میرے لئے زکوٰۃ لینا درست ہے، اور زکوٰۃ کی رقم سے اپنا قرض ادا کرسکتا ہوں؟

المستفتي: محمد اقبال، دریبہ پان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کی دوکان سے آپ کا اور آپ کے اہل خانہ کا گذر بسر نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آپ مقروض بن گئے ہیں، اور یہاں تک حالات پیش آ گئے ہیں کہ آپ واقعی مستحق زکوٰۃ بن گئے ہیں، تو ایسی صورت میں آپ کیلئے زکوۃ لے کر ضرورت پوری کرنا اور قرضہ ادا کرنا جائز ہے، لیکن یاد رکھئے کہ تجارت کو

فروغ دینے کیلئے زکوٰۃ نہ لی جائے۔

وذكر في الفتاوىٰ فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لاتكفيه وعياله أنه فقير، ويحل لهٗ أخذ الصدقة عند محمدؒ . (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصيربه غنية، كراچی ۲/۳٤۸، زكريا ديوبند۳/۲۹٦، الفتاوىٰ التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند۳/۲۱٦، رقم: ٤١٦٧، المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/۲۱٦، رقم: ۲۷۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۶ھ

تجارتی مقروض کو زکوٰۃ دینے کا شرعی حکم

سوال: [۴۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بطور مضاربت عبد اللہ نے پانچ سرمایہ داروں سے پیسے لیکر اس کو عمر کے پاس کاروبار میں لگایا عمر نے اس کو تیسری جگہ لگایا، ایک زمانہ تک عبد اللہ کو جو نفع ملتا رہا وہ فیصد کے حساب سے ارباب اموال کو نفع دیتا رہا پھر اچانک عمر نے جس جگہ پیسہ لگایا تھا، اس فریق ثالث نے وہ پیسہ ہڑپ لیا، اب سرمایہ داروں نے عبد اللہ سے مطالبہ شروع کیا اور چونکہ عبد اللہ پورے پیسے کاروبار میں لگا چکا تھا، اس لئے وہ بالکل تنگدست اور فقیر ہوگیا، اور عمر نے بھی وہ سارے پیسے کاروبار میں لگا دیئے تھے، تو دونوں بالکل کنگال ہوگئے، اب ہم لوگوں نے آپس میں زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے پہلے عبد اللہ کو دی کہ وہ اپنے قرض خواہوں کا قرضہ ادا کرے، پھر ہم نے دوبارہ زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے عمر کو بھی بڑی رقم زکوٰۃ کی دی تا کہ وہ عبد اللہ کا قرضہ ادا کرے، اور عبد اللہ جو بالکل کنگال ہو چکا ہے، عمر کی طرف سے ملنے والی اس رقم سے کاروبار شروع کردے، تو عبد اللہ کیلئے اس پیسہ کو لیکر اپنے ذاتی استعمال یا کاروبار میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارا مقصود یہ

ہے کہ عبداللہ اور عمر اپنے قرضداروں سے سبکدوش ہوجائیں، اور عبداللہ چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرکے اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب عبداللہ کو عمر کی طرف سے قرضہ کی واپسی کی شکل موجود ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے عبد اللہ کا قرضہ چکا کر عبد اللہ کا کاروبار شروع کرانا، قطعی طور پر جائز نہیں ہے، یاد رکھیں کہ زکاۃ کی رقم کے مستحق فقراء اور مساکین ہی ہوتے ہیں، تجارت کو فروغ دینے کیلئے قرضہ ادا کرنے کے نام سے زکاۃ کے پیسے کو گھما پھرا کر ایک شخص کو دینا جائز نہیں ہے، اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ حضرات فقہاء نے مقروض کو اپنا قرض ادا کرنے کیلئے زکاۃ دینے کی جو گنجائش لکھی ہے اس سے مراد فقہاء کے زمانہ کا قرض ہے، اس زمانہ میں وہی شخص مقروض ہوا کرتا تھا، جسکو اپنے گھر میں خود کھانے اور بال بچوں کے کھانے کے لئے نہیں ہوتا تھا، وہ اپنے اور بال بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے دوسروں سے قرض لیتا تھا، پھر اس قرض کی ادائیگی میں پھنسا رہتا تھا، ایسے مقروض کو زکاۃ دینے کو فقہاء نے جائز لکھا ہے، یہاں پر یہ شکل قطعاً نہیں؟ بلکہ یہاں تجارت کو فروغ دینے ہی کی شکل ہے، نیز سوالنامہ میں اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے، کہ عبداللہ نے چار پانچ آدمیوں سے مضاربت کا پیسہ لیا تو اس نے کیوں لیا، اور دوسرے شخص کو کیوں دیا ہے، اور وہ اس نے کس کاروبار میں لگایا ہے یا کس کو دیا یہ صرف نام کی مضاربت ہے۔

كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (هنديه، قديم ۶/ ۳۹۰، جديد ۶/ ۳۹۳، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا ديوبند ۶/ ۳۹۰، عمدة القارى، دار إحياء التراث العربي ۲۴/ ۱۰۹، زكريا ديوبند ۱۶/ ۲۳۹، تحت رقم الحديث: ۶۹۵۳، الفتاوىٰ التاتار خانية، زكريا ۱۰/ ۳۱۱، رقم: ۱۴۸۴۵)

ليس له أن يبيع ما اشتریٰ إلا بأمر رب المال فإن باع بغير أمره فحكمه كحكم بيع الفضولي لايجوز إلا بإجازة المالك . (هنديه، كتاب المضاربة، الباب الأول زكريا ديوبند ٤/ ٢٨٥، جديد٤/ ٢٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

تجارتی مقروض مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ہٹا کٹا شخص ہوں، مگر کانوں سے بہرہ اور ٹانگوں سے تھوڑا کمزور ہوں، ایک زمانے سے بہت زیادہ تنگ دستی، بے روزگاری، اور بہت زیادہ قرض میں مبتلا ہوں، اور اللہ کے فضل وکرم سے بہت عزت دار بھی ہوں، قرضداروں نے بہت پریشان کرر کھا ہے، قرض کی ادائیگی کیلئے کچھ بھی اسباب میرے پاس نہیں ہیں، تو کیا میں قرض ادا کرنے کیلئے کسی مالی مدد زکوٰۃ وغیرہ لینے کا مستحق ہوں یا نہیں؟ اور میں صاحب نصاب بھی نہیں ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ پر غور کیا گیا اس کے بعد شرعی حکم واضح کیا جاتا ہے، ہمارے مرادآباد میں قرض کے شکار دو قسم کے لوگ ہیں۔

(۱) ایک وہ غریب اور محنت کش لوگ ہیں، جو اپنی محنت ومزدوری اور معمولی کاروبار سے گذارہ کررہے ہیں، اور بے روزگاری کی وجہ سے اپنے اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے دوسروں سے قرض لیکر بچوں کی روٹی روزی کا انتظام کرتے ہیں، اور پھر محنت ومزدوری کے پیسے قرضہ کی ادائیگی کیلئے نہیں ہوپاتے تو ایسے لوگوں کے قرض کی ادائیگی کیلئے زکاۃ دہندگان کا اپنی زکوٰۃ دینا اور ان کا زکوٰۃ لیکر اپنا قرض ادا کرنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

(۲) دوسرے قسم کے قرضدار وہ لوگ ہوتے ہیں، جو بڑے اور اونچے کاروبار کرتے

ہیں، اور سرمایہ داری اور تجارت کو فروغ دینے کیلئے کبھی سرکار سے قرض لیتے ہیں، اور کبھی سرمایہ دار دوستوں سے قرض لیتے ہیں، ایسے قرض کی ادائیگی کیلئے زکاۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ فقراء اور غرباء کا حق ہے، اور بسا اوقات لوگ ایسا بھی کرتے ہیں، کہ کوئی چیز مہنگے ریٹ میں ادھار میں خریدتے ہیں، مثلاً کوئی چیز ۲۲۰/روپیہ ادھار میں خرید کر ۲۰/روپئے کا نقصان اٹھا کر ۲۰۰/روپیہ میں فروخت کردیتے ہیں، تاکہ نقد پیسہ ہاتھ میں آجائے، اور اس طرح کرتے ہوئے دسیوں لاکھ روپیہ اپنے اوپر قصداً قرض میں چڑھا لیتے ہیں، یہ ضرورت کا قرض نہیں ہے، بلکہ بالقصد دوسروں کے پیسے کو ہڑپ کرنا ہے، پھر اس طرح کے قرض لینے کے بعد دوسرے سرمایہ داروں سے اس قرض کی ادائیگی کے لئے دسیوں لاکھ کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں، ایسے قرض کی ادائیگی میں زکاۃ دہندگان کا اپنی زکوٰۃ دینا ناجائز اور فقراء و مستحقین کی سخت ترین حق تلفی ہے، اس طرح قرض لینے والے اپنی جائیداد، اپنا گھر سب کچھ بیچ کر اپنا قرض ادا کریں۔

عن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من اقتطع مال امرئٍ مسلم بيمين كاذبة ، لقي الله وهو عليه غضبان ، قال عبدالله : ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم ، مصداقه من كتاب الله تعالىٰ : إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمناً قليلاً ،أولئک لا خلاق لهم فى الآخرة ولا يكلمهم الله الآية .

(بخاری شريف، كتاب التوحيد، باب وجوه يومئذ ناضرة إلىٰ ربها ناظره، النسخة الهندية ۱۱۰۹/۲، رقم: ۷۱۴۵، ف: ۷۴۴۵)

عن أبي أمامة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من اقتطع حق امرئٍ مسلم بيمينه ، فقد أوجب الله له النار، وحرم عليه الجنة ، فقال لهٗ رجل : وإن كان شيئا يسيراً يارسول الله قال: وإن قضيباً من أراک . (مسلم شريف ، الإيمان ، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار ، النسخة الهندية ۱/ ۸۰، بيت الأفكار رقم: ۱۳۷ ، نسائی شريف، القضاء في قليل الماء و كثيره ، النسخة الهندية ۲/ ۲۶۳، دارالسلام رقم: ۵۴۲۱، سنن الدارمي دارالمغنى ۳/ ۱۶۹۶، رقم: ۲۶۴۵، مسند أحمد بن حنبل

۲۶۰/۵، رقم: ۲۲۵۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۳۱ھ

سودی قرض ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بینک سے سود پر ایک لاکھ کی رقم لیکر کپڑے کی دکان کھولتا ہے، تجارت کرتا ہے، پھر دوسرے بینک سے ایک لاکھ رقم سود پر لیکر ایک مکان بنوا کر اس میں رہتا ہے، پھر ایک اچھی موٹر کار قسطوں پر لیتا ہے، اچھا کھاتا پیتا ہے، گھر میں فرنیچر وغیرہ بھی اچھا خاصہ ہے لیکن یہ تمام چیزیں مکان دوکان موٹر وغیرہ بینکوں کے پیسوں سے ہیں، گاڑی بھی ادھار سے ہے، اب اگر اس شخص کے پاس جتنا اس نے بینکوں سے قرضہ لیا ہے، اس رقم سے اگر پچاس ہزار کا خسارہ ہو تو کیا اس باقی گاڑی کا قرضہ اور بینک کا ایک لاکھ پچاس ہزار کا مال موجود ہوتے ہوئے یہ شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ یعنی پچاس ہزار تک کی رقم زکوٰۃ سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد اللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سود پر قرض لیکر کاروبار کرنا مکان وغیرہ تعمیر کرنا جائز نہیں ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا ومؤکله، النسخة الهندیة ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸)

لیکن جب اسکو خسارہ ہوگیا اور اس کے پاس قرض ادا کرنے کے بقدر رقم نہیں رہی

بلکہ اسمیں پچاس ہزار روپیہ کم ہوگئے تو ایسی صورت میں یہ شخص مقروض شمار کیا جائیگا، اوراس کو قرض ادا کرنے کیلئے مدز کوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔

وفی الدر المختار مصرف الزكاة (إلیٰ ان قال) مديون لايملک نصاباً فاضلاً عن دينه. (درمختار مع الشامی، کتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديو بند۳/۲۸۹، کراچی ۲/۳۴۳)

ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولايملک نصاباً فاضلاً عن دينه أو كان له مال على الناس لايمكنه أخذه والدفع إلى من عليه الدين أولىٰ من الدفع إلى الفقير. (عالمگیری، کتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف، زكريا ديو بند ۱/۱۸۸، جدید ۱/ ۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ

غریب قاتل کوزکوٰۃ دینا

سوال: [۴۴۰۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سوسائٹی جس کا نام عباس ویلفئر آرگنائزیشن رجسٹرڈ ہے میں (محمد یسین) اس کمیٹی کا صدر ہوں ہم لوگوں نے پبلک سے جو روپیہ اکھٹا کیا ہے، وہ روپیہ فطرہ، چرم قربانی وغیرہ زکوٰۃ وصدقات سے وصول کیا گیا ہے، اس روپیہ کو ہم یتیم، بیوہ، مریض ودینی تعلیم پرخرچ کرتے ہیں، ہمارے پاس ایک ایسے شخص کی درخواست آئی ہے جوکہ مسلمان ہے لیکن اس شخص نے ایک مسلمان بھائی کوقتل کیا ہے، وہ نہایت ہی کمزور وغریب آدمی ہے، اوراسکی والدہ بیوہ ہیں، اور یہ شخص اسوقت جیل میں بند ہے، اوراسکی والدہ نے قتل کیس کے لئے ہم لوگوں سے مدد کی درخواست کی ہے آپ سے گذارش والتماس ہے کہ ہم لوگ اس شخص کی اس روپیہ سے مدد کرسکتے ہیں، یانہیں؟ آپ اس کیلئے ہمیں مشورہ وفتویٰ دیں، آپ کی مہربانی ہوگی۔

المستفتي: محمد یاسین، عباسی ویلفئر
آرگنائزیشن رجسٹرڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ قاتل شخص اگر غیر مالک نصاب غیر سید ہے، تو اسکو دینے سے زکوٰۃ صدقہ فطرہ وغیرہ ادا ہوجائے گا، البتہ مومن کے قاتل کی مدد اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے دینے والا گنہگار ہوگا۔

قولہ تعالیٰ: وَلاتَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورۃ المائدۃ: ۲۰)

نیز ضروری بات یہ ہے کہ مذکورہ سوسائٹی کے صدر سے زبانی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وصدقہ فطر، اور چرم قربانی کا پیسہ بچوں کوتعلیم دینے والے استادوں کی تنخواہوں وغیرہ میں بھی دیا جاتا ہے، جس سے زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادانہیں ہوتی ہے، اس طرح صدقہ فطرہ وغیرہ بھی ادانہیں ہوتا ہے، اسلئے کہ ان میں تملیک فقراء شرط ہے، جو یہاں مفقود ہے لہذا مذکورہ سوسائٹی میں زکوٰۃ وصدقہ، فطرہ وغیرہ دینے والوں کی زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ وغیرہ ادانہیں ہوگا، دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحۃ الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۴۴، زکریا۳/۲۹۱)

ولا تدفع إلیٰ غني یملک نصاباً الخ. (ملتقیٰ الأبحر، کتاب الزکاۃ، باب في بیان أحکام المصرف مصری قدیم ۱/ ۲۲۳، دارالکتب العلیمہ بیروت جدید ۱/ ۳۲۸، البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا۲/ ۴۲۶، کوئٹہ ۲/ ۲۴۴، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف کوئٹہ وزکریا۱/ ۱۸۹، جدید۱/ ۲۵۱، زیلعی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۱/ ۱۲۳، کوئٹہ ۱/ ۳۰۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ جمادی الاُخریٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۷۱)

شیعہ کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا کسی شیعہ کو زکوٰۃ کی مد میں سے امداد کی جاسکتی ہے، کیونکہ زیادہ لوگ (شیعہ حضرات) اپنے آپ کو سید کہتے ہیں، اور میری معلومات میں یہ ہے کہ سید حضرات کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، برائے مہربانی تفصیلی جواب سے نوازیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: حسنین اختر، قانون گویان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیعہ غالی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ان کا ذبیحہ بھی جائز نہیں ہے، اور ان کے ساتھ بیاہ شادی بھی جائز نہیں ہے، اور ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ وہ سید ہیں، وہ سب جعلی طور پر اپنے آپ کو سید کہتے ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۰)

ولا یجوز صرفها لأهل البدع كالكرامية لأنهم مشبهة فی ذات الله وكذا المشبهة فی الصفات وقال الشامی، تحت هذه العبارة: عبارة البزازية ولايجوز صرفها للكرامية الخ. فالمراد هنا بالبدع المكفرات الخ.

(الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۴، ۳۰۵، كراچی ۲/ ۳۵۴، سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العليمة بيروت ۱/ ۳۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

کیا شیعہ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

سوال: [۴۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضرورت مند شیعہ حضرات کو زکوٰۃ کی مد میں سے رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب اختر، قانون گویان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ شیعہ جن پر کفر کا فتویٰ صادر ہوچکا ہے، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۱)

ولا يجوز صرفها لأهل البدع (تحته فى الشامية) فالمراد هنا بالبدع المكفرات الخ. (الدر مع الرد ، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٤، كراچى ٢/ ٣٥٤، سكب الأنهر على هامش مجمع الانهر ، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف ، دارالكتب العليمة بيروت ١/ ٣٣٢)

وعند الحنفيةؒ : يجوز إعطاء الزكاة للمنتسبين إلىٰ الإسلام من أهل البدع ، وإن كانوا من الأصناف الثمانية ، مالم تكن بدعتهم مكفرة مخرجة لهم عن الإسلام. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٣/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۳۸)

غریب غیر مسلم کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا

سوال: [۴۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غریب غیر مسلم کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا کیسا ہے، کیا زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟

المستفتي: قاری تحسین، مدرس مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم فقیر کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ : ..... فإن هم أطاعوا لک بذلک فأخبرهم، أن الله قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم ترد على فقرائهم، الحديث: (صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء، النسخة الهندية ١/٢٠٢، رقم: ١٤٧٤، ف:١٤٩٦، صحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين، النسخة الهندية ١/٣٦، بيت الأفكار رقم: ١٩٠)

لاتدفع إلىٰ ذمي الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند٣/٣٠١، كراچی ٢/٣٥١)

ولايجوز أن يدفع الزكاة إلىٰ ذمي. (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، اشرفيه ديوبند١/٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧؍ربیع الاول ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٧/ ٢٦٠٨)

زکوٰۃ وصدقۃ الفطر غیر مسلم کو دینا

سوال: [٤٤٠٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم کو زکوٰۃ کا مال یا اسی طرح سے صدقۃ الفطر اور عشر دینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: اسرار الحق، مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کو زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کے ذمہ سے فریضہ ساقط نہ ہوگا۔

ولا تدفع إلىٰ ذمي وجاز دفع غيرها وغير العشر والخراج إليه. (شامی، كتاب الزكاة، با المصرف كراچی ٢/٣٥١، زكريا٣/٣٠١)

غیر مسلم کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں ہے، لیکن اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے،

بعض فقہاء نے ناجائز کہا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے گنجائش بتائی ہے، لیکن ان حضرات کے نزدیک بھی کافر کے مقابلہ میں مسلمان فقیر کو دینا بہتر ہے، اور زیادہ افضلیت اور ثواب کا باعث ہے۔

واختلفوا فی صدقة الفطر ..... قال أبو حنیفةؒ ومحمدؒ یجوز إلا أن فقراء المسلمین أحب إلینا کذا فی شرح الطحاوی. (عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند۱/۱۸۸، جدید ۱/ ۲۵۰، ھکذا فی الشامی، کراچی ۲/ ۳۵۱، زکریا۳/۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/محرم الحرام۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/۷۰۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱/۱۴۲۲ھ